تاریخ ارض القرآن

سید سلیمان ندوی

مکتبہ قاسم العلوم

تاریخ ارض القرآن

سید سلیمان ندوی

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب

تاریخ ارض القرآن

مصنف

سید سلیمان ندوی

اہتمام ———— ملک اسد علی قاسمی
مطبع ———— نوید حفیظ پریس
ناشر ———— مکتبۃ قاسم العلوم

ڈسٹری بیوٹرز

ملک اینڈ کمپنی

رحمان مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور، پاکستان
042-37231119 , 0321-4021415

فہرست مضامین

تاریخ ارض القرآن حصہ اول

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
فہرست مضامین		ادبیات اسرائیلیہ	۳۱
۳ - ۸	۳	توراۃ	۳۱
دیباچہ طبع جدید		ادبیات یونانیہ ورومانیہ	۳۳
۹	۹	اکتشافات اثریہ	۳۸
پیش لفظ		یمن	۴۲
۱۰ - ۱۱	۱۰	عسیر	۴۳
تاریخ ارض القرآن	۱۲	جوف اور مارب	۴۴
سرمایۂ ارض القرآن	۱۷	حضر موت	۴۵
ادبیاتِ اسلامیہ	۱۷	عمان	۴۶
قرآن مجید	۱۸	حجاز	۴۶
روایاتِ تفسیر	۱۸	نجد	۴۸
اسرائیلیات	۱۸	شمالی عرب	۴۸
کتب تفاسیر	۲۰	حدودِ سفر	۵۰
تاریخ عرب	۲۰	آثار شہر پناہ وقلعہ	۵۱
جغرافیۂ عرب	۲۴	آثار بند	۵۲
انساب	۲۸	آثار حجریہ ونحاسیہ	۵۳
طوطمیت	۳۰	مہر، سکہ، قیمتی پتھر	۵۴

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
عمارات منہدمہ	۵۴	ربات موات	۷۷
تاریخ قدیم کے بعض اصول	۵۶	بصریٰ	۷۷
اصولِ تعیین زمانہ	۵۶	الرقیم	۷۷
اصول تطبیق اسماء	۵۷	رباط عمون	۷۷
اصول اتحاد اسماء والسنہ	۵۹	قبائل عرب	۷۸
انتہابات	۶۰	عادارم	۷۸
جغرافیۂ عرب	۶۴	ثمود	۷۹
جغرافیۂ عرب از تورات	۶۶	حضرموت	۷۹
عہد عاد و ثمود و مدین وایکہ وادوم	۶۶	قیدار	۷۹
عرب کے نام	۶۶	جغرافیۂ عہد قرآن	۸۵
اقطاع عرب	۶۷	ملک عرب	۸۵
عرب کے شہر و مقامات	۶۸	حدود عرب	۸۵
قبائل عرب	۷۰	مساحت عرب	۸۶
جغرافیۂ عرب از مصنفین یونان		طبعی حالات	۸۶
وردمان	۷۱	حاصلات عرب	۸۸
ثمود ثانیہ، سبا، قوم تبع اور		اقطاع عرب	۸۹
اصحاب الحجر کا عہد	۷۱	عروض	۹۰
حدود عرب	۷۲	یمامہ	۹۰
اقطاع عرب	۷۲	بحرین	۹۱
مقامات عرب	۷۵	عمان	۹۱
تدمر	۷۷	نجد	۹۳

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
یمن	۹۵	طبقہ اولیٰ	۱۲۸
حضرموت	۹۶	امم سامیہ اولیٰ	۱۲۸
بلاد الاحقاف	۹۷	عاد	۱۳۲
صنعائے یمن	۹۷	لفظ عاد	۱۳۲
نجران	۹۸	عاد کا زمانہ	۱۳۲
عسیر	۹۸	عاد کا مقام	۱۳۳
حجاز	۹۹	عاد کی سلطنتیں	۱۳۴
مکہ یا بکہ	۹۹	بیرون عرب	۱۳۵
مدینہ منورہ	۱۰۰	عرب سامیہ یا عاد بابل میں	۱۳۵
طائف	۱۰۱	اہل عرب کا دعویٰ	۱۳۵
جوف، ثمود، تبوک، خیبر، مدین	۱۰۲	اہل ایران کا بیان	۱۳۶
عرب شام	۱۰۳	تورات کا بیان	۱۳۶
عرب عراق	۱۰۴	اہل عراق کا بیان	۱۳۷
اقوام ارض القرآن	۱۰۵	تحقیقات جدیدہ	۱۳۸
امم سامیہ	۱۰۵	چار ہزار قبل مسیح	۱۴۰
امم سامیہ کا مسکن اول	۱۰۹	حکومت کش وغشیان وارخ	۱۴۲
مسکن اول سے ہجرت	۱۱۸	حکومت اغاد	۱۴۲
نقشہ	۱۲۳	۲۴۰۰ر قبل مسیح	۱۴۴
امم سامیہ کے انساب	۱۲۴	عرب سامیہ یا عاد مصر میں	۱۴۷
طبقات انساب	۱۲۴	روایات عرب	۱۴۷
شجرۂ اقوام ارض القرآن بمطابقت توراۃ	۱۲۶	اہل مصر کا بیان	۱۴۸

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
قرائین تورات	۱۵۱	جرہم	۱۹۹
عرب سامیہ	۱۶۱	طسم وجدیس	۲۰۵
اسیریا	۱۶۱	اہل معین	۲۰۸
ایران	۱۶۲	معین اور اکتشافات جدیدہ	۲۰۸
فینیقہ	۱۶۲	معین کا زمانہ	۲۱۱
قرطاجنہ	۱۶۲	معین اور یونانی مؤرخین	۲۱۳
یونان وکریٹ	۱۶۳	معین کا دائرۂ حکومت	۲۱۶
عاد اور قرآن	۱۶۴	شاہان معین	۲۱۸
بعثت ہود علیہ السلام	۱۶۷	بنی لحیان	۲۲۰
تنبیہات	۱۷۶	مجہول قبائل سامیہ	۲۲۱
اندرون عرب	۱۷۸	طبقۂ ثانیہ	۲۲۱
عاد ثانیہ یا عاد عرب	۱۷۸	بنوقحطان	۲۲۲
حضرت لقمان علیہ السلام	۱۷۹	الموواد	۲۲۲
عاد ثانیہ کی تاریخ اثری	۱۸۲	شلف	۲۲۳
عدن	۱۸۴	نقشہ	۲۲۴
ثمود	۱۸۶	ہدورام	۲۲۴
حضرت صالح علیہ السلام	۱۸۹	اوزال	۲۲۴
حسب سنت الٰہی حضرت ہود علیہ		وقلاہ	۲۲۴
السلام اور صالحین ثمود کو اس عذاب		عوبال	۲۲۴
سے نجات مرحمت ہوئی	۱۹۵	ابی مائل	۲۲۴
ثمود ثانیہ یعنی بقایائے ثمود	۱۹۶	اوفر	۲۲۵

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
حویلہ	۲۲۵	نقشہ	۲۵۲
یوباب	۲۲۵	جنتین عن یمین وشمال	۲۵۳
یارح یا یعرب	۲۲۶	جنت سبا اور قرآن مجید	۲۵۳
حصارموت یا حضرموت	۲۲۹	ملکہ سبا	۲۵۷
حضرموت اور تورات	۲۳۰	ملکہ سبا اور قرآن مجید	۲۵۸
حضرموت اور یونان	۲۳۱	بعض شکوک کا ازالہ	۲۶۵
نقشہ	۲۳۲	سبا کا مذہب	۲۶۸
حضرموت اور آثار قدیمہ	۲۳۳	سبا کا تفرق وانتشار	۲۶۹
حضرموت اور اسلام	۲۳۳	بنو کہلان کیا قحطانی ہیں؟	۲۷۲
سبا	۲۳۵	حمیر یا سبا کا طبقۂ ثالثہ ورابعہ	۲۷۴
نام	۲۳۵	قوم تبع اور اصحاب الاخدود	۲۷۴
زمانہ	۲۳۵	لفظ حمیر	۲۷۴
دائرۂ حکومت	۲۳۷	مملکت حمیر	۲۷۶
سبا اور اس کی شاخوں میں امتیاز	۲۳۷	حمیر کا زمانہ	۲۷۷
فرماں روایان سبا	۲۳۹	حمیر کے طبقات	۲۷۸
مکارب سبا	۲۴۲	شاہان حمیر	۲۷۹
ملوک سبا	۲۴۴	طبقہ اول کے صحیح نام اور زمانے	۲۸۳
سبا کی تقسیم وتنظیم	۲۴۶	طبقہ اول کے حالات سیاسی	۲۸۵
سبا کے تمدنی وتجارتی حالات	۲۴۷	طبقہ ثانیہ یا تبابعہ	۲۸۷
سبا کی عمارتیں	۲۵۱	لفظ تبع	۲۸۷
سد مارب	۲۵۱	قرآن وتبع	۲۸۸

مضمون	صفحہ
تابعہ کی تعداد	۲۸۹
تابعہ کے نام اور زمانے	۲۸۹
افسانہ ہائے حمیر	۲۹۲
تابعہ کے تمدنی وسیاسی اور مذہبی حالات	۲۹۴
اصحاب الاخدود	۲۹۶
اصحاب الفیل یا سبائے حبش	۲۹۸
حبش کی اصلیت	۲۹۸
حبش اور حمیر	۳۰۲
اکسوم کے نجاشی	۳۰۳
یمن کا آخری سقوط	۳۰۴
عیسائیت ویہودیت کا تصادم	۳۰۷
ابرہۃ الاشرم	۳۰۹
واقعۂ فیل	۳۱۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم

احمدك يا من "دحى الارض" وبث فيها رجالا كثيرا ونسآء و"اسكن" بواد غير ذى ذرع" من ذريتهم" شعوبا وقبائل "ذات العماد" والبطش الشديد" والبسط فى الخلق" من قوم نوح واصحاب الرس وثمود وعاد وفرعون واخوان لوط واصحاب الايكة وقوم تبع كل كذب الرسل فحق وعيد" فمزقهم كل ممزق وجعلهم احاديث" واصلى واسلم على النبى الابراهيمى الاسمٰعيلى القيدارى المضرى القريشى الهاشمى، وعلى صحبه العدنانين والقحطانيين اجمعين۔

آج مسلمانوں کا وطن تمام دنیا ہے تاہم مولدِ اسلام، موطنِ رسالت، مہبطِ قرآن دنیا کا صرف ایک ہی گوشہ ہے یعنی عرب جس کو مادی زرخیزی کی محرومی نے گو "بن کھیتی کی زمین" (وادی غیر ذی زرع) کا خطاب دیا لیکن جس کی روحانی سیر حاصلی کی فراوانی کا یہ عالم ہے کہ آج دنیا میں جہاں بھی روحانی کھیتی کا کوئی سرسبز قطعہ موجود ہے اسی کشتِ زارِ الٰہی کے آخری کسان صلی اللہ علیہ وسلم کی تخم ریزی و آب سیری کا نتیجہ ہے۔

اس مہبطِ وحی قرآنی اور موطنِ اولِ اسلام کی تقدیس اس بوڑھے پیغمبر (ابراہیمؑ) کے نام سے ہے جس نے اپنے جوان بیٹے (اسمٰعیلؑ) کے خون سے اس "بن کھیتی کی زمین" سیراب کرنا چاہا، جس کی سیرابی گردن کے خون سے مقدر نہ تھی، بلکہ دل کے خون سے تھی، جب دل کا خون اس پر برسا تو یہ شورو بے حاصل قطعہ حسبِ پیشین گوئی سابق لہلہا اٹھا:

ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـٔـَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ (الفتح ۴۸:۲۹)

پیروان محمد کی مثال توراۃ وانجیل میں یہ ہے کہ وہ ایک کھیتی ہیں جس کا ڈنٹھل نکلا، مضبوط ہوا، تنہ پر کھڑا ہوا، کاشت کار دیکھ کر خوش ہوتے ہیں تا کہ کافر غم زدہ ہوں۔

اس زمین کے مادی حصہ کی مادی شوری و بے حاصلی، حکمتِ الٰہی کا مقتضا تھی کہ سلاطینِ عالم کے دستِ حرص وہوس سے اس ارضِ مقدس کی عصمت مصئون رہے اور دستِ انسانی کے تمدن وصنعت کی سیاہی سے اس کی لوحِ سادہ، پاک اور فطری ہو، تا کہ خود فطرۃ اللہ کا قلم صرف اپنے حروف وخطوط سے اس کی گلکاری کر سکے اور خدا کی فطرت کا خزانہ جو اس کھنڈر میں دفن تھا، پیغمبرِ مذہبِ فطری کے وجود تک محفوظ رہے۔

تاریخ ارض القرآن

سرمایۂ ارض القرآن

سرزمینِ قرآن (عرب) کی تاریخ جس قدر بعد القرآن یعنی اسلام کے بعد روشن ہے، اسی قدر قبل القرآن یعنی اسلام سے پہلے تاریک ہے، قرآن مجید نے بر سبیل عبرت و اظہار واقعہ ملک عرب کے متعدد اقوام واشخاص وانبیًا کے حالات مجملاً بیان کیئے ہیں لیکن عرب کی قوم تصنیف وتالیف سے آشنا نہ تھی، اس لئے ان اقوام واشخاص اور اقطاعِ ملک کے تاریخی، سیاسی، قومی، مذہبی اور جغرافی حالات کے بیان و تفصیل کی بنیاد مسلمان مصنّفین نے صرف بے احتیاطانہ زبانی روایات پر رکھی ہے، لیکن اہل یورپ ان کے مقابل یونانی ورومانی سیاحوں اور جغرافیہ نویسوں کے تحریری بیانات اور عرب کے آثارِ قدیمہ اور نقوش و کتبات پیش کرتے ہیں جو تنہا زبانی روایات سے ظاہر ہے کہ کہیں صحیح تر ماخذ ہیں، اس بنا پر انہوں نے عرب قبل قرآن کی تاریخ کے متعلق بالکل نیا عالم پیدا کر دیا ہے جو ان کی نظر سے قرآن مجید کے بیان اور عرب کے زبانی روایات نے عرب کی جو تصویر کھینچی ہے، اس سے مختلف ہے اور اس لئے ان کو اس میدان میں اعتراضات کا بڑا جولانگاہ نظر آتا ہے۔

اس تصنیف کا مقصد یہ ہے کہ قدیم و جدید معلومات کی تطبیق کے ساتھ ارض القرآن (عرب) کے حالات مذکورہ کی اس طرح تطبیق کی جائے کہ قرآن مجید کی صداقت اور معترضین کی لغزش علی الاعلان آشکارا ہو جائے۔

اس موضوع کی اہمیت اور ضرورت سے شاید کسی مسلمان کو انکار نہ ہوگا، قرآن مجید

میں عرب کی بیسیوں قوموں، شہروں اور مقامات کے نام ہیں جن کی ہر قسم کی صحیح تاریخ سے نہ صرف عوام بلکہ علما تک ناواقف ہیں اور نہایت عجیب بات ہے کہ تیرہ سو برس میں ایک کتاب بھی مخصوص اس فن پر نہیں لکھی گئی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک طرف خود مسلمانوں کو ان حالات سے ناواقفیت رہی اور دوسری طرف غیروں کو انہیں افسانہ (Legend) کہنے کی جرأت ہوئی، تورات میں ہزاروں اشخاص، اقوام، بلاد اور مقامات کے نام ہیں، جو زمانہ کے تطاول اور زبانوں کے ادل بدل سے مجہول اور ناپید ہو گئے لیکن علمائے نصاریٰ کی ہمت سزاوار آفریں ہے کہ وہ ارضِ تورات (Land of Bible) اور انسائیکلوپیڈیا آف بائیبل کے ذریعہ سے تین ہزار برس کے مردہ نام اپنی مسیحائی سے زندہ کر رہے ہیں۔

قرآن مجید میں بیس تیس اقوام واشخاص سے زیادہ کا تذکرہ نہیں، تاہم ان کی تحقیق کے لئے مخصوص طور سے کوشش نہیں کی گئی، عموماً یہ مباحث تفسیر کے ضمن میں لکھے گئے، یا تاریخ عمومی میں مقدمہ کے طور پر مذکور ہوئے حالانکہ اس کی اہمیت مستقل بحث وتصنیف کی محتاج تھی۔

مقام عبرت ہے کہ ہماری مذہبی کتاب کی تحقیق وکاوش میں بھی اغیار نہایت کوشش وجانفشانی سے مصروف ہیں، جرمن، فرنچ، اٹالین اور انگلش مستشرقین نے تاریخ عرب قبل اسلام پر محققانہ کتابیں لکھیں، یونانی ورومانی تصنیفات سے جو عرب قبل اسلام کے حالات سے پُر ہیں، انتخاب وخلاصہ کیا، قرآن مجید نے جن اقوام وبلاد کا ذکر کیا ہے ان کے کھنڈروں کا مشاہدہ کیا، ان کے کتبات کو حل کیا اور ان سے عجیب وغریب نتائج مستنبط کئے۔

تاہم وہ مسلمان نہیں یہودی یا عیسائی ہیں، انہوں نے نہایت بیدردی سے قرآن کے فوائد کو پامال کیا ہے بعض متعصب مستشرقین نے ان معلومات کو غلط طور سے قرآن کی مخالفت میں استعمال کیا ہے، اٹھارہویں صدی کے وسط میں ریورنڈ فارسٹر (Forster) نے عرب کا تاریخی جغرافیہ (Historical Geography of Arab) لکھا ہے جس میں اس نے اپنی جہالت کے عجیب وغریب نمونے پیش کئے ہیں جن کو پڑھ کر کبھی ہنسی آتی ہے اور

کبھی رونا آتا ہے لیکن کیا کیجئے کہ ہماری غفلت سے وہ قرآن کی صداقتِ تاریخی کا معیار ہے، بعض پادری قرآن کے تاریخی اغلاط کو پیش کرتے ہیں لیکن ان کو پیش کرتے وقت افسوس ہے کہ تورات جس کو وہ معیارِ صحت سمجھتے ہیں، بھول جاتے ہیں۔

نولدیکی (Noldeke) نے عمالقہ اور عاد کی تحقیق میں ایک رسالہ لکھا ہے جس میں ثابت کیا ہے کہ یہ غیر تاریخی قومیں ہیں، ولکن (A.Welken) اور روبرٹس اسمتھ (Roberts Smith) عرب کے ادّعائے انساب کا انکار کرتے ہیں، عرب کے بعض اثری اکتشافات کی بنا پر یورپ کے بعض سبک مغز مصنفین جرأت کے ساتھ کہتے ہیں کہ "قرآن کے پہلے کا عرب قرآن کے بعد کے عرب سے ہزار درجہ بہتر تھا" لیکن سینٹ ہیلیر ایک فرنچ مستشرق نے نہایت خوب جواب دیا ہے کہ "اگر یہ صحیح ہوتا تو قرآن تہذیب وتمدن کے عام ابتدائی تعلیمات اور کم از کم محرماتِ نکاح کے بیان کی تکلیف گوارا نہ کرتا۔"

ان آثار قدیمہ کے اکتشاف نے ادیانِ عرب قبل اسلام کے معلومات میں نہایت سخت انقلاب پیدا کر دیا ہے جس سے اسلام کے مناقب وفضائل کا ایک نیا باب پیدا ہو گیا ہے۔

نقشوں کی بہرحال نہایت ضرورت تھی کہ ہمارے دشمن جن جدید معلومات کو ہماری مخالفت میں صرف کر رہے ہیں ان سے اپنی موافقت کے پہلو پیدا کیے جائیں۔

عہدِ قدیم میں مخالفین کے اعتراضات کا نشانہ اعتقادیات تھے لیکن اس عصر جدید میں جب ہمارے مخالفین عقائد اسلام کی مضبوطی کا اعلان کر چکے ہیں، انہوں نے یہاں سے ہٹ کر تاریخ وتمدن کے میدان میں مورچے قائم کیے ہیں، ضرورت ہے کہ جس طرح ایرانی و یہودی مورخین کے مقابلہ میں ابن حنیفہ دینوری المتوفی ۲۸۱ھ ابن قتیبہ المتوفی ۲۷۶ھ اور ابن جریر طبری المتوفی ۳۱۰ھ نے اسلام اور قرآن کی تاریخ کی تحقیق وتطبیق میں کوشش کی، اس زمانہ میں جدید یوروپین تاریخ کی اسلام وقرآن سے تطبیق دی جائے اور یوروپین تاریخی تحقیقات و اکتشافات کی غلطی کا پردہ چاک کیا جائے اور خود ان ہی کے کارخانوں کے بنے ہوئے ہتھیاروں

سے ان کے حملوں کا جواب دیا جائے۔

ان وجوہ سے کتبِ تفسیر و جغرافیہ و تاریخِ اسلامی کے علاوہ جدید یوروپین تصنیفات کا بھی حوالہ دینا پڑا کیونکہ عرب کے آثار عتیقہ اور یونانی و رومانی تصنیفات کی دریافت کا جن سے قرآن کی ہر جگہ تصدیق ہوتی ہے، کوئی اور مآخذ نہ تھا، یہ تمام کتابیں انگریزی زبان کی ہیں، جو یا اصلاً انگریزی زبان میں لکھی گئی ہیں یا جرمن و فرنچ سے انگریزی میں ترجمہ ہوئی ہیں۔

کہیں کہیں کسی فرنچ کتاب کا حوالہ ہے، اس کے لئے میں اپنے صدیقِ صمیم شیخ عبدالقادر ایم، اے فیلو اینڈ لکچرر آف بمبئی یونیورسٹی و ممبر آف بمبئی ایشیاٹک سوسائٹی کا ممنون ہوں جنہوں نے میرے لئے ازراہِ عنایت فرنچ سے انگریزی میں ترجمہ کرنے کی تکلیف گوارا کی۔

ارض القرآن کے لئے تورات کی واقفیت نہایت ضروری تھی، تورات کے اردو، فارسی، عربی اور انگریزی تراجم میرے پیشِ نظر تھے لیکن ناموں کے تلفظ اور فقروں کے ترجمہ میں اس کثرت سے ان میں اختلاف بلکہ تضاد نظر آیا کہ خود اصل عبرانی کی طرف توجہ کرنی پڑی اور تین مہینے کی تعلیم میں اصل کی طرف مراجعت ایک حد تک آسان ہوگئی، سبا اور حمیر کے کتبات بھی عبرانی خط میں شائع کئے گئے ہیں اور زبان بھی تقریباً مابین عربی و عبرانی ہے، یہ قلیل حرف شناسی اس مہم میں بھی کام آئی۔

اقوام و بلاد کے صحیح مقامات کی تعیین کے لئے متعدد نقشوں کی ضرورت تھی، اس فن میں باوجود بے بضاعتی کے اس خدمت کو نہایت محنت سے خود انجام دینا پڑا۔

ان اجزاء کی ترتیب میں پورے تین برس صرف ہوئے لکھنؤ میں دفتر سیرت نبوی ؐ کا جب میں اسسٹنٹ تھا تو اس موضوع کا خیال آیا، بلکہ اصل میں سیرت نبوی ؐ کے دیباچہ ہی کے طور پر اس کے لکھنے کی تحریک ہوئی لیکن جیسے جیسے آگے بڑھتا گیا میدان زیادہ وسیع اور کشادہ نظر آتا گیا، تا آں کہ یہ بالکل مستقل ایک شئے بن گئی۔

کتاب کا یہ پہلا حصہ ہے جس میں ارضِ قرآن کا جغرافیہ اور اقوامِ عرب کے

سیاسی، تاریخی، نسبی اور قومی حالات سے بہ تطبیقِ قرآن بحث کی گئی ہے جس سے ظاہر ہوگا کہ عرب کی قوم نے اسلام سے پہلے بھی دنیا میں کیا کیا کارِ نمایاں انجام دئے ہیں اور ان کے تمدن نے یمن و شام و عراق میں کس حد تک وسعت حاصل کی تھی، کتاب کے دوسرے حصہ میں اقوام عرب کے السنہ، ادیان، تجارت، طرقِ تمدن وغیرہ سے بحث ہوگی، خدا توفیق دے کہ وہ بھی جلد پیش کرسکوں، اپنی محنت و کاوش کے نتائج مسلمان پبلک کی نذر کرتا ہوں۔

واسئل اللّٰہ تعالیٰ ان یرزقہ القبول ویقیض لہ الرواج۔

سید سلیمان ندوی

۲؍اپریل ۱۹۱۵ء

سرمایۂ ارض القرآن

ارض القرآن کے علم و تحقیق کے جو ذرائع پہلے موجود تھے اور جن سے مصنّفین اسلام نے کام لیا ہے اور اب عصر جدید نے ان معلومات کے جو ذرائع پیدا کر دیئے ہیں، اس فصل میں ان پر نظر و تبصرہ مقصود ہے، ارض القرآن کے لئے اس وقت چار مآخذ سامنے ہیں:

۱-	ادبیات اسلامیہ	(محمڈن لٹریچر)
۲-	ادبیات اسرائیلیہ	(جوئش لٹریچر)
۳-	ادبیات یونانیہ ورومانیہ	(گریک اینڈ رومن لٹریچر)
۴-	اکتشافاتِ اثریہ	(آرکیالوجیکل ڈسکوریز)

۱- ادبیاتِ اسلامیہ

قرآن مجید نے اقوامِ عرب کا تذکرہ صرف عبرت و بصیرت کے لئے کیا ہے، اس بنا پر ان اقوام کے وہ جغرافی و تاریخی و سیاسی حالات جس سے قرآن کے موضوع کو کوئی تعلق نہیں ہے، قرآن مجید نے نظر انداز کر دیئے ہیں، بلکہ بعض ایسی قومیں بھی ہیں جن کا قرآن مجید نے بلا تشریحِ خبرِ حال صرف نام لے دیا ہے۔

عہدِ نبویؐ میں صحابہؓ چوں کہ اپنے ملک و قوم کی تاریخ سے واقف تھے اور نیز اس لئے کہ اس تاریخ سے اسلام کو مذہبی حیثیت سے کوئی تعلق نہ تھا، اس سے کوئی بحث نہیں کی۔

لیکن اس عہد کے آخری حصہ میں جب قرآن نے عرب سے نکل کر دنیا کے دور

دراز حصوں میں ظہور کیا، جہاں لوگ ان قوموں اور ملکوں کے حالات سے واقف نہ تھے، تو ضرورت ہوئی کہ ان کے جغرافیائی وسیاسی وتاریخی حالات کی جستجو کی جائے، اس وقت جو سامان اس کام کے لئے ہاتھ آسکا وہ حسبِ ذیل ہے:

۱- قرآن مجید: خود قرآن مجید میں ان قوموں کے جو حالات بیان ہوئے تھے۔

۲- روایاتِ تفسیر: مفسرین نے ان آیات کی تفسیر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ سے جو حدیثیں نقل کی ہیں لیکن صحیح طور سے ان کی تعداد بہت کم ہے۔

۱- اسرائیلیات: ان اقوام میں سے اکثر کا ذکر تورات میں مذکور تھا، اس بنا پر یہود ان سے واقف تھے، مسلمان یہودیوں نے اپنے معلومات وروایات کی بنا پر ان کی جو تشریح کی۔

مفسرین کی روایات کا تمامتر مبنیٰ اسرائیلیات ہیں، وہب بن منبہ، کعب الاحبار، ضحاک، سدّی، کلبی، واقدی، مداینی، مجاہد، عکرمہ وغیرہ ان روایات کے مآخذ ہیں، وہب اور کعب خود اصلاً یہود تھے اور دیگر حضرات یہودیوں کے خوشہ چیں، یہودیوں سے روایت کوئی بری چیز نہیں ہے، لیکن افسوس یہ ہے کہ ان یہودیوں کی معلومات کی بنا جس قدر تورات اور اسفار پر تھی اس سے زیادہ عام رطب ویابس زبانی کہانیوں پر، اس لئے اکثر یہ روایات صحیح الماخذ نہیں ہیں اور اسی لئے ان میں ہزاروں بے سروپا باتیں موجود ہیں، جو اصل روایت کی رو سے تمام تر ضعیف بلکہ جھوٹ ہیں۔

ابن مردویہ، ویلمی، مجاہد، مقاتل بن سلیمان اور ابن جریر طبری کی تفسیروں کی بنا ان ہی حکایات وروایات پر ہے جن کا اصولاً کوئی اعتبار نہیں، ضحاک، سدّی، کلبی، ہشیم بن عدی، واقدی، مداینی جو ان روایات کے ناقل یا مصنف ہیں، اسمائے الرجال کی کتابوں میں ناقدینِ حدیث نے ان کی دروغ بیانی، کذب اور ضعف کو بتصریح لکھا ہے، عکرمہ، وہب بن منبہ اور کعب الاحبار بھی جرحِ مفصل سے بری نہیں۔

ان تمام بزرگوں کا سرمایۂ علم یہودی روایات ہیں جن کی بنا توراۃ، نبییم، ترگوم اور تالمود پر ہے اور بعض عام گپیں بھی ہیں، یہ تمام کتابیں عام طور سے ملتی ہیں، اس لئے ان روایات منقولہ کے بجائے خود اصول و متون کی طرف توجہ کرنی چاہئے، ان کتابوں کا ذکر ادبیات اسرائیلیہ میں آتا ہے۔

۴- سب سے عام ذریعہ زبانی خاندانی روایات ہیں جو نسلاً بعد نسلٍ عربوں میں محفوظ چلے آئے تا آں کہ بعد اسلام وہ کتابوں میں مدوّن ہوگئے، مسلمانوں کے اصول روایت کی رو سے گو یہ ذریعۂ علم زیادہ محفوظ نہیں لیکن جو خاندانی روایتیں متفقاً اور بلا انکار اور بے شک و شبہ عرب میں عام طور سے مشہور تھیں اور جن کا ذکر فخراً ہر موقع پر کیا گیا ہے اور کسی نے ان کے انکار و نفی کی وجہ نہ پائی وہ گویا حقیقت تواتر کی حیثیت رکھتی ہیں، جن کی تردید اصولِ تاریخ کے رو سے محال ہے لیکن افسوس ہے کہ اس قسم کا تواتر چند موٹے موٹے واقعات و حالات (مثلاً حضرت اسمٰعیلؑ کا مکّہ میں قیام، کعبہ کی بنا، قریش کا عدنان تک نسب نامہ، قریش کا اسمٰعیلی خاندان سے ہونا، چند قبائل بائدہ اور امرائے حیرہ و غسان، ملوکِ یمن اور شیوخِ حجاز کے بعض نامکمل اور اوپری حالات) کے سوا اور واقعات میں نہیں۔

۵- اطلاع کا اس سے زیادہ محفوظ ذریعہ عرب کے اشعار و امثال ہیں، جن میں فخر و مباہات مدح و ستائش اور اظہار شجاعت و بہادری کے سیکڑوں تاریخی واقعات اور رسوم و عادات کا ذکر ہے لیکن افسوس کہ یہ گراں قیمت سرمایہ ہمارے پاس اسلام سے چند صدی پیش تر سے زیادہ کا نہیں ہے، تاہم قبل اسلام کے بہت سے خاندان ان کے ذریعہ سے معلوم ہوسکتے ہیں، مؤرخ طبری نے عاد کے حالات میں لکھا ہے کہ ”بعض ایرانیوں نے عاد کا انکار کیا ہے، حالاں کہ اشعار جاہلیت میں ان کا تذکرہ نہایت کثرت سے ہے، اگر خوفِ تطویل نہ ہوتا تو میں ان کو نقل کرتا۔

بہر حال مسلمانوں نے اپنے عہد میں اس سرمایہ کی تدوین و ترتیب حسبِ ذیل صورتوں میں کی:

۱- کتب تفاسیر

تفسیر کی کتابوں میں آیات متعلقہ کے تحت میں ان کو لکھا، اس قسم کی تفسیریں یہ ہیں:

تفسیر مجاہد بن جبیر	المتوفی	۱۰۳ ہجری
تفسیر مقاتل بن سلیمان	المتوفی	۱۵۰ ہجری
تفسیر ابراہیم بن معقل النسفی	المتوفی	۲۹۵ ہجری
تفسیر ویلمی	المتوفی	ہجری
تفسیر ابن جریر طبری	المتوفی	۳۱۰ ہجری
تفسیر ابن ابی حاتم	المتوفی	۳۲۷ ہجری
تفسیر ابن حیان	المتوفی	۳۶۹ ہجری
تفسیر ابن مردویہ	المتوفی	۴۱۰ ہجری
تفسیر بغوی	المتوفی	۵۱۶ ہجری

۲- تاریخِ عرب

ابتدائی مؤرخین جن کا سلسلہ حضرت معاویہؓ کے عہد سے شروع ہو گیا تھا، عبید بن شریہ، ابوعبیدہ، عوانہ بن حکم، ہشام کلبی، قاضی ابوالنجتری، ابن ہشام ہیں، یہ وہ مصنفین ہیں جنہوں نے دوسری اور تیسری صدی ہجری میں خالص عرب کی قدیم تاریخ لکھی، ان کی تصنیفات کے نام یہ ہیں[1]:

۱- عبید بن شریہ: کتاب اخبار الملوک الماضیین، کتاب کے نام کا ترجمہ یہ ہے

[1] کتاب الفہرست ابن ندیم باب الاخباریین صفحہ ۵۴-۸۹، طبع یورپ۔

''گزشتہ بادشاہوں کے حالات''، یہ امیر معاویہؓ کا معاصر تھا، اس کتاب کے اقتباسات مسعودی میں جابجا ہیں۔

۲-ابو عبیدہ: کتاب مغارات قیس والیمن، کتاب خبر عبد القیس، کتاب مناقب باہلہ، کتاب مکہ والحرام، کتاب بیوتات العرب، کتاب مآثر العرب، کتاب مآثر غطفان، کتاب قصۃ الکعبۃ، کتاب الحمس من قریش، کتاب الاوس والخزرج، کتاب ایام بنی یشکر

۳-مبرد: کتاب ایام بنی مازن، کتاب قحطان وعدنان

۴-ہشام کلبی: کتاب من نقل من عاد وثمود والعمالیق و جراہم و بنی اسرائیل من العرب، کتاب ملوک کندہ، کتاب طسم وجدیس، کتاب عاد الاولیٰ والثانیہ، کتاب تفرق عاد، کتاب اصحاب الکہف، کتاب الحیرۃ

۵-قاضی ابوالبختری: کتاب طسم وجدیس

۶-ابن ہشام: سیرۃ نبویؐ کے مقدمہ میں عرب قدیم کی تاریخ لکھا اور کتاب التیجان[1] کے نام سے ایک الگ کتاب اس موضوع پر لکھی۔

۷-چوتھی صدی کی بہترین تصنیفات اس باب میں ابن الحائک ہمدانی ایک عرب جغرافیہ نویس کی دو کتابیں ''صفۃ جزیرۃ العرب'' اور ''اکلیل'' ہیں، پہلی کتاب عام جزیرۂ عرب کا جغرافیہ ہے، کتاب لیڈن میں چھپ گئی ہے، دوسری کتاب ''اکلیل' صرف یمن کی تاریخ ہے، اکلیل کا کامل نسخہ اب تک کہیں نہیں ملا ہے، اس کا ایک ٹکڑا پروفیسر مولر (D.H.Mullir) کی کوشش سے شائع ہوا ہے، کتاب دس ابواب[2] پر منقسم ہے۔

باب اول: ابتداء خلقت اور عرب وعجم وحمیر قوموں کے سلسلہ ہائے نسب

باب دوم: الہمیسع بن حمیر کی اولاد کا سلسلۂ نسب

باب سوم: قحطان کے فضائل

---

[1] یہ کتاب دائرۃ المعارف حیدرآباد نے چھاپ دی ہے۔ [2] طبقات الامم لابن صاعد اندلسی صفحہ ۹۱-۹۲ مطبع مصر۔

باب چہارم: یعرب بن قحطان سے لے کر تبع ابوکرب کے زمانہ تک کی تاریخ

باب پنجم: تبع ابوکرب سے ذونواس تک کی تاریخ

باب ششم: ذونواس سے عہد اسلام کی تاریخ

باب ہفتم: جھوٹے قصے اور خلافِ عقل واقعات

باب ہشتم: حمیر کے عمارات، سلاطین، لڑائیاں، مقبرے اور ان کے اشعار، نقوش اور کتبات

باب نہم: حمیری زبان کی ضرب المثلین اور حمیری خط

باب دہم: حمیر کے خاندانِ ہمدان کے حالات

یورپ میں اس کتاب کا اکثر حصہ برٹش میوزیم لندن اور رائل لائبریری برلن میں موجود ہے، مستشرقین یورپ اس کتاب کی بہت قدر کرتے ہیں اور عرب کی تاریخ قدیم کے متعلق اس سے زیادہ مستند اور کوئی حوالہ نہیں سمجھتے، ہمدانی چونکہ حمیری زبان سے واقف تھا، اس لئے آثار و کتبات کو وہ پڑھ سکا تھا، اسی لئے اس باب میں اس کو خاص اہمیت حاصل ہے۔

۸- علقمہ بن علکم ایک شاعر نے قصیدۂ نونیہ میں حمیر (قوم تبع) کے حالات اور عام عمارات کے ناموں کو نظم کیا ہے۔

۹- نشوان بن سعید الحمیری ۵۷۰ھ نے قصیدۂ حمیریہ کے نام سے حمیر کی تاریخ نظم کی ہے جن میں زیادہ تر سلاطین کے نام ہیں۔

نشوان نے خود یا اسی عہد کے ایک دوسرے مسلمان عالم نے اس قصیدہ کی نثر میں شرح لکھی ہے، ابن سعید حمیری کی سب سے عجیب و غریب تصنیف شمس العلوم ہے جو گو ایک لغت کی کتاب ہے لیکن الفاظ متعلق حمیر و یمن کے ضمن میں بہت سے حمیری الفاظ اور ناموں کی تصحیح کی ہے اور ان کے معنی لکھے ہیں، لفظ مسند کے تحت میں خط مسند حمیر کے حروفِ ہجاء لکھے ہیں، جن سے مستشرقین یورپ کو حمیر و سبا کی تاریخ کی ترتیب اور کتبات پڑھنے میں بہت مدد ملی ہے۔

کتاب التیجان، قصیدۂ حمیریہ، شرح قصیدۂ حمیریہ اور شمس العلوم، یہ تمام نادر سرمایہ بانکی پور کے کتب خانے میں موجود ہے، قصیدہ حمیریہ کو الفریڈوان کریمر ایک مستشرق نے شائع بھی کر دیا ہے، شمس العلوم کا ایک عمدہ نسخہ اسکوریال لائبریری میں بھی موجود ہے[1]۔

اسلامی ذخائر علمی کا جو سرمایہ ہمارے پاس موجود اور مطبوع ہے اس کے رو سے عرب قدیم کا سب سے پہلا مؤرخ ابن اسحٰق المتوفی ۱۵۱ھ ہے، جو اس وقت ابن ہشام المتوفی ۲۱۸ھ کی روایت سے موجود اور اس کی تصنیف کتاب السیرۃ کا جز ہے، اس کے بعد کے مؤرخین اسلام نے بھی عموماً اپنی تاریخ کی تمہید میں تاریخ عرب و بنی اسرائیل کے ضمن میں اشخاص و اقوام قرآن سے بحث کی ہے، بہر حال مؤرخین اسلام میں جن کی تصنیفات موجود اور مطبوع ہیں، اس موضوع کے متعلق خاص اہمیت حسبِ ذیل اشخاص کو حاصل ہے:

نام	سنہ وفات	نام تصنیف	مقام طبع
ابن ہشام	۲۱۸ھ	کتاب السیرۃ	مطبوعۂ یورپ و مصر
ابوالولید ازرقی	۲۲۳ھ	اخبار مکہ	مطبوعۂ یورپ و مصر
ابن قتیبہ	۲۷۶ھ	کتاب المعارف	مطبوعۂ یورپ و مصر
ابن واضح یعقوبی	۲۷۷ھ	تاریخ یعقوبی	مطبوعۂ یورپ و مصر
ابوجعفر طبری	۳۱۰ھ	تاریخ الرسل والملوک	مطبوعۂ یورپ و مصر
حمزہ اصفہانی	۳۷۰ھ	تاریخ سنی ملوک الارض	مطبوعۂ یورپ و کلکتہ
مسعودی	۳۴۶ھ	مروج الذہب	مطبوعۂ یورپ و مصر

یہ عرب کے قدیم مؤرخین ہیں، متاخرین میں صرف دو شخص قابلِ ذکر ہیں:

[1] اس کتاب کے طبع اول کے بعد ۱۹۱۶ء میں اس کتاب کا منتخب حصہ متعلق تاریخ یمن ڈاکٹر عظیم الدین کی جمع و ترتیب سے گب میموریل سیریز لندن سے شائع ہوا ہے۔

نام	سنہ وفات	نام تصنیف	مقام طبع
ابوالفداء	۷۳۲ھ	المختصر فی اخبار البشر	مطبوعہ یورپ ومصر
ابنِ خلدون	۸۰۸ھ	کتاب العبر ودیوان المبتدا والخبر	مطبوعہ یورپ ومصر

۳- جغرافیۂ عرب

مسلمانوں میں جغرافیہ کی ابتدا خود عرب سے ہوئی ہے کہ وہ ان کا وطن تھا اور اس کی ابتدا انہوں نے اس وقت کی جب یونانیوں کے لفظ ''جغرافیہ'' سے بھی ان کو واقفیت نہ تھی، انہوں نے گو خاص طور سے مخصوص قرآن کا جغرافیہ نہیں لکھا لیکن جغرافیۂ عرب کے ضمن میں قرآن کے بہت سے مقامات کا نشان دیا، عرب کا ایک ایک پہاڑ، تالاب، وادی، چراہ گاہ، شہر، گاؤں، پڑاؤ، عمارت غرض ملک عرب کے ایک ایک ذرہ کو گن ڈالا اور اس کے حالات جغرافی اور توبوغرافی طریقہ سے مدون کئے۔

اس فن پر دو قسم کی کتابیں ہیں، ایک وہ جن میں مخصوص طور پر صرف عرب کا جغرافیہ ہے، دوم وہ جن میں دیگر ممالک کے جغرافیہ کے ساتھ عرب کا بھی تذکرہ ہے۔

اول قسم کی کتابیں حسبِ ذیل ہیں:

مصنف	سنہ	تصنیف	کیفیت
ابوزیاد کلابی	اواخر ۲۰۰ھ	کتاب النوادر	کتاب کے چند ٹکڑے ہیں ایک عرب کے جغرافی حالات پر ہے، یہ کتاب عربی زبان میں جغرافیہ کی سب سے پہلی کتاب ہے۔
نضر بن شمیل	۲۰۳ھ	کتاب الصفات	کتاب کا دوسرا ٹکڑا عرب کے خیمہ گاہوں، گھروں، پہاڑوں اور گھاٹیوں کے بیان میں ہے۔

ہشام بن محمد کلبی	۲۰۶ھ	کتاب البلدان کتاب الاقالیم	....
ابوسعید الاصمعی	۲۱۳ھ	کتاب جزیرۃ العرب کتاب میاہ العرب	پہلی عام جغرافیۂ عرب معلوم ہوتی ہے، دوسری صرف عرب کے تالابوں کے بیان میں ہے۔
سعدان بن مبارک	اوائل ۳۰۰ھ	کتاب الارضین والمیاہ والجبال	زمین، تالاب اور پہاڑوں کے بیان میں۔
ابوسعید حسن السکری	اواخر ۳۰۰ھ	کتاب المناہل والقری والابیات	عرب کے گھاٹوں، آبادیوں اور گھروں کے بیان ہیں۔
عمر بن رستہ	اواخر ۳۰۰ھ	الاعلاق النفیسہ	فصل سات جغرافیہ میں ہے، ایک ٹکڑا متعلق صنعا سمیٹک اسٹڈی سیریز نمبر ۸ میں رچرڈ گوتھائیل نے چھاپا ہے۔
ابن حائک ہمدانی	۳۲۰ھ	صفۃ جزیرۃ العرب	جغرافیہ عرب میں بڑی محققانہ کتاب ہے، عرب کے اقطاع، اقوام، قبائل، حیوانات، راستہ پہاڑ، تالاب، چراہ گاہ، وادی، معدنیات، آثارِ قدیمہ مقامات، قبائل، بعد مسافت وغیرہ کے بیان میں ہے، لیڈن میں بتمامہ ۱۸۱۹ء چھپ گئی ہے۔

ابوزید بلخی	۳۴۰ھ	کتاب البدو والاخبار	فصل ۱۳ عرب کے جغرافیہ اور اس کے مساجد، راہ اور اسکے عجائب و آثار کے بیان میں ہے، فرنچ مستشرق کلمان ہوا نے اس کو شائع کیا ہے۔
ابوسعید حسن السیرانی	۳۶۸ھ	کتاب جزیرۃ العرب	....
حسن بن محمد المعروف بالخالع	۴۸۰ھ	کتاب الادویہ والجبال	عرب کے پہاڑوں اور وادیوں کے بیان میں ہے۔
محمود بن عمر زمخشری	۵۳۸ھ	کتاب الامکنہ والمیاہ والجبال	عرب کے مقامات ،تالاب اور پہاڑوں کے بیان میں ہے[1]۔
البکری	۴۸۷ھ	معجم ما استعجم	مقامات عرب کے بیان میں کوتجن میں چھپی ہے۔
سیوطی	۹۱۰ھ	مراصد الاطلاع علی اسماء الامکنہ والبقاع	چھ جلدوں میں طبع ہوئی ہے،عرب کے تمام مقامات کا استقصار ہے، ملخص از معجم یاقوت۔

دوسری قسم کی کتابیں یہ ہیں:

مصنف	سنہ	تصنیف	کیفیت
ابن خردازبہ	موجود ۲۵۰ھ	کتاب المسالک والممالک	یورپ میں چھپی، وسط کتاب میں یمن کے نام سے عرب کا ذکر کیا ہے۔
ابن فقیہہ ہمدانی	۲۹۰ھ	کتاب البلدان	یورپ میں چھپی ،باب ۲ در ذکر مکہ، طائف، مدینہ، یمامہ، یمن۔

[1] یہ کتاب اب چھپ گئی۔

مصنف	سنہ	تصنیف	کیفیت
ابن واضح یعقوبی	اواسط ۳۰۰ھ	کتاب البلدان	یورپ میں چھپی۔
اصطخری	۳۴۰ھ	کتاب المسالک و الممالک	یورپ میں چھپی، باب اول ذکر جغرافیہ عرب۔
مسعودی	۳۴۶ھ	مروج الذہب	یورپ اور مصر میں چھپی۔
ابن مردویہ	۳۵۲ھ	معجم البلدان	قلمی نسخہ موجود کتبخانہ حیدرآباد بانکی پور مرتب بہ ترتیب حروف ہجاء، عرب کے حسب ذیل شہروں کے حالات ہیں: ام القریٰ، بحرین، عام عرب، عمان، مدینہ۔
ابن حوقل	۳۶۲ھ	کتاب المسالک و الممالک	یورپ میں چھپی، باب اول عرب کے جغرافیہ پہاڑ، ریگستان اور راستوں کے بیان میں ہے۔
ابوالنباء بشاری مقدسی	۳۷۵ھ	احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم	یورپ میں چھپی، عرب کے صوبوں قصبوں، گاؤں، عمارات، معدنیات اور کھنڈروں کے بیان میں۔
ادریسی	۵۴۵ھ	نزہۃ المشتاق فی اختراق الآفاق	اس کے جو ٹکڑے چھپے ہیں ان میں عرب کا ذکر نہیں۔
یاقوت	۶۲۳ھ	معجم البلدان	مصر میں چھپی، دس جلدوں میں بہ ترتیب حروف عرب کے تمام مقامات، پہاڑ، تالاب اور وادیوں کا ذکر ہے اور طولِ بلد اور عرضِ بلد لکھا ہے۔

زکریا قزدینی	مولود ۶۷۴ھ	آثار البلاد	یورپ اور مصر میں چھپی، مختصر کتاب بہ ترتیب اقالیم ہے، ہر اقلیم میں عرب کا جو حصہ پڑتا ہے اس کا ذکر ہے۔
شمس الدین دمشقی	۷۲۷ھ	نخبۃ الدہر فی عجائب البر والبحر	یورپ میں چھپی، باب ۷ فصل ۱۰ عرب کے عام جغرافیہ، حدود، صوبوں، شہروں اور قلعوں کے بیان میں۔
ابوالفداء	۷۳۲ھ	تقویم البلدان	یورپ میں چھپی، فصل اول میں عرب کی ۴۲ آبادیوں کا ذکر کیا اور ان کا طول بلد وعرض بلد لکھا ہے۔

ان تمام کتابوں میں ابن خردازبہ کے سوا قرآن پاک کے مقامات کا جہاں ذکر آیا ہے، ان کی تفصیل مذکور ہے۔

۴- انساب

اگر تورات کو الگ کر دیا جائے تو دنیا میں عرب ہی ایک ایسی قوم ہوگی جس نے سلسلۂ نسل و انساب کو ایک فن بنا دیا، ایک عرب کے نزدیک میزان مفاخرت میں شرافت نفس سب سے گراں قدر ہے، اس بنا پر عرب میں بچہ بچہ اپنے نسب کا یاد رکھنا ضروری سمجھتا تھا کہ اظہار فخر کے موقع پر اپنے کرم نسب کا ثبوت پیش کر سکے، شعرائے عرب کو اکثر قبائل کے سلسلۂ انساب کو محفوظ رکھنا اس لئے ضروری تھا کہ مدح و ہجو کے موقع پر اس کا ذکر کر سکیں، زمانۂ جاہلیت میں اور بعد اسلام بھی عرب میں بہت بڑے بڑے علمائے انساب گزرے ہیں جو عرب کے تمام قبائل کے اور اکثر ہر قبیلہ کے مشاہیر کے نسب سے واقف تھے، تدوین علوم

کے زمانے میں یہ علم بھی مدون ہوا اور علماء انساب نے اس پر متعدد کتابیں تصنیف کیں، ابتدائے اسلام میں دغفل بکری، لسان الحمرة، عبید بن شریہ اور بعد کو ابتدائی صدیوں میں ابن کواء، قبرقبی عوانہ بن حکم، ابو الفطان، ہشام کلبی، محمد بن سائب کلبی، مدائنی، فاکہانی، معصب ابن عبداللہ زبیری، زبیر بن بکار مصنف انسابِ قریش، اصمعی، ابوعبیدہ، ابن ہشام مصنف انسابِ حمیر وملوکھا، مبرد، اور ازرقی اور متاخرین میں بلاذری، سمعانی، ابن حزم اور قلقشندی وغیرہ اس فن کے امام[1] تھے، گو ہم کو یہ معلوم ہے کہ ان کی روایات میں یقینی صحت کا شائبہ بہت کم ہے لیکن اس سے زیادہ ہے جتنا روبرٹسن اسمتھ (Robertson Smith) اور نولدیکی (Noldeke) کو نظر آتا ہے، نولدیکی کہتا ہے:

''اب علماء کے لئے موقع آ گیا ہے کہ ان طفلانہ خیالات کو پسِ پشت ڈال دیں جو چاہتے ہیں کہ عربوں کی کتبِ انساب کو جن کو محمد کلبی اور اس کے بیٹے ہشام کلبی نے گڑھا ہے، مان لیں، تاکہ باہم قبائل عرب قدیمہ وجدیدہ کے تعلقات تحقیق ویقین کے ساتھ ظاہر ہوں، کیا یہ بات عقل میں آ سکتی ہے کہ تمام قبائل بنی قیس جو وسط ملک عرب میں آباد ہیں وہ صرف ایک شخص کی نسل سے ہوں، یعنی قیس کی، جو مسیح سے کچھ پہلے تھا، اس لیے ہماری یہ تحقیق ہے کہ کوئی قبیلہ درحقیقت اپنے اس پدرِ اوّل سے واقف نہیں جس کی طرف وہ منسوب ہے[2]۔''

روبرٹسن اسمتھ کہتا ہے:

''یہ محقق ہو چکا ہے کہ چند قبائل زمانۂ ماضی غیر قدیم میں کسی تاریخی شخص کی طرف منسوب نہ تھے[3]۔''

ہم کو ان دونوں محققوں سے سوال کا حق ہے کہ اس عام بے اعتباری کے دلائل کیا

---

[1] دیکھو کشف الظنون ج ۱ ص ۱۲۳ اور فہرست ص ۵۱، ۵۴، ۵۵، ۸۹ [2] دیکھو الاموبة عند العرب مترجم از جرمن مؤلف G.A.Wikis مطبوعہ قازان (روس) ص ۵ [3] ایضاً۔

ہیں؟ عرب کے ایک ایک قبیلہ کے لئے ضروری تھا کہ دوستوں کی مدح اور دشمنوں کی ہجو کے لئے انساب محفوظ رکھے، عرب کا ہر وہ قبیلہ جو غیر پدر کی طرف انتساب کرتا، وہ عرب میں حقیر و ذلیل سمجھا جاتا اور بطور نشان ملامت کے اس کا نام لیا جاتا، شعرائے عرب مختلف مواقع کے لئے انساب کے زبانی یاد رکھنے پر مجبور تھے، کیا ان واقعات کے بعد بھی اس عام بے اعتباری کی کوئی مناسب وجہ ہے، بنو قیس کی طرح ۶۰۰ سو برس کی مدت میں ایک شخص کی اولاد سے چند بطون و قبائل کا پیدا ہو جانا کوئی محال امر نہیں۔

طوطمیت: یورپ کے ان علمی توہم پرستوں کے انکار انساب کی بنیاد مسلۂ طوطمیت (ٹوٹزم) پر ہے، طوطمیت اس کا نام ہے کہ "اشخاص و قبائل کا اپنے کو دیویوں، ستاروں، حیوانوں اور درختوں کی طرف منسوب کرنا، قدیم زمانہ میں جب انسان بچہ تھا، جب کوئی بڑا شخص پیدا ہوتا تھا تو وہ انسانوں کی ولدیت سے نکل کر دیویوں کی نسل قرار پاتا تھا، وہ دیویاں خواہ ستارے ہوں یا حیوانات یا درخت ہوں، ہندوؤں میں سورج بنسی اور چندر بنسی وغیرہ قبائل تھے جو اپنے کو انسانوں کے نہیں بلکہ آفتاب و ماہتاب کے بیٹے کہتے تھے، اس لئے سورج اور چاند کے متعلق یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ وہ قبیلہ کے مورثِ اوّل کا نام ہے بلکہ وہ اس قبیلہ کی دیوی کا نام ہے۔

قبائل عرب میں بھی بنو شمس وغیرہ اسی قسم کے نام ہیں اور حیوانات کے نام تو بکثرت آتے ہیں، جیسے بنو اسد، بنو فہد، بنو ثعلب، بنو کلب، بنو نمل، بنو عجل وغیرہ، نظریۂ طوطمیت کے مطابق شمس، اسد، فہد، ثعلب، کلب، نمل، عجل اشخاص تاریخی نہیں ہیں اور نہ ان قبائل کے مورث اول کے نام ہیں بلکہ یہ ان ستاروں اور حیوانوں کے نام ہیں جن کی پرستش وہ قبیلے کرتے تھے اور ان ہی کی طرف اپنے کو منسوب سمجھتے تھے۔

لیکن یہ محض علمی توہم پرستی ہے، عرب میں کبھی اس قسم کا خیال نہیں پیدا ہوا، اس خیال کی پیدائش عراق، ہندوستان، مصر اور یونان کی میتھالوجی (علم الاصنام) میں ممکن ہے، اس قسم کے نام عرب میں صرف چند ہیں اور جو ہیں ان میں کلب (کتّا)، نمل (چیونٹی)، ثعلب

(لومڑی) کون سی گرامی قدر ہستیاں ہیں جن کے انتساب سے خاندان کی بنیاد قائم ہوا اور یہ اس قسم کے نام ہیں جن سے ان زمانہ روشن کا طبقہ، متمدن بھی خالی نہیں، تم نے بعض انگریزوں کے نام فاکس Fox (لومڑی)، بل Bull (بیل) سنے ہوں گے، کیا یہ بھی طوطمیت ہے؟

ادبیاتِ اسرائیلیہ

یہودیوں میں حضرت موسیٰ کے عہد سے ۶۰۰ء تک جو ظہور اسلام کا زمانہ ہے، متعدد کتابیں وحی الٰہی یا قوت انسانی سے ترتیب پائیں اور چونکہ قرآن مجید اور یہ کتب اسرائیلیہ ایک ہی مقصد سے انسانوں کو دی گئیں، اس لئے ان میں اکثر حالات وقصص کا باہم اشتراک ہے، اس سلسلہ میں ایک عجیب نکتہ وہ اضافہ واسقاط ہے، جو قرآن نے ان کتابوں کے مطالب میں کیا ہے، جہاں قرآن نے اسقاط کیا ہے، حقیقت میں وہ شے وحی الٰہی یا مقصود قرآنی سے خارج تھی اور ہر شخص کو نظر آئے گا کہ وہ خارج کرنے کے لائق تھی اور جہاں اضافہ ہے درحقیقت وہ اس واقعہ کا اصل نکتہ تھا جس کو ان کتابوں نے جن میں انسان کے ہاتھوں نے کام کیا ہے، گرا دیا تھا اور قرآن نے جو تکمیل کتب اور وحی اوّلین کی تصدیق وتصحیح کے لئے آیا تھا اس کو اپنے موقع پر جگہ دی۔

ادبیات اسرائیلیہ کا مجموعہ توراۃ، کتبیم نبیم، ترگوم، مدراش اور تالمود سے عبارت ہے۔

توراۃ: ایک عبری لفظ ہے جس کے معنی شریعت اور قانون کے ہیں، اس نام کا اطلاق حضرت موسیٰ کی پانچ کتابوں پر ہوتا ہے، یعنی سفر تکوین (درذکر بدء کائنات، آدمؑ وحواؑ، نوحؑ، ابراہیمؑ، اسحاقؑ، اسمٰعیلؑ، یعقوبؑ، یوسفؑ) سفر خروج (درذکر موسیٰؑ، فرعون، بنی اسرائیل، وتفصیل قانون) سفر الاحبار (شریعت وقانون حلال وحرام) سفر العدد (درذکر تعداد بنی اسرائیل وقت خروج از مصر وغزوات موسیٰ وبعض احکام شریعت) سفر الاستثناء (درذکر قوانین واحکام شریعت)۔

نبیم نبی کی جمع بقاعدہ عبری ''ی'' اور ''م'' کے ساتھ ہے، عربی قاعدہ سے نبیین کہنا چاہیئے نبیم انبیائے بنی اسرائیل کے کلام و مواعظ و مراثی کا مجموعہ ہے، جن میں بہت سی تاریخی باتیں بھی ضمناً مذکور ہیں، خصوصاً سفر یوشع وسفر القضاۃ وسفر سموال وسفر الایام وسفر الملوک کہ ان میں صرف تاریخی واقعات ہیں، اکثر توراۃ کا اطلاق توراۃ اور نبیم دونوں پر ہوتا ہے، اوران میں سے بعض کو کتبیم بھی کہتے ہیں۔

ترگوم یا ترجوم یعنی ترجمہ و بیان، ترگوم آرامی زبان میں توراۃ ونبیم کی تفسیر وتوضیح کا نام ہے، جوربیوں (ائمہ یہود) نے انبیا کی زبانی یادداشت وروایات کی بنا پر کی، اس کی تصنیف کا زمانہ ۶۰۰ قبل مسیح سے ۱۰۰ء تک ہے۔

مدراش کا درجہ ہمارے ہاں کی احادیث کا ہے، لفظ مدراس اور عربی ''درس'' ایک چیز ہے۔

تالمود یا تلمود فقہ اسرائیلی ہے، جس کی بنیاد کتب سابقہ ہے اور جس کی ترتیب ابواب پر قائم کی گئی ہے، (لفظ تلمود عربی میں تلمیذ ہے، جس کے معنی تعلیم وعلم کے ہیں)

یہود کے ہاں یہ تمام کتابیں مستند ہیں، نصاریٰ صرف توراۃ نبیم و کتیبم کو تسلیم کرتے ہیں اوران ہی کے مجموعہ کو وہ عہد عتیق کہتے ہیں، ان کتابوں پر تفصیلی بحث ونقد اور اسلام ان پر اعتبار اوران کے مختلف نسخے، یہ بیانات کسی دوسری جلد میں مشرحاً انشاء اللہ مذکور ہوں گے اس وقت یہاں ان کے ذکر سے یہ مقصود ہے کہ چونکہ ارض القرآن کو ان کتابوں سے نہایت شدید تعلق ہے اوران کا ذکر بار بار آئے گا، اس لئے ان کا اجمالی علم ناظرین کے پیش نظر رہے۔

اسلام میں جو اسرائیلیات کا سرمایہ ہے وہ زیادہ تر ان ہی ترگوم، مدراس اور تالمود سے ماخوذ ہے۔

ادبیاتِ یونانیہ ورومانیہ

یونانی اوررومانی مورخوں، سیاحوں اور جغرافیہ نویسوں نے جستہ جستہ اورمتفرق طور پران ملکوں اور قبیلوں کا ذکر کیا ہے جن کا قرآن میں نام ہے، ان میں سے بعض مصنّفین خودان قبیلوں اور قوموں کے معاصر تھے اس لئے ان کی اطلاع قابل اطمینان ہے، ان کا سلسلہ ہیروڈوٹس المتوفی ۴۰۶ قبل مسیح سے چھٹی صدی عیسوی کے مورخوں تک ختم ہوتا ہے، ان مورخوں، سیاحوں اور جغرافیہ نویسوں میں ہیروڈوٹس (۴۰۶ ق م) تھیوفراسٹس (۳۱۲ ق م) ڈیڈوریس (۸۰ ق م) اسٹرابو (۲۴ ق م) پلینی (۷۹ء) بریبلوس (۸۰ء) بطلیموس (۱۴۰ء) قابل ذکر ہیں، ان میں سے ہیروڈوٹس، ڈیڈوریس، اسٹرابو، پلینی اس باب میں مشہور ہیں اور بطلیموس مشہور تر۔

ہیروڈوٹس مسیح سے ۴۰۰ برس قبل تھا اس نے یونان وایران کی تاریخ لکھی ہے اور اسی ضمن میں مصر، افریقہ اور عرب کا بھی تذکرہ کیا ہے، یونان کا تعلق عربوں سے گو براہ راست نہ تھا، لیکن یونان و فارس کے باہمی محاربات میں عربوں نے اہل فارس کا ساتھ دیا تھا، اس لئے اس قوم کا ذکر ضروری ہوا، چنانچہ ہیروڈوٹس نے اسی حیثیت سے عربوں کا ذکر کیا ہے، ہیروڈوٹس کی تاریخ کا عربی میں بھی ترجمہ ہوگیا ہے۔

ملک عرب میں نسبت ہیروڈوٹس کا علم نہایت نامکمل تھا، اس کا خیال تھا کہ عرب سب سے آخری جنوبی ملک ہے جس کے بعد کوئی آبادی نہیں، دوسری طرف وہ خلیج فارس سے جو عرب کو فارس سے علاحدہ کرتی ہے، ناواقف تھا اس لئے اس کا بیان ہے کہ عرب کی زمین فارس کی زمین سے ملحق ہے۔

ہیروڈوٹس کے ایک صدی بعد اسکندر اعظم ایران و مصر پر حملہ آور ہوا اور اس طرح اس کے ساتھیوں کو ۳۲۵ ق م میں خلیج فارس اور سواحل عرب کا علم ہوا، اس نے چاہا کہ عرب کی

غیر مفتوح زمین کو بھی اپنے قبضۂ اقتدار میں لائے لیکن دوسرے سال وہ خود موت کے قبضہ میں تھا، تاہم چونکہ اب یونانیوں کا مصر و فارس سے حاکمانہ تعلق پیدا ہو چکا تھا، اس لئے اسکندریہ اور خلیج فارس میں عرب تاجروں سے ان کو اکثر واقفیت کا موقع ملا، اس زمانہ میں عرب یمن میں ''معین''، ''سبا'' اور ''قتاب'' کی اور حجاز و بطرا میں ''نبط'' کی حکومتیں قائم تھیں، جن کے ساتھ ان کے دوستانہ و دشمنانہ تعلقات مختلف اوقات میں قائم رہے، ان وجوہ سے عرب کے متعلق پہلے سے وہ کچھ زیادہ جان سکے۔

اراٹستھینس (Eratasthenes) المتوفی ۱۹۶ ق م نے جو یونانیوں کے عہد میں کتب خانہ اسکندریہ کا مہتمم تھا، اسکندریہ کی مہمات سفر سے جو نتائج تازہ معلوم ہوئے تھے ان کے اضافہ کے ساتھ جغرافیہ عام کی ایک کتاب لکھی، اس کی اصل کتاب گو ضائع ہو گئی لیکن اس کے بعد ایک اور یونانی جغرافیہ نویس اسٹرابو نے اس کتاب کے چند ابواب اپنے جغرافیہ میں نقل کر لئے تھے، خوش قسمتی سے ان میں ایک عرب کا باب بھی محفوظ ہے، اراٹستھینس نے یمن کے قبائل سبا و معین اور ان کے تمدن کا اور نیز قبائل حضر موت کا اور عرب کارواں کے ان راستوں کا جو براہ قریہ خلیج فارس کو اور براہ تہامہ راس خلیج عقبہ کو پہنچتے ہیں ذکر کیا ہے، اراٹستھینس کے تقریباً سو برس کے بعد سسلی کا مشہور مورخ ڈیڈوریس المتوفی ۸۰ ق م پیدا ہوا جس نے عرب کے بعض حالات کا نشان دیا، نبط کی حکومت کا ذکر کیا اور سب سے عجیب یہ کہ کعبہ مکرمہ کی طرف بھی اس نے اشارہ کیا[1]، افسوس ہے کہ اس کی کتاب کا زیادہ تر حصہ تلف ہو گیا ہے۔

عرب قدیم قوموں میں اپنے معدنیات اور موتیوں کے لئے مشہور تھا اور تقریباً اسی کے واسطے سے چین کے مصنوعات اور ہندوستان کے خوشبودار عطر اور مسالہ مصر و شام و یونان و روم پہنچتا تھا، اب یونان کے بجائے پالٹیکس کی بساط پر روم آگئے تھے اور انھوں نے رومی سردار آلیس گالوس (Aelius Gallus) کی ماتحتی میں جنوبی عرب پر حملہ کیا اور عرب کا

---

[1] گبن ج ۴ باب ۴۰۔

ایک حصہ انھوں نے فتح بھی کیا، لیکن عرب کے بے آب و گیاہ صحرا سے شکست کھا کر خود ان کو پیچھے ہٹ جانا پڑا۔

اسٹرابو (Strabo) المتوفی ۲۴ ق م نے اپنی جغرافی تصنیف میں رومیوں کی اس مہم کا حال لکھا ہے اس مہم میں نبطیوں کے علاوہ عرب کے دوشہروں کے نام آتے ہیں، نگرانا (Nagrana) اور ماربیا (Mariaba) جو صحیح طور سے ''نجران'' اور شہر مارب ہیں۔

اسٹرابو کے بعد پلینی (Pliany) المتوفی ۷۹ء کا نام لینا چاہئے جو کتاب تاریخی طبعی (Natural History) کا مصنف ہے، اس نے عرب کے مشرقی سواحل کا اور خصوصاً اس مہم کا ذکر کیا ہے جو رومیوں نے مشرقی سواحل کے اکتشاف کے لئے روانہ کی تھی۔

پلینی کے سو برس بعد دوسری صدی عیسوی میں اسکندریہ کا مشہور ہیئت دان و جغرافیہ نویس بطلیموس (Ptoleny) پیدا ہوا، اس وقت رومن طاقت اپنے عروج و کمال پر تھی بطلیموس نے تمام دنیائے معمور و معلوم کا ایک نقشہ تیار کیا اور پھر اس نقشہ کی تشریح و تفصیل کے لئے جغرافیہ میں ایک کتاب لکھی[1]۔

اصل نقشہ گو مفقود ہو گیا لیکن اس کی شرح اب تک موجود ہے اور اب جو نقشے بطلیموس کے انتساب سے بنائے گئے ہیں وہ اسی شرح کے ہدایات و بیانات کے مطابق تیار کر لئے گئے ہیں، بطلیموس نے اپنے جغرافیہ میں عموماً ہپارخورس (Hipparchus) اور اراٹستھینس (Eratost-henes) کی تقلید کی ہے لیکن بعض امور کا اس نے بھی اضافہ کیا ہے، مثلاً سب سے پہلے اسی نے عالم کو طول بلد اور عرض بلد پر منقسم کیا اور پھر ان خطوط کے ذریعہ سے اس نے مقامات کی تعیین کی، اسی لئے بطلیموس کی یہ تصنیف باعتبار جغرافیہ طبعیہ (Natural Geog) یا جغرافیہ وصفیہ (Discription Geog) کے جغرافیہ فلکیہ (Astronomical Geog) سے زیادہ قریب ہے۔

---

[1] عربی میں اس کتاب کا پہلا ترجمہ یعقوب کندی کی فرمائش سے ہوا لیکن یہ اچھا نہ تھا اس لئے پھر ثابت ابن قرہ نے تیسری صدی ہجری میں اس کا دوسرا ترجمہ کیا، کتاب الفہرست صفحہ ۲۶۸ طبع لینبرگ۔

بطلیموس نے خود عرب کی سیاحت نہیں کی تھی، اسکندریہ اس زمانہ میں عرب تاجروں کا مرکز تھا، اس نے ان ہی تاجروں اور کاروانوں سے دریافت کر کے عرب کا جغرافیہ ترتیب دیا، پہلے اس نے عرب کو تین طبعی ٹکڑوں پر تقسیم کیا ہے، عرب سعید یا عرب بادان (Arabion Falix) یعنی یمن وحضرموت یا جنوبی عرب، شمالی عرب کے دو ٹکڑے کیے ہیں، عرب سنگستان (Arbian Petra) اور عرب ریگستان (Arabian Desert)

بطلیموس نے عام طور سے عرب کے مشہور قبائل، شہر، گاؤں، پہاڑ، سواحل، تجارتی منازل اور تجارتی راستوں کو بیان کیا ہے، صرف عرب آبادان میں اس کے بیان کے مطابق ۱۱۴ آبادیاں تھیں، لیکن چند ناموں کے سوا اب ان قبائل ومنازل کے نام خارج ازفہم ہیں اور جو فہم میں آتے ہیں وہ موجودہ صحیح عربی ناموں کے بالکل غیر مطابق ہیں یہ واقعہ ہے لیکن اس کے اسباب کیا ہیں؟ اس میں لوگ مختلف الرائے ہیں۔

ایک مشہور مصنف بن بری (Bunbury) نے بطلیموس کے اس ٹکڑے سے عام بداعتقادی ظاہر کی ہے، وہ کہتا ہے کہ یہ صرف فرضی اور مصنوعی ناموں کا مجموعہ ہے، لیکن جرمن مستشرق اسپرنگر (Springer) نے قدیم جغرافیہ عرب (Geography of Ancient Arabia) میں جو ۱۸۷۵ء میں شائع ہوئی، نہایت قابلیت سے بطلیموس کے ناموں اور مقاموں کا عرب جغرافیہ نویسوں اور موجودہ سیاحوں کے بیانات سے مقابلہ کیا ہے اور ان کی صحت ثابت کی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ چند ناموں کے سوا اور تمام ناموں کی تطبیق بہ تکلف ہوسکتی ہے اور اس کی مثالیں ہماری کتاب میں جابجا ملیں گی، بطلیموس کے جغرافیہ کے متعلق آج سے ایک ہزار برس پہلے مسلمان جغرافیہ نویس مسعودی اور پھر اس کے ۳۰۰ برس بعد دوسرے عرب جغرافیہ نویس یاقوت حموی خود یہی شکایت کر چکے ہیں[1] اور خاص عرب کے متعلق یہ شکایت اور زیادہ اس لئے نمایاں ہو جاتی ہے کہ قبائل عرب زیادہ تر بدویانہ زندگی کے عادی ہیں، اس لئے

---

[1] اس فصل کے لئے دیکھو مروج الذہب مسعودی صفحہ ۱۰۳ جلد ۱، علی نفح الطیب مصر، معجم یاقوت۔

ان کے مقامات کی تعیین نہایت مشکل ہے، پھر بطلیموس کی قافلوں اور کاروانوں کی زبانوں سے ان کی تحقیق اور یونانی حروف و لہجہ میں ان کی تعبیر اور پھر انقلابات و حوادث روزگار کا تواتر، کاتبوں کی جہالت اور ناآشنائی فن، ان وجوہ سے قیاس نہیں کیا جاسکتا کہ ایک لفظ اپنے اصلی صحیح مخرج سے کہاں کہاں جا پڑا ہوگا۔[1]

ان یونانی الاصل اور رومانی النسب مصنفین کے علاوہ اسی زمانہ کا ایک یہودی مصنف بھی قابل ذکر ہے یعنی یوسیفوس یہ رومیوں کے عہد میں تقریباً پہلی صدی مسیحی میں اسکندریہ میں مقیم تھا، یونانی اور لاطینی (رومانی) زبانوں میں اس کی متعدد تصانیف یہودیوں کی تاریخ اور مذہب کے متعلق ہیں اور انگریزی میں ان کے ترجمے ہو گئے ہیں، ان کتابوں سے بھی ارض القرآن کے لئے مواد ہاتھ آیا ہے، اس کی تین کتابیں میری نظر سے گذری ہیں، قدامت یہود، محاربات یہود اور فلسفۂ یہودیت، یہ تمام تصنیفات متعدد وجوہ سے نہایت اہم سمجھی جاتی ہیں جن کی زیادہ وجہ یہ ہے کہ اس عہدِ قدیم کا وہ تنہا یہودی مورخ ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ اسکندریہ کا کتب خانہ جو اس کے بعد تباہ و برباد ہوگیا ہے اور جس کی تباہی و بربادی کا الزام مسلمانوں کے سر تھوپا جاتا ہے، اس وقت موجود تھا، بابل اور مصر کی قدیم تاریخیں وہاں موجود تھیں، یوسیفوس نے ان بابلی و مصری تاریخوں سے بابل و مصر کی قدیم تاریخ کے اقتباسات نقل کئے ہیں، بابل و مصر کی قدیم تاریخ کی تاریکی میں صرف یہی اقتباسات روشنی کی چند کرنیں ہیں، ان دونوں ملکوں کی نسبت تاریخی حیثیت سے جو کچھ معلوم ہے اس کا ذریعہ صرف یہی چند اوراق ہیں۔

بابل کے جس مورخ کا ذکر یوسیفوس نے کیا ہے اس کا نام بروشوش ہے اور دوسرے مصری مورخ کا نام مانیثون ہے، ان دونوں کے اقتباسات نہایت اہم ہیں اور ان سے ہم نے کام لیا ہے۔

---

[1] Penetration of Arabia by Hogarth Page 1 - 24

اکتشافاتِ اثریہ

یمن، حضر موت، حوران، تدمر، بطرا، علا، مداین، صالح، صفا، حجر، حجاز، عراق اور مصر میں قدیم عربوں کے بہت سے آثار، عمارات اور یادگاریں ہیں، جن میں ہزاروں کتبے اور نقوش کھدے ہیں، ان کتبات ونقوش سے علمائے آثار قدیمہ نے عجیب وغریب نتائج استنباط کئے ہیں، یہ کتبات اور نقوش زیادہ ترحمیری (مسند) سبائی، ارامی اور نبطی خط میں ہیں، دولت بنی امیہ اور عباسیہ کے ابتدائی زمانہ میں جب کہ تاریخی مذاق مجتہدانہ حیثیت رکھتا تھا، ان آثار کی تحقیقات کی گئی اور ان میں سے اکثر خطوط اور زبانوں سے اس عہد کے علماء واقف تھے، ذوالنون مصری جو دوسری صدی میں تھے، مصر کے خط برابی (ہیروگلفی) پڑھتے تھے۔

حمیری محقق علامہ ہمدانی نے ''صفۃ جزیرۃ العرب'' اور اکلیل میں، تمام مشہور آثار کے نام گنائے ہیں اور ان کے تفصیلی حالات کے لئے اپنی کتاب ''اکلیل'' کا حوالہ دیا ہے، قلعہ ناعط جو سلاطین یمن نے پہاڑ کی چوٹی پر تعمیر کیا تھا، اسلام سے تقریباً پندرہ سو برس قبل کی تعمیر ہے، وہب بن منبہ نے (جنہوں نے صحابہ کا زمانہ پایا تھا) اس کا ایک کتبہ پڑھا تھا جس کا ترجمہ یہ ہے:

''یہ ایوان اس وقت تعمیر کیا گیا جب کہ ہمارے لئے مصر سے غلہ آتا تھا۔''

واہب کا بیان ہے کہ میں نے حساب کیا تو معلوم ہوا کہ اس کو سولہ سو برس سے زیادہ گذر چکے[1]، چنانچہ یاقوت حموی نے معجم البلدان (ذکر ناعط) میں اس کا ذکر کیا ہے، امرء القیس کا یہ شعر:

هو المنزل الالف من جو ناعط	بني اسد حذناً من الارض اووعراً
یہ وہ ہے جو ناعط کی بلندی سے	ہزاروں آدمی زمین پر لا سکتا ہے

---

[1] معجم البلدان ذکر ناعط۔

اسی قلعہ کی شان میں ہے۔

امیر معاویہ کے زمانہ میں (۴۰ھ سے ۵۰ھ تک) عبدالرحمٰن مصر کے گورنر تھے، انہوں نے حضرموت کے منہدم شدہ قلعہ ''حصن غراب'' پر جو کتبہ پایا تھا اس کا ترجمہ عربی زبان میں حسب ذیل ہے:

ونصطلو صيد البر بالخيل والقنا و	ہم گھوڑوں اور برچھوں سے خشکی کا شکار کرتے
طوراً نصيد النون من لجح البحر	ہیں اور کسی دریا کی تہ سے مچھلیاں نکال لاتے ہیں
يلينا ملوك يبعدون عن الخنا شديد	ہمارے حکمراں وہ سلاطین ہیں جو بدکاری سے
على اهل الخيانه والغدر تقيم لنا من	بہت دور ہیں اور غداروں اور خیانت کاروں کے
دين هود شرائعاً و نومن بالآيات	حق میں بہت سخت ہیں، وہ ہمارے لئے ہود کے
والبعث والنشر اذا ما عدوّ حل ارضا	مذہب کے مطابق شریعت قائم کرتے ہیں اور ہم
يريدنا برزنا جميعاً بالمثقفة السمر[1]	احکام الٰہی اور بعث نشر پر ایمان لائے ہیں جب
	کوئی دشمن ہماری زمین کا قصد کرتا ہے تو ہم گندم
	گوں نیزے لے کر نکل پڑتے ہیں۔

یہ کتبہ علامہ نویری نے اپنی تاریخ مسالک الابصار میں نقل کیا ہے، لیکن تاریخ مذکور اس وقت ہمارے پیش نظر نہیں ہے، فارسٹر نے نویری کی کتاب سے اس کو نقل کیا ہے، اور ہم نے فارسٹر کی کتاب سے۔

۱۸۳۴ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے ایک مشن یمن بھیجا تھا، اس کو یہی کتبہ اصل قدیم حمیری خط میں ملا، اصل کتبہ عاد کے ذکر میں آئے گا، یہ کتبہ فارسٹر صاحب کی تحقیق کے موافق قوم عاد کا ہے اور عرب کے قدیم ترین کتبات میں ہے، فارسٹر صاحب نے اپنے تاریخی جغرافیہ (صفحہ ۹۰، ۹۱) میں اس کا جو ترجمہ کیا ہے نویری کے ترجمہ سے بہت کم مختلف ہے۔

[1] دیکھو فارسٹر صاحب کا جغرافیہ صفحہ ۹ تا صفحہ ۹۳، فارسٹر نے بعض اشعار غلط نقل کئے ہیں ہم نے ان کو چھوڑ دیا ہے۔

مورخ کلبی کے زمانہ میں قبیلہ ذوالکلاع کے ایک شخص نے یمن میں ایک تخت پایا جس پر ایک مردہ لاش پڑی ہوئی تھی، اس کے سامنے ایک زرین سپر تھی، جس پر سرخ یاقوت جڑا ہوا تھا، اس پر یہ عبارت لکھی ہوئی (یہ عبارت حمیری عبارت کا ترجمہ ہوگی)

بسم اللہ ربّ[1] حمیرانا حسان بن عمرو القیل	اللہ کے نام پر جو کہ حمیر کا خدا ہے، میں عمرو قیل کا بیٹا حسان ہوں۔

حماد روایہ کے بھانجے نے ایک پہاڑ کی چوٹی پر قوم عاد کا ایک تیر پایا تھا، جو پتھر میں پیوست تھا، اس پر یہ شعر لکھے تھے[2]: یہ اصل شعر نہیں، بلکہ ترجمہ ہے:

الاھل الٰی ابیات شمخ بذی اللویٰ	لوی الرمل من قبل الممات معاد
مقام ذواللویٰ میں جو مکانات ہیں	کیا مرنے سے پہلے پھر وہاں جانا نصیب ہوگا
بلاد بھا کنا و کنا نجبھا	اذاالاھل اھلٌ والبلاد بلاد
یہ وہ شہر ہیں جہاں ہم رہا کرتے تھے اور ان سے	محبت رکھتے تھے جب لوگ لوگ تھے اور شہر شہر تھے

ابن ہشام نے لکھا ہے کہ یمن میں ایک دفعہ سیلاب سے ایک قبر کھل گئی تو ایک عورت کی لاش نکلی جس کے گلے میں موتیوں کے سات ہار اور انگلیوں میں مرصع انگوٹھیاں تھیں، اس کے سرہانے ایک لوح تھی، جس پر یہ کتبہ لکھا ہوا تھا:

باسمك اللھم اله حمیرانا تاجة بنت ذی	تیرے نام پر جو کہ حمیر کا خدا ہے، میں ذوشفر کی
شفر بعثت مایرنا الی یوسف فابطاء	بیٹی ہوں میں نے اپنے قاصد کو یوسفؑ کے پاس
علینا فبعث لاذتی بدمن ورق لتاتینی	بھیجا تھا، اس نے جب دیر لگائی تو میں نے
بمد من طحین فلم تجده فبعثت بمد	چاندی، پھر سونا بھیجا کہ آدھ سیر آٹا لے آئے
من ذھب فلم تجده فبعثت بمد من	لیکن کچھ حاصل نہ ہوا، پھر میں نے حکم دیا کہ
بحری فلم تجده فامرت به فطحن	میرے جواہرات پیس کر آٹا بنایا جائے لیکن وہ

---

[1] معجم البلدان لفظ شعبین، ج ۵، ص ۲۷۳ [2] معجم البلدان لفظ شمخ، ج ۵، ص ۲۹۲۔

فلم انتفع به فاقفلت فمن سمع بی فلیرحمنی وایة امرء ة بست حلیا من حلتی فلا ماتت الا میتنی[1]

بیکار تھا، جو شخص میرا حال سنے اس کو میرے حال پر رحم کرنا چاہئے، جو عورت میرے زیور پہنے گی وہ میری ہی موت مرے گی۔

یہ کتبہ حضرت یوسفؑ کے زمانہ کا ہے اور اس سے اس قحط کی تصدیق ہوتی ہے جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے، اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ عرب میں اس قدر زمانہ قدیم سے تحریر کا رواج تھا اور یہ کہ حمیر اللہ کو اپنا معبود سمجھتے تھے۔

حمزہ اصفہانی المتوفی ۳۷۰ نے ایک حمیری کتبہ کا ذکر کیا ہے جس کی عبارت یہ تھی:[2]

''بنام خدا، شمر یرعش (شاہ حمیر) نے آفتاب دیبی کے لئے یہ بنایا''۔

ابن حائک ہمدانی حمیری المتوفی ۳۳۴ھ آثار عرب کا سب سے بڑا ماہر تھا، اس نے اپنی تصنیف ''اکلیل'' کا آٹھواں باب مخصوص اسی موضوع پر لکھا ہے، ہمدانی کے علاوہ مقدسی نے اپنے سفرنامہ میں، یاقوت نے اپنی معجم میں، نویری نے اپنے جغرافیہ میں اور قزوینی نے اپنے آثار البلاد میں اس قسم کے آثار و کتبات کا ذکر کیا ہے۔

بہر حال یہ ایک ادھوری کوشش تھی، اہل یورپ نے اس شاخ کو بے حد ترقی دی ہے اور اس میں بے انتہا برگ و بار پیدا کر کے اس کو ایک مستقل فن بنا دیا ہے۔

علمائے خطوط قدیمہ نے ان کتابات و نقوش کو اس طرح حل کیا ہے کہ ان سے عرب کی تاریخ قدیم کے متعلق عجیب و غریب اکتشافات حاصل ہوتے ہیں، اہل یورپ کو پہلے پہل ان مقامات کے اکتشافات اور تحقیق کا خیال پیدا ہوا جو توراۃ میں مذکور ہیں، ان مقامات کا بڑا حصہ عرب میں واقع ہے، اس سلسلہ سے ان کو بابل، مصر، فلسطین، حوران اور عرب کے آثار کی طرف توجہ ہوئی ہم کو جن آثار سے تعلق ہے وہ صرف عرب کے آثار ہیں، اس لئے ہم ان ہی کی

---

[1] اس کتبہ کو فارسٹر صاحب نے بھی اپنے جغرافیہ کے صفحہ ۱۰۳ میں مع انگریزی ترجمہ کے نقل کیا ہے۔

[2] تاریخ الملوک الارض، صفحہ ۱۱۰، کلکتہ۔

تشریح کرتے ہیں۔

"نیوبھر (Niebuhr) عرب کا سب سے پہلا یورپین سیاح اور عرب کے اثریات کا سب سے پہلا مکتشف ہے، ۱۷۶۲ء میں یہ یمن کی طرف تنہا عازم ہوا، اس کے بعد جب محمد علی پاشا خدیو مصر اور وہابی امیر نجد کی جنگ شروع ہوئی اور یورپ نے مصر کا ساتھ دیا، اس وقت یورپ کو سیاحت عرب کا سب سے پہلا اور سب سے بہتر موقع نصیب ہوا، یورپین افسر مصری فوج کے ساتھ اس جنگ میں کثرت سے شریک تھے، ہم بدنیت نہیں، لیکن کہتے ہیں کہ باستثنائے چند علمی ذوق کے علاوہ سیاسی تحریکات بھی اس مشاہدہ وتحقیق کی محرک تھیں، خصوصاً جب کہ یہ نظر آتا ہے کہ ان سیاحوں کی صف میں ایسے اشخاص بھی شریک ہیں جن کے ہاتھ قلم سے زیادہ تلوار سے مانوس ہیں۔

ان سیاحوں کے حالات واکتشافات وتحقیقات پر انگریزی میں ڈی، جی، ہوگارتھ (D. G. Hogarth) نے ایک مستقل کتاب ۳۵۰ صفحوں میں لکھی ہے اور وہ ہمارے سامنے ہے لیکن مصنفین انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا نے نہایت ایجاز کے ساتھ اس کا اختصار[1] کیا ہے، اس لئے ہم اسی کا اقتباس یہاں درج کرتے ہیں، گو یہ بحث بڑھ جائے گی لیکن چوں کہ ہماری زبان اب تک ان عبرت انگیز لیکن مفید اطلاعات سے خالی ہے (چھ برس ہوئے میں نے الندوہ میں اس موضوع پر ایک چھوٹا سا مضمون لکھا تھا) اس لئے طول بیان بے موقع نہ ہوگا۔

اس مضمون کے دو ٹکڑے ہیں، عرب کے کن اقطاع میں اہل یورپ کا گذر ہوا؟ اور وہاں کیا آثار قدیمہ ان کو نظر آئے؟

عرب کے کن اقطاع میں اہل یورپ کا گذر ہوا؟

یمن: چوں کہ یمن مشرق ومغرب کے درمیان کا رہ گذر ہے اور نیز دیگر اقطاع عرب سے اس کا مشاہدہ اور سیر وسیاحت زیادہ سہل ہے اور یہاں آثار بھی بکثرت پائے جاتے ہیں اس

---

[1] Art Arabiadell, Vol II۔

لئے اہل یورپ نے پہلے یہیں قدم رکھا۔

عرب کا سب سے پہلا یورپین سیاح جیسا کہ ہم نے اوپر لکھا ہے، نیوبھر نامی ہے یہ ڈنمارک گورنمنٹ کی طرف سے ایک جماعت کے ساتھ ۱۷۶۱ء میں عرب کو روانہ ہوا، ایک سال مصر اور جزیرہ نمائے سینا میں صرف کرنے کے بعد یہ جماعت ۱۷۶۲ء کے آخر میں جدہ پہنچی، پھر شمالی یمن کو روانہ ہوئی، یہاں سے تہامہ (عرب زیریں) ہوتے ہوئے بیت الفقیہ، زبید اور مخا پہنچی جو یمن کے خاص آباد شہر ہیں، پھر مشرق کی جانب کوہستانی مقامات کو قطع کرتی ہوئی عدن آئی یہاں سے مشرق کی طرف آگے بڑھ کر حیکہ پہنچی جو چند پہاڑیوں کے وسط میں جن کی بلندی سطح آب سے دس ہزار فیٹ تک ہے، واقع ہے پھر اس نے جنوب کا رخ کیا اور تیز ہوکر براہ حیض وزبید مخا پہنچی، یہاں اس کے ایک ممبر کا انتقال ہو گیا، دوسری بار اس وفد کے بعض ممبر جون ۱۷۶۳ء میں تیز پہنچے، جہاں سے انھوں نے یمن کے دارالحکومت صنعاء کا رخ کیا، جس کے قریب اس وفد کا ایک اور ممبر مر گیا، لیکن اس سے اور ممبروں کی ہمت میں کوئی فرق نہ آیا، یہاں سے وہ ضمار آئے جہاں زیدی فرقہ کا جو یمن کا شاہی مذہب ہے ایک بہت بڑا دارالعلوم ہے اور جس میں زمانہ مذکور میں ۵۰۰ طالب علم تعلیم پاتے تھے، ضمار سے پھر وہ صنعاء پہنچے اور صنعاء میں دس روز کے قیام کے بعد پھر مخا پہنچے اور یہاں سے ہندوستان کی طرف روانہ ہوئے، اس اثنا میں تین اور ممبر شدائد سفر سے ہلاک ہو گئے۔

نیوبھر جو اس وفد کا سرعسکر تھا، ان متواتر حوادث سے ذرا بھی پس مردہ نہ ہوا وہ پھر عرب آیا اور عمان، خلیج فارس اور بصرہ ہوتا ہوا شام وفلسطین سے ڈنمارک پہنچ گیا۔

اس وفد کے نتائج سفر نیوبھر نے ۱۷۷۴ء میں شائع کئے، جن سے سب سے پہلی بار علمی اور تحقیقی طور پر یورپ کو نہ صرف یمن سے بلکہ تمام عرب سے اطلاع ہوئی۔

عسیر: عسیر گو اب الگ ہے لیکن درحقیقت وہ یمن کا ٹکڑا ہے، ہرنبرگ (Hrenbueagh) اور ہمپرچ (Ur.Fhemprich) نے ۱۸۱۵ء میں تہامہ اور جزائر سواحل عرب کا سفر کیا اور ۱۸۳۶ء

میں بوٹا (P.H.Botla) نے نباتاتی تحقیقات کی غرض سے جنوبی عرب کی خاک چھانی لیکن یورپ جغرافیہ عرب کے لئے نیوبھر کے بعد فرانسیسی افسر ٹمیزر (M.O.Tamisier) شیڈیفاؤ (Chedu Fau) اور ماری (Mary) کا ممنون ہے، جو مصری فوج کے ساتھ عسیر آئے تھے۔

جوف اور مآرب: ارناؤ (Arnaud) پہلا یورپین ہے، جس نے ''جنوبی جوف'' کا اور ''مارب'' کے حجری کتبوں کا مشاہدہ کیا اور سد عرم کا نقشہ تیار کیا، اس اطلاع سے مشہور اثری (ارکیالوسٹ) ہالوے (Halvey) پہلے صنعاء پہنچا، پھر صنعاء سے شمالی مشرقی جانب المدید آیا جو پانچ ہزار عرب باشندوں کا مسکن اور ضلع نحم کا مرکز ہے۔

ہالوے نے یہاں ایک سطح مرتفع کو قطع کیا جہاں اس کو متعدد شکستہ عمارات اور منہدم میناروں کا نشان معلوم ہوا، پھر وہ قریہ مجرز میں پہنچا، جو جبل یام و جوف کے حدود پر واقع ہے اور یہی اس کی عظیم الشان اثری تحقیقات کا مرکز ہے، یعنی یہیں اس کو قوم سبا کے نقوش اور کتبے ہاتھ آئے، یہیں اس نے مقام معین کا پتہ لگایا جو قبیلہ معین کا قدیم دارالحکومت تھا یہیں قدیم یونانی جغرافیہ نویس پلینی کا نشان دادہ مقام ''نشق'' ملا، جہاں سبا کی فوج نے رومی لشکر سے جو بسر کردگی آلیوس گالیوس آئی تھی، ۲۴ ق م میں شکست کھائی تھی۔

الجبل سے ہالوے شمال کی طرف مڑا اور نخلستان خب اور صحرائے اعظم کو قطع کرتا ہوا اس سرسبز و شاداب قطعہ میں پہنچا، جس کا نام ''نجران'' ہے، یہاں اس کو یہودیوں کی ایک آبادی ملی، جس کے ساتھ اس نے نخلستان مخلاف میں چند ہفتے گذارے، یہاں سے ایک گھنٹہ کی مسافت پر مشرق کی جانب قریہ ''مدینتہ المعہوذ''، کے قریب بطلیموس کے بیان کردہ شہر نجرا کا کھنڈر نظر آیا۔

جون ۱۸۷۵ء میں اس نے اس سرزمین میں قدم رکھا جو اس کے سفر کی منزل مقصود تھی یعنی شہر ''مارب'' جو قوم سبا کا دارالحکومت تھا، یہاں اس کو ''مدینتہ النحاس''، کے آثار ملے اس مقام کا نام مدینتہ النحاس اس لئے رکھا گیا ہے کہ اس کے اکثر کتبات

(نحاس) برنجی پتروں پر منقوش پائے گئے ہیں، اس مقام سے بجانب مشرق دو گھنٹے کی راہ پر ہالوے نے مارب کے اس مشہور بند آب (سد مارب) کا پتہ لگایا، جس کو حمیریوں نے وادی شیوان کے عرض میں تعمیر کیا تھا اور جو ملک میں آب رسانی کا تنہا ذریعہ تھا۔

ہالوے کے بعد مارب کا دوسرا یورپین زائر آسٹریا کا عالم اثریات گلازر (Glasor) (۱۸۵۵ تا ۱۹۰۸ء) ہے جس نے نیوبھر کے بعد علم آثار عرب کی سب سے زیادہ خدمت کی، اس نے دولت عثمانیہ کے زیر حفاظت صنعاء کی شمالی ومشرقی جانب کا مطالعہ کیا، ابھی وہ صرف سب سے پہلے تاریخی مقام ''خمر'' تک پہنچا تھا کہ قبائل عرب کی باہمی جنگ سے واپسی پر مجبور ہوا، تاہم اس کو اتنا موقع مل گیا، کہ وہ اس سطح مرتفع تک پہنچ گیا جو وادی فرید اور وادی خمرال کے درمیان واقع ہے اور جہاں پہلے حمیر کی آبادیاں تھیں اور پھر ان دونوں وادیوں کے مقام اتصال کی دریافت کے لئے آگے بڑھا تا آنکہ جوف میں پہنچ گیا۔

۱۸۸۹ء میں دوبارہ گلازر ترکی حکومت کے زیر حفاظت ملک عرب کو روانہ ہوا اور خوش قسمتی سے بخیریت مارب پہنچ گیا اور وہاں سے ۳۰ دن کے قیام کے بعد جدید حمیری نقوش وکتبات کی ایک کثیر تعداد اپنے ساتھ لے کر واپس آیا۔

حضر موت: جنوبی ساحل سے اندرون ملک میں جانے کی کوشش سب سے پہلے ۱۸۳۳ء میں کی گئی، جب دو انگریز افسر لفٹنٹ کروٹنڈن (C.Crutenden) اور ویلسلڈ (J.R. Wellsled) سواحل عرب کی پیمائش کے لئے متعین کئے گئے، ان دونوں نے وادی میقات میں ''نقب الحجر'' کے کھنڈروں کا معائنہ کیا، یہاں اور نیز مکلا کے پاس ''حصن عراب'' میں حمیری کتبات کا اکتشاف کیا، یہ سب سے پہلی دفع ہے جب حضر موت میں عربی تمدن کا سراغ ملا۔

ان کے بعد اوڈلف وان دریڈے (Adolph Von Wrada) ۱۸۴۳ء میں مکلا کے ساحل پر لنگر انداز ہوا اور پیغمبر ہودؑ کی قبر کا جو حضر موت میں واقع ہے، زائر بن کر شمال کی جانب وادی دوان کی سطح مرتفع تک پہنچا اور یہاں سے جنوبی صحرائے اعظم کی

طرف روانہ ہوا، وادی دوان سے واپسی میں وہ پہچان لیا گیا، اس لئے وہ جلد ملک سے نکل جانے پر مجبور ہوا۔

۱۸۹۳ء میں ہرلیش (D.Hinoch) سلطان مکلا کے زیر حفاظت قصبہ سیون اور تریم سے جو سلطان کے مقبوضات ہیں، آگے بڑھا، پہلے یہ وادی دوان پہنچا، جہاں اس نے قریہ، نجران کے پاس قدیم عمارات اور کتبات کا کھنڈر پایا، یہاں سے وہ واپسی میں وادی ابن علی اور وادی ادیم ہوکر مکلا واپس آ گیا، اس کے تھوڑے ہی دنوں بعد تھیوڈر بنٹ (J. Tyheodore Bent) اور لیڈی بنٹ اس جماعت کے ساتھ جو گورنمنٹ آف انڈیا کی طرف سے ملک کی پیمایش کو گئی تھی، اسی نشان سفر پر حضرموت پہنچی، دونوں نے یہاں حمیر کی بہت سی یادگاروں کا اور کتبات کا معائنہ کیا۔

عمان: عمان میں جو ایک مدت سے انگریزی اقتدار کو قبول کر چکا ہے تعجب ہے کہ یورپین سیاح مسقط سے زیادہ آگے نہیں بڑھے، برٹش دستہ فوج جو ۱۸۱۰ء میں عمان گیا تھا سواحل سے آگے نہیں بڑھا، (I.R.wellotur) جس نے جنوبی عرب میں حضرموت کی تفتیش کی تھی ۱۸۳۵ء میں اب وہ شمالی عرب کی تحقیق کو نکلا اور مسقط پہنچا، مسقط سے جہاز پر وہ راس الحد تک آیا، پھر جنوب کی طرف صحرا کے کناروں تک قبیلہ بنو علی کے مسکن تک پھرا، پھر شمالی مغربی جانب کو وادی بیشہ اور نجد ہوکر حضرموت کے قریب مقام ''سحر'' سے نکل کر ہندوستان چلا آیا۔

اسی طرح عمان سے ہو کر ۱۸۷۶ء میں کرنل مائلس (S.B.Miles) نے بھی ظہیرہ، القطار وغیارہ مقامات کی سیر کی۔

حجاز: حجاز میں غیر مسلم کا گذر مشکل ہے، اس لئے یہاں کے اکثر یورپین سیاحوں کو مسلمان بننا پڑا بعض ان میں بعد کو سچے مسلمان ہو گئے جیسے برکھارڈ جس کو مصری مسلمان شیخ برکات کہتے ہیں اور بعض محض مصنوعی تھے جیسے حاجی برٹن (Sir Richard Burton) ان

سفرناموں میں ایک مسلمان کے لئے کوئی دلچسپی نہیں، کیوں کہ ہر مسلمان بچہ اس کو جانتا ہے، مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ کے حالات، اعمال حج کی کیفیت، قافلوں کی زندگی، عام بدویوں کے حالات، یہ ان سیاحوں کے سرمایہ سفر ہیں، جن کی یورپ میں بڑی قدر ہے۔

حجاز کا پہلا یورپین سیاح ایک اسپینی ہے، جس کا نام بیڈے لیلیچ (Badiaydelich) ہے، یہ علی بے عباسی کے نام سے مسلمان بن کر ۱۸۰۷ء میں جدہ پہنچا اور حاجیوں کے قافلہ کے ساتھ مکہ معظّمہ روانہ ہوا، یہ سب سے پہلا یورپین ہے جس کو شہر مقدس کی زیارت اور اعمال حج کے مشاہدہ کا شرف حاصل ہوا۔

حجاز کی سب سے عمدہ تصویر برکھارڈ نے کھینچی اور یورپ اس کے لئے اس کا ممنون ہے، یہ جولائی ۱۸۱۴ء میں جدہ آیا، جب محمد علی پاشا خدیو مصر وہابیوں سے برسر پیکار تھا، برکھارڈ پہلے طائف پہنچا، پھر مکہ آیا اور تین مہینہ یہاں شہر کے جغرافی اور ریاضی حالات کا مشاہدہ کرتا رہا، جنوری ۱۸۱۵ء میں مدینہ منورہ گیا اور وہاں کے حالات کا بھی جغرافی و ریاضی نظر سے مطالعہ کرتا رہا، واپسی میں ینبوع ہو کر مصر پہنچا جہاں اس نے وفات پائی اور بطریقہ اسلامی مدفون ہوا۔

انڈین آفیسر سر رچرڈ برٹن بھی برکھارڈ (برکات) (Burckharat) کے بعد ایک مسلمان حاجی کی صورت میں حاجیوں کے قافلہ کے ساتھ مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ پہنچا اور یہاں کے جغرافی اور طابوغرافی[1] ریاضی جغرافیہ حالات کی سب سے زیادہ تحقیق کی اور جس راستہ سے ہو کر مکہ سے مدینہ گیا، اس راستہ پر اس سے پہلے کسی یورپین کا گذر نہیں ہوا تھا، برٹن کا ارادہ تھا کہ شمالی عرب سے ہو کر جنوبی عرب کو قطع کر کے عمان سے نکل جائے لیکن قلت فرصت کی بنا پر وہ اس ارادہ سے باز رہا۔

---

[1] طابوغرافی جس کو عربی میں علم تخطیط البلدان کہتے ہیں وہ علم ہے جس میں مقامات کے جائے وقوع، ایک مقام سے دوسرے شہر کا فاصلہ، اس کا طول البلد اور عرض البلد وغیرہ مباحث سے بحث ہو۔

اس سفر کے ۲۵ برس بعد حکومت مصر کی طرف سے وہ مدین میں سونے کی کان کی تلاش میں بھیجا گیا، سونے کی جو کان وہاں ملی اس میں سونا نکالنے کی کوششوں کے قدیم آثار معلوم ہوتے تھے، برٹن کو اس وقت اس میں سونے کی مقدار بہت کم ملی، تاہم سونے سے زیادہ گراں اکتشافات اس کے ہاتھ آئے، یعنی اثری (آرکیالوجیکل) تحقیقات اور تخطیطی (ٹاپوگرٹیفیکل) پیمائشیں، تمام سواحل مدین کی خلیج عقبہ کے راس سے وادی حمد کے دہانہ تک نہایت کامیابی کے ساتھ انجام کو پہنچیں۔

نجد: تمام اقطاع عرب میں نجد کا سفر اہل یورپ کے لئے انیسویں صدی کے اوائل میں زیادہ آسان تھا کیوں کہ اس زمانہ میں محمد علی پاشائے مصر، نجد کے وہابیوں کے ساتھ سرگرم پیکار تھا، مختلف اغراض سے برٹش حکومت بھی محمد علی کی رفیق جنگ تھی، اس جہاز سے متعدد برٹش افسر مصری فوج کے ساتھ ساتھ تمام نجد کا نہایت آسانی سے سفر کر سکے۔

کپتان سیدلیر (G.E.Saleer) ویلن (G.Auallien) ۱۸۴۹ء یو، جی، پالگریو (U.G.Palyrau) (۱۸۶۲ء) نے اسی مصر و نجد کے تعلق سے نجد، ریاض حائل شمر اور حجاز کا مشاہدہ کیا، ان کے مشاہدات و معائنات میں بجز عرب کے اجتماعی اور زرعی اور عام سفر کے واقعات کے کوئی علمی دلچسپی نہیں ہے اور عجب نہیں کہ یورپ کے لئے یہ چیزیں بالکل نئی ہوں کہ پالگریو جیسے سطحی النظر کو بھی اکتشاف عرب کی مجلس میں یہاں ایک بلند درجہ دیا جاتا ہے۔

شمالی عرب: جنوبی عرب (یمن و حضر موت) کی طرح شمالی عرب بھی قدیم یادگاروں کا مخزن ہے، جس میں حواران، بطرا، تدمر، مدین، مدائن صالح، صفا اور العلاء وغیرہ مقامات عتیق العمر اور کثیر الآثار ہیں، سب سے پہلا یورپین جس نے ان مقامات کا سفر کیا اور خصوصاً جس نے بطرا کے کھنڈروں کو دیکھا، برکھارڈ[1] (۱۸۱۲ء) ہے، چارلس ڈوٹے (Charles Doughty) ایک انگریز ہے، جس نے ۱۸۷۵ء میں ان مقامات کا سفر کیا وہ دمشق سے حاجیوں کے قافلہ

[1] انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، ج ۲۱، ص ۳۲۔

کے ساتھ روانہ ہوا اور الحجر پہنچ کر مدائن صالح اور العلاء کے مشاہدہ و تفتیش کے لئے گیا اور وہاں سے مفید معلومات کا ذخیرہ ساتھ لایا اور مشہور مستشرق رینان (Renan) کے پاس پیرس یہاں کے کتبات نقوش اور مقابر کی لوحوں کی نقلیں روانہ کیں، رینان نے ہدایت کی کہ ابھی وہ صحرا کی طرف اور آگے بڑھے۔

ڈوٹے ایک شیخ قبیلہ کی زیر نگرانی حجاز اور نجد کے درمیان تمام قطعہ ملک میں پھرا اور تیماء گیا، جہاں اس نے متعدد قدیم یادگاریں دیکھیں جن میں ایک مشہور یادگاری پتھر بھی ہے جس پر کچھ عبارت کندہ تھی، موسم گرما میں وہ حائل گیا اور وہاں سے واپسی میں خیبر پہنچا اور یہاں سے چند مہینوں تک دیگر مقامات کی سیر کے بعد جدہ واپس آ گیا۔

ڈوٹے کے تین برس بعد ولفری (Wilfrid) اور لیڈی بلنٹ (Lady Annoblant) نے ایک نوجوان شیخ عرب کی معیت میں جس کا خاندان تدمر میں سکونت پذیر تھا، عرب کا سفر کیا، یہ پہلے دمشق آئے اور وہاں سے سیدھے صحرائے شام کا رخ کیا، پھر وہاں وادی شمران ہو کر جوف پہنچے، جوف سے جبل شمر ہو کر حائل پہنچے، جہاں ابن رشید امیر نجد نے ان کا نہایت تپاک سے استقبال کیا، ایک مہینہ کے قیام کے بعد یہاں سے ایرانی قافلہ حجاج کے ساتھ یہ لوگ کربلا اور بغداد ہو کر نکل آئے۔

۱۸۸۳ء ایک فرنچ سیاح کی تاریخ سیاحت ہے، اس کا نام ہوبر (C.Huber) ہے، ہوبر کی معیت میں ایک اور یورپین ارکیالوجسٹ یوٹنگ (Euting) نامی تھا، ان دونوں کے اکتشافات نے ڈوٹی کی ناتمام تحقیقات کی تکمیل کی۔

ہوبر کی تحقیقات اور اکتشافات عام حالات و واقعات سے بلند تر اور زیادہ علمی ہیں، جس کی عرب کی ارکیالوجی اور ٹاپوگرافی نہایت ممنون ہے، ہوبر نے حائل اور تیماء کے درمیان بہت سے کتبات کا سراغ پایا اور ڈوٹے کے بیان کردہ مشہور منقوش پتھر کو حاصل کیا جو مواب کی یادگار ہے اور جس کی سامی آثار میں نہایت گراں پایہ وقعت ہے۔

ہوبر یہاں سے عنیز آیا اور وہاں سے براہ راست نجد، نجد سے مکہ اور مکہ سے جدہ پہنچ کر خوش قسمتی سے اس نے اپنی تحقیقات واکتشافات کا تمام سرمایہ یہاں چھوڑ دیا اور خود جولائی ۱۸۸۴ء میں اندرون ملک میں پھر آیا، جہاں وہ عربوں کے ہاتھ سے مارا گیا، اس کی تحقیقات واکتشافات کا مجموعہ اس کے بعد شائع ہوا۔

حدود سفر: یورپین سیاحوں کے مقاماتِ سفر کا نقشہ اگر ہمارے سامنے ہوتو نظر آئے گا کہ نصف شمالی کوہ قوف سے مکہ تک انھوں نے بالکل چھان ڈالا ہے، نصف جنوبی میں ایک ثلث حصہ تو صحرائے اعظم کا ہے جس میں سفرموت کے مرادف ہے، بقیہ حصص میں باستثنائے جوف ونجران ویمن وہ سواحل سے سومیل سے آگے نہیں بڑھے۔

تدمر کا نشان یورپ کو بہت پہلے مل چکا تھا ڈاکٹر ولیم ہالیفکس (W.Halifax) (۱۶۹۱ء) تدمر کا پہلا یورپین سیاح ہے، وہاں کے عمارات کی تحقیق ووڈ (Wood) اور ڈاکنس (Dawkins) نے ۱۷۵۱ء میں کی لیکن اپی گریفی کے لحاظ سے سب سے زیادہ قابل قدر خدمات پرنس اباما لک (Abamelekla Zarew) نے ۱۸۸۲ء میں اور (Wadddengton D.vogu) نے (۱۸۸۲ء میں) انجام دی اور ان پر تصنیفات ورسائل ترتیب دیے[1]۔

کیا کیا آثار عرب ان سیاحوں کو نظر آئے: مسلمان سیاح اور جغرافیہ نویسوں نے جن آثار عرب کا مشاہدہ کیا اس کا ذکر ہم اوپر کر آئے ہیں، جہاں ہم صرف یورپین سیاحوں کے دیکھے ہوئے آثار عرب کا ذکر کرتے ہیں:

یورپین سیاحوں نے آثار عرب کے پانچ اصناف قرار دیے ہیں[2]:

۱- آثار قبل تاریخ

۲- آثار شہر پناہ وقلعہ

---

[1] انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا جلد ۲۰ صفحہ ۶۵۴　[2] یہ باب تمام تر انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا جلد ۲۰ صفحہ ۲۶۲ ص ۲۶۳ سے مترجم ہے، طبع یازدہم۔

۳-آثار بند (سد)

۴-آثار حجریہ ونحاسیہ (پتھر اور تانبے کے آثار)

۵-آثار وعمارات منہدمہ قبل تاریخ

سیاحان مغرب کی تحقیق کے مطابق اس قسم کی یادگاریں بھی عرب میں پائی جاتی ہیں جن کی عمر تاریخ سے زیادہ بڑی ہے، پالگریو نے اپنے سفرنامہ عرب میں جس کا نام (Central and Eastern Arabia) ہے، بڑے بڑے ناتراشیدہ اور انگھڑ پتھروں کی ایک قدیم وعتیق عمارت کا ذکر کیا ہے جو نجد کے دامن کوہ میں بطور دائرہ کے ہے، آٹھ نو پتھر اب تک باقی ہیں، جن میں سے بعض کی بلندی ۱۵ فٹ تک ہے، دو پتھروں کی لمبائی ۱۰ سے ۱۲ فٹ تک ہے جو اب تک چھت کو سنبھالے ہوئے ہیں[1]، ڈوٹے (Doughty) نے شمالی مغربی عرب میں سنگ خارا کی ایک قطار کھڑی اور پتھر کی بڑی بڑی سلوں کا فرش دیکھا (جس کو وہ کوئی مذہبی عمارت نہیں خیال کرتا) اور مدور تودہائے خاک جابجا اس کو نظر آئے جو شاید مقبروں کے ٹیلے ہوں، وہاں بعض گول کمرے بھی اس نے دیکھے جو بغیر چونے کے بنائے گئے تھے، عجب نہیں جو یہ پرانی قبریں ہوں، اس قسم کے ایک مقبرہ کا فوٹو ڈوٹے نے اپنے سفرنامہ میں دیا ہے جو ''ہجر'' میں واقع ہے۔

بنٹ (J.Bent) نے بحرین میں متعدد قدیم وکہنہ آثار کا نشان پایا جو اب بالکل تودہ خاک ہیں اور جو غالباً قبریں معلوم ہوتی ہیں، یہاں کی بعض یادگاروں کے متعلق خیال ہے کہ وہ فنیشین ہیں۔

آثار شہر پناہ وقلعہ: جنوب عرب میں جہاں عہد مسیح سے پیشتر ایک پر رونق تمدن موجود تھا، قلعوں اور شہر پناہوں کے منہدم آثار اب تک باقی ہیں اور جن کا یورپین سیاحوں نے نامکمل طور سے ذکر کیا ہے، یمن اور خصوصاً حضر موت میں اس قسم کی عمارتیں جن میں کہیں کہیں کتبے بھی ہیں، اب تک موجود ہیں۔

---

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ا باب ۱۲۔

شہر مارب جو حکومت سبا کا قدیم پایہ تخت تھا اس کے آثار باقیہ کا اب تک نشان ملتا ہے، آثار البلاد قزدینی کے حوالہ سے جرمن ایشیا ٹک سوسائٹی جرنل نے (ج ۷ ص ۴۷۲، ۶ ۷ ۴ جلد ۱۰ صفحہ ۲۰) اس قسم کی بعض عمارتوں کے حالات شائع کئے ہیں، ارناؤ، گلازر اور ہالوے نے بھی ان آثار کا مشاہدہ کیا لیکن شومی قسمت سے ان کا اکتشاف زمانہ مستقبل سے متعلق رہ گیا کیوں کہ ارناؤ اس بند آب (سد) کے اکتشاف میں مشغول رہا[1] جو عجائب میں سے ہے اور ہالوے اور گلازر نے کتبات سے زیادہ دلچسپی لی۔

آثار بند (سد): عرب کا ملک قدرتی دریا سے محروم ہے، اس لئے اس کی زرعی زندگی کا مدار زیادہ تر ان پہاڑی چشموں پر ہے جو بہہ بہہ کر وادیوں میں پھیل جاتے ہیں اور پھر وہ یا ریگستان میں خشک ہو جاتے ہیں یا سمندر میں گر جاتے ہیں، یہ چشمے پہاڑوں سے اس طرح ناگہانی طور سے ابل پڑتے ہیں کہ دور تک آبادیوں کو بے نشان کر دیتے ہیں، ان وجوہ سے قدیم عرب وادیوں میں بند آب تعمیر کیا کرتے تھے جس کو عربی میں سد کہتے ہیں، عرب کا مشہور ترین سد سد مارب ہے جس کو سد عرم بھی کہتے ہیں تقریباً ڈیڑھ ہزار برس سے منہدم ہے اور جس کی شکستہ دیوار اب تک زائرین عدن کے لئے نشان عبرت ہے[2]۔

یورپین سیاحوں میں سد مارب کا مشاہدہ سب سے پہلے ارناؤ نے کیا لیکن اس کی اصلی اہمیت گلازر نے اس سد کے متعلق جو کتبات تھے ان کی ۱۸۹۷ء میں اشاعت سے ظاہر کی، ان کتبات سے اس سد کے متعلق تاریخی حالات بہت روشن ہو گئے ہیں۔

یمن میں حران کے پاس ہارس (W. B.Harius) نے ایک اور بند دیکھا ہے جس کا طول ۱۲۰ اگز ہے اور جس کے اوپر تین بڑے بڑے حوض بنے ہیں[3]۔

---

[1] سبا کے عنوان میں اس کی کسی قدر تفصیل ہے۔ [2] اکتوبر ۱۹۲۱ء میں سفر یورپ سے ہوتے ہوئے الحمدللہ میں نے خود جا کر عدن میں اس نشان عبرت کو دیکھا، ۱۹۲۴ء میں حجاز جاتے وقت پھر اس کی زیارت کی۔ ''سید سلیمان'' [3] A Journey through Yemen Page 279-11 and 36۔

آثار حجریہ ونحاسیہ: آثار قدیمہ کی یہ صنف سب سے زیادہ کارآمد ہے کہ ان پر اکثر کتبات منقوش ہوتے ہیں، ان سے تاریخی فوائد حاصل ہوسکتے ہیں اور حل مطالب کے لئے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیے جاسکتے ہیں، انیسویں صدی میں یورپ کے عام عجائب خانوں میں اور خصوصاً لندن، پیرس، برلن اور وائنا کے عجائب خانوں میں اس قسم کی چیزیں کافی تعداد میں موجود ہیں، جن میں سے اکثر پر ''معین'' اور ''سبا'' کی زبان میں اور بعض پر حضرموت اور ''قتابین'' کی زبان میں کتبات منقوش ہیں، حیرہ کے بادشاہ امراء القیس کی قبر کا کتبہ ملا ہے، ایک کتبہ جو صفا کے پاس پایا گیا ہے، قبیلہ قریش کے مورث نزار کا نام مکتوب[1] ہے، یمن کے حصن غراب پر جو حمیری کتبے ملے ہیں ان میں سے ایک کے نیچے ''اوس'' کا نام منقوش ہے، جو انصار مدینہ کی ایک شاخ کا جد اعلیٰ تھا اور جس کا مسکن یمن تھا[2]۔

یہ کتبات عموماً عام پتھروں پر سنگ مرمر پر اور نیز برنجی تختیوں پر منقوش ہیں طول و بلندی میں ان کی مقدار کئی انچ سے کئی فٹ تک ہے، باستثنائے بعض حالات جن میں خود اصل کتبات یورپ میں منتقل کر لئے گئے ہیں، اکثر صرف ان کے چربہ اور نقل پر قناعت کرنی پڑی ہے۔

یہ کتبات جن حروف میں لکھے گئے ہیں وہ فنیشین (فنیقی) خط سے ماخوذ معلوم ہوتے ہیں اور جو زبانیں ان میں استعمال کی گئی ہیں وہ ابھی تک علمائے السنہ کے زیر غور ہیں، تاریخی اور آثاری حیثیت سے اب تک جو کتبات ملے ہیں ان سے کچھ زیادہ فوائد حاصل نہیں ہوتے، کیوں کہ یہ کتبات اکثر مذہبی ہیں جن پر زیادہ تر صرف عام اشخاص اور بادشاہوں اور دیوتاؤں کے نام کندہ ہیں، بعض جو تاریخی کتبات ہیں ان میں تاریخ مذکور نہیں اس لئے ان کے اصل حقیقی زمانہ کے متعلق علمائے آثار مختلف الآرا ہیں لیکن بہر حال قدیم تر تاریخ ان کتبات کی آٹھویں صدی ق م سے (اور گلازر کی تحقیق کے مطابق پندرہویں صدی ق م سے)

[1] انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا ج ا ص ۲۷۴ [2] کتبات حصن غراب ضمیمہ فارسٹر۔

چھٹی صدی عیسوی تک ہے۔

اس قسم کے بعض پتھر تو اب تک اپنے قدیم اصلی مقام پر گڑے ہیں لیکن زیادہ تر پتھر ایسے ہیں جن کو قدیم مقامات سے اکھاڑ اکھاڑ کر لوگوں نے گھروں میں، مسجدوں میں اور نئے کنوؤں میں لگا لئے ہیں، ان آثار حجریہ میں سے بعض قربان گاہیں ہیں، بعض دیوتاؤں کی مورتوں یا ان جانوروں کی طلائی مورتوں کے چبوترے ہیں جو دیوتاؤں کو نذر دیے گئے ہیں، جو پتھر قدیم ہیں وہ عموماً نقش و نگار سے عاری ہیں لیکن جو متاخر زمانہ کے ہیں، ان میں پھول پتے بنے ہیں، یا بیل کے سر کا نقش ہے، یا مرد یا عورت کی تصویر بنی ہے، بعض آثار میں بابل کے طرز کے مقدس مذہبی درخت کی تصویر ہے، جس کے سامنے اس کے پوجاری کھڑے ہیں، ان آثار کے علاوہ قبروں کی لوحیں چونے کے پتھروں کے ٹکڑے عمارت کے نقشے اونٹ، گھوڑے، چوہے یا سانپ وغیرہ کی برنجی مورتیں بھی ملی ہیں۔

مہر، سکہ، قیمتی پتھر: وائنا (آسٹریا) کے دارالآثار نے اس قسم کی مہروں کی ایک قلیل تعداد حاصل کی ہے، یہ مہریں عموماً پیتل، تانبے، چاندی اور پتھر کی ہیں جن پر سبائی خط میں الفاظ کندہ ہیں، عرب کے جو قدیم سکے دستیاب ہوئے ہیں وہ اب کچھ تو برٹش میوزیم لندن میں اور کچھ وائنا میں ہیں، یہ عموماً یونانی قطع کے ہیں لیکن ان پر جو کتبات ہیں وہ سبائی خط میں ہیں، لندن برٹش میوزیم میں جو سکے ہیں وہ عدن، صنعاء مارب میں ملے ہیں یا قسطنطنیہ سے خرید کر لائے گئے ہیں، وائنا کے سکے محقق ترین سیاح عرب گلازر کے نتائج عمل ہیں، بعض قیمتی پتھر بھی ملے ہیں، جو وائنا کے عجائب خانہ میں محفوظ ہیں۔

لیکن یہ تمام تر زمانہ مابعد کے ہیں، ان پر مختلف اشکال نقش ہیں، بعض پر عربی کتبے ہیں۔

عمارات منہدمہ: جنوبی عرب (یمن و حضرموت) اور شمالی عرب (وادی القریٰ) جوران و بادیۂ شام) میں جو قدیم عربی حکومتوں کے مرکز تھے قصور شاہی، معابد دینی اور عام مقابر کی

منہدمہ عمارتیں اب تک باقی ہیں، جنوبی عرب میں حضرموت میں اس قسم کی عمارتیں ہیں جن میں سے عدن کے پاس ایک انگریز سیاح نے ''حصن غراب'' کا نشان دیا ہے، شمالی عرب میں تدمر کے کھنڈر ہیں جن میں نازک و بلند ستون اب تک ایستادہ ہیں، معبد شمس کا نشان باقی ہے، بعض رومی عمارات کے آثار بھی ہیں، بطرا جس کو عرب ''حجر'' اور یہود ''سلاع'' کہتے ہیں اور جو نبطیوں کا دار الحکومت تھا، آثار منہدمہ کا مدفن ہے، ایک اور عمارت کا نشان ہے جس کو ''خزانۂ فرعون'' کہتے ہیں، ان ہی کھنڈروں میں ایک اور عمارت ہے جس کا نام ''قصرِ فرعون'' ہے بعض معابد کے بھی آثار ہیں، بعض قبریں ہیں جو میناروں کی شکل میں ہیں، بعض عمارتیں پہاڑ کاٹ کر بنائی گئی ہیں۔

تاریخ قدیم کے بعض اصول

تاریخ قدیم کی تدوین میں سب سے بڑی دقت زمانوں کی تعیین اور ناموں کے اتحاد واختلاف کی پیش آتی ہے، ان کے متعلق چند اصول سمجھ لینا چاہئیں۔

اصول تعیین زمانہ: جدید طرز تاریخ کی رو سے یہ نہایت ضروری ہے کہ قبائل کے زمانہ کی بھی تعیین کی جائے لیکن درحقیقت یہ نہایت مشکل کام ہے، کیوں کہ اس کی واقفیت کے صرف تین ذرائع ہیں تورات، جو تفصیلی بیان سے بالکل خاموش ہے، روایات عرب جن میں تاریخ و سنین مذکور نہیں، آثار قدیمہ اور الواح منقوشہ، جن سے صرف چند شاہان عرب کی تاریخ وفات یا تاریخ فتوحات معلوم ہوتی ہے۔

عموماً کسی مجہول العہد قوم کی تعیین زمانہ کی یہ صورت اختیار کی جاتی ہے کہ اس کے معاصر معلوم العہد قوم یا شخص کے زمانہ سے اس کا قیاس کیا جاتا ہے، تعیین زمانہ کا دوسرا اصول یہ ہے کہ عموماً چار پشتوں کی ایک صدی فرض کر کے پشتوں کے شمار سے زمانہ کی تعیین کی جاتی، لیکن یہ خوب اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ کسی قوم کے وجود کی تاریخ اور اس کی شہرت اور ناموری کی تاریخ دونوں دو چیزیں ہیں، یہ ضرور نہیں ہے کہ اگر ایک قوم کی شہرت کا ایک زمانہ ہو تو وہی زمانہ اس کے آغاز وجود کا بھی ہو، مثلاً بنوقحطان کی شہرت وترقی کا زمانہ ہم عہد موسوی کے بعد پاتے ہیں، تو اس سے یہ قیاس نہیں کرنا چاہیے کہ عہد موسوی ہی ان کے آغاز وجود کا زمانہ بھی ہو، دنیا کی ہزاروں قومیں ہیں جو ہزاروں برس تک خاموش اور مجہول زندگی بسر کرتی ہیں اور پھر دفعتاً بعض اسباب سے نامور ہو جاتی ہیں، بلکہ فلسفہ تکوین اقوام

کے رو سے نہایت ضروری ہے کہ آغاز وجود کا زمانہ اس کے زمانہ ارتقاء وشہرت سے سیکڑوں ہزاروں برس پیشتر ہو کہ ایک فرد کنبہ بن سکے اور ایک کنبہ قوم۔

اصول تطبیق اسماء: ایک اور چیز جس سے کسی قدیم قوم کی جائے سکونت اور قومیت کی نوعیت کی تحقیق میں بڑی مدد مل سکتی ہے، اشخاص تاریخی اور ان کے مقامات سکونت کے ناموں کا، یا دو قوموں کی زبان، اشخاص اور دیوتاؤں کے ناموں کا باہمی تطابق ہے۔

اشخاص و مقامات کے ناموں کا باہمی تطابق ان اشخاص کے مقامات سکونت کا پتہ دیتا ہے اور دو قوموں کی زبان اور ان کے باہمی اسماء کا تطابق ان کے اتحاد قومیت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

پہلا طریقہ تحقیق تمام ممالک عالم سے زیادہ بلاد سامیہ کے جغرافیہ قدیم میں کارآمد ہے، کیوں کہ سامی اقوام کا یہ خاص مذاق ہے کہ وہ مقامات سکونت کے نام بعینہ باشندوں کے نام رکھ دیتے ہیں جن سے نہایت آسانی سے یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ ان اقوام کا کہاں مسکن تھا؟ اور ان کی اولادیں کہاں کہاں پھیلیں۔

مسٹر فارسٹر نے اٹھارہویں صدی کے اواسط میں عرب کا جو تاریخی جغرافیہ (Historical Geography of Arabia) لکھا ہے اس میں اس اصول سے انھوں نے نہایت کارآمد نتائج پیدا کئے ہیں، گو بعض مقامات پر ان کے استنباطات وہم وظن سے آگے کا علم نہیں بخشتے اور کہیں علم کے بجائے وہ جہالت کا ثبوت پیش کرتے ہیں۔

لیکن اس اصول کے اجراء میں دو بہت بڑی دقتیں پیش آتی ہیں، پہلی یہ کہ زمانہ کے امتداد، قوموں کے انقلابات، اور زبانوں کے تغیرات سے نام کچھ سے کچھ ہو گئے ہیں، اس لئے مقامات اور باشندوں کے ناموں میں تطابق کے بجائے کہیں صرف تشابہ پر قناعت کرنی پڑتی ہے، دوسری دقت جو پہلے سے سہل تر ہے یہ ہے کہ سامی زبانوں میں باہم اور نیز یونانی زبان میں جن میں تورات کا قدیم ترجمہ ہے اور اب زیادہ تر وہی پھیلا ہوا ہے

جب ایک نام ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل ہوتا ہے تو بعض حروف کا خصوصیت زبان کی وجہ سے مبادلہ ہو جاتا ہے، مثلاً حسب ذیل حروف پیش ہیں:

وہ حروف جو باہم بدل جاتے ہیں	مثال
ا اور ہ، ح، ع	آجر اور ھاجر، امورانی اور حمورانی اسمائیل اور اسماعیل
پ اور ب، ف	پاران اور باران، فاران
ت اور ث	شیت اور شیث
تھ اور ث	تھمود اور ثمود
ث اور س، ص	عیثا اور عیسیٰ، عیصاؤ
ج اور ع، ا، گ، ی	ھاجر. ھاغر اور آگر، جقطان، یقطان
س اور ش	سبا اور شبا
ص اور ض	حصار موت اور حضارموت
ض اور س، د، ہ	اضحاک اور اسحق، حدر موت، حضرموت
ط اور ت	نابط اور نابت
ع اور ا	یارح اور یعرب
غ اور ج، گ	ھاغر اور ھاجر
ق اور ک	اضحاک اور اسحاق، قیدار اور کیدار
م اور ن	عمرام اور عمران
ی اور ج، ع	یرح اور جرح، یا جرہ، سنیار اور سنعار

یہ تغیرات تو صاف ہیں کہیں کہیں اول میں یا وسط میں یا آخر میں حروف کی زیادتی

اور کمی بھی ہوتی ہے، خصوصاً الف کی زیادتی اور کمی تو بہت عام ہے مثلاً حصار موت۔ حضرموت ابی رھام-ابراھیم، ھبل ھابیل وغیرہ۔

اصول اتحاد اسماء والسنہ: ہر قوم کے ناموں کی ایک خاص نوعیت اور ترکیب ہوتی ہے، جس میں اس کی قومیت کا امتیاز مضمر ہوتا ہے، اقوام موجودہ ہندوؤں، مسلمانوں، یہودیوں اور عیسائیوں کے ناموں کی اور پھر ان مذاہب مختلفہ میں سے مختلف ملکوں کے باشندوں کے ناموں کی ایک خاص نوعیت ہوتی ہے جس سے ان کی قومیت کا نشان ملتا ہے، اس بنا پر اگر دو قوموں کے ناموں میں باہمی تشابہ نظر آئے گا تو ہم نہایت آسانی سے کہہ سکتے ہیں کہ یہ دونوں قومیں درحقیقت متحد الاصل ہیں، اسی طرح مذہبی اعتقادات کا تشابہ اور الفاظ زبان کی مماثلت ومشاکلت بھی باہمی اقوام کے اتحاد نسل کی ایک مبہم دلیل ہے۔

انتباہات

۱۔ عاد، ثمود، سبا جرہم وغیرہ اکثر شخصی نام سمجھے گئے ہیں لیکن درحقیقت ایسا نہیں ہے، بلکہ وہ اصل میں قبیلوں اور قوموں کے نام ہیں، اس بنا پر اگر کہیں یہ مذکور ہے کہ ''سب سے پہلی سلطنت سبا نے قائم کی تو اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ کسی شخص مسمیٰ بہ سبا نے قائم کی بلکہ حسب عادات عرب بحذف مضاف ''بنوسبا'' سمجھنا چاہئے، اس اصول کے تسلیم کر لینے سے اکثر درمیان میں خالی جگہوں کے پر کرنے کے لئے ناموں کے گڑھنے کی ضرورت پیش نہ آئے گی اور یہ کوئی نئی بات نہیں، عرب میں عموماً آبائے قبائل مثلاً کعب، اسد، کلب، مازن وغیرہ بول کر ابنائے قبائل یعنی بنوکعب، بنواسد، وغیرہ مراد لیتے ہیں، اسی طرح اگر یہ مذکور ہے کہ عاد کی ہزار برس کی عمر تھی تو اس سے شخص عاد کی بجائے خاندان عاد مراد لینا چاہئے۔

۲۔ دوسرا امر قابل ذکر یہ ہے کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے کہ اختلات السنہ کی بنا پر نام بہت کچھ بدل جاتے ہیں، یہاں تک کہ ایک ہی شخص کا نام مختلف زبانوں کے تلفظ سے بگڑ کر ممکن ہے کہ وہ چند اشخاص کے مختلف نام سمجھے جائیں، یونانی، یورپین اور عربی زبانوں میں آج بھی ایک ہی نام کو دیکھو تو ان کے اختلاف تلفظ سے سخت حیرت ہوگی، قرآن کے اعلام پر تو کئی ہزار برس گذر گئے، مسلمان فلاسفہ اور حکما جن کو گذرے ابھی ایک ہزار برس بھی نہیں ہوئے، یورپین زبانوں میں ان کے عجیب عجیب نام ہو گئے ہیں جن کو اصل سے کوئی تعلق نہیں اور کبھی کوئی عرب ان کو عربی نام نہیں تسلیم کرے گا، ابوعلی بن سینا کو اولینا (Avicenie) سے کوئی

نسبت ہے؟ ابن رشد کو اویروس سے کیا تعلق؟ ابن ہثیم کو النہرین(Alharien) سے کیا مناسبت ہے؟ البقاسیس(Albucasis) کو ابوالقاسم زہراوی کون سمجھے گا۔

اسی طرح عبرانی نام عربی میں آ کر اور یورپ میں یونانی میں جا کر کچھ کا کچھ ہو گیا ہے عبرانی میں یقطان ہے، یونانی میں جقطان ہے اور عربی میں قحطان، عبرانی میں یارح ہے، یونانی میں جرح اور عربی میں یعرب ہے۔

اسلام سے پہلے عربوں کے قومی روایات میں بعض نام تھے، مثلاً یعرب، یہودیوں کے ذریعہ سے عبرانی تلفظ میں اس کو یارح سنا تو انھوں نے کہیں تو ان کو دو شخص فرض کر لئے، مثلاً یعرب اور ان کو قحطان کے دو بیٹے قرار دے دیے حالانکہ وہ ایک ہی ہیں، اور کہیں ایک کو دوسرے کی اولاد سمجھ لیا، مثلاً ان کو عاد بن ارم سے واقفیت تھی، یہود نے عوض ابن ارم کہا، انھوں نے فوراً دونوں ناموں کو جوڑ کر عاد بن عوض بن ارم کہہ دیا، حالانکہ عاد اور عوض ایک ہی چیز ہے، اسی طرح ان کو یہ معلوم تھا کہ سبا قحطان کی نسل میں یمن کا بانی حکومت تھا، یہود سے یعرب کا نام سن کر جراہیم کو تو حجاز کا باشندہ بتایا اور یعرب کو یمن کا اور سبا کو یعرب کا بیٹا قرار دے کر سبا بن یعرب بن قحطان کہہ دیا، حالانکہ تورات میں سبا بن قحطان بلاواسطہ یعرب بتصریح لکھا ہے اور اس کو یعرب کا بھائی کہا ہے۔

جغرافیہ عرب

لفظ عرب: عرب کو ''عرب'' کیوں کہتے ہیں؟ اس کے مختلف جوابات دیے گئے ہیں، ''عرب'' اعراب سے مشتق ہے جس کے معنی زبان آوری اور اظہار مافی الضمیر کے ہیں، چونکہ عرب کی قوم نہایت زبان آور اور فصیح اللسان تھی اس لئے اس نے اپنا نام عرب رکھا، اپنے سوا تمام دنیا کو اس نے عجم یعنی ''بے زبان'' کے نام سے پکارا لیکن حقیقت میں یہ صرف نکتہ آفرینی اور دقت رسی ہے، دنیا میں ہر قوم اپنی زبان کی اسی طرح جوہری ہے جس طرح عرب۔

علمائے انساب کہتے ہیں کہ اس ملک کا پہلا باشندہ یعرب بن قحطان تھا، جو یمنی عربوں کا پدر اعلیٰ ہے، اس لئے اس ملک کے باشندوں کو اور نیز اس ملک کو عرب کہنے لگے لیکن یہ بالکل خلاف قیاس اور معلومات تاریخی کے مخالف ہے، نہ یعرب اس ملک کا پہلا باشندہ تھا اور نہ لفظ عرب کسی قاعدہ لسانی کے موافق یعرب کی طرف منسوب ہو سکتا ہے اور سب سے عجیب بات یہ ہے کہ یعرب کا مسکن یمن تھا، اس لئے سب سے پہلے خود یمن یعنی جنوبی عرب کو عرب کہنا چاہیے لیکن اس کے بالکل برخلاف ''عرب'' کا لفظ پہلے شمالی عرب کے لئے مستعمل ہوا، تفصیل آگے آتی ہے۔

اہل جغرافیہ کہتے ہیں اور بالکل صحیح کہتے ہیں کہ ''عرب'' کا پہلا نام ''عربۃ'' تھا جو تخفیفاً بعد کو عموماً ''عرب'' بولا جانے لگا اور اس کے بعد ملک کے نام سے خود قوم کا نام بھی قرار دیا گیا چنانچہ شعراء عرب کے اشعار سے بھی جو عرب کی تنہا ڈکشنری ہے، اس کی تصدیق ہوتی ہے۔

اسد بن جاحل کہتا ہے:

وعربة ارض جد فی الشر اهلها   کما جد فی شرب النقاخ ظماء

ابن منفذ ثوری کا شعر ہے:

لنا ابل لم یطمث الذل نیبها   بعربة ماواها بقرن فابطحا

ولو ان قومی طاوعتنی سراتهم   امرتهم الامر الذی کان اریحا

اسلام کے بعد بھی یہ نام باقی رہا، ابوسفیان کلبی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں کہتے ہیں:

ابونا رسول الله وابن خلیله   بعربة بوانا فنعم المرکب

ابوطالب بن عبد المطلب کی طرف جو قصیدہ منسوب ہے، (گو صحیح نہیں) اس کا ایک شعر ہے:

وعربة دار الا یحل حرامها   من الناس الا اللو ذعی الحلا حل[1]

اب دوسرا سوال یہ ہے کہ اس ملک کا نام "عربۃ" کیوں قرار پایا؟ اصل یہ ہے کہ تمام سامی زبانوں میں "عربہ" صحرا اور بادیہ کا مفہوم رکھتا ہے، عبرانی میں "عربا" (ערבה) بیابان اور میدان کو کہتے ہیں اور خود عربی زبان میں اس مفہوم قدیم کے بقایا موجود ہیں، عرابۃ کے معنی بدویت کے ہیں اور اعراب اہل بادیہ اور صحرانشینوں کے لئے اب تک مستعمل ہے۔

چوں کہ عرب کا ملک زیادہ تر ایک بیابان بے آب وگیاہ ہے اور خصوصاً وہ حصہ جو حجاز سے بادیہ عرب وشام اور سینا تک پھیلا ہوا ہے، اس لئے اس کا نام "عربا" قرار پایا اور پھر رفتہ رفتہ وہاں کے باشندوں کو "عرب" کہنے لگے۔

قرآن مجید میں لفظ "عرب" ملک عرب کے لئے کہیں نہیں بولا گیا ہے، حضرت اسماعیلؑ کی سکونت کے ذکر میں وادٍ غیر ذی زرع یعنی وادی نا قابل کاشت اس کو کہا گیا ہے،

---

[1] ان اشعار کے لئے دیکھو معجم البلدان یاقوت لفظ عربہ ج ۶ ص ۱۳۹، ۱۴۰۔

اکثر لوگ اس نام کو عرب کی حالت طبعی کا بیان سمجھتے ہیں لیکن اوپر جو تحقیقی بیان ہے اس سے واضح ہے کہ یہ لفظ عرب کا بعینہ لفظی ترجمہ ہے، چونکہ اس عہد میں اس غیر آباد ملک کا کوئی نام نہ تھا، اس لئے خود لفظ ''غیر آباد ملک'' اس کا نام پڑ گیا، توراۃ میں بھی اسماعیلؑ کا مسکن ''مدبار'' بتایا گیا ہے جس کے معنی بان اور غیر آباد قطعہ کے ہیں اور جو بالکل عرب کا ترجمہ اور ''وادی ذی زرع'' کے مترادف ہے۔

توراۃ میں لفظ ''عربا'' عرب کے ایک خاص قطعہ زمین کے معنی ہیں، متعدد بار آیا ہے لیکن یقیناً اس وسعت کے ساتھ اطلاق نہیں ہوا ہے جس وسعت کے ساتھ اب یہ کہا جاتا ہے، لفظ ''عربا'' سے صرف وہ قطعہ زمین مراد لیا گیا ہے جو حجاز سے شام وسینا تک وسیع ہے[1]، عام ملک عرب کے لئے زیادہ تر مشرق اور مشرق کی زمین[2] کا استعمال ہوا ہے اور کبھی جنوب[3] کا، کیوں کہ عرب فلسطین کے مشرق وجنوب دونوں گوشوں میں ہے۔

لفظ ''عرب'' سب سے پہلے ۱۰۰۰ ق م میں حضرت سلیمانؑ کے عہد میں سننے[4] میں آتا ہے اور پھر اس کے بعد عام طور سے اس کا استعمال عبرانی، یونانی اور رومانی تاریخوں میں نظر آتا ہے، اسیریا کے کتبات میخی میں ۸۰۰ ق م میں عرب کا نام ''عربی'' لیا گیا ہے[5]، اسلام سے پہلے ہی یہ لفظ پورے ملک کو جو یمن سے شام تک وسیع ہے محیط تھا۔

عبارت بالا سے ظاہر ہوگا کہ عرب قدیم کے جغرافیہ کے تین ماخذ ہیں، توراۃ، یونان وروما ن اور خود عرب اور ایک عجیب اتفاق یہ ہے کہ یہ تین مختلف ماخذ تین مختلف زبانوں سے متعلق ہیں، توراۃ کا بیان ۵۰۰ ق م سے تقریباً ۸۰۰ ق م تک ہے، یونان و روما ن کا بیان ۵۰۰ ق م (ہیروڈوش) سے ۲۰۰ء (بطلیموس) تک ہے۔

خود عربوں کے بیانات عرب کے مقامات قدیم کے متعلق جو بعہد اسلام مدون

---

[1] استثناء ۱-۱، ۷، ۲-۱ [2] تکوین ۲۵-٦-۱۰-۳۰ قضاۃ ٦-۲۳-۱ سلاطین ۴-۳۰ ارمیاہ ۲۵-۲۸
[3] متی ۱۲-۱۲ تکوین ۱۳-۹-۱۲-۹ [4] یکم سفر الملوک ۱۰-۱۵ [5] تاریخ بابل راجرس جلد ۲ ص ۱۲۱۔

ہوئے چند مشہور قبائل کے مقامات سکونت کے سوا (مثلاً احقاف مسکن عاد، مدین مسکن ثمود، یمامہ مسکن طسم وجدیس، حجاز مسکن جریم، یمن مسکن قحطان) عہد مسیح سے بعد کے ہیں اور اس کا سبب یہ ہے کہ عرب تصنیف وتالیف سے آشنا نہ تھے، ورنہ ظاہر ہے کہ **صاحب البيت ادری بما فيه**، عرب کے شعراء کا عام مذاق یہ ہے کہ وہ قصائد میں محبوب کے دیار ومسکن اور اپنے سفر کے مقامات ومنازل کا تذکرہ کیا کرتے ہیں، علمائے اسلام نے ان ہی سے عرب کا جغرافیہ وصفی ترتیب دیا ہے۔

جغرافیہ عرب از تورات

عہد عاد و ثمود و مدین وایکہ وادوم

(از ۲۵۰۰ ق م تا ۸۰۰ ق م)

عرب گو امم سامیہ کا مولد ومنشا ہے لیکن عجب نہیں کہ یہاں سے نکلنے کے بعد ان کو یہ یاد بھی نہ رہا ہو کہ یہ اس عہد کا واقعہ ہے جب نوع انسان دایہ عالم کے آغوش میں طفل شیر خوار تھا، بچے عہد طفولیت میں عین اشاروں کے سوا لفظوں میں کسی چیز کا نام نہیں بتاتے، امم سامیہ جو مسیح سے ڈھائی تین ہزار برس پہلے بچہ تھیں، عموماً ''پورب کی سرزمین'' کے سوا اپنے مولد کا نام کچھ اور نہیں بتاتیں اور حقیقت بھی یہ ہے کہ اس وقت انسان خود ''نام'' کا بھی نام نہیں جانتا تھا۔

عرب کے نام: بہرحال ملک عرب کا پہلا[1] نام 'پورب کی زمین[2]' ہے اور دوسرا نام 'جنوب کی زمین' اور ان دونوں ناموں سے وہ حضرت ابراہیمؑ کی زبان سے بھی پکاری گئی ہے[3]، پورب کی زمین سے کبھی تورات میں بابل واسیریا اور ما بین النہرین بھی مراد لئے گئے[4] ہیں لیکن زیادہ تر ان کو زمین شمال کہا گیا ہے کہ وہ فلسطین کے مشرق وشمال میں واقع ہیں۔

اس کے بعد وہ زمانہ آتا ہے جب قبائل کی شکل پیدا ہوتی ہے شمالی عرب میں ابتدائے عہد سے مختلف قبائل، ادوم، عموانی، مواب، بنوعمان، مدیانی اور عمالیق آباد تھے[5]،

---

[1] سفر تکوین ۱۱ [2] دیکھو بیوان کی کتاب 'قدیم جغرافیہ' (اینشنٹ جیوگرافی) ص ۳۸ [3] تکوین ۲۵-۶
[4] تکوین ۱-۲۹۔ [5] یہ تمام سامی قومیں ہیں اور ان سے بنی اسرائیل کے سیاسی تعلقات رہے ہیں۔

عبرانیوں کو قرب و مجاورت کے سبب سے شمالی عرب سے کسی قدر واقفیت تھی لیکن وہ اس شمالی حصہ کا کوئی خاص نام نہیں بتاتے تھے، بلکہ عموماً ان میں سے ہر قطعہ کو قبائل کی اضافت و نسبت سے ممتاز کرتے تھے، مثلاً اووم کی زمین، مواب کی زمین عمالیق کی زمین وغیرہ، حضرت موسیٰ کے عہد میں جب بنی اسرائیل مصر سے براہ بحر احمر گوشۂ عرب شمالی سے گذرے تو ان کو نظر آیا کہ یہ ملک ایک سراسر کف دست میدان ہے اس لئے شمالی عرب کے ایک گوشہ کا نام انھوں نے ''عربا'' قرار دیا[1] اور بقیہ اقطاع عرب کا وہ اسی طرح باضافتِ قبائل نام لیتے رہے۔

حضرت سلیمانؑ کا عہد عبرانیوں کے اوج شباب کا زمانہ ہے، دریا میں ان کے جہاز سواحل عرب کی چاروں طرف بحر احمر[2] سے بندر آوفر[3] تک سفر کیا کرتے تھے، جو یمن میں اس وقت تجارت کی منڈی تھی اور خشکی میں ان کی فوج عرب کے تمام شمالی بلکہ بعض جنوبی ریاستوں (سبا) کو بھی مغلوب کر چکی تھی[4]، اس وقت ان کو عرب کے حقیقی حدود معلوم ہوئے، اس بنا پر ''عربا'' کو جو پہلے صرف شمالی عرب کے لئے مخصوص تھا، ملک کی حد معلوم تک وسیع کر دیا[5]، بایں ہمہ جب تک وہ زندہ رہے مقامات کا نام باضافت قبائل انھوں نے متروک نہیں کیا۔

اقطاع عرب: عبرانیوں کو عرب کا کوئی منظم جغرافی علم نہ تھا، ایک مدت تک وہ صرف شمالی عرب سے واقف تھے، جس کے موجودہ اقطاع حجاز، سینا، عرب، شام، عرب، عراق، بحرین اور سواحل خلیج فارس ہیں، اس شمالی عرب کے انھوں نے دو حصے کئے تھے، زمین مشرق اور زمین جنوب، زمین مشرق میں ملک کنعان کے مشرق کے ممالک، سواحل خلیج فارس، بحرین اور عرب، عراق اور زمین جنوب میں سینا، حجاز، بادیہ عرب، شام اور بعض حصہ نجد داخل کرتے تھے جو کنعان کے جنوب میں واقع ہیں۔

اسفار تورات و نبین (صحف انبیائے یہود) میں ہماری سمجھ اور استقصا کے مطابق

---

[1] استثنائے باب ۱ آیت ۱-۷ و باب ۴۲ اور باب ۳۶ [2] ملوک اول ۹-۲۶ [3] ملوک اول ۹-۲۷ [4] ملوک اول ۱۰-۲۱ [5] ایضاً ۱۰-۱۵۔

عرب کے حصہ مشرقی وجنوبی کا عبرانیوں کے محاورہ کے مطابق حسب ذیل مقامات میں ذکر ہے، جن کو ہم بہ ترتیب حاشیہ میں لکھ دیتے ہیں[1]۔

ان مشرقی وجنوبی حصوں میں مختلف قبائل آباد تھے، ہر حصہ کا نام اس کے قبیلہ کی طرف نسبت کر کے لیتے تھے، مثلاً جنوب میں کوہ سعیر کے دامن میں ادومی اور عمالیق آباد تھے، اس کا نام زمین ادوم وعمالیق تھا، اس سے نیچے موجودہ خلیج عقبہ سے دور تک سواحل بحر احمر پر مدیانی آباد تھے، وہ ارض مدین تھا جس کو ایک مدت سے اب حجاز کہتے ہیں، مشرق میں عمورانی، بنوعمان اور مواب تھے اور یہی ان کے ملکوں کے نام تھے، آگے بڑھ کر مدین اور نجد کے سروں پر بنواسماعیل کے خیمے تھے۔

عرب کے شہر ومقامات: تورات میں مقامات عرب میں سے سب سے پہلے ''مشا'' اور ''سفار'' کا نام آیا ہے جو بنی قحطان کی آبادی کی ابتدائی اور آخری حد تھی، (تکوین ۱۰-۳۰) ''سفار'' سے محققاً ''ظفار'' واقع یمن مراد لیا گیا ہے لیکن ''مشا'' نام عرب میں کوئی مقام نہیں! اس کو عرب اپنے تلفظ میں کیا کہتے ہیں؟ ریورنڈ بیوان (Bevan) مصنف ''جغرافیہ قدیم'' کی رائے ہے کہ وہ ''موزہ'' ہے، جو ساحل عرب پر بحر احمر کے مدخل کے پاس ایک مقام ہے[2]، ایک دوسرا مقام بطلیموس کے نقشہ میں ہے، جو مغربی ساحل یمن پر واقع[3] ہے لیکن اس سے مکہ کیوں نہ سمجھا جائے کیوں کہ حضرت اسماعیلؑ کے ایک صاحبزادے کا نام تورات میں مسا مذکور ہے[4]، جن کے نام سے ممکن ہے کہ یہ مقام آباد ہوا، قرآن کے انگریز مترجم سیل (Gsale) نے

---

[1] جنوب تکوین ۱۲-۶-و۱۳-۱-اور۲۴-۶۲، عدد۲۴-۳ تخمینا ۱۳-۲۹ یوشع ۱۰-۴۰ و۱۸-۵و۱۱-۱۹و۱۲و۱۸و۱۵-۱۹- قضاۃ ۱-۹-۱۵-سموال ۲۴-۷و۳-۱-اشعیا-۴۳-۶-یرمیا ۱۳-۱۹و۱۶-۱۷اور ۲۳-۱۳ حزقیال ۲۰-۴۶و ۴۷-۲۱-۵۴-۴-۲-۲۴-۴۴و ۴۱-۱۱و۴۶-۶-دانیال-۸-۶و۱۱-۲۵-۹-۱۱-۱۵-۲۵-۲۹-۴۰-عبیدیاہ ۱۹-۲۰-حبقوق ۳-۳ مشرق تکوین ۲۵-۶و۲۹-۱ عدد ۳-۳۸و۲۳-۷- قضاۃ ۶-۳-۳۳و۷-۱۲او ۸-۱۰- ملوک اول ۴-۴-ابواب ۱-۳۔ [2] Ancient Geography 418-710 [3] نقشہ مندرجہ Hogarth
[4] تکوین ۱۵-۱۵۔

یہی سمجھا ہے[1]، زمانہ کے تقدم وتاخر کا شبہہ نہ ہو کہ کسی قدیم مقام کو بعد کے نام سے تعبیر کرنا تورات کا عام دستور ہے۔

ادوم کی زمین میں دنہابہ، بصورہ، تیمان، عویت، مسریقہ، رحوبوت اور فاعونام آبادیوں کا تورات (تکوین ۳۶-۳۱-۴۰) نے ذکر کیا ہے، لیکن ان کا محل وقوع نہیں بتایا ہے، مگر چونکہ یہ زمین ادوم میں واقع ہیں اس لئے اتنا ظاہر ہے کہ شمال ومغرب میں ان کا نشان ڈھونڈھنا چاہئے۔

بصرہ یقیناً وہی شہر ہے جس کو عرب بصریٰ کہتے ہیں اور جواب تک معلوم ہے، تیمان کو شاید تیما سے تعلق ہو جو بصریٰ کے پاس ایک مشہور آبادی ہے اور جس کا ذکر تورات میں کئی جگہ آیا ہے۔

قیدار بن اسماعیل کے تعلق سے 'حصور' ایک قطعہ کا نام لیا گیا ہے (یرمیاہ ۴۹-۲۸) لیکن جہاں تک معلوم ہوا ہے کہ اس نام کی کوئی آبادی عرب میں نہیں، اس لئے یقیناً یہ کسی قطعہ کا نام نہیں بلکہ اس سے لغوی معنی مراد ہیں، یعنی وہ آبادی جو مستقل ہو، بادیہ کی طرح عارضی نہ ہو، اسی سے عربی میں 'حضر' کا لفظ نکلا ہے اور اسی بنا پر آج کل حاضرہ مشہور وعظیم الشان شہر کو کہتے ہیں۔

عرب کے ایک مشہور شہر کا نام تورات میں ''سلاع'' آیا ہے جو ادوم کی حکومت میں واقع تھا، (ملوک دوم ۱۴) سلاع کے معنی پتھر کے ہیں، عربوں کے ہاں اس کا نام ''الحجر'' ہے اور یونانی اس کو پیٹرا (Petra) کہتے ہیں، معناً تینوں ایک لفظ ہیں اس شہر کا نشان اب تک شام کے قریب شمال عرب میں باقی ہے زمانہ اول میں یونانیوں کے زمانہ تک اس شہر کو بڑی رونق حاصل تھی خلیج عقبہ کے پاس ''عیلات'' ایک بندر (ملوک اول ۹-۲۲) حکومت ادوم سے متعلق تھا، حضرت داؤدؑ اور سلیمانؑ نے اس حکومت کو اسرائیل میں داخل کر کے اپنے بحری کارخانہ کا

[1] دیباچہ ترجمۂ قرآن۔

صدر مقام قرار دیا، جنوبی عرب میں جہاں عدن واقع ہے، ''اوفر'' نام ایک دوسرا بندر تھا، حضرت سلیمانؑ کے جہاز عیلات سے چل کر یہیں اوفر آتے تھے، (۹-۲۸) اوفر کا تورات میں متعدد بار نام آیا ہے، یہ ایک تجارتی منڈی تھی، سونا کثرت سے یہاں آتا تھا عدن جو اب تک موجود ہے، اس کی تجارت کی اس وقت بھی دھوم تھی۔ (۲۷-۲۳)

یمن کے شہروں میں سے ''سبا'' کا نام بھی تورات میں آیا ہے، یہاں کی ملکہ حضرت سلیمانؑ کے دربار میں بھی آئی تھی، (ملوک دوم ۱۰-۱-۱۳) سبا کے ساتھ یمن کے دوسرے تجارتی مقامات مثلاً ''اوزال'' کا نام بھی دولت مندی کی خصوصیت کے ساتھ لیا گیا ہے، (حزقیال ۲۷-۱۹) اوزال وہاں آباد تھا جہاں اب صنعاء آباد ہے شمال عرب میں حجاز کے کسی قطعہ میں حویلا واقع تھا، جہاں بنی اسماعیل کی آبادی تھی، (تکوین ۲۵-۱۸) عربوں کے ایک اور مسکن کا نام 'جور بعل' بتایا گیا ہے (تاریخ ثانی ۲۶-۷) معلوم نہیں کہاں واقع تھا لیکن فلسطین کے ساتھ اس کا ذکر ہے، اس لئے شاید شمالی عرب میں ہوگا۔

قبائل عرب: قبائل عرب میں سے عبرانیوں کو صرف ان قبائل سے واقفیت تھی جن سے ان کو سیاسی یا تجارتی تعلق تھا، بنومدیان، بنوعمان، بنوادوم وعمالیق اور بنوموآب، ان کے ہمسایہ اور برابر کے حریف تھے، اندرونی قبائل دو تھے، قحطانی اور اسماعیلی قحطانیوں میں سے بجز سبا اور اوزال کے جو تاجر تھے اور کسی کا ذکر نہیں آیا، (حزقیال ۲۷-۱۹) اسماعیلیوں میں سے مطلق ''قبائل اسماعیلیہ'' کا نام آیا ہے جو عرب و مصر کے تاجر تھے (تکوین ۳۷-۲۷) اور کبھی عبرانیوں کے ساتھ مل کر لڑے تھے۔ (قضاۃ ۸-۲۴)

قبائل اسماعیلیہ کا دوسرا نام ''بنوہاجرہ'' یا 'ہاجریین'' بھی تھا، اس نام سے بھی تورات میں ان کا ذکر آیا ہے، (ایام اول ۵-۱۰) بنواسماعیل یا بنوہاجرہ میں سے دو قبیلے نامور ہوئے، بنایوت (نبطین) اور قیدار، ان دونوں کا ذکر تورات نے کیا ہے، (حزقیال ۶۰-۷) ایک اور عربی قبیلہ تورات میں 'معون' نام مذکور ہے (تاریخ ثانی ۲۶-۱۰) لیکن عرب اس کو 'معین' کہتے ہیں۔

جغرافیہ عرب
از
مصنّفین یونان وروما ن
ثمود ثانیہ، سبا، قوم تبع اور اصحاب الحجر کا عہد
(۵۰۰ ق م - ۲۰۰ ء)

یونان میں سب سے پہلا شخص جس کو اقطاع ارضی کا علم تھا، ہومر فرض کیا جاتا ہے، اس کا زمانہ ہزار یا ۸۰۰ ق م تھا، ہومر ایک یونانی شاعر تھا، اس کے کلام میں بعض ممالک کے نام آگئے ہیں اور یہی اس کی جغرافی واقفیت ہے، منجملہ اور ممالک کے ایک ملک کا نام ''عیر می'' ہے جس کو عربی سمجھا جاتا ہے[1]، دوسرا نام 'اریمی' ہے جس سے شام مراد لیا جاتا ہے کیوں کہ تورات نے اس کو ''ارم'' کہا ہے۔

یونان کا سب سے پہلا مورخ اور جغرافی ہیروڈوٹس ہے، مسیح سے ۴۵۰ برس پہلے تھا، یہ پہلا یونانی مصنف ہے، جو واقفیت کے ساتھ عرب کا ذکر کرتا ہے، تاہم اس کی معلومات جغرافی نہایت ناقص تھے، عرب کی نسبت اس کا خیال تھا کہ وہ جنوب میں آبادی کا سب سے آخری[2] حصہ ہے، عرب کی مغربی حد اس نے دریائے نیل قرار دی[3] ہے اور کوہستان سینا کو بھی اسی میں[4] داخل کیا ہے، وہ اس سے بھی واقف نہ تھا کہ عرب کے مشرق میں خلیج فارس

---

[1] Ancient Geography By Baven P 19 [2] Herodotus By H. Cory Book III Para 107

[3] Herodotus By H. Cory Book III Para 15۔ [4] ہیروڈوٹس کتاب ۲ فقرہ ۸۔

ہے جو عرب و فارس کو علاحدہ کرتی ہے[۱]، عربوں کی تجارت کا جا بجا اس نے ذکر کیا ہے[۲]، اس سے واقف تھا کہ عرب کے مغرب میں ایک دریا ہے، مگر اس کا نام بجائے ''بحر احمر'' یا ''قلزم'' کے ''خلیج عرب'' قرار دیتا ہے[۳]، وہ یہ بھی سمجھتا ہے کہ بحر احمر کی بعض شاخیں اندرون عرب میں بھی بہتی ہیں[۴]، شاید اس سے اس کی مراد خلیج عقبہ ہو لیکن اس کی کیا تاویل ہے کہ وہ کہتا ہے کہ عرب میں ایک بہت وسیع دریا ہے جو بحر احمر میں آ کر گرتا ہے اور جس کا نام کوربس ہے۔

پانچویں صدی ق م کے ہیروڈوٹس کے بعد یونانی و رومانی جغرافیہ نویسوں کے نتائج معلومات حسب ذیل ہیں:

حدود عرب: ہیروڈوٹس کے بعد سکندر کے اسفار و فتوحات نے تیسری صدی ق م میں یونانیوں کے معلومات جغرافی کو بہت بلند کر دیا، ان کو اس کے بعد صحیح طور سے عرب کے حدود معلوم تھے، وہ جانتے تھے کہ عرب کے مغرب میں بحر احمر، مشرق میں خلیج فارس، جنوب میں بحر ہند اور مشرق و شمال میں بحر فرات اور شمال و مغرب میں شام اور حدود مصر واقع ہیں اور اس بنا پر جزیرہ نمائے سینا کے اکثر حصہ کو عرب میں داخل سمجھتے تھے اور خود اس عہد میں یہود بلکہ نصاریٰ بھی یہی جانتے تھے، جیسا کہ سینٹ پال کے ایک خط سے ظاہر ہوتا ہے۔ (غلاطین ۴-۲۵)

اصل یہ ہے کہ شمالی و مغربی گوشہ میں عرب کی کوئی قدرتی حد بندی نہیں، اسی لئے جغرافیہ نویس مختلف الرائے ہیں، ہیروڈوٹس اور پلینی نے بشمول جزیرہ نمائے سینا بحر ابیض یا متوسط (مڈیٹرین سی) تک اس گوشہ کو وسیع کیا ہے اور دوسرے جغرافیہ نویسوں نے بحر میت (ڈیڈسی) سے بصریٰ اور تدمر (پالمائر) تک اس کو محدود کر دیا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اتحاد جنسیت حدود طبعی، نوعیات حکومت اور دیگر مناسبات کی بنا پر ہمیشہ یہ اقطاع عرب میں شامل رہے ہیں۔

اقطاع عرب: یونان و روم کے قدیم جغرافیہ داں، ایراستینوس، استرابو اور پلینی نے عرب

---

۱ ہیروڈوٹس کتاب ۴ فقرہ ۳۹ ۲ ہیروڈوٹس کتاب ۲ فقرہ ۱۰۷ ۳ ہیروڈوٹس کتاب ۲ فقرہ ۲
۴ ہیروڈوٹس کتاب ۲ فقرہ ۹۰۔

کو صرف دو قدرتی حصوں پر تقسیم کیا ہے، شمالی اور جنوبی لیکن اس سے زیادہ مقبول اور پسندیدہ دوسری صدی میں بطلیموس کی تقسیم ہوئی اور اب تک یورپین جغرافیہ نویس اور سیاح اس تقسیم کی تقلید کرتے ہیں۔

بطلیموس نے تمام ملک کو تین طبعی حصوں میں تقسیم کیا ہے، عرب آبادان یا العرب المیمونۃ (Arubialelix) عرب ریگستان یا عرب الرمال (Arabia Desert) اور عرب سنگستان یا عرب الحجر (Arabia Petra)۔

عرب سنگستان یا عرب پیٹرا، مغرب میں مصر کی سرحد سے جزیرہ نمائے سینا سے گذر کر مغرب میں بصریٰ پر ختم ہوتا ہے، جو عرب کا ایک قدیم شہر ہے، شمال و مغرب میں تدمر تک اس کا گوشہ جاتا ہے اور اس کی پشت پر شمالی و مغربی یہود اور فلسطین کا ملک پڑتا ہے، جنوب میں عرب ڈزرٹا یعنی عرب ریگستان اور عرب فیلکس یعنی عرب آبادان واقع ہے، عرب ریگستان یا عرب ڈزرٹا کی مشرقی و شمالی حد نہر فرات اور الجزیرہ (میسوپٹیمیا) سے شروع ہو کر مغرب و شمال میں عرب سنگستان یا عرب پیٹرا کی مغربی و شمالی حد پر ختم ہوتی ہے، جنوب میں عرب آبادان یا عرب فیلکس ہے۔

عرب آبادان یا عرب فیلکس بقیہ تمام جزیرہ نمائے عرب کو جو مغرب میں بحر احمر، مشرق میں خلیج فارس، جنوب میں بحر ہند اور شمال میں عرب پیٹرا اور عرب ڈزرٹا سے محاط ہے، کہتے ہیں جس میں بحر احمر کے ساحل پر حجاز، سواحل بحر احمر و ہند پر یمن، حضر موت، اور سواحل خلیج فارس پر عمان و بحرین اور وسط عرب میں یمامہ و نجد داخل ہیں[1]۔

یونانی اور رومانی فاتحین نے عرب پیٹرا اور عرب ڈزرٹا کو فتح کر لیا تھا، اس لئے وہ اس کے حالات سے واقف تھے، عرب فیلکس کے صرف سواحل سے ان کو آگاہی تھی اور ایک آدھ نام غلط سلط اندرونی قبائل و اقطاع کے بھی انھوں نے سن لئے تھے۔

---

[1] Forster S. Arabia Vol 11 Part III P 12-13۔

ڈاکٹر اسپرنگر کے مطابق بطلیموس نے اپنے جغرافیہ میں عرب فلکس کے ۵۴ قبائل، ۱۶۴ مقامات ۵۰۷ کوہستانی سلسلے اور ۴ دریاؤں کا ذکر کیا ہے، ان کے علاوہ اسطیفنوس (Atephen) اور پلینی نے بھی بعض نام گنائے ہیں لیکن اسباب خواہ[1] جو کچھ ہوں مگر واقعہ یہ ہے کہ دس پانچ ناموں کے سوا اب وہ سب غیر معروف ہیں۔

---

[1] غیر معتقدین بطلیموس تو یہ کہتے ہیں کہ ان ناموں کا وجود و مصداق بطلیموس کے دماغ کے سوا کہیں خارج میں نہیں ہے، عرب کے خالی از معلومات اوراق کو پر کرنے کے لئے اس نے اپنی طرف سے نام گھڑ لئے ہیں، ایک مصنف اس کی ایک معقول وجہ بتاتا ہے[1]۔

اکثر ان اقطاع عرب میں آبادی کا کبھی کوئی باقاعدہ و مقرر اصول نہیں رہا ہے، جن کا بطلیموس نے نشان دیا ہے اگر بطلیموس کے ناموں میں کوئی حقیقت ہے تو وہ کنوئیں ہوں گے یا نخلستان جہاں کارواں اور قافلے اپنے خیمے کھڑے کر دیتے ہوں گے، بطلیموس کے نہ صرف جغرافیہ عرب بلکہ عام جغرافیہ عالم کے متعلق علمائے عرب کو بھی یہی شکایت تھی اور وہ اس کے وجوہ بھی بتاتے ہیں، سب سے پہلے چوتھی صدی ہجری میں مسعودی لکھتا ہے[2]:

الا ان اسماء ها في هذا الكتاب باليونانية متعذر فهمها	جغرافیہ بطلیموس کے یونانی ناموں کو سمجھنا مشکل ہے۔

ساتویں صدی ہجری میں یاقوت کی (مقدمہ معجم میں) شہادت ہے:

جهلت اكثر الا ماكن التي ذكرت فيها وابهم علينا امرها وعدمت لتطاول الزمان فلا تعرف	میں جغرافیہ بطلیموس کے اکثر بیان کردہ مقامات سے ناواقف ہوں اور میری سمجھ میں نہیں آئے کیوں کہ مرور زمانہ سے وہ مٹ گئے ہیں اور اب مجہول ہیں۔

سب سے آخر میں دسویں صدی ہجری میں لفظ "جغرافیہ" کے تحت میں کاتب چلپی کا بیان ہے:

لكن اندرس كثير ممانذكره و تغيرت اسماء فانسد باب الانتفاع منه	بطلیموس کے اکثر بیان کردہ مقامات مٹ گئے ہیں اور ان کے نام بدل (بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۹ پر)

---

[1] ان بیانات کیلئے دیکھو مقدمہ D.G. Hogarth P 14-23 [2] مروج الذہب ص ۱۰۳ ج ۱ مصر برحاشیہ نفح الطیب۔

بہر حال عرب کے جن قبائل و مقامات کے نام یونانیوں اور رومانیوں کے ہاں آئے ہیں ہم ان کو مستقل ابواب میں ترتیب دیتے ہیں۔

مقامات عرب: عرب فیلکس کے وہ مقامات جو تقریباً صحیح اور معروف ہیں حسب ذیل ہیں، یہ علی الترتیب حجاز سے، بحر احمر، بحر ہند اور خلیج فارس کے کنارہ کنارہ سواحل پر عراق تک واقع ہیں:[1]

یونانی تلفظ	بخط اردو	صحیح عربی نام	کیفیت
Macoraba	مکاربا	مکہ۔ربہ	ربہ کے معنی اعظم کے ہیں۔
Iathreppa	اترپا	یثرب	شہر مدینہ منورہ کا جاہلی نام ہے۔
Iambia	اِنبیا	ینبوع	حجاز کا ایک ساحلی مقام۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۸) گئے ہیں اس لئے اس سے فائدہ اٹھانے کا دروازہ بند ہو گیا ہے۔

لیکن معتقدین بطلیموس اس الزام سے برہم ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ یونانی اللہجہ ناموں کی عرب جغرافیہ نویسوں کے بلکہ حال کے سیاحین یورپ کے بیان سے تطبیق دی جائے، ریورنڈ فارسٹر نے ۱۸۴۴ء میں ''عرب کے جغرافیہ تاریخی'' کے دوسرے حصہ میں ۱۰۹ سے ۲۷۶ تک ۱۵۷ صفحے ان ناموں کی تحقیق و تصدیق و تطبیق میں صرف کئے ہیں اور ہر جگہ اپنی ''عالمانہ جہالت'' کی عجیب و غریب مثال پیش کی ہے، غریب فارسٹر کو نہیں معلوم کہ یہ قبائل کب پیدا ہوئے، ان مقامات میں کب آباد ہوئے اور عربی میں ان کا صحیح نام کیا ہے؟ وہ بطلیموسی قبائل کے ناموں کو حروف کے ہیر پھیر سے موجودہ قبائل سے تطبیق دیتا ہے، اس کو نہیں معلوم کہ اب قدیم قبائل کا اکثر و بیشتر نشان بھی نہیں، وہ عہد اسلام میں فاتحانہ کہاں سے کہاں نکل کر آباد ہو گئے، موجودہ قبائل کے نام بالکل نئے ہیں، فارسٹر کے بعد ڈاکٹر اسپرنگر نے ۱۸۷۵ء میں ''جغرافیہ قدیم عرب'' (Ancigrogofaral) کے نام سے اسی قسم کی کوشش کی ہے، مجھے ان کی کامیابی کا حال نہیں معلوم ان کے مرتبہ ''نقشہ قدیم عرب'' کے سوا اصل کتاب مجھے نہیں ملی۔

[1] منتخب از Hogarth P 18, Ptotemy A Map of Arabia by Springer Bevena P 119

کیفیت	صحیح عربی نام	بخط اردو	یونانی تلفظ
دومۃ شمالی عرب کا ایک شہر۔	دومہ	ڈومیتھا	Dumatha
ثمود کا دار الحکومت، حجاز کے قریب ساحل بحر احمر پر۔	حجر	اجرا	Egra
انتہائے حجاز میں بجانب شام ایک شہر۔	تیماء	تیمیا	Thaimaia
حجاز کے قریب ساحل بحر احمر پر حضرت شعیبؑ کا شہر۔	مدین	مودی یونا	Modiuna
یمن میں ایک قدیم شہر۔	ظفار	سفار	Sapphar
ساحل بحر ہند پر یمن میں ایک بندر۔	عدن	عدانا	Adana
یمن میں ایک قدیم آبادی۔	معین	مینائی	Minai
یمن کا دار الحکومت۔	مارب	ماریاب	Mariaba
یمن میں ایک نصرانی آبادی۔	نجران	نگرانا	Nogruna
ساحل بحر پر جنوبی عرب میں یمن کے پاس۔	حضرموت	کیٹرموٹی	Chatnamoti
جنوب یمن میں ساحل بحر عرب پر	مکلا	مکالا	Maccala
یمامہ میں ایک شہر	قریہ	گرہائی	Gerrhai
قدیم یمن میں ایک شہر	قتاب	قتابائی	Catabaei
قدیم یمن میں ایک شہر	نشق	نشک	Nasac
قدیم یمن میں ایک شہر	قرن	قرنائی	Karnaei
قدیم یمن میں ایک شہر	سبا	سبائی	Sabaee
ساحل خلیج فارس پر مشرقی عرب میں ایک صوبہ	عمان	عمانوم	Omanum
عمان کا دار الحکومت	مسقط	امیتھوسکوٹا	Amithoscuta

عرب پیٹرا اور ڈزرٹا سے یونانیوں اور رومانیوں کو واقفیت تھی کہ ان پر ان کا قبضہ تھا لیکن یہاں دوسری دقت ہے یعنی عرب آبادیوں کو مٹا کر انھوں نے یونانی نام سے یونانی و رومانی

شہر قائم کر لئے تھے، تاہم جن ناموں کے اتحاد واشتراک کا حال معلوم ہوا ہے وہ حسب ذیل ہیں:

تدمر: سب سے مشہور تر مقام ان اطراف میں تھا، یہ انتہائے شمال میں فلسطین کے پاس عرب کا آخری آخری شہر ہے، اسفار یہود میں ہے کہ اس کو حضرت سلیمان علیہ السلام نے بنوایا تھا (ملوک اول ۹۰-۹-۱۹) بہر حال یہ ایک عرب ریاست کا دار الامارت تھا، رومیوں نے ۲۰ء میں جب اس کو لیا تو اس کا نام 'پالمائز' رکھ دیا[1]۔

رباط مواب: یہ شہر بحر میت کے قریب عرب پیٹرا میں موابی عربوں کا دار الحکومت تھا، رومیوں نے اس کا نام اریو پولس رکھا تھا، ۱۳۱۵ء میں زلزلہ سے تباہ ہو گیا[2]۔

بصریٰ: اس کو رومیوں نے بگاڑ کر بوسٹرہ بنایا ہے، وہ بھی اسی کے قریب ایک شہر تھا اور اب بھی اس کا نشان[3] ہے یہ ادومی عربوں کا خاص مقام تھا۔

الرقیم: اس کو عبرانی 'سلاع' اور یونانی 'پیٹرا' کہتے ہیں، یہ شمالی عرب میں پہلے مدیانی حکومت کے ماتحت ایک دار الامارت[4] تھا، پھر نبطی عربوں کا دار الحکومت ہوا، رومیوں کے عہد میں بھی اس کو خاص اہمیت ملی۔

رباط عمون: عرب ڈزرٹا کے شمالی و مشرقی حصہ میں عمونی عربوں کا یہ دار الحکومت تھا اس کو یونانیوں نے فلاڈلفیا کا نام بخشا ہے کہ تیسری صدی ق م میں اس کو شاہ بطلیموس فلاڈیفوس نے دوبارہ تعمیر کیا تھا[5]۔

ان لوگوں کو عرب کے بعض جزائر اور سواحل سے بھی واقفیت تھی، تم نے مکلا کا نام اوپر پڑھا ہے اس کا ذکر بطلیموس نے کیا ہے اور اس کی جگہ ۱۳-۴۵ درجہ پر مقرر کی ہے لیکن صحیح مقام ۱۴-۳۰ درجہ ہے[6]۔

بطلیموس سے سو برس پیشتر ایک یونانی مصری نے جس کا نام مجہول ہے، جہاز رانوں کے لئے ایک بحری جغرافیہ ترتیب دیا تھا جس میں اس نے بحر عرب کے جزائر پر جو عرب کے

---

۱ Josephus Vol I P 428-1822 ۲و۳و۴ Bevan P 202 ۵ Josephus Vol I P 192-1822 ۶ Forster Vol 11 P 198۔

قریب ہند اور اسکندریہ کے سرراہ واقع ہیں روشنی ڈالی ہے، وہ پہلے بحر عرب میں عرب کے ایک جنوبی ساحل پر یودیموں (Eudae mon) کا ذکر کرتا ہے، جس کو عدن سمجھنا چاہئے، اس کی نسبت اس کا بیان ہے کہ مصر و ہند کے درمیان یہ ایک تجارتی منڈی ہے (جیسا کہ اب بھی ہے) اس سے آگے بڑھ کر بجانب ہند عرب کی ایک راس کا ذکر کرتا ہے، جس کا یونانی نام سیاگروس (Syagrus) بتاتا ہے، اس کو راس قرطق سمجھنا چاہئے، اس کے بعد وہ کہتا ہے کہ ''یہاں اندرون عرب میں جانے کے لئے بہت سے بخورات کا سرمایا پڑا رہتا ہے،'' یونانی جغرافیہ نویس ''دنیا کی سب سی بڑی راس'' اس کو قرار دیتا ہے، یمن وحضرموت کے قریب ایک جزیرہ ہے، اسقوطرہ نام، اس کا نام یہ ''ڈائسکروڈیس (Dieseres) بتاتا ہے[1]۔

قبائل عرب: یونانی اور رومانی قوموں کو عرب کے صرف ان قبائل سے واقفیت تھی، جو سیاسی طاقت رکھتے تھے یا تجارت کی راہ سے ادھر ادھر نکلا کرتے تھے اسکندریہ کے یونانی اور رومانی جغرافیین میں سے اسٹرابو، پیلنی، ڈائڈورس اور بطلیموس نے تقریباً پچاس ساٹھ قبائل کے نام لئے ہیں لیکن یونان، اسکندریہ اور روم جاکر ان کی شکل ایسی بدل گئی ہے کہ پہچانے نہیں جاتے، صرف چند قبائل ایسے ہیں جو ہزاروں برس کے بعد بھی اپنے وطنی لب ولہجہ سے تمیز کر لئے جاتے ہیں۔

عادارم: عرب کا سب سے قدیم اور مشہور قبیلہ حضرموت کے پاس اس کا مسکن تھا قبیلہ کا اکثر حصہ تو یونانیوں سے بھی بہت پہلے تباہ ہو چکا تھا، مگر ایک ٹکڑا پیروان ہود کا باقی رہ گیا تھا، یونانی جغرافیہ نویسوں نے حضرموت کے ایک قبیلہ کا نام (Adramital) 'عادرمی، ٹائی' بتایا ہے 'ٹائی' صرف قبیلہ ہونے کو ظاہر کرتا ہے[2]، اصل لفظ 'عاڈرم' ہے جو 'عادارم' کی نہایت صحیح

---

[1] History of Ancient Geography by Yazen P276 - 1897 [2] ان زبانوں میں یہ لفظ قوم و جماعت کو ظاہر کرتا ہے اور اب تک یورپ کی زبانوں میں یہ لفظ ان معنوں میں آتا ہے، انگریزی میں ٹی کی جگہ ڈی بولتے ہیں مثلاً عباسیہ کو عباسانڈ، عربی میں بھی بعینہ یہی حروف (تیہ) یہی معنی ظاہر کرتے ہیں مثلاً حنفیہ، مالکیہ، مرجیہ، عباسیہ، امویہ۔

صورت ہے، بعض لوگ اس کو ''حضر موت'' سمجھتے ہیں لیکن حضر موت کی یونانی زبان میں یہ شکل ہے، (Chatramotitai) خترموتی ٹائی اور اس سے زیادہ عجیب یہ ہے کہ یہ دونوں نام ایک ساتھ مستعمل ہوئے ہیں، اس لئے ظاہر ہے کہ ان سے دو قبیلے مراد لینے چاہئیں اور اس سے زیادہ بدقسمتی ہمارے مخالفین کی یہ ہے کہ بطلیموس نے عاد (Adetai) اور (Oarditai) کا بلااشتباہ حضر موت بھی ذکر کیا ہے۔[1]

ثمود: کا بقیہ نقیہ (مومنین صالح) حجاز کے پاس مدین اپنی قدیم جگہ میں اس عہد تک موجود تھا، اس کا تلفظ جغرافیین یونان وروم نے دو طرح کیا ہے (Thamydeni) درتھما واینی اور (Th-amyditai) ''تھماوی ٹائی' عربی کی ''ث'' عبرانی میں ''ت'' اور یونانی میں ''تھ'' ہو جاتی ہے۔

حضر موت: عہد قدیم میں سیاسی وتجارتی دونوں حیثیتوں سے یہ یمن کا ہم پلہ تھا، یونانیوں نے (Chatramutitai) خترموتی، ٹائی کے نام سے اس کو یاد کیا ہے۔

نبط: نجد سے سواحل بحر احمر وعقبہ و بادیہ شام تک کی حکومت مسیح سے دو تین سو برس پیشتر نبط ابن اسماعیل کی اولاد کے ہاتھ میں تھی، نبط کی جمع انباط اور نبطیین ہے۔

نبطیین سے یونانیوں کے سیاسی تعلقات تھے، ان کا نام ان کے ہاں (Nabathali) 'نباتھ یائی'' ہے، ان کا دارالحکومت ''پیٹرا'' تھا۔

قیدار: قیدار بن اسماعیل کا خاندان جس سے اسلام پیوستہ ہے، مسیحؑ سے ایک ہزار برس پہلے سے حجاز کا مالک تھا، یونانی میں اس کا نام متعدد طرق سے لیا گیا ہے، جس میں زیادہ صحیح پلینی کا (Cadanni) کیڈرانی ہے۔[2]

یمن کے قبائل (Minaei) مین آئی یعنی 'معین' (Sabaei) سبا آئی یعنی سبا (Homeritai) حومرتائی' یعنی 'حمیر'' کا مفصل ذکر ہے، خلیج فارس پر (Omanitai) عمانی ٹائی یعنی عرب اور (Gerrhaei) اگر یہ آئی یعنی اہل قریہ واقع یمامہ کا نام بھی مذکور ہے۔[3]

---

[1] Forster Vol II P 374 [2] Bevan Ancient Geography P 178 [3] Foster Vol. I P 244۔

اسلام سے کچھ پہلے حیرہ میں مناذرہ اور شام میں غساسنہ ایرانیوں اور رومانیوں کے ماتحت برسر حکومت تھے، اس لئے ان کا ذکر بھی مفصلاً یونانی تاریخوں میں مذکور ہے کہ وہ ان دونوں مشرقی و مغربی حکومتوں کی بیچ کی دیوار تھے اور عرب نہایت قدیم زمانہ سے مشرقی و مغربی امور سیاسیہ میں حد متوسط ہیں[1]۔

ان قبائل مذکورہ کے علاوہ اور بھی بیسیوں قبائل کا قدیم یونانی جغرافیوں میں نشان ملتا ہے جن میں تین سب سے زیادہ پرزور اور طاقتور بتائے گئے ہیں، بنی زومین (Bani Zomenen) سیڈنی (Sedeni) اور بنو بری (Banubari) یہ تینوں قبائل سواحل بحر احمر پر خلیج عقبہ سے عسیر تک حجاز و تہامہ میں متوطن ظاہر کئے گئے ہیں لیکن ان کے اصلی اور صحیح نام کیا ہیں؟ ان ناموں کا تو عرب میں کوئی قبیلہ نہیں۔

ریورنڈ فارسٹر تاکید فرماتے ہیں کہ ہم بغیر کسی ''شک و سوال'' کے بنی زومین کو بنی عمران، اسیدینی کو جہینہ اور بنو بری کو کنواں[2] والا قبیلہ تسلیم کرلیں جس کی مضحکہ خیز دلیل فاضل ممدوح یہ دیتے ہیں کہ (تقریباً دو ہزار برس کے بعد) برکہارٹ اور نیوبھر گذشتہ صدی کے یورپین سیاحوں نے انہی مقامات میں ان ہی قبیلوں کو دیکھا ہے! حالاں کہ صاف ظاہر ہے کہ زومین خزیمین ہے، سیدینی، سیدین اور بنو بری، بنو بریہ ہے، خزیمہ حجاز میں سید اور بریہ دیگر اطراف میں مشہور قبائل ہیں۔

سب سے زیادہ زور ریورنڈ فارسٹر بنی زومین پر دیتے ہیں اور یہ تسلیم کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ ان کا مسکن حجاز نہیں بلکہ خلیج عقبہ تھا اور یہ اس لئے کہ سسلی کے ڈائڈورس نے جو مسیحؑ سے سولہ برس پہلے تھا لکھا ہے کہ ''بنی زومین کے ملک میں ایک معبد ہے جس کی تمام عرب عزت کرتے ہیں، اس معبد کو ان علمائے یورپ نے جن کے نام کا پہلا

---

[1] Herodotus Book II Para 198 [2] بیر عربی میں کنواں کو کہتے ہیں، اس لئے بری کے معنی بھی وہ کنواں ہی سمجھتے ہیں۔

جز ریورنڈ نہیں (غیر پادری) کعبہ سمجھا ہے[۱]، بلکہ تعجب ہے کہ ایک ریورنڈ نے بھی اپنے قدیم نقشہائے جغرافیہ میں بنی زومین کو خاص حجاز میں مکہ سے مدینہ تک پھیلایا ہے[۲]۔

بہر حال اس کی بحث کہ اس معبد سے کعبہ کیوں نہ سمجھا جائے، اپنے موقع پر آئیں گی، یہاں صرف قبائل کے مسکن اور اس کی حقیقت سے بحث ہے، اس کے فیصلہ کے لئے دو چیزوں کی ضرورت ہے ناموں کی مناسبت وقربت اور قبائل مذکورہ کا زمانہ وجود ہم ذیل میں اس قسم کے یونانی اللہجہ ناموں کا ایک نقشہ دیتے ہیں گو بیکار ہے۔

یونانی تلفظ بخط انگریزی	یونانی تلفظ بخط فارسی	اصل فارسٹر کی رائے میں	مصنف کی رائے میں
Banizomenies	بنی زومین	بنی عمران	بنی خزیمہ (یا) خزیمین
Sideni	سیدینی	جہنیہ	بنوسید (یا) سیدسین
Banubari	بنی بری	بنوبئر (کنواں والے)	بنوبریر
Arosi	ارسائی	بنی استان	بنوبریر
Cinaidocalpttai	کینائڈوکوپسٹائی	بنی استان	بنوبریر
Debai	ڈیبائی	زبید	ضبہ
Carbalorcorbani	کربیا (یا) کربینی	حرب	ضبہ
Canraitai	کانریٹائی	حرب	ضبہ
Dacharoni	ڈاخارینی	بنوزہر	بنوصخر
Cassanitai	کسانی ٹائی		بنوغسان
Gasandi	گسانیڈی		بنوکیسان

۱ دیکھو کارلائل کا رسالہ ''ابطال''، فصل بطل النبوۃ، اور گبن باب ۴۰ ۲ Atlas of Ancient Geography by Samuel Butler DD. Map XXIII868۔

یونانی تلفظ بخط انگریزی	یونانی تلفظ بخط فارسی	اصل فارسٹر کی رائے میں	مصنف کی رائے میں
Dosoreni	ڈوسارینی		دوسر
Dorni	ڈارنی	دارن (؟)	بنودارم
Mocoretai	موکوریٹائی	اہل مخا (بندر یمن)	
Elisari	الیساری		
Elamittai	الامیٹائی	بنی یام	بنوعیلام
Cogubatai	کیفولیٹائی	بنوغیلان	
Saritai	ساری ٹائی		
Tomabel	ٹومابیل		بنوتمیم
Supharetai	سفاری ٹائی	اہل ظفار	
Oditai	اوڈی ٹائی		عاد
Homeritai	حوموری ٹائی	حمیر	
Adramitai	عڈریمٹائی	حضرموتی	عادارم
Maphoritai	مافوری ٹائی		
Lainitai	لائینٹائی	لحیان	
Chaldie	خالڈائی	بنوخالد	
Iolesitai	ایولسٹائی		
Abucaei	ابوکائی		
Lenitai	لینی ٹائی		
Themi	تھیمی		تیم

یونانی تلفظ بخط انگریزی	یونانی تلفظ بخط فارسی	اصل فارسٹر کی رائے میں	مصنف کی رائے میں
Zamareni	زماریني	شمر	ضمر
Scenitai	سینی ٹائی		
Saraceni	ساراسینی	اہل کوہ سردات (سروایتین)	
Zamareni	زماریني	بنوضمیر	
Nabathaei	نباتہائی	نبطین	
Thimnei	تہمانائی	"	اہل تیماء
Masaemanes	ماسائمینس		
Vadini	وادینی		
Astapeni	اسٹیپنی		
Katanetai	کٹانی ٹائی		
Tanutai	ٹنوٹائی	قبیلہ تنوخ	
Manitai	مانی ٹائی	اہل منیٰ (واقع مکہ)	معین (واقع یمن)
Salapeni	سلافینی		بنوسلف
Achoali	اچاوَلی		بنوعجل
Minaet	مینائیت	اہل منیٰ (واقع مکہ)	معین (واقع یمن)
Sabaei	سبائی	سبا	
Anchitai	انخی ٹائی		
Kithibanitai	کیتھی بانی ٹائی	بنوقحطان	قتابین (قتاب واقع یمن)

یونانی تلفظ بخط انگریزی	یونانی تلفظ بخط فارسی	اصل فارسٹر کی رائے میں	مصنف کی رائے میں
Madasara	مُداسارا		
Sophanitai	سفانی مائی	بنوسفیان	
Docharemoizai	واخری موئزائی	دار القرامطہ[1] (واقع بحرین)	
Olameotai	عیلا موٹائی		
Omanetai	عمانی ٹائی	اہل عمان	بنوعیلام
Jobaritai	جوباری ٹائی		
Chatramatai [2]	خترمٹائی	اہل حضرموت	

عربوں اور رومیوں کے تعلقات تعارف میں ایک اور واقعہ پہلے یونانی اور رومی اور اب یورپین ارباب قلم میں نہایت آب و تاب سے ذکر کیا جاتا ہے جو ایک رومی سردار آلیوس گالیوس (Aeluis Gallus) کا پہلی صدی عیسوی میں عرب پر حملہ ہے، وہ کہاں تک گیا؟ اس نے کیا کیا؟ کیوں واپس آیا؟ اور اس سے کیا کیا فائدے ہوئے؟ ان میں سے ایک ہر ایک چیز کا جواب یورپین مصنفین نہایت مزہ لے کر دیتے ہیں اور ایک نے تو عالم نشاط میں یہاں تک لکھ دیا کہ وہ مکہ تک پہنچ گیا تھا اور اس حملہ کا نام ''اکتشاف ارضی'' رکھا گیا ہے۔[3]

ہم اس مضمون پر سلسلہ تاریخ میں اپنے موقع پر بحث کریں گے۔

---

[1] غریب مستشرق کو معلوم نہیں کہ بحرین میں قرامطہ کا وجود بطلیموس کے ۸۰۰ برس بعد ہوا ہے۔ [2] منتخب از Forster Vol II Part II [3] Forster Vol II Part II Section VI۔

جغرافیہ عہد قرآن

ملک عرب: عرب کا ملک حدود طبعی کے لحاظ سے ایک جزیرہ نما ہے لیکن اہل عرب اس کو ہمیشہ جزیرۃ العرب کہتے ہیں اور اس کو وسط معمورہ عالم یقین کرتے ہیں، اس کی تصدیق تحقیق جدید سے بھی ہوتی ہے کہ وہ درحقیقت دنیائے قدیم کے قلب میں واقع ہے[1]، اس سے قریب ترین ممالک مشرق میں فارس، جنوب میں ہندوستان، مغرب میں حبشہ، سوڈان اور مصر اور شمال میں ملک شام، الجزیرہ اور عراق ہیں۔

حدود عرب: عرب جغرافیہ نویسوں نے اس کی تحدید اس طرح کی ہے، مغرب میں بادیہ شام کے بعض حصے یعنی مقام بلقاء سے مقام ایلیہ تک جو عقبہ کے قریب ہے، مغرب اور جنوب میں بحر احمر، مدین اور جدہ سے سواحل یمن تک، جنوب مشرق میں بحر ہند، عدن اور ظفار سے مہرہ تک، مشرق میں بحر عمان اور خلیج فارس، مہرہ، عمان اور بحرین سے بصرہ اور کوفہ تک اور شمال میں نہر فرات و بلقا تک۔

جدید طرز میں صاف طور سے یوں کہنا چاہئے کہ مشرق میں اس کی حد خلیج فارس سے شروع ہو کر بحر عمان کو طے کر کے بحر ہند پر ختم ہوتی ہے، بحر ہند عرب کے تمام جنوبی حدود میں پھیل کر مغربی وشمالی گوشۂ عرب میں بحر احمر پر منتہی ہوتا ہے، جس کو ہیروڈیٹس وغیرہ قدیم اہل جغرافیہ خلیج عرب کہتے ہیں اور جو عرب کی مغربی حد بندی گوشۂ مغربی وشمالی سے گوشۂ مغربی وجنوبی میں خلیج عقبہ تک کرتا ہے اور جس سے حبش اور مصر کی سرزمین عرب سے علاحدہ ہو جاتی ہے، خلیج عقبہ جنوبی گوشہ میں جزیرہ نمائے سینا اور عرب کو ایک فاصلہ قریب تک باہم

[1] منتخب از The Penetration of Arabia D.G. Hogarth 174 -

علاحدہ کرتا ہے، اس کے اختتام پر شام کی حد شروع ہوتی ہے اور بادیۂ شام کو قطع کر کے جنوب میں نہر فرات کے ساتھ ساتھ مشرق کی طرف، پھر مشرق وشمال کی سمت میں بصرہ کے پاس آکر خلیج فارس پر منتہی ہوتی ہے۔ اس تفصیل سے یہ ظاہر ہو گیا ہوگا کہ عرب کے مشرق میں خلیج فارس اور بحر عمان، جنوب میں بحر ہند، مغرب میں بحر احمر، شمال مغرب میں خلیج عقبہ، شام اور فلسطین اور شمال مشرق میں نہر فرات واقع ہے۔

آپ نے دیکھا کہ عرب جغرافیہ نویسوں کا عرب، عبرانی، یونانی اور رومانی جغرافیہ نویسوں سے چھوٹا ہے، کیوں کہ اس میں جزیرہ نمائے سینا اور عرب وشام کے بعض حصے شامل نہیں، بات یہ ہے کہ یونانیوں نے ان ٹکڑوں پر قبضہ کر لیا تھا اور تا اسلام عرب ان پر قابض نہ ہو سکے اس بنا پر عربوں نے ان کو اپنی مملکت سے خارج سمجھ لیا، ورنہ حدود طبعی اور جنسیت آبادی کے لحاظ سے وہ کبھی خارج نہیں ہوئے[1]۔

مساحت عرب: عرب جغرافیہ نویس مساحت کا بیان عموماً زمانۂ رفتار سے کرتے ہیں ابوالفدا نے تقویم البلدان میں عرب کی مربع مسافت ۷ مہینے ۱۱ دن کی بیان کی ہے، جدید تحقیق کے رو سے گو حقیقی طور سے عرب کی پیمائش نہیں ہوئی تاہم وسعت کے لحاظ سے عرب کوئی چھوٹا ملک نہیں ہے، وہ جزیرہ نمائے ہندوستان سے بڑا اور ملک جرمنی و فرانس سے چار گنا زیادہ ہے، شمال سے جنوب کی جانب پورٹ سعید (یا العریش) سے عدن تک طول ۱۵۰۰ سو میل اور مغرب سے مشرق کی جانب پورٹ سے فرات تک عرض ۶۰۰ میل ہے اور مجموعی رقبہ ۱۳۰۰۰۰۰ میل مربع۔

طبعی حالات: عرب کا ملک اس وسعت کے باوجود زیادہ تر بے آباد، خشک، شور اور ریگستان

---

[1] مصنفین انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا (طبع جدید) لکھتے ہیں: "عرب کی شمالی تحدید مشکل ہے، محققین العریش سے شروع کرتے ہیں، شمال میں سرحد فلسطین، درمیان میں بحر میت (ڈیڈسی) و خلیج عقبہ ختم ہو کر شمال کی طرف شامی حد کے قریب تدمر، پھر مشرقی جانب کنارۂ فرات اور پھر شمالی و مشرقی دہانۂ شط العرب پھر خلیج فارس، صحرائے عرب میں داخل ہے۔ (ملخصاً ج ۲ ص ۲۵۴)

ہے، تمام ملک میں پہاڑوں کا جال ہے، جا بجا بے آب وگیاہ صحرا ہیں، حقیقی دریا کا وجود نہیں، عموماً پہاڑوں کے چشموں، وادیوں کے تالابوں اور میدانوں کے کنوؤں پر گذر ہے، آب وہوا کے لحاظ سے یہ نہایت گرم ہے، میدانوں میں بادِ سموم جب چلتی ہے تو کوسوں تک زندگی دشوار ہو جاتی ہے، کبھی اس کے ساتھ جب ریگ کا طوفان ہوا پر اڑتا ہے تو پورا قافلہ کا قافلہ آبادی کی آبادی ریگ کے ڈھیر کے نیچے دب جاتی ہے اسی لئے ملک عرب میں موسم وہوا کے کسی واقف کار اور آبادی وصحرا کے کسی رہنما کے بغیر سفر نہایت خطرناک ہے۔

اس ملک کا سب سے بڑا صحرا شمالی حد میں شام وعرب کا درمیانی ریگستانی میدان ہے، جس کو عرب بادیہ شام اور غیر عرب بادیہ عرب کہتے ہیں، دوسرا ریگستان جنوبی حد میں یمن، عمان اور یمامہ کے درمیان ایک ناقابل آبادی بے آب وگیاہ وسیع صحرا ہے جس کو دہنا صحرائے اعظم اور ربع خالی کہتے ہیں، اس کی ایک نوک بحرین اور نجد ین سے گذر کر صحرائے شام میں مل جاتی ہے، یہ صحرا طول میں دو درجہ اور عرض میں ڈیڑھ درجہ ہے اور مجموعی رقبہ اس کا تقریباً ۲۵۰۰۰ میل مربع ہے۔

اس ملک میں سب سے بڑا طویل السلسلہ پہاڑ جبل السراۃ ہے، جو جنوب میں یمن سے شروع ہو کر شمال میں شام تک چلا گیا ہے، اس کی سب سے بڑی چوٹی ۸۰۰۰ فٹ بلند ہے، حجاز کا سب سے مشہور پہاڑ جبل الہدیٰ طائف کا جبل الکرا، نجد کا جبل عارض و طریق، شمر کا جبل سلمیٰ اور یمن کا جبل کوکبان ہے، جبل کوکبان کی بلندی کہیں کہیں سطح آب سے ۳۰۰۰ فٹ بلند ہے۔

عرب میں جیسا کہ ہم نے ابھی کہا ہے گو کوئی دریا نہیں، لیکن عجب قدرت الٰہی یہ ہے کہ یہاں کے پہاڑوں سے ہمیشہ چشمے جاری رہتے ہیں جن سے دامن کوہ اور وادیاں عموماً سرسبز وشاداب رہتی ہیں، کبھی کبھی یہی چشمے پھیل کر تھوڑی دور تک ایک مصنوعی دریا بن جاتے ہیں، پھر وہ ریگستان میں جذب ہو جاتے ہیں یا سمندر میں مل جاتے ہیں، شاہان عرب نے

ان ہی چشموں کے روکنے کے لئے بند بنائے تھے، کیوں کہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ یہ چشمے اتفاقاً مل کر بصورت سیلاب پرخطر ہو جاتے ہیں۔ عرب کے وہ مقامات اور صوبے جو سواحل بحر پر واقع ہیں، عموماً سرسبز و شاداب ہیں، خصوصاً یمن کا صوبہ جو بحر ہند اور بحر احمر کے ساحل پر واقع ہے نہایت زرخیز ہے، اور یونانیوں میں وہ اسی سے "زرخیز عرب" کے نام سے مشہور ہے، عمان، حضرموت اور نجد تمام تر اور حجاز میں طائف، عرب کے بہترین حصے ہیں۔

حاصلات عرب: عرب کی پیداوار زیادہ تر کھجور، سیب اور ہر قسم کے بہترین نوع کے فواکہ ہیں، کہیں کہیں زراعت بھی ہوتی ہے، اقوام قدیمہ میں عرب کی شہرت اسکے طلائی و نقرئی معادن اور بخورات اور خوشبودار اشیاء کی جائے پیدائش ہونے کی بنا پر تھی ۔ ہیروڈیٹس مورخ یونان کی تاریخ میں عرب کی یہ خصوصیت خاص طور سے نمایاں کی گئی ہے[1] اور تورات تو ملک عرب کے سونا، چاندی اور بخورات کے ذکر سے بھری پڑی ہے[2]، مسلمانوں میں ہمدانی نے اپنے جغرافیہ میں معادنِ عرب کا نشان[3] دیا ہے۔

علمائے یورپ میں برٹن (Burton) نے مدین کے طلائی معادن پر (The Gold mines of Midian) خاص ایک کتاب لکھی ہے۔

عمان اور بحرین کے سواحل موتیوں کی کانیں ہیں جہاں ہر سال ہزاروں غواص دریا سے موتیوں کے نکالنے میں مشغول رہتے ہیں لیکن ان کی محنت کا ثمرہ موتیوں کے عرب تاجر کم اور انگریزی کمپنیاں زیادہ تر حاصل کرتی ہیں، ۱۹۱۰ء میں بحرین کے موتیوں کی لاگت ۲ لاکھ پونڈ کے قریب اندازہ کی گئی ہے۔

حیوانات کے لحاظ سے بھی عرب بہترین ملک ہے، عرب کے گھوڑے خوبصورتی اور بادرفتاری میں دنیا میں اپنا جواب نہیں رکھتے، اونٹ عرب کی خاص چیز اور ایک عرب کی زندگی کا حقیقی رفیق ہے، ان کے علاوہ ہرن، شیر اور دیگر حیوانات بھی عرب میں بکثرت پائے

---

[1] بیروت ترجمہ عربی ص ۲۴۰ [2] قضاۃ ۷-۳۲-۲۵، قضاۃ ۸-۲۴، ۲۶ [3] صفۃ العرب باب المعادن۔

جاتے ہیں ہیروڈوٹس نے عرب کے اڑنے والے اور قاتل سانپوں کا ذکر کیا ہے[1]، جس کی تصدیق حضرت موسیٰ کے کلام سے بھی ہوتی[2] ہے لیکن شاید اب ان کا وجود نہیں۔

اقطاع عرب: عرب جغرافیہ نویسوں نے ملک کو اس کے حدود طبعی کی بنا پر منقسم کیا ہے، عرب عراق اور عرب شام کو چھوڑ کر حسب ذیل پانچ صوبوں پر وہ تقسیم ہے، تہامہ، حجاز، نجد، یمن اور عروض۔

اس تقسیم کا اصل معیار جبل السراۃ قرار دیا گیا ہے، جو عرب کا سب سے بڑا طویل السلسلہ پہاڑ ہے، یہ سلسلہ انتہائے شمال یعنی برالشام سے شروع ہو کر انتہائے عرب یعنی یمن میں منتہی ہوتا ہے، اس سلسلہ نے عرب کو مشرقی و مغربی دو طبعی حصوں میں منقسم کر دیا ہے، مغربی حصہ مشرقی حصہ سے چھوٹا ہے، وہ عرضاً دامن کوہ سے سواحل بحر احمر تک اور طولاً عرب شام کے حدود سے یمن کے حدود تک پھیلتا چلا گیا ہے، اس حصہ کا نام حجاز ہے، حجاز کا جنوبی حصہ بطرف یمن جو نشیب و پست ہے، تہامہ اور غور کہلاتا ہے جس کے معنی پستی کے ہیں، مشرقی حصہ عموماً بلند اور فراز ہے اور وہ کرہ سروات سے اتر کر وسط ملک کو طے کرتا ہوا عراق تک چلا گیا ہے، اس حصہ مشرقی کا نام نجد ہے جس کے معنی فراز و بلند کے ہیں، تہامہ اور نجد کے درمیانی اور کوہستانی حصہ کو حجاز اس لئے کہتے ہیں کہ وہ دونوں ملکوں کے درمیان ایک حاجز (حجاب) اور پردہ ہے، عراق اور جنوبی حدود نجد سے خلیج فارس تک یمامہ، اور بحرین وغیرہ جو قطعہ ملک ہے اس کو عروض (ترچھا) کہتے ہیں کہ وہ ترچھا اور خم واقع ہوا ہے، حجاز، نجد اور عروض کے بعد جنوبی حصہ میں سواحل بحر احمر سے سواحل عمان تک، سواحل بحر عرب پر وہ قطعہ ملک ہے جو اپنے یمن و برکت اور زرخیزی کی بنا پر یمن کے نام سے مشہور ہے۔

لیکن اب بہت سے اہل جغرافیہ کے نزدیک تہامہ کوئی مستقل صوبہ نہیں بلکہ وہ حجاز کا ایک ٹکڑا ہے، اس بنا پر عرب کے حسب ذیل صوبے قرار دئیے جا سکتے ہیں، عروض، نجد، یمن اور حجاز، ان چاروں صوبوں میں سے ہر صوبہ متفرق چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں پر منقسم ہوا۔

---

[1] ہیروت، ص ۲۴۱ [2] تورات استثنا باب ۸، درس ۱۵۔

عروض

عروض جیسا کہ پہلے ہم نے بتایا ہے، وہ قطعہ ملک ہے جو مشرقی نجد اور حدود عراق سے سواحل خلیج فارس تک پھیلا ہوا ہے، اس صوبہ میں یمامہ، بحرین اور عمان تین اقطاع ہیں بحرین اور عمان ساحل بحر فارس پر واقع ہیں اور یمامہ، بحرین اور عمان کے پار نجد، حجاز اور یمن کے وسط میں ہے۔

ا- یمامہ کے حدود اربعہ یہ ہیں، مشرق میں عمان اور بحرین، مغرب میں حجاز اور بعض حصہ یمن، جنوب میں احقاف یا الربع الخالی، شمال میں نجد، یمامہ کا وہ حصہ جو نجد سے متصل ہے آباد و سرسبز ہے۔

یمامہ کی قدیم تاریخ یہ ہے کہ وہ قبائل طسم و جدیس کا مسکن[1] تھا، حجر یا قریہ اور جعدۃ ان قبائل کے عہد میں یمامہ کے مشہور شہر تھے، یمامہ میں طسم اور جدیس کی بعض عمارات اور قلعوں کے آثار زمانہ اسلام تک باقی تھے، جن میں سب سے بڑی عمارتیں قصر شموس اور قصر معنق تھیں[2]، شہر حجر جس کا نام القریہ ہے ان قبائل کی حکومتوں کا صدر مقام تھا، زرقاء جس کی نسبت مشہور ہے کہ وہ بہت تیز نگاہ تھی، دشمنوں کی فوج کو تین روز کی مسافت سے دیکھ لیتی تھی، اسی یمامہ کی رہنے والی تھی، مشہور قبیلہ ربیعہ کی بعض شاخیں عہد قدیم سے یہاں آباد تھیں، ابن خلدون نے لکھا ہے کہ بنو عجل کی آبادی بھی یہاں تھی۔

زمانہ اسلام کے قریب اس سرزمین میں عرب کا ایک مشہور قبیلہ بنو حنیفہ بستا تھا، جو

---

[1] ابوالفداء ج ا ص ۹۹ مصر [2] مقامات و عمارات کے نام یاقوت کے معجم البلدان میں دیکھو۔

بکر بن وائل کی ایک شاخ تھا، بنوحنیفہ نے ۸ ہجری میں خدمت نبوی میں حاضر ہو کر عقیدت کیشی کا اظہار کیا، اسی صوبہ وقبیلہ کا فرزند مسیلمہ تھا، جس نے عہد نبویؐ کے آخر میں دعوئے نبوت کیا اور حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں ایک جنگ عظیم کے بعد وحشیؓ کے ہاتھ سے مارا گیا، بنو اسد کا ایک مشہور قبیلہ اسلام سے تقریباً ایک صدی پیشتر یہاں آباد تھا، جو حکومت کے لحاظ سے کندہ کا ماتحت تھا۔

۲- بحرین: جس کا دوسرا نام الاحساء ہے، ایک ساحلی مقام ہے، اس کے اوپر عراق اس کے نیچے عمان اس کے مغربی پہلو پر یمامہ اور مشرقی جانب خلیج فارس واقع ہے، بحرین موتیوں کے لئے مشہور ہے، اس کے جزائر اور سواحل موتیوں کی کان ہیں جہاں ہر سال ہزاروں کشتیاں اور ہزاروں غواص موتیوں کے نکالنے میں مشغول رہتے ہیں۔

قبیلہ جدیس جو طسم کو مٹا کر یمامہ کا مالک ہوا تھا، حسان شاہ یمن کے حملوں سے بھاگ کر یہیں پناہ گزیں ہوا تھا، بعد کو عدنانی قبائل میں سے قبیلہ عبدالقیس کا یہ مسکن ہوا، ربیعہ کی بعض شاخیں بھی یہاں آباد تھیں، چھٹی صدی عیسوی میں بحرین اہل فارس کے قبضہ میں تھا، اور ان کی طرف سے مناذرہ جو عراق (حیرہ) اور اس کے آس پاس کے ملک میں ایرانیوں کے نائب تھے، بحرین کے حاکم تھے[1]، طرفہ جو عرب کا ایک مشہور شاعر تھا، آل منذر کے اشارہ سے یہیں قتل ہوا، ٦ ھ میں یہاں کا حاکم منذر بن ساوی تھا، جو پیغام اسلام پہنچنے پر اپنی تمام عرب رعایا کے ساتھ مسلمان ہو گیا اور یہاں سے بنوعبدالقیس کا ایک وفد حاضر خدمت نبویؐ ہوا۔

اسلام کے بعد اس ملک میں سب سے بڑا واقعہ یہ ظاہر ہوا کہ قرامطہ جو نیم مسلمان مجوسی تھے ان کی طاقت کا مرکز فارس کے قرب کی بنا پر یہی ملک تھا۔

۳- عمان: بحرین کے بعد، خلیج فارس سے ہٹ کر بحر عمان کے ساحل پر واقع ہے، مشرق کی جانب بحر عمان، مغرب کی طرف الربع الخالی، جانب جنوب بحرین، جانب شمال شمر،

---

[1] یعقوبی، ج ۱، ص ۲۴۰، لیڈن۔

یمن، ساحلی مقامات نہایت آباد اور سرسبز ہیں، جبل اخضر یہاں کا سب سے بڑا پہاڑ ہے، جس کی بلندی ۳۰۰۰ میٹر ہے، ملک عمان کے پہاڑ معدنیات سے اور اس کے دریا موتیوں سے اور اس کی وادیاں غلہ، فواکہ اور خوشبودار لکڑیوں سے مالا مال ہیں، عمان کے گھوڑے، گائیں اور بکریاں بھی مشہور ہیں۔

مورخینِ عرب کا بیان ہے کہ عمان، عمان بن قحطان کی طرف منسوب ہے لیکن بروایت تورات یہ عمان بن لوط کی طرف منسوب ہونا چاہئے، قبیلہ ازد جس کو اسد بھی کہتے ہیں، قبل اسلام اس کی ایک شاخ یہاں آباد تھی، آج کل یہ ملک ایک مستقل ریاست ہے جس کا پایہ تخت مسقط ہے، اہل ملک زیادہ تر اباضی طریقہ کے خارجی ہیں، ملک کا رقبہ کم از کم ۸۰ ہزار میل مربع اندازہ کیا جاتا ہے۔

نجد

نجد، وسط عرب میں ایک سر سبز و شاداب اور بلند و فراز قطعۂ ملک ہے، سطح آب سے ۱۲۰۰ میٹر بلند ہے اور تین طرف سے بے آب و گیاہ صحراؤں سے محیط ہے اور اسی لئے وہ اجنبی اثر و اقتدار اور بیرونی آمد و رفت سے محفوظ ہے، اس کے شمال میں صحرائے شام، مغرب میں صحرائے حجاز، مشرق میں صحرائے دہنا اور جنوب میں صوبہ یمامہ ہے۔

نجد، عرب کے مشہور قبیلہ بکر بن وائل کا مسکن تھا، کلیب جس سے بڑھ کر عرب جاہلیت کے نزدیک کوئی معزز نہیں ہوا، بکر بن وائل کا سردار تھا، جس کے قتل کے بعد انتقام کے لئے بکر و تغلب میں چالیس برس تک آتش جنگ مشتعل رہی، یہیں کندہ کے نام سے ایک چھوٹی سی عربی حکومت قائم ہوئی، جو مناذرہ یعنی ملوک حیرہ کی ہمسری کا دعویٰ رکھتی تھی، نوشیرواں کے باپ قباد نے جب مزدکی مذہب اختیار کیا تو مناذرہ کے مقابلہ میں شہنشاہ فارس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے شاہان کندہ نے بھی اس مذہب کو اختیار کر لیا تھا اور آخر یہی امران کی تباہی کا باعث ہوا۔

عربی زبان کو نجد کی آب و ہوا سے عجیب و غریب مناسبت ہے، مہلہل جو عربی شاعری کا آدم کہلاتا ہے، اسی نجد کی خاک سے پیدا ہوا تھا اور کلیب مذکور کا حقیقی بھائی تھا، امرء القیس جو عرب کا ملک الشعراء تھا، اسی نجد کی حکومت کندہ کا آخری شاہزادہ تھا اور آج بھی جب کہ امتداد زمانہ اور اختلاط اقوام کے سبب سے فصیح عربی زبان کا تمام جزیرہ عرب میں کہیں وجود نہیں، یہاں کے پہاڑوں میں قدیم فصیح عربی زبان بلا اختلاط موجود اور محفوظ ہے۔

نجد، عہد قدیم سے عدنانیہ کا مسکن ہے، آخر عہد میں کہلانی قبیلہ کی مشہور و معروف شاخ طے، آجا و سلمٰی کی پہاڑیوں میں آباد ہوگئی تھی، جن کو شعرائے طے نے ہمیشہ فخر کے ساتھ یاد کیا ہے، چھٹی صدی عیسوی میں جو ظہور اسلام کا زمانہ ہے، نجد میں غطفان کا قبیلہ بستا تھا، جس کی تادیب کے لئے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مع صحابہؓ ۴ھ میں نجد تشریف لے گئے تھے، اس مہم کا نام اہل سیرت کے ہاں غزوہ ذات الرقاع ہے، قبیلہ ہوازن اور سلیم، نجد کے مغربی حصہ پر قابض تھے، قبیلہ حطیم کی بھی ایک شاخ نجد میں تھی۔

آج کل نجد، شمر، قصیم اور عارض تین حصوں میں منقسم ہو کر دو شیوخ کے زیر حکومت ہو گیا ہے، شمالی حصہ جو صحرائے شام و عراق و حجاز کے متصل ہے شمر کہلاتا ہے اور کبھی اپنے دار الامارۃ، حائل کے نام سے حائل بھی پکارا جاتا ہے، جبل شمر اور جبل سلمٰی اور کچھ وادیاں اس تقسیم میں داخل ہیں، پہاڑی خودرو نہروں سے وادیاں شاداب رہتی ہیں، قصیم کا نصف حصہ حکومت شمر میں داخل ہے، شمر کی حکومت آجکل آل رشید کے قبضہ[1] میں ہے، آبادی کا تخمینہ تین لاکھ ہے، شمر میں پہلے قبیلہ طے کی ایک شاخ شمر آباد تھی جس کے نام سے یہ ملک موسوم کیا گیا۔

عارض جو یمن کے صوبہ احقاف کے متصل ہے نجد الیمن کہلاتا ہے اور آج کل نجد سے عموماً یہی سرزمین مراد لی جاتی ہے، امیر نجد آل سعود سے جس کے دار الامارۃ کا نام مدینۃ الریاض ہے، قصیم کا جنوبی حصہ اسی حکومت کے تابع ہے، نجد کا یہ حصہ شمر سے زیادہ سرسبز و شاداب ہے، محمد بن عبدالوہاب نجدی کے اثر سے عارض کے باشندے زیادہ تر اہل حدیث ہیں اور ان کی مردم شماری بیش و کم ۵ لاکھ ہے۔

نجد کے پھول، گھوڑے اور اونٹ مشہور ہیں، ہر قسم کے میوے یہاں کثرت سے پیدا ہوتے ہیں، وادیوں اور پہاڑوں کے دامن میں زراعت بھی ہوتی ہے۔

---

[1] پچیس برس ہوئے کہ آل رشید کی ریاست ختم ہوگئی اور ابن سعود کی حکومت میں شامل ہوگئی۔ ''سلیمان''

یمن

یمن عرب کا سب سے زیادہ سرسبز وشاداب وسیع اور سب سے زیادہ وسیع اور سب سے زیادہ متمدن صوبہ ہے اور جو اسلام کے پہلے بھی اور اسلام کے بعد بھی علم کا مرکز رہا ہے، اس کی تاریخ نہایت قدیم ہے، اس لئے اکثر مجہول ہے، عمارات اور قلعوں کے آثار یہاں نہایت کثرت سے پائے جاتے ہیں، جو قدیم شان دار تمدن کا پتہ دیتے ہیں، قرب وجوار کی سلطنتوں نے مثلاً روم، فارس اور حبشہ نے اس پر متواتر حملے کئے ہیں اور کبھی فتح بھی کیا ہے، یونانی اور رومی مورخین کے پاس یمن کے متعلق بعض اہم معلومات ہیں اور کچھ معلومات آثار قدیمہ کی مدد سے یورپین علمائے آثار (ارکیالوجسٹ) نے حاصل کئے ہیں۔

صوبہ یمن کے حدود حکومت گو مختلف زمانہ وحکومت میں مختلف رہے ہیں، تاہم اس کے طبعی حدود یہ ہیں، جنوب میں بحر عرب، مغرب میں بحر احمر، شمال میں حجاز، نجد اور یمامہ اور مشرق میں عمان وبحرین، اس صوبہ کی ابتدائی تاریخ جیسا ہم نے پہلے بیان کیا ہے، قدامت کی تاریکی میں مخفی ہے، جہاں تک معلوم ہوا ہے وہ یہ ہے کہ اس سرزمین کے مختلف اقطاع ہیں وقتاً فوقتاً عمالیق، اہل معین، عاد، سبا اور حمیر کی عظیم الشان سلطنتیں قائم ہوئی ہیں جنھوں نے بڑی بڑی عمارتیں تعمیر کیں جن کی عظمت کے آثار اب تک باقی ہیں، ترقی زراعت کے لئے وادیوں میں بڑے بڑے بند آب بنائے جن میں سب سے زیادہ مشہور سد مارب ہے جس کا قرآن مجید میں بھی ذکر ہوا ہے، ہندوستان، فارس، حبش، مصر اور عراق کی تجارتیں ان ہی کی وساطت سے قائم تھیں، پہاڑوں سے معدنیات اور جواہر نکالتے تھے، سامان عطریات وبخورات ان ہی

کے ملک سے تمام مہذب ممالک میں پہنچتا تھا، آخر زمانہ میں ستر برس کے لئے اہل حبشہ یمن پر قابض ہو گئے تھے، جن کو آخر کار اہل فارس نے نکال دیا اور خود قبضہ کر لیا، ظہور اسلام کے وقت اہل فارس کی طرف سے باذان یہاں کا گورنر تھا، جو ۷ھ میں مسلمان ہو گیا، بقیہ اہل یمن جو زیادہ تر مذہباً یہودی تھے، ۱۰ھ میں داعی اسلام حضرت علیؓ کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے، ہمدان یمن کا ایک مشہور قبیلہ تھا، تمام قبیلہ صرف ایک دن میں شرف اسلام سے مشرف ہوا۔

یمن کے قدیم مشہور مقامات کے نام یہ ہیں، معین مارب، ظفار، شیبان، اوزال، براقش، انشق، خولان، قرن شبوہ، عمران، صنعاء وغیرہ ان میں اب اکثر مقامات ویران یا دریائے ریگ میں غرق ہیں، بعض موجود ہیں لیکن ان کے قدیم نام متروک ہیں، ملک کی کثرت آبادی و سرسبزی کا اندازہ اس سے ہوگا کہ ملک کی تقسیم پہلے جن صوبوں پر تھی اور جن کو اہل عرب مخلاف کہتے ہیں مورخ یعقوبی نے ان کی تعداد ۸۴[1] بتائی ہے، یمن کی بڑی بڑی تقسیمیں حسب ذیل ہیں:

حضر موت، احقاف، صنعاء، نجران، عسیر، جو علی الترتیب مشرقی جنوبی حدود یعنی حضر موت سے جنوبی مغربی حدود یعنی حجاز تک سواحل بحر احمر پر واقع ہیں۔

۱۔ **حضر موت**: ساحل بحر ہند پر واقع ہے، شمال میں بحر ہند، جنوب میں الربع الخالی اور الاحقاف اور مغرب میں صنعاء، یہ ایک نہایت قدیم آبادی ہے، قحطان یا یقطان جو یمن کا پدر اول تھا، اس کے بارہ بیٹوں میں سے ایک نام تورات[2] نے حضر ماوت بتایا ہے، اس بنا پر اہل تاریخ یقین کرتے ہیں کہ یہ قطعۂ ملک اپنے باشندۂ اول حضر ماوت بن قحطان کے نام سے منسوب ہے، اہل حضر موت نے ایک مستقل حکومت بھی قائم کر لی تھی، جس کی مختصر تاریخ مورخ ابن خلدون نے بیان کی ہے[3]، عاد و ثمود کے قبائل کا اصلی مسکن بھی یہی تھا، عاد کا قبیلہ یہاں سے ذرا ہٹ کر احقاف میں بس گیا اور ثمود حجاز کے پار جا کر آباد ہوا، بالفعل حضر موت

---

۱ صفحہ ۲۲۷، لیڈن ۲ توراۃ تکوین ۱۰-۲۶ ۳ جلد ۲، صفحہ ۳۰۔

ایک مستقل قطعہ ملک کی حیثیت سے ایک مستقل امام کے ماتحت ہے، شادابی اور سرسبزی میں صنعاء سے کم نہیں ہے اور عود قافلی وغیرہ یہاں کے مشہور نباتات ہیں، سال بسال حضر موت میں 'سوق الرابیہ' کے نام سے ایک بازار لگا کرتا تھا اور اسی کے متصل شمر مہرہ میں دوسرا بازار لگتا تھا[1]۔

۲- بلاد الاحقاف: یمامہ، عمان، بحرین، حضر موت اور مغربی یمن کے بیچ میں جو صحرائے اعظم الدہنا، یا ربع خالی کے نام سے واقع ہے، گو وہ آبادی کے قابل نہیں لیکن اس کے اطراف میں کہیں کہیں آبادی کے لائق تھوڑی تھوڑی زمین ہے، خصوصاً اس حصہ میں جو حضر موت سے نجران تک پھیلا ہوا ہے، گو اس وقت وہ بھی آباد نہیں، تاہم عہد قدیم میں اسی حضر موت اور نجران کے درمیانی حصہ میں عاد ارم کا مشہور قبیلہ آباد تھا، جس کو خدا نے اس کی نافرمانی کی پاداش میں نیست و نابود کر دیا۔

۳- صنعائے یمن: ملک یمن کا قلب، اور یمن کے قدیم تمدن کا تماشا گاہ درحقیقت یہی ٹکڑا ہے، یہ بحر ہند اور بحر احمر کے سواحل پر عرب کے شمالی و مغربی گوشہ میں واقع ہے، معین، سبا اور حمیر کی عظیم الشان سلطنتیں اسی قطعہ زمین پر قائم ہوئی تھیں، سد مارب یا سد عرم اسی کی وادیوں میں تعمیر ہوا تھا، ظفار، مارب اور اوزال یہیں کے پایہ تخت تھے، ملکہ سبا اسی سرزمین کی شاہزادی تھی، قصر غمدان، قصر ناعط، قصر ربدہ، قصر صرواح، قصر مدر، اسی قطعہ ملک میں تعمیر ہوئے تھے، جن کے آثار چوتھی صدی ہجری میں ہمدانی نے خود برای العین مشاہدہ کئے تھے۔

صنعاء جو اب یمن کا پایہ تخت ہے قدیم شہر اوزال کے پاس اسلام سے ایک مدت پہلے آباد ہوا تھا، ۱۰ھ میں جیسا ہم نے پہلے لکھا ہے یہ ملک مشرف بہ اسلام ہوا، اب یہاں زیادہ تر زیدی طریقہ کے مسلمان آباد ہیں، جو عقائد میں معتزلہ کی ایک شاخ اور شیعہ اور اہل

[1] یعقوبی، جلد ۱، صفحہ ۳۱۴۔

سنت کے وسط میں ہیں، یہاں کا امام بھی زیدی سادات کے خاندان سے ہے، یمن کے نباتات خصوصاً یمن کا قہوہ (بن) مشہور ہے، اسلام کے بعد شہر زبید یمن کا ایک مشہور شہر بن گیا، جہاں سے متعدد علمائے اسلام پیدا ہوئے۔

۴-نجران: بلاد احقاف اور عسیر کے درمیان میں ایک مختصر سی آبادی تھی، عہد قدیم میں یہاں بنو اسماعیل میں سے بجیلہ بن نزار آباد ہوا[1] تھا، اسلام کے کچھ پہلے سے روم وحبش کی کوششوں سے یہاں عیسائیت پھیل گئی تھی، یمن کی یہودی حکومت نے ان عیسائیوں کو بجبر یہودی بنانا چاہا لیکن روم اور حبش جو مسیحی ہمسایہ سلطنتیں تھیں، وہ برابر ان کی حمایت کرتی رہیں، نجران میں ایک بہت شاندار کلیسا بھی تعمیر ہوا تھا، جو عربوں میں کعبہ نجران کے نام سے مشہور تھا، ۹ھ میں اہلِ نجران کا وفد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں حاضر ہوا تھا۔

۵-عسیر: بحر احمر کے ساحل پر حجاز اور صنعاء کے مابین واقع ہے، یہاں کے باشندے عموماً اہل حدیث ہیں، امام عسیر اور یسی خاندان کا ہے۔

ان ملکی تقسیمات کے علاوہ یمن میں بہت سے ساحلی مقامات اور جزائر ہیں مثلاً شحر، مہرہ، مکّلہ لحج، جزائر کوریا موریا، جزائر بریم وغیرہ، ان کی حکومت مختلف شیوخ کے ماتحت ہے اور جو زیادہ تر برٹش گورنمنٹ کے زیر اقتدار ہیں۔

ظہور اسلام کے زمانہ میں یمن حکومت فارس کے ماتحت تھا، ۹ھ میں یہاں کا آخری ایرانی گورنر مسلمان ہو گیا اور ملک بلا جنگ وجدال علم اسلام کے زیر سایہ آ گیا۔

---

[1] یعقوبی، جلد ا، صفحہ ۲۵۵۔

حجاز

حجاز، بحر احمر کے ساحل پر ایک مستطیل صوبہ ہے، جس کا نام توراۃ میں فاران بتایا گیا ہے اور جہاں سے تجلی ربانی کے ظاہر ہونے کی بشارت دی گئی تھی، اس کے مشرق جانب نجد، مغربی جانب بحر احمر، شمال میں عرب شام یا عرب الحجر، جنوب میں عسیر، اور شمالاً جنوباً کوہ سردات کا سلسلہ پھیلا ہوا ہے جس کی بلند تر چوٹی ۸۰۰۰ فیٹ ہے، سلسلہ کوہ میں بہت سے چشمے جاری ہیں جہاں گاؤں آباد ہیں، باغ لگے ہیں، کھیتیاں ہوتی ہیں کہیں کہیں جنگل ہیں، دامن کوہ سرسبز ہے اور وہاں بھی آبادی ہے لیکن زیادہ آباد اور سرسبز حصہ وہ ہے جو بحر احمر کے سواحل پر واقع ہے، ان مقامات کے علاوہ تمام حصہ ریگستان ہے، جہاں کسی قسم کی زراعت نہیں ہوسکتی، حجاز کا سب سے بڑا ساحلی شہر جدہ ہے جو مکہ کا بندرگاہ ہے، اس کے بعد دوسرا ساحلی مقام ینبع ہے جو مدینہ کا بندرگاہ ہے، اندرون ملک کے بڑے بڑے شہر مکہ معظّمہ، مدینہ منورہ اور طائف ہیں۔

ا۔ مکہ یا بکہ جس کا تیسرا نام ام القریٰ ہے، حجاز کا دارالحکومت ہے، یہ شہر ایک بوڑھے پیغمبر (ابراہیمؑ) کی بنا، ایک نوجوان پیغمبر (اسماعیلؑ) کی ہجرت گاہ اور ایک یتیم پیغمبر (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کا مولد ہے، شہر، عرض البلد ۲۱ درجہ ۳۸ دقیقہ اور طول البلد ۴۰ درجہ ۹ دقیقہ پر واقع ہے، سطح آب سے تقریباً ۳۳۰ میٹر بلند ہے، چاروں طرف پہاڑوں نے قدرتی دیواریں کھینچ دی ہیں، بالفعل شرقاً غرباً تقریباً ۳۰ کیلومیٹر لمبا اور جنوباً شمالاً تقریباً ڈیڑھ کیلومیٹر چوڑا ہے، مشرقی سلسلہ شمالی سلسلہ جبل خلیج (فلق) جبل قیقعان، جبل ہندی، جبل

لعلع، جبل کداء سے مرکب ہے، آخر الذکر پہاڑ وہی ہے جس کی راہ سے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن داخل ہوئے تھے، جنوبی سلسلہ جبل ابوحدیدہ، جبل کدی اور جبل ابی قبیس کے بعض سلسلہ سے مرکب ہے، مشرق میں جبل ابی قبیس اور اس کے پیچھے جبل خندمہ اور مغرب میں جبل عمر واقع ہے۔

حضرت مسیحؑ سے ڈھائی ہزار برس پہلے یہ کاروانِ تجارت کا ایک منزل گاہ تھا، تقریباً دو ہزار ق م میں حضرت ابراہیمؑ نے اپنے فرزند عزیز حضرت اسماعیل علیہ السلام کو یہاں آباد کیا، باپ بیٹے نے خدا کے نام پر یہاں ایک قربان گاہ بنائی جس کا کعبہ نام قرار پایا، فرزندان اسماعیل کی اولاد ایک مدت تک یہاں دیگر قبائل پر بالا دست رہی، اس کے بعد قحطانی قبائل (بروایت عام) آئے اور انھوں نے استیلا حاصل کیا، بنو اسماعیل میں سے قصی نے آخر یہاں کی ریاست حاصل کی، قصی قریش کا پدر اعلیٰ تھا، آخر زمانہ میں یہاں کے مالک قریش تھے، امور مملکت اور صیغہائے حکومت ایک ایک شیخ خاندان کے زیر نگرانی تھے، شہر کے علاوہ اسماعیلی قبائلی، شہر کے آس پاس بھی آباد تھے، مکہ کے جنوب میں جو پہاڑیاں ہیں وہ مشہور قبیلہ ہذیل کا مسکن تھیں، جنوب کی طرف وادی القریٰ ہے، جو قدیم قبائل کا مسکن تھا، اس کے اطراف میں قبائل کنانہ رہتے تھے، مکہ کے پاس جبل حبشی کے دامن میں قبائل احابیش رہتے تھے۔

۲- مدینہ منورہ: قبل ہجرت نبویؐ اس شہر کا نام یثرب تھا، ہجرت کے بعد اسکا نام بدل کر مدینۃ النبیؐ یعنی ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شہر'' ہوا اور کثرت استعمال سے ''ال'' قائم مقام مضاف الیہ ہو کر المدینہ رہ گیا، یہ شہر سمندر کی سطح سے ۶۱۹ ر میٹر بلند ہے اور طول ۳۹ ر درجہ ۵۵ ر دقیقہ اور عرض ۲۴ ر درجہ ۱۵ ر دقیقہ شمال خط استوا پر واقع ہے، گرمی میں یہاں حرارت کا درجہ ۴۸ ر درجہ تک بڑھ جاتا ہے اور جاڑوں میں دن کو صفر سے دس درجہ اوپر اور رات کو صفر سے ۵ ر درجہ نیچے ہوتا ہے، اس لئے جاڑوں میں اکثر صبح کو پانی یخ ہو جاتا ہے، پہلے یہاں عمالیق آباد تھے لیکن عہد اسلام میں یہاں یہود اور قبائل اوس وخزرج آباد تھے،

محققین حال کا بیان ہے کہ یثرب مصری لفظ ہے ''اتھریبس'' کی تعریب ہے، ہمارے یہاں کے مورخین کا بیان ہے کہ سب سے پہلے یہاں عمالیق آباد ہوئے تھے اور اب یہ ثابت ہو گیا ہے کہ عمالیق ۲۲۰۰ق م میں مصر کے حکمران تھے اور سن ۱۶۰۰ق م میں وہاں سے نکالے گئے تھے، اس بنا پر شہر کی تعمیر کا زمانہ ۱۶۰۰ قبل مسیح اور ۲۲۰۰ق م کے درمیان ہے، عمالیق کے بعد یہاں سب سے اول یہود آ کر آباد ہوئے اس کے بعد قبیلہ ازد کی دو شاخیں اوس اور خزرج یہاں آباد ہوئیں، یہ اوس وخزرج وہی قبائل ہیں جن کا لقب اسلام میں انصار ہوا اور جنھوں نے اسلام کی دعوت اولین قبول کی اور مسافرین اسلام کو اپنے گھروں میں اتارا اور جس کی مکافات میں خداوند تعالیٰ نے انصار کے نام سے ان کو زندگی جاوید بخشی اور ان کے شہر کو پینتیس کروڑ نفوس کا مرکز قرار دیا۔

بنولام جوطے کی ایک شاخ ہے، مدینہ کے کوہستانی مقام میں آباد تھی، ہمدانی نے لکھا ہے کہ اسلام کے بعد یہ شاخ دیار ربیعہ کو منتقل ہوگئی، بنوظفر بھی ہمدانی کے بیان کے مطابق مدینہ کے مقابل ہی سکونت پذیر تھے، بنوکلاب جو مشہور قبیلہ تھا، وہ مدینہ کے اطراف میں ربذہ، فدک اور عوالی میں آباد تھا، جو اسلام کے بعد حسب روایات ہمدانی شام کو منتقل ہو گیا اور وہاں اس نے اپنی ایک ریاست قائم کی۔

۳- طائف: حجاز کی جنت ہے، بے انتہا سرسبز وشاداب مقام ہے، امرائے حجاز عموماً گرمی وہیں بسر کرتے ہیں ابتداءً قبیلہ عدوان کا مسکن تھا، بعد کو وہ مشہور قبیلہ ثقیف کے قبضہ میں آیا، قبل ہجرت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہاں دعوت اسلام کیلئے تشریف لائے لیکن جس طرح خلیل کے ایک شہر نے مسیحؑ کو قبول نہیں کیا، طائف نے بھی آپ کو قبول نہ کیا، ۸ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کا محاصرہ کیا، ۹ھ میں سردار ثقیف عروہ ابن مسعود نے اسلام قبول کیا اور خود اپنی قوم کے ہاتھ سے اسلام کی راہ میں مارا گیا لیکن ان کی منادی بے اثر نہ رہی، اسی سال وفد ثقیف خدمت نبویؐ میں حاضر ہو کر عقیدت کیش ہوا۔

۴- جوف، ثمود، تبوک، خیبر، مدین

ان شہروں کے علاوہ بعض اور مقامات بھی قابل ذکر ہیں، مدینہ سے کچھ آگے بجانب شمال وہ میدان واقع ہے جہاں ثمود کا قبیلہ آباد تھا یہ جوف اور وادی القریٰ کے نام سے مشہور ہے، پایہ تخت کا نام حجر تھا جس کا قرآن میں بھی ذکر آیا ہے، یہ شہر زیادہ تر اپنے پیغمبر صالح کے نام سے مدائن صالح کہلاتا ہے، ۹ ھ میں تبوک کو جاتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس شہر سے گذر ہوا تھا، اسی سے متصل دوسری آبادی تیماء ہے، حجر اب حجاز ریلوے کا اسٹیشن ہے، حجر کے بعد ایک اسٹیشن المعظم چھوڑ کر دوسرا اسٹیشن تبوک ہے جہاں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رومیوں کی مدافعت کے لئے اقامت فرمائی تھی، مدینہ کی مغرب جانب خیبر ہے جو یہود کی جنگی قوت کا مرکز تھا اور جہاں یہودیوں کے بڑے بڑے قلعے تھے، ۷ ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہاں تشریف لائے اور اس کی تسخیر فرمائی، حجر کے مقابل مغرب کی جانب بحر احمر کے ساحل پر شہر مدین آباد تھا، جو حضرت موسیٰؑ کا دار الہجرۃ، ان کے خسر یثرویا حوباب (حضرت شعیبؑ) کا وطن اور مدیانیوں کا پایہ تخت تھا۔

آغاز اسلام میں یہ تمام شہر یہودیوں کے قبضہ میں تھے اور یہاں ان کے بڑے بڑے قلعے تھے جن کو اسلام نے عہد نبوت میں یکے بعد دیگرے فتح کیا۔

عرب شام

یعنی وہ قطعہ عرب جس کو یونانی عرب سنگستانی کہتے ہیں اور جو شام، مصر بادیہ شام اور حجاز ونجد کے مابین واقع ہے، یہ آبادی عرب کا بہت قدیم حصہ ہے، اکتشافات جدیدہ سے پہلے بھی گو اس ملک کی وقعت کم نہ تھی کہ اس کے صحرا میں بنو اسرائیل کا مسکن تھا، اس کے ایک پہاڑ پر اسرائیل کا ایک پیغمبر (حضرت موسیٰؑ) خدا سے ہم کلام ہوا تھا، اس کے متصل ارض موعود واقع ہے جس کو ابراہیمؑ واسحاقؑ ویعقوبؑ کے خدا نے اسرائیل کے فرزندوں کو وراثۃً بخشا تھا لیکن اکتشافات جدیدہ کے بعد اس کی اہمیت اور بڑھ گئی ہے، یہاں عمالقہ عرب کی آبادی تھی، ان ہی کھنڈروں میں ان کی عظیم الشان حکومت قائم تھی، جس کا سلسلہ حجاز تک پھیلا تھا اور جس میں بلقا، عمان، بصریٰ، تدمر وغیرہ شہر داخل تھے، تدمر ایک مشہور تجارتی مقام تھا، زباء یہاں کی ایک ملکہ کا نام ہمیشہ عربوں میں ضرب المثل رہا ہے، اسلام سے کچھ پہلے یہ ملک بنو جفنۃ ایک عرب خاندان کے زیر حکومت تھا، جو غسانیہ کے نام سے موسوم ہے اور جس کا پایہ تخت بصریٰ تھا، قبیلہ جہینیہ کی متعدد شاخیں یہاں آباد تھیں، ہمدانی نے لکھا ہے کہ اسلام کے بعد عرب شام میں حلب تک بنو عجل آباد تھے، طے کی یہ شاخ ربیعہ یہیں آباد تھی بنو جذیمہ کی اکثر شاخیں غزہ کے پاس سکونت پذیر تھیں، ظہور اسلام کے وقت یہ تمام اطراف رومیوں کے زیر سایہ عرب عیسائی امراء اور یہود کے قبضہ میں تھے۔

عرب عراق

عرب عراق سے وہ سرزمین مراد ہے جس کو یونانی عرب ریگستانی کہتے ہیں اور خلیج فارس، دریائے فرات، بادیہ شام اور نجد کے مابین واقع ہے، اب عام طور سے لوگ اس کو عراق عرب کہتے ہیں، اس حصہ میں بھی عہد قدیم میں عمالقہ عرب نے ایک شان دار حکومت قائم کی تھی، قبیلہ ربیعہ کی ایک شاخ یہاں بھی آباد تھی، اسلام کے بعد عہد فاروقی میں اسی سرزمین میں کوفہ اور بصرہ آباد ہوئے، جو خالص عربی تمدن کا مظہر اور علمائے اولین کے مرکز تھے اور جس کی سرزمین میں متعدد علوم عقلیہ وعلوم اسلامیہ کی بنیادیں قائم ہوئیں۔

ابن خلدون نے لکھا ہے کہ اسی عرب عراق میں اسلام سے پہلے سنجار نام مقام میں نہر فرات کے پاس قبیلہ عبید کی ایک ریاست تھی جس کا آخری بادشاہ خیزان بن معاویہ تھا، اس خاندان کے آثار عمارات اب تک میدان سنجار میں باقی ہیں، زبید شاخ طے بھی اسی مقام میں آباد ہوئی تھی بنو عجل کی ایک شاخ یمامہ سے عراق تک پھیلی ہوئی تھی۔

ظہور اسلام کے وقت ایرانیوں کے ماتحت ایک عرب خاندان (مناذرہ) یہاں کا فرماں روا تھا، اس کا پایہ تخت کوفہ کے متصل شہر حیرہ تھا۔

اقوام ارض القران

امم سامیہ

تاریخ ارض القرآن (عرب) کو جن قوموں سے تعلق ہے وہ عموماً امم سامیہ ہیں، امم سامیہ کیا چیز ہے؟ اس کی حقیقت تفصیل ذیل سے واضح ہوگی۔

علم الاقوام اور علم الالسنہ کے محققین نے اقوام عالم کو اخلاق، عادات، اعتقادات اور زبان کے اتحاد وتشابہ اور جسم، اعضاء اور دماغ کی مماثلت کے لحاظ سے تین مختلف خاندانوں میں تقسیم کیا ہے:

۱-اریانی: (اریین یا انڈو یورپین) مثلاً ہندوستان، ایران، فرنگستان۔

۲-تورانی: (ٹیرنین یا منگولین) مثلاً ترکستان، چین منغولیا وغیرہ۔

۳-سامی: (سمیٹک) عرب، آرامی، عبرانی، سریانی، کلدانی، فینیشین وغیرہ۔

بعض علماء، اقوام عالم کی علم الالوان یعنی اختلاف رنگ کی بنا پر تین تقسیمیں کرتے ہیں:

۱-جنس ابیض　　:عام امم سامیہ وفرنگستان

۲-جنس اسود یا احمر: باشندگان افریقہ

۳-جنس اصفر　　: جاپان وچین وبقیہ امم تورانیہ

تیسری تقسیم توراۃ کی ہے، طوفان نوح کی زندگی ثانی کے بعد وہ بھی دنیا کی تمام

قوموں کو تین خاندانوں پر منقسم کرتی ہے، حضرت نوحؑ کے تین بیٹے تھے، یافث، حام اور سام، تمام دنیا ان ہی کی تین نسلوں کی یادگار ہے، تفصیل حسب ذیل ہے:

بنو یافث: یافث کی ۷ اولادیں ہوئیں، غامر، ماجوج، ماوی، یادان، توبال، موشوخ، تیرس، تورات کا بیان ہے کہ جزائر میں رہنے والی اقوام اسی خاندان سے ہیں۔

بنو حام: حام کی چار اولادیں تھیں، کوش (پدر حبش) مصرائیم (پدر مصر) کنعان (فینیقیہ) اور فوط۔

۱- کوش سے سبا، حویلہ، سبتاہ، رگماہ، سبیگاہ پیدا ہوئے، اسی کوش کی نسل سے نمرود کا خاندان پیدا ہوا جو بابل کا پہلا بادشاہ تھا۔

۲- مصرائیم سے لودی، انامی، لہبی، نافوتی، فطروسی، کفتوری اور کسلوہی، جس سے فلسطین کا خاندان پیدا ہوا۔

۳- کنعان سے صیدا، حتی، یابوسی، عموری، جرجاشی، ہوی، ارکی، سینی، اروادی، سیماری اور حماتی پیدا ہوئے۔

عموماً یہ شام کے باشندے تھے جن میں سے شہر صیدا اور حماۃ اب تک ان کی یادگار باقی ہیں۔

بنو سام: سام کے پانچ بیٹے تھے، عیلام ارفخشد، لود، اشور، (اسیریا) اور آرام۔

تورات کو ان تمام خاندانوں میں سے صرف بنو سام سے تعلق ہے اور بنو سام میں سے بھی وہ صرف دو کی اولادوں کا ذکر کرتی ہے، ارام اور ارفخشد۔

۱- ارام کے بیٹے عوض، حول، جبثر اور مس۔

۲- ارفخشد کے بیٹے کا نام سلح تھا، سلح سے عبر پیدا ہوا، جو تمام بنی عبر (یعنی بنو قحطان، بنو ابراہیم، بنو اسماعیل اور بنو اسرائیل کا باپ تھا، عبر کے دو بیٹے تھے، یقطان (یعنی قحطان جو قحطانی عربوں کا جد اعلیٰ ہے) اور فلج، فلج سے رعو، رعو سے سروح، سروح سے نحور،

نحور سے تارح (آزر) اور تارح سے حاران اور حضرت ابراہیمؑ پیدا ہوئے[1]۔

حضرت ابراہیمؑ کے تین بیٹے تھے، اسماعیل جو شمالی عرب کے اسمٰعیلی عربوں کے باپ ہیں، اسحاق جن سے اسرائیل کا گھرانا چلتا ہے اور بنو قطورا جن میں ایک مدین ہے۔

تورات کی یہ تقسیمات کہاں تک تحقیقات علمی کے مطابق ہیں؟ اس سوال کے مختلف جوابات ہیں، علمائے یورپ کا ایک فرقہ ان میں سے اکثر کو لغو سمجھتا ہے لیکن اس سے زیادہ محقق فرقہ کہتا ہے کہ یہ تقسیمات نسبی اور لسانی نہیں ہیں بلکہ صرف[2] جغرافی اور سیاسی ہیں۔

لیکن یورپ کا وہ گروہ جو معقول اور منقول کی تطبیق کا کوشاں ہے وہ سفر تکوین کے بیانات اور علم و بحث کے نتائج کو ایک ہی سمجھتا ہے، وہ کہتا ہے کہ توراۃ نے جو نام گنائے ہیں وہ تلاش و تحقیق کے بعد تھوڑے تغیر کے ساتھ قدیم تاریخی ناموں سے خواہ وہ خود اشخاص کے ہوں یا ان کے مقامات کے ہوں بالکل[3] مطابق ہیں۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ سفر تکوین کی اس فہرست انساب پر نظر ڈالنے سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ صرف فلسطین اور اس کے آس پاس کے اقوام و مقامات مثلاً سوریا (شام) اسیریا، بابل، کلدان، میدیا، سیسانیا، مصر، دمشق، لیبیا، افریقہ، سینا اور عرب کا ایک خاکہ ہے اور اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اس فہرست میں اشخاص کے بجائے زیادہ تر اقوام کے نام ہیں اور جو اشخاص کے نام نظر آتے ہیں وہ بھی حقیقت میں اقوام کے نام ہیں جن کے مسکن اب تک فلسطین کے آس پاس موجود ہیں اور خود ان اشخاص یا اقوام کے نام جیسا کہ آگے ظاہر کیا جائے گا، علمیت کے بجائے اپنا جغرافی نام ظاہر کرتے ہیں۔

بہر حال توراۃ کی تقسیم نسبی (سام، حام، یافث) یا علمائے السنہ کی تقسیم لسانی (ایرانی، تورانی سامی) یا علمائے اقوام کی تقسیم لونی (ابیض، احمر، اصفر) ان میں سے جو بھی

---

[1] ان تمام بیانات کیلئے دیکھو سفر تکوین باب ۹-۱۰-۱۱ [2] انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، ج ۲۴، ص ۶۱۸

[3] فصل جغرافیۂ تورات (Bevan)۔

معتبر ہو، ان اقوام کے لئے جو عرب وشام وعراق میں آباد ہوئیں، یہ عجیب مزیت ہے کہ وہ ہر نوعیت تقسیم کے لحاظ سے ایک ہی جماعت میں داخل ہیں، ان کو توراۃ کی بناپر بنوسام کہہ سکتے ہو، تقسیم لسانی کی بناپر امم سامیہ اور تیسری حیثیت سے جنس ابیض۔

بنوسام اور امم سامیہ کی اصطلاح میں صرف اتنا فرق ہوگا کہ بنوسام صرف ان قبائل واقوام پر مشتمل ہے جن کو توراۃ، سام کی اولاد بتاتی ہے لیکن امم سامیہ کا اطلاق ان تمام قبائل واقوام پر ہے جو سامی زبان بولتے تھے یا بولتے ہیں، اس خصوصیت کی بناپر عیلام جس کا مسکن خلیج فارس کے فارسی سواحل (سسیپیا جسکو سوستان بھی کہتے ہیں) ہیں اور لود جس کا مسکن بھی اسی کے پاس لودیا میں ہے، امم سامیہ سے خارج ہوں گے کہ ان کی زبان کبھی سامی نہ تھی اور کنعان[۱] (فینیشیا) بابل اول، کوش (حبش) عمورانی وغیرہ کا امم سامیہ میں شمار ہوگا کہ ان کی زبان ہمیشہ سامی رہی ہے۔

---

[۱] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا مضمون السنۂ سامیہ۔

امم سامیہ کا مسکن اول

امم سامیہ زمانہ تاریخ کے پہلے سے متفرق لیکن متصل مقامات میں آباد ہیں، اس لئے سوال یہ ہے کہ امم سامیہ جب صرف چند کنبوں سے عبارت تھیں تو ان کا مسکن کہاں تھا؟ مؤرخین عرب کے نزدیک اس کا ایک ہی جواب ہے کہ عرب۔

یورپ کے موجودہ علمائے اقوام والسنہ کے نزدیک اس سوال کے جواب میں چار نظریے پیش ہیں:

اول یہ کہ ان کا پہلا مسکن افریقہ ہے، جہاں سام کے بھائی حام کی اولاد زمانہ تاریخی میں آباد ملتی ہے اس نظریہ کی دلیل بیان کی جاتی ہے کہ سامی اور حامی زبانوں میں بہت شدید مشابہت ہے نیز یہ کہ سامی اور حامی اور خصوصاً جنوبی عرب کے سامیوں اور حامیوں (شاید حبش مراد ہوں) کے بعض اعضاء میں مشابہت تامہ پائی جاتی ہے۔

لیکن یہ دلیل نہایت عجیب ہے، دو بھائیوں میں اگر مشابہت پائی جاتی ہے اور ایک افریقہ میں رہتا ہے تو کیا ضرور ہے کہ دوسرا بھی افریقہ ہی میں پہلے رہتا ہو، یہ کیوں نہیں فرض کیا جاسکتا کہ خود حامی پہلے سامی خاندانوں کے ساتھ رہتے تھے اور ایک مدت کی یکجائی کے بعد ان سے الگ ہوئے، اسی یکجائی و اجتماع و اتحاد نسل کے بقیہ آثار دونوں میں اب تک موجود ہیں۔

جنوبی عرب (یمن) اور حبشیوں میں یقیناً تشابہ ہے لیکن اس کا سبب بالکل ظاہر ہے، حبش کوئی مستقل آبادی و نسل نہیں ہے، بلکہ وہ یمنی عربوں کی ایک نو آبادی[1] اور ان کی نسل

---

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، جلد ۲، صفحہ ۲۶۴۔

کا مخلوط حصہ ہے، اسی لئے عرب ان کو ''حبش'' (مخلوط) کہتے ہیں اور اسی بنا پر قدیم مورخین یمن و حبش کو مستقل ملک نہیں قرار دیتے ہیں بلکہ ایک ہی ملک (اتیوبیا) کے ان کو دو ٹکڑے[1] سمجھتے ہیں۔

دوسرا نظریہ یہ ہے کہ بنو سام کا پہلا وطن آرمینیہ اور کردستان تھا، لیکن اس تھیوری کی صحت پر کوئی دلیل بجز تورات کے چند الفاظ کے (جن کے معنی غلط قرار دیئے گئے ہیں جیسا کہ ہم آگے بتائیں گے) کچھ اور نہیں ہے، اسی لئے نولدیکی نے جو محقق ترین مستشرق ہے، لکھا ہے کہ ''اس تھیوری کو اب کوئی تسلیم نہیں کرتا[2]۔''

تیسری تھیوری پروفیسر گیڈی (Guide) ایک اٹالین مستشرق کی ہے، اس کی رائے ہے کہ سامیوں کا مسکن اول فرات کا حصہ زیریں تھا، گیڈی نے اپنے دعویٰ کو عجیب و غریب مقدمات پر مبنی کیا ہے، ان کا اجمالی بیان یہ ہے کہ:

''یہ ظاہر ہے کہ ابتدائی زبان میں سب سے پہلے ابتدائی ضروریات اور گردو پیش کی چیزوں کے لئے الفاظ پیدا ہوں گے اور اس لئے یہ الفاظ عموماً مختلف خاندانوں اور زبانوں میں تقسیم ہونے کے بعد بھی بطور ترکہ موروثی کے مشترک طور سے باقی رہیں گے، سامی زبان میں اس قسم کی چیزوں کے لئے جو مشترک الفاظ ہیں مجموعی طور سے ان کا وجود جہاں پایا جائے گا وہی امم سامیہ کا مسکن اول ہوگا، اس حیثیت سے جو مشترک چیزیں معلوم ہوتی ہیں، ان کی شہادت ہے کہ وہ فرات کے حصۂ زیریں کی پیداوار ہیں۔''

نولدیکی اس رائے کی بھی تردید کرتا ہے کہ اولاً ابتدائی ضروریات کے قدیم مشترک الفاظ تطاول زمانہ سے باقی کہاں رہے ہیں، ثانیاً یہ اصول خود صحیح نہیں کہ تمام ابتدائی ضروریات کے لئے ابتدائی زبان اور اس کے فروغ میں مشترک الفاظ ہوں گے، خیمہ، لڑکا، آدمی، بڈھا وغیرہ ان معانی کے لئے اکثر سامی زبانوں میں مختلف الفاظ ہیں تو کیا یہ کہا جائے گا کہ ان کے

---

[1] یہ بحث مفصل ''اصحاب الفیل'' میں دیکھو۔ [2] انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، طبع ۱۱، جلد ۲۴، صفحہ ۶۲۔

لئے موطن اول میں الفاظ نہیں پیدا ہوئے تھے، حالاں کہ زندگی کی یہ ابتدائی باتیں ہیں، ثالثاً جنوبی وشمالی امم سامیہ میں بعض مشترک الفاظ ہیں، جو اصول مذکورہ کے مطابق مسکن اول کے متولدات ہونے چاہئیں حالاں کہ بمشکل ان کا وجود فرات کے مقام میں تسلیم کیا جاسکتا ہے۔

گیڈی سے پہلے اسی قسم کی دلیل وان کریمر نے قائم کی تھی اور اس کے مطابق اس کا یہ نتیجہ تھا کہ سامی قوموں کا ابتدائی مسکن ایشیائے وسطی میں نہر جیحون وسیحون کے پاس ہے، ایک ہی قسم کی دلیل سے دو مختلف نتائج کا ظہور دونوں کے ابطال کی دلیل ہے۔

چوتھی تھیوری جو قرین صواب اور باعتبار دلائل مستحکم ہے یہ ہے کہ بنو سام کا مسکن اول ملک عرب تھا، اس تھیوری کے طرفدار یورپ اور امریکہ کے علماء کی ایک کثیر جماعت ہے جس کے مشاہیر ارکان یہ ہیں: ڈی خوئی (De Goege) شریڈر (Sherader) ونکلر (Winchler) ٹیل (Tiele) میر (Meyer) اور اسپرنگر (Springer) نولدیکی (Noldeke) کی رائے بھی اسی طرف راجح ہے، انگریز علما میں کین (Keane) روبرٹسن اسمتھ (Robertson Smith) سموال لے انگ (Samuel Laing) اور ولیم رائٹ (W.Wright) اور امریکن میں سائس (Sayce) اور راجرس (R.W. Rogers) وغیرہ محققین کبار کی یہی رائے ہے، اس جماعت کے دلائل کا خلاصہ یہ ہے:

۱- تاریخ شاہد ہے کہ عرب سے نکل کر قومیں ادھر ادھر پھیلیں ہیں۔

۲- عربی زبان تمام السنہ سامیہ میں سے قدیم سامی زبان کے قریب تر ہے۔

۳- عربوں کی جسمانی ساخت خالص وصحیح سامی ساخت ہے۔

۴- ان کی اجتماعی ومعاشرتی زندگی صحیح ابتدائی سامی یادگار ہے[۱]۔

مزید توضیح کیلئے ہم علمائے السنہ واقوام کے خیالات کی ترجمانی بھی کرتے ہیں، امریکہ کا مشہور مصنف اور السنہ سامیہ کا محقق سائس اپنی تصنیف ''اسیرین گرامر'' میں اس

---

[۱] ان تمام حوالوں کے لئے دیکھو: Rogers Volume I Page 306-307

مسئلہ کے متعلق اپنی حسب ذیل رائے ظاہر کرتا ہے:

''سامی روایات ہر حیثیت سے ملک عرب کا اپنا اصلی گھر ہونا ظاہر کرتی ہیں، دنیا کا یہی ایک ٹکڑا ہے جو خالص سامی باقی رہا ہے، جنسی خصوصیات، مذہب کی شدت، توحش، غیر قوموں سے احتراز، بدویانہ زندگی، ان تمام چیزوں کی بہترین تشریح ریگستان کی اصل ہے۔''

ڈاکٹر اسپرنگر ''جغرافیہ عرب قدیم'' میں لکھتے ہیں:

''میرے یقین کے مطابق تمام سامی قومیں عرب ہی کے تو بر تو طبقے ہیں، انھوں نے اپنے کو طبقات در طبقات بنا رکھا تھا اور کون جانتا ہے کہ مثلاً کنعانیوں سے پہلے جن سے ہم تاریخ کی ابتدا میں ملتے ہیں، کتنے طبقے گذر چکے تھے۔''

شریڈر ایک جرمن رسالہ میں اپنا خیال ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

''مذہبی فسانے، لغوی تحقیقات، جغرافی اور تاریخی بیانات سب ثابت کرتے ہیں کہ ان مختلف سامی قوموں کا مسکنِ اوّل عرب ہے۔''

مشہور مستشرق ڈی خوئی ۱۸۸۲ء میں ایک اکاڈیمی کے خطبہ صدارت میں اپنا اعتقاد یہ ظاہر کرتا ہے:

''عرب وسطیٰ ہی سامی قوموں کا مسکن اول ہے جہاں سے مختلف طبقات نکل کر شام، بابل، عمان اور یمن وغیرہ میں پھیلے اور اپنے پیشرووں کو آگے کروستان، ارمینیہ اور افریقہ میں ڈھکیلتے رہے۔''

کیمبرج یونیورسٹی کا عربی پروفیسر ولیم رائٹ تصنیف 'السنہ سامیہ کی نحو' میں لکھتا ہے:

''ان مختلف علما میں کس کی رائے صحیح ہے، ہم آہستہ آہستہ اس کا فیصلہ کرسکیں گے لیکن اسی اثنا میں، میں صرف یہ کہوں گا کہ میں خود کو عربی صف میں، شریڈر اور ڈی خوئی کے ساتھ[1] منسلک کرتا ہوں۔''

---

[1] ان تمام حوالوں کے لئے دیکھو Wright Page 789۔

امریکہ کا پروفیسر راجرس اپنی تصنیف ''تاریخ بابل واشور'' میں لکھتا ہے کہ امم سامیہ کا مسکن اول عرب ہونا اب مسلم ہے۔

''سامی قومیں کہاں سے آئیں، بعضوں کا خیال ہے کہ شمال کی جانب سے کردستانی کوہستان سے آئیں...... اور عرب، کنعان اور ارمینیہ کے ملک میں پھیلیں لیکن یہ رائے اب ساقط ہے...... دوسری تھیوری یہ ہے کہ امم سامیہ کا ابتدائی وطن افریقہ ہے، اس کی دلیل سامی وحامی زبانوں کا تشابہ ہے، اس رائے کی تائید میں سب کچھ کہا گیا ہے، پھر بھی تیسرے نظریہ کے لئے قوی رائیں ہیں کہ سامی قوموں کا مسکن اول عرب ہے جہاں سے موجیں مارتی ہوئی وہ وسیع وزرخیز قطعات ملک کی تلاش میں بابل وجزیرہ میں آئیں اور نیز کنعان کے مغربی ملک میں آئیں، یہ آخری رائے معلوم ہوتا ہے کہ نئے نئے طرف داروں کو اپنی طرف کھینچ رہی ہے اور کہا جا سکتا ہے کہ اب موجودہ ارباب علم کی یہ عموماً قبول کردہ ہے[1]۔''

سموال لے انگ، انگلینڈ کا ایک مقبول مصنف اور تاریخ قدیم کا واقفکار ''اصول الانسانیہ'' میں اپنی حسب ذیل رائے ظاہر کرتا ہے:

''شواہد اشارہ کرتے ہیں کہ سامی اقوام کا ابتدائی وطن جنوبی مغربی ایشیا (اور جنوبی مغربی ایشیا میں) شاید عرب ہے، عرب کے سوا سامی اقوام ہر جگہ بغرض سکونت یا بغرض فتح باہر سے آتی ہوئی نظر آتی ہیں اور ہر جگہ وہ اپنے سے پہلے قدیم باشندوں کو وہاں موجود پاتی ہیں لیکن عرب میں وہ اصلی باشندوں کی طرح معلوم ہوتی ہیں، کلدانیہ اور اسیریا کے قدیم روایات میں بھی وہ جنوب سے (عرب جنوب میں ہے) آتی ہوئی ظاہر کی گئی ہیں کچھ خلیج فارس سے اور کچھ بادیہ عرب وشام کو قطع کر کے۔''

چند سطروں کے بعد پھر لکھتا ہے:

---

[1] جلد ا صفحہ ۳۱۵۔

''اور صرف عرب میں ہم امم سامیہ کو اور تنہا امم سامیہ کو نہایت قدیم زمانہ سے پاتے ہیں۔''

ہیرن ایک مشہور مصنف جس کا موضوع ''قدیم تجارت و سیاست کی تاریخی تحقیقات ہے اپنا اعتقاد اس مسئلہ کی نسبت اس طرح ظاہر کرتا ہے[1]:

''تقریباً یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ (یعنی اہل اسیریا) عرب سے آئے جو غالباً سامی قبائل کا عموماً اصلی وطن ہے گو کہ دوسرے مقامات میں مقامی حالات کی بنا پر انھوں نے اپنی اس طرز زندگی میں جس کے وہ اپنی مادری ملک کے ریگستانی صحرا میں عادی تھے تبدیلی کرلی[2]۔''

سب سے تازہ ترین تحقیق کا ماخذ انسائیکلو پیڈیا ہے، محقق کبیر نولدیکی جو موجودہ یورپ میں مشرقی زبان وتاریخ کا سب سے بڑا فاضل ہے مضمون 'السنہ سامیہ' میں کہتا ہے:

''بعض مشہور محققین خیال کرتے ہیں کہ جنس سامی کا مولد عرب ہوسکتا ہے، بہت سی چیزیں ہیں جو اس تھیوری کی تائید کرتی ہیں، تاریخ ثابت کرتی ہے کہ نہایت قدیم زمانہ سے عرب کے ریگستان سے قبائل نکل نکل کر، قریب کے سرسبز ممالک میں آباد ہوتے رہے ہیں، آرامی اور عبری زبانوں میں بہت سے ایسے نشان پائے جاتے ہیں، جن سے ابتدائی خانہ بدوشانہ حالت پائی جاتی ہے اور عرب کا شمالی حصہ صحرائے مابین شام وعرب خانہ بدوش قبائل کا مسکن ہے اور نیز عربوں میں قدیم سامی کیرکٹر اپنے خالص رنگ میں باقی سمجھا جاتا ہے اور ان کی زبان قریب ترین اصل زبان ہے[3]۔''

نولدیکی دوسری تھیوری کی تغلیط کے بعد اس تھیوری پر چند ریمارکس کرتا ہے، جن کا آخری فقرہ یہ ہے:

---

[1] Samuel Laing [2] Heerenuolt P 292 [3] انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا یازدہم، جلد ۲۴، صفحہ ۶۲۰۔

''بہر حال ہم خوشی سے قبول کرتے ہیں کہ یہ تھیوری کہ عرب، امم سامیہ کا مسکن اول ہے کسی معنی سے غیر معقول نہیں ہے۔''

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ایک اور مضمون نگار لفظ ''عرب'' کے تحت میں لکھتا ہے[1]:

''ملک عرب امم سامیہ کا اصلی وطن ہے، اس کی تائید متعدد علما کی رائے سے ہوتی ہے، گو ابھی یہ مسئلہ محقق نہیں ہے لیکن تحقیقات السنہ اور اکتشافات آثار سے ثابت ہوتا ہے کہ اس رائے کا صحیح ہونا بہت ممکن ہے، عرب سے نکل کر قبائل سامیہ کا دوسرے ممالک میں پھیل جانا آسانی سے تصور میں آسکتا ہے، بابل کی جانب سے بھی حرکت کرنا آسان ہے کہ کوئی قدرتی روک ان دونوں ملکوں کے درمیان نہیں اور خود تاریخی زمانہ میں اس کی مثالیں ہیں، آرامی اقوام کا نقل مکان اور ہجرت بھی قدرتی موانع سے خالی ہے۔''

اب تک زبان، آثار رسوم و عادات، تشابہ جسمی اور دلائل طبعی کی بنا پر بحث تھی، اب تاریخ کا موقع ہے، سامی قوم کی سب سے قدیم تاریخ توراۃ ہے، توراۃ میں موقع کے حسب ذیل الفاظ ہیں:

''......اور تمام روئے زمین میں ایک ہی بولی تھی اور وہ جب پورب سے روانہ ہوئے تو ایسا ہوا کہ انھوں نے سنعار (بابل) کے ملک میں ایک میدان پایا اور وہاں رہنے لگے، تب خداوند نے ان کو تمام روئے زمین پر پراگندہ کیا......اسلئے اس کا نام بابل ہوا[2]۔''

بنوسام، بابل میں پورب کے ملک سے آئے پورب سے یہاں کیا مراد ہے، علمائے توراۃ ابھی تک اس کا کوئی فیصلہ نہیں کر سکے ہیں، عام خیال یہ ہے کہ اس سے مراد آرمینیہ ہے کیوں کہ کشتی نوح جس پہاڑ پر آکر رکی تھی، عبری میں توراۃ نے اس کا نام ''اراراط'' بتایا ہے اور اراراط کی نسبت مفروض ہے کہ وہ آرمینیہ میں واقع ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ آرمینیہ بابل کے پورب ہے اور نہ فلسطین کے پورب ہے، اس مشکل کو متعدد تدبیروں

---

[1] طبع یازدہم جلد ۲ صفحہ ۲۶۳ [2] تکوین باب ۱۱ عدد ۱-۹۔

سے حل کرنے کی کوشش کی گئی ہے، بعض کہتے ہیں کہ چوں کہ حضرت موسیٰؑ مصر اور عرب میں رہے تھے اس لئے ان ملکوں کے اعتبار سے اس کو پورب کہا ہے، بعضوں کا جواب اس سے زیادہ تعجب انگیز ہے کہ چوں کہ انسان نے سب سے پہلے سمت مشرق کو جانا کہ وہ مطلع خورشید ہے، اس لئے پورب کہا[1]۔

حقیقت یہ ہے کہ توراۃ کے ان فقروں سے یہ تو بالکل ظاہر ہے کہ بابل مسکن اول نہ تھا۔ وہ یہاں پورب کے ملک سے آئے تھے اور وہی ان کا مسکن اول تھا، سب سے پہلے یہ سمجھنا چاہئے کہ توراۃ کے محاورہ میں پورب سے عموماً فلسطین کا پورب مراد ہوتا ہے جو توراۃ کی جائے تالیف ہے، اس کے بعد یہ طے کرنا ہے کہ فلسطین کے پورب سے کون سے ملک توراۃ میں مقصود ہوتے ہیں، توراۃ کے استقصا سے یہ متفقاً ثابت ہے کہ تورات میں پورب کے عموماً دو ملک مراد لئے گئے ہیں، بابل[2] اور عرب[3] لیکن جب اس فقرہ میں خود یہ مذکور ہے کہ وہ بابل میں پورب کے ملک سے آئے تو متعین ہو گیا کہ یہاں پورب کے ملک سے مراد ملک عرب ہے۔

مجموعہ توراۃ کے بعد سب سے قدیم ماخذ یوسیفوس اسرائیلی کی تاریخ یہود ہے، جو ایک حیثیت سے کہا جا سکتا ہے کہ توراۃ کی تفسیر ہے، اس مسئلہ کے متعلق اس میں حسب ذیل فقرہ ہے۔

بنو سام کی آبادی کی نسبت لکھتا ہے کہ[4]:

''وہ نہر فرات سے بحر ہند تک آباد تھے۔''

نہر فرات سے بحر ہند تک عرب کے سوا کیا کوئی اور ملک ہے؟

بحث کا فیصلہ اس سے ہو جاتا ہے کہ عرب کے سوا قدیم الایام سے کوئی قوم اس کی

---

[1] Gruden Page 126 [2] تکوین ۹-۱ [3] تکوین ۲۵-۶ قضاۃ ۶-۲۳-اوّل سلاطین ۴-۳۰-تکوین ۱۰-۳۰ وغیرہ [4] ترجمہ انگریزی ۱۸۲۲ء، ج ۱، ص ۲۵۔

مدعی نہیں کہ ان کا ملک بنوسام کا مسکن اول اور امم سامیہ کا مسقط الراس ہے، عرب عام طور سے اس کے مدعی ہیں اور حق یہ ہے کہ شواہد و قرائن کی شہادت کے ساتھ جب کوئی دوسرا مدعی موجود نہیں تو مقدمہ ان ہی کے حق میں فیصل ہونا چاہئے، عربی تاریخوں میں اس دعویٰ کا بتصریح ذکر ہے، مورخ ابن قتیبہ جس نے ۲۷۶ھ میں وفات پائی ہے لکھتا ہے:

واما سام بن نوح فسكن وسط الارض الحرم وماحوله واليمن الىٰ حضرموت الىٰ عمان الى البحرين ويبرين وبار[1] والدوو الدهناء	سام بن نوح نے درمیانی زمین یعنی مکہ اور اطراف مکہ مثلاً یمن، حضرموت، عمان، بحرین یبرین وبار ودود ہنا، تک آباد ہوا۔

مورخ یعقوبی جس کا زمانہ بھی اسی کے قریب ہے اور ۲۸۰ھ میں وفات پائی ہے لکھتا ہے[2]:

وصار لولد السام الحجاز واليمن وباقي الارض	فرزندان سام کے قبضہ میں حجاز، یمن اور باقی ملک آیا۔

ان مقدمات پر ایک دفعہ کا اور اضافہ کرو کہ قرآن، مکہ کو ام القریٰ (آبادیوں کی ماں) کا خطاب دیتا ہے: لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا (الانعام ۶:۹۲)

---

[1] کتاب المعارف ابن قتیبہ، ص ۲۰، مصر [2] یعقوبی، ج ۱، ص ۱۷، لیڈن۔

مسکن اول سے ہجرت

عرب کے ملک میں پانی کا دریا نہیں لیکن وہاں انسانوں کا دریا ہے! تاریخ نے چار باراس دریا میں طوفان آتے دیکھا ہے، ایک مسیحؑ سے ڈھائی ہزار یا تین ہزار برس پہلے، جب یہاں سے قبائل کا سیلاب موجیں مارتا ہوا بابل واسیریا، مصراور فینیشیا (کنعان) میں پھیل گیا، اس سیلاب کا زور کم ہورہا تھا کہ ۱۵۰۰ ق م میں ایک اور طوفان ادومی، موابی اور مدیانی قبائل کا اٹھااور پاس کے ملکوں میں پھیل گیا لیکن اس کا دائرہ پہلے سے کم تھا، تیسری بار معینی، سبائی وغیرہ اٹھے اور پھیلے، لیکن سب سے آخری طوفان جو پہلی صدی ہجری میں مسیحؑ سے چھ سو برس بعد اٹھا وہ سب سے زیادہ وسیع الاثر تھا جو ایک طرف گنگا کے دہانے سے مل گیا اور دوسری طرف بحر محیط سے۔

اس باب میں صرف پہلی جنبش وحرکت کا بیان ہے، اس جنبش اول کی تاریخی شہادتوں کا بڑا حصہ ہم ''امم سامیہ کا مسکن اول'' میں پیش کر آئے ہیں لیکن نئی شہادتوں کے پیش کرنے سے بھی ہم ابھی نہیں تھکے ہیں، امریکن مورخ ولیم راجرس اپنی تاریخ بابل میں لکھتا ہے:

> ''امم سامیہ کا مسکن عرب ہے جہاں سے نکل کر وہ انتقال مکان کی موجیں مارتے ہوئے آباد وسرسبز قطعہ کی تلاش میں بابل والجزیرہ میں اور نیز بعید قطعۂ مغربی یعنی کنعان میں پھیل گئے[1]۔''

---

[1] راجرس کی تاریخ بابل واشور، جلد اصفحہ ۳۰۷ (Rogers Vol. I P 307)۔

ایک دوسرا انگریز مصنف سمول لے انگ اپنی مشہور تصنیف ''اصول الانسانیۃ'' میں لکھتا ہے[1]:

''ہر جگہ عرب کے سوا سامی قوموں کو ہم نشان دے سکتے ہیں کہ وہ مسافرانہ باہر سے بغرض سکونت یا بغرض فتح آرہی ہیں اور جو ہر جگہ جہاں وہ جاتی ہیں اپنے سے پہلی قوموں کو ان پر پاتی ہیں لیکن وہ عرب میں قدیم باشندوں کی حیثیت سے نظر آتی ہیں کلدانیہ اور اسیریا کی ابتدائی روایات میں سامی قوموں کو جنوب سے آئی ہوئی ظاہر کیا گیا ہے، کچھ تو خلیج فارس کی طرف سے اور کچھ سیدھے بادیۂ عرب وشام سے جو رفتہ رفتہ قدیم آبادی کے ساتھ مل جاتی ہیں یا ان کو ہٹا کر خود ان کی جگہ لے لیتی ہیں۔

مصر میں سامی عنصر کا چالان اس کے بعد ہوا ہے، جس نے مصر کی قدیم تہذیب پر کوئی اثر نہیں کیا، سیریا (شام) اور فلسطین میں غالباً فینیقی، کنعانی اور عبرانی خلیج فارس یا حدود عرب سے براہ راست یا اسیریا (عراق) اور مصر کے توسط سے باہر سے آئے ہیں جنھوں نے کبھی اپنے کو ان ممالک کا قدیم باشندہ نہیں کہا۔''

ایک فرنچ مورخ ہوآرٹ (G.B.Huart) اپنی تاریخ عرب کے دیباچہ میں لکھتا ہے:

''تین ہزار ق م میں ہم سامی اقوام کو ادھر ادھر انتقال مکانی کرتے ہوئے دیکھتے ہیں، کنعانی شام میں نظر آتے ہیں جہاں فینیقی (فینیشین) خلیج فارس کے سواحل (بحرین) سے آکر تجارتی شہر قائم کرتے ہیں، جہاز رانی میں ترقی کرتے ہیں، انجین تہذیب کو ختم کرتے ہیں اور یورپ کو جانے کا بحری راستہ پیدا کرتے ہیں، ہائیکسوس مصر میں داخل ہوتے ہیں اور اس کا ایک حصہ فتح کر کے وہاں اپنا بادشاہ مقرر کرتے ہیں لیکن خود ریگستان عرب کے بدوی عرب کی تاریخ اب تک مجہول ہے، اسی اثنا میں وہ بھی شہروں کی بنیاد ڈالتے ہیں اور حکومتیں قائم کرتے ہیں جن کی دولت کا مدار تجارت ہے[2]۔''

---

[1] سموال لے انگ کی ہیومن اور یجن، صفحہ ۳۹ (Samuel P 39) [2] Huart Vol I P 94-

شریڈر (Shreider) اپنے اس نظریہ کی کہ تمام سامی قومیں عرب سے پھیلی ہیں، ان الفاظ میں تشریح کرتا ہے:

"شمالی سامی قومیں یعنی ارمن بابلی اور کنعانی جنوب میں اپنے دوسرے بھائیوں سے جدا ہوکر ایک متحد جماعت کی صورت میں بابل آئے وہاں باہم ایک مدت تک اجتماعی حالت میں رہے، ارمن سب سے پہلے اس جماعت سے الگ ہوئے ہوں گے اور اس کے ایک معقول زمانہ کے بعد کنعانی اور سب سے آخر میں اشوری۔

عین اسی وقت میں ان میں سے بعض قوموں کی ہجرت جنوبی سمت میں واقع ہوئی شمالی عربوں کو عرب وسطیٰ میں چھوڑتے ہوئے، یہ ہجرت گزیں جزیرہ نمائے عرب کے سواحل پر آباد ہوئے جہاں سے ان کی ایک جماعت دریا کو عبور کرکے افریقہ پہنچی اور حبشہ میں خیمہ زن ہوئی۔"[1]

ان تشریحات سے ظاہر ہوتا ہے کہ سامی قومیں ایک مدت کے اتحاد و اجتماع کے بعد ملک عرب سے نکل نکل کر اطراف کے ممالک میں پھیل گئیں اور وہاں انھوں نے زور و اقتدار پیدا کیا، عرب مورخین بھی اس واقعہ سے ناواقف نہ تھے۔

مشہور مورخ ابن قتیبہ، فرزندانِ سام کی تقسیم وتفریق کے بعد لکھتا ہے:

فمنهم العماليق، امم تفر قوافي البلدان و منهم فراعنة مصر والجبابرة[2]	ان ہی میں سے عمالیق ہیں، یہ متعدد قوموں کے مجموعہ تھے جو ممالک میں متفرق ہوکر پھیلے، منجملہ ان کے مصر اور بابل کے بادشاہ ہیں۔

ابن خلدون کا بیان ہے:

وكان لهٰذه الامم ملوك ودول في جزيرة العرب وامتد ملكهم بها الى الشام و مصر في شعوب منهم[3]	ان اقوام میں بہت سے بادشاہ گذرے اور ان کی عرب میں بادشاہیاں ہوئیں جن کے چند قبائل کا سلسلہ حکومت مصر وشام تک وسیع ہوگیا تھا۔

---

[1] Writh P 90 [2] کتاب المعارف، ص ۱۰، مصر [3] تاریخ ابن خلدون، ج ۲، ص ۲۵۹۔

اسی قسم کی تصریحات دوسرے مورخین عرب نے کی ہے، ابن ہشام کلبی جس کا مخصوص موضوع عرب جاہلیت کی تاریخ وروایت ہے، اس نے اس موضوع پر کہ عرب سے یہ قومیں نکل نکل کر کہاں کہاں پھیلیں، دو کتابیں لکھی ہیں، ابن ندیم نے کتاب الفہرست میں لکھا ہے کہ پہلی کتاب کا نام تفرق عاد ہے، یعنی عاد کی قوم عرب سے نکل کر کہاں کہاں گئی، دوسری کتاب کا موضوع بیان **کتاب من نقل من عاد و ثمود والعمالیق وجرهم و بنی اسرائیل من العرب**، ہے یعنی عاد، ثمود، عمالیق[1]، جرہم اور بنی اسرائیل جو عرب سے نکل کر باہر گئے ان کے حالات۔

---

[1] عمالیق کی نسبت متعدد امور قابل تنبیہ ہیں۔

۱-عمالیق کی لفظی حقیقت کیا ہے؟ عمالیق خود السنہ سامیہ کے قواعد پر عملوق کی جمع ہے، عملوق دو لفظوں سے مرکب ہے جس کے معنی عبری میں قوم کے ہیں اور یہی لفظ عربی میں لمۃ ہے اور ملوق عام وادی کو کہتے ہیں لیکن قدیم زمانہ میں شمالی عرب کا از خلیج فارس تا حدود سینا جس کو رومی اور یونانی عربیا ڈیزرٹا یعنی عرب ریگستان یا عرب وادی کہتے ہیں، نام تھا، دوسرے حصے کو یعنی مغربی و شمالی عرب کو از سینا تا حدود مصر ''مغان'' کہتے تھے، ''معلوق'' اور ''مغان'' ان ہی ممالک کے نام کی حیثیت سے بابلی کتبہ میں ۳۰۰۰ قبل مسیح میں مستعمل ہوئے ہیں۔ دیکھو Encyclopaedia of Islam Vol I Page 377 اور Rogers Vol I Page 369

۲-توراۃ میں عمالق، عیساؤ بن اسحاق بن ابراہیم کے ایک پوتے کا نام بتایا گیا ہے (تکوین ۳۶-۱۲) کاتبین اسفار یہود کی رائے معلوم ہوتی ہے کہ اقوام عمالیق اسی عمالق بن عیساؤ کی اولاد ہیں لیکن یہ صحیح نہیں کیوں کہ عمالق بن عیساؤ کا زمانہ پیدائش تقریباً ۲۰۰ ق م ہونا چاہئے، پھر ایک شخص کو کنبہ، کنبہ کو قبیلہ اور قبیلہ کو قوم ہونے کے لئے اور خصوصاً ایسی قوم ہونے کے لئے جو بنی اسرائیل کے کئی لاکھ آدمیوں کا مقابلہ کر سکے[1]، کم از کم پانچ سو برس تو درکار ہیں، اس بنا پر عمالق کا قومی ظہور چودہ پندرہ سو ق م سے ادھر نہیں ہو سکتا،

---

[1] توراۃ سفر العدد۔

حالاں کہ روایات عرب اور شہادتِ آثار کے رو سے عمالق کا وجود اس سے ہزار برس پہلے ثابت ہے۔

لیکن اگر ہم بغور توراۃ کا مطالعہ کریں تو ہم کو خود توراۃ سے عمالق کا وجود اس عمالق بن عیثاؤ سے بہت پہلے معلوم ہوتا ہے، حضرت ابراہیمؑ کے عہد (۲۲۰۰ ق م) میں جب بابل و عیلام اور سادوم کے بادشاہوں میں جنگ ہوئی ہے وہاں لکھا[1] ہے کہ:

''انہوں نے تمام عمالق کے ملک میں ان کو مارا۔''

دوسری جگہ بلعام کاہن کی زبان سے توراۃ میں جو پیشین گوئی ہے، اس میں عمالیق کو اول الامم سے خطاب[2] کیا گیا ہے، اگر یہ عمالیق وہی عمالق بن عیثاؤ کی اولاد ہیں، جیسا کہ عام طور سے سمجھا جاتا ہے تو اس کو بجائے اول الامم کے ''آخر الامم'' ہونا چاہئے کہ ۱۵۰۰ ق م سے پہلے بہت سی قومیں اٹھ چکی تھیں۔

۳-عمالق سے غالباً قدیم اہل عرب واقف نہ تھے کیوں کہ بایں ہمہ جبروت و عظمت، آیاتِ قرآن، روایاتِ احادیث اور صحیح اور غیر مشکوک اشعارِ عرب میں ان کا نام نہیں آیا، توراۃ میں اور یہودیوں کے لٹریچر میں البتہ کثرت سے عمالق کا ذکر ہے اور ان کو ایک جبار قوم کی صورت میں پیش کیا ہے، اس بنا پر ظاہر ہے کہ عمالق کا علم یہودیوں کی راہ سے عربوں میں آیا اور اس طرح آیا کہ اس کو انہوں نے بھی یہودیوں کی طرح بہت بڑا جبار و قہار قبیلہ قرار دے دیا جس کے سامنے ان کا ''عاد'' بھی دب کر رہ گیا۔

---

[1] تکوین باب ۱۰　[2] سفر العدد ۲۴-۲۰۔

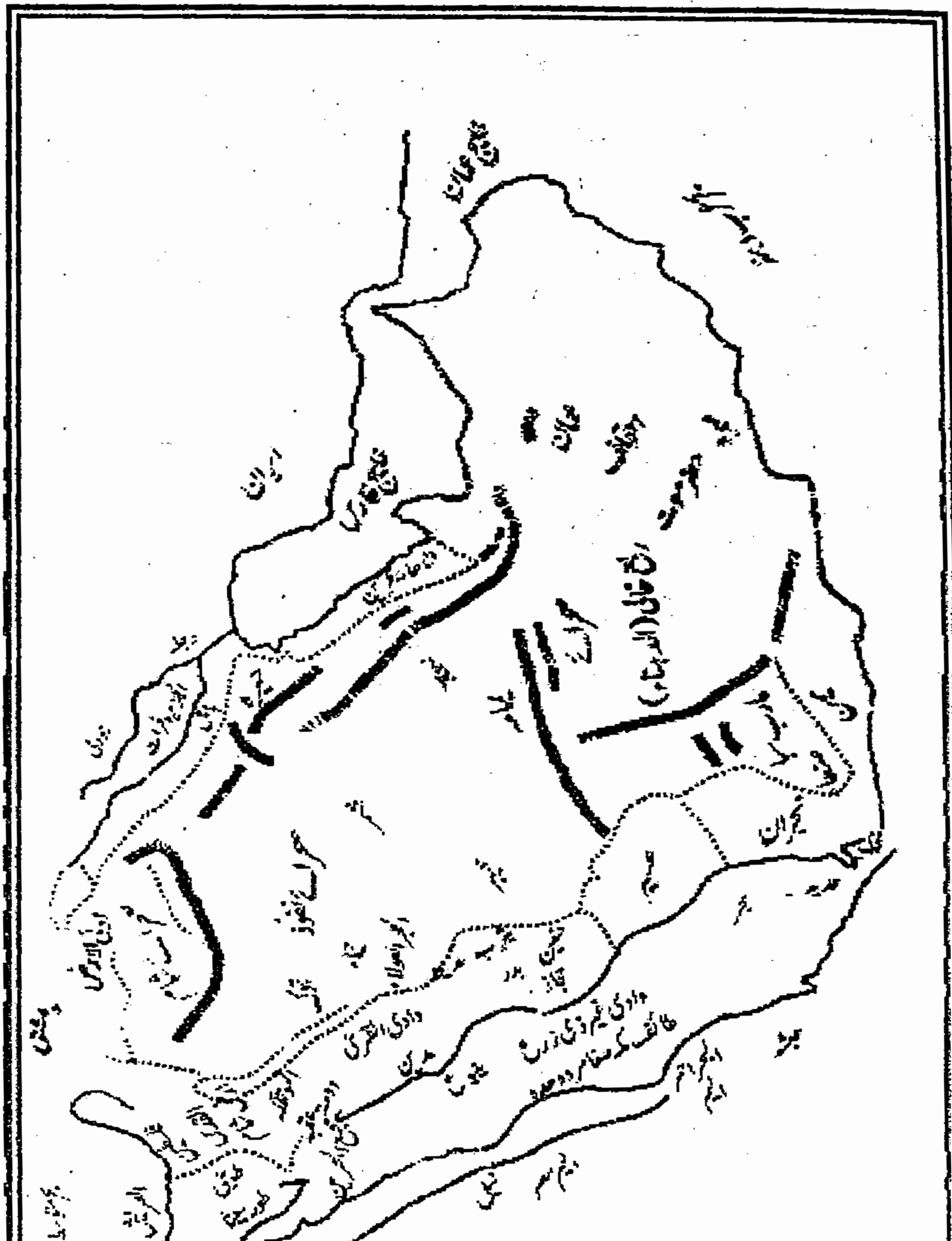

امم سامیہ کے انساب

بہر حال توراۃ کے رو سے ان سامیوں کے باہمی نسبی تعلقات بہ تفصیل ذیل ہیں[1]:

طبقاتِ انساب: ۱-نوح کے بیٹے سام کی پانچ اولادیں تھیں، عیلام، اشور، ارفخشد، لود اورارم، ارم کے چار بیٹے تھے، عوض، عول، جثر، اور مس، ارفخشد کے بیٹے کا نام سلح تھا، سلح سے عبر پیدا ہوا، عبر کے دو بیٹے ہوئے...... قحطان اور فلج۔

۲-قحطان سے المداد، سلف، حضار موت، یارح، ہدورام، اوزال، وقلا، عائل، ابی مائل، سبا، اوفر، حویلاہ اوراد باب پیدا ہوئے، جن کی آبادی جنوب عرب میں یعنی یمن میں مسا سے ظفار تک ہے۔

۳-فلج سے رعو پیدا ہوا، رعو سے سروج، سروج سے نحور، نحور سے تارح (آذر) حضرت ابراہیمؑ اور حاران کا باپ پیدا ہوا، یہ خاندان کلدانیوں کے شہر بابل میں آباد تھا، حضرت ابراہیمؑ مع اپنے برادر زادہ لوطؑ کے کنعان آئے جس کو فلسطین اور اب عموماً کسی قدر وسعت دے کر شام کہتے ہیں۔

۴-حاران سے لوط پیدا ہوئے۔ لوط کے دو بیٹے عمون، جواب عمان کہلاتا ہے اور مواب جو شمالی عرب میں سینا کے پاس ایک حکومت کا بانی تھا۔

۵-حضرت ابراہیمؑ کے متعدد بیٹے تھے، اسحاق پسر سارہ جنھوں نے کنعان یعنی فلسطین وشام میں حکومت کی، مدیان[2] پسر قطورا، جو حجاز کے پاس بحر احمر کے ساحل پر آباد

---

[1] تکوین باب ۱۱-۱۰-۲۵ دیکھو [2] مدیان کے کئی بھائی تھے لیکن ان کے حالات نامعلوم ہیں۔

ہوا، اسماعیلؑ پسر ہاجرہ جو اپنے بھائی مدیان سے کسی قدر آگے بادیہ فاران میں آکر رہے۔

۶-اسحاق کے دو بیٹے تھے۔ یعقوبؑ (جن کا لقب اسرائیل ہے اور جو بنی اسرائیل کے مورث ہیں) یہ پہلے کنعان میں تھے، بعدازاں حضرت یوسفؑ کے مصر پہنچنے پر مصر گئے جہاں ان کی اولاد کئی سو برس تک مصر کی غلامی میں رہ کر حضرت موسیٰؑ کے عہد میں پھر کنعان واپس آئی، دوسرے بیٹے کا نام عیساؤ (اور لقب ادوم) تھا، یہ شمالی عرب کے کوہ سروات میں ادومی قبائل کا جداعلیٰ تھا۔

۷-اسماعیلؑ کے بارہ بیٹے ہوئے جو توراۃ کی پیشین گوئی کے مطابق خاندان کے بارہ رئیس تھے، نبایوط، قیدار، ادب ایل، مبشام، مشمع، دومہ، مسا، حدور، تیما، جطور، نفیش اور قدمہ، یہ تمام خاندان حویلا یمن سے سورسیر یا یعنی شام تک پھیلے تھے۔

ان ہم نسب اقوام وقبائل کا باہمی رشتہ اور تعلق حسب ذیل شجرہ سے واضح ہوگا۔

شجرہ اقوامِ ارض القرآن بمطابقت توراۃ

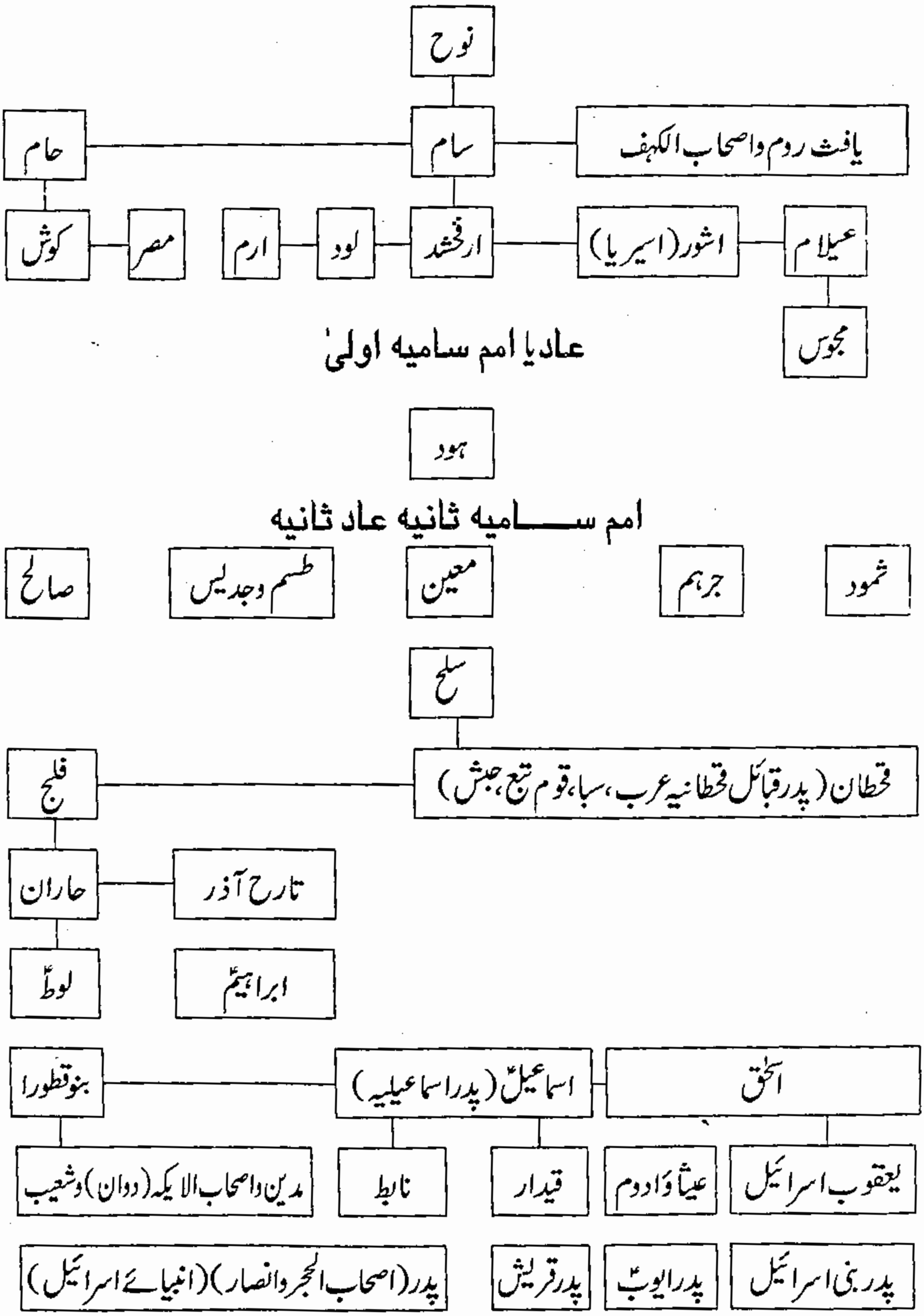

اس تمام سلسلۂ انساب میں سے عرب اور قرآن کی تاریخ کو امم سامیہ اولیٰ وثانیہ، بنوقحطان اور بنوابراہیم سے بحث ہے اور یہی تین سلسلے عرب کے مستقل اور دائمی باشندے ہیں اور ان ہی کے حالات وواقعات کی تشریح اس کتاب کا موضوع ہے۔

طبقۂ اولیٰ

امم سامیۂ اولیٰ

امم سامیہ کی جو تفصیل اوپر بیان ہوئی، اس کی بنا پر امم سامیہ اولیٰ سے مقصود وہ قدیم سامی قبائل ہوں گے جو عرب کے سب سے پہلے اور ابتدائی باشندے تھے اور مختلف اغراض سے یہاں سے نکل کر بابل، مصر اور شام وغیرہ کے ملکوں میں پھیلے، عرب مورخین ان کو امم بائدہ (برباد ہو جانے والے قبائل) کہتے ہیں کہ وہ اپنے ملک (عرب) سے نکل کر برباد ہو گئے یا انقلابات و حوادث سے مٹ گئے، بعض لوگ ان کو عرب عاریہ (خالص اور غیر مخلوط عرب) کہتے ہیں کہ وہ عرب کے خالص اور غیر مختلط النسل باشندے تھے اور نیز یہودیوں کی غلط پیروی میں ان کو عمالق بھی کہا گیا ہے۔

یورپ کے علمائے آثار ان قوموں کے الگ الگ نام نہیں بتا سکتے، وہ مبہم طور سے صرف ان کو سامی کہتے ہیں، اہل عرب اپنے ان قدیم ہم وطنوں کا ایک ایک کر کے نام بتاتے ہیں، ان سے عاد، ثمود، جرہم، لحیان، طسم اور جدیس وغیرہ مشہور قبائل ہیں، عاد سب سے بڑا اور سب سے وسیع قبیلہ تھا اور تمام عرب بائدہ میں قوت حاکمہ تقریباً اسی کو حاصل تھی، عربوں کی روایت کے مطابق عرب اور عرب سے باہر بابل اور مصر میں یہ عظیم الشان حکومتوں کا بانی تھا۔

ان قبائل بائدہ کا سلسلۂ نسب عموماً مورخین عرب نے ارم بن سام اور اس کی مختلف شاخوں سے ملایا ہے لیکن کس قبیلہ کو ارم بن سام کی کس شاخ سے تعلق تھا؟ علمائے انساب کی

رائیں اس باب میں اس قدر باہم متعارض ہیں کہ فیصلہ مشکل ہے ہم ذیل میں ارم کے مشاہیر قبائل کا نسب دو کتابوں سے نقل کرتے ہیں، جن میں سے ایک قدیم ترین ماخذ ہے یعنی معارف ابن قتیبہ[۱] اور دوسری متاخر ترین ہے یعنی سبائک الذہب[۲] قلقشندی:

ابن قتیبہ	قلقشندی
عمالیق بن لاوذ بن ارم بن سام	عملیق بن لاوذ بن سام
جدیس بن لاوذ بن ارم بن سام	جدیس بن ارم بن سام
عاد بن عوض بن ارم بن سام	عاد بن عوض بن عبیل بن ارم بن سام
ثمود بن جثر بن ارم بن سام	ثمود بن جاثر بن ارم بن سام
طسم	طسم بن لاوذ بن سام

ان انساب کی تحقیق بظاہر سخت مشکل ہے، مورخ ابن خلدون نے ان مشکلات کو کسی قدر حل کرنا چاہا ہے لیکن انسان کے لئے بیکار ہوگا کہ ظلمت کدہ میں وہ روشنی کی جستجو کرے، مجملاً اس قدر یقینی ہے کہ وہ بنو سام تھے اور زیادہ آگے بڑھیں تو یہ کہیں گے کہ ارامی عنصر ان میں غالب تھا، عربی زبان میں ارامی الفاظ نہایت کثرت سے پائے جاتے ہیں[۳]، یہاں تک کہ قدیم شہر عرب ''مکہ'' کا نام بھی آرامی ہے[۴]، ثمود کے جو کتبات ملے ہیں وہ بھی بخط آرامی ہیں[۵]، خود ثمود کا نام ثمود ارم تھا[۶] اور عاد کے نام کا تو ارم جزء لاینفک ہے۔

کان یقال عاد ارم فلما هلكوا قيل ثمود ارم فلما هلكوا قيل نمرود ارم

(ابن خلدون، جلد ا، صفحہ ۷)

پہلے عاد ارم کہا جاتا تھا، جب وہ مٹ گئے تو ثمود ارم کہا گیا، جب وہ بھی برباد ہوگئے تو نمرود ارم کہا جائے گا۔

عجیب تر یہ ہے کہ ارامی سامی خاندان جن جن مقامات میں پھیلے خود انکا نام ''ارم''

---

۱ صفحہ ۱۰، مصر ۲ ص ۱۳-۱۴ بمبئی ۳ سواء السبیل، پروفیسر آرنلڈ، لاہور ۴ العرب قبل الاسلام، جرجی زیدان، ص ۲۴۰ ۵ برٹانیکا، ج ۲۴، ص ۲۲۶ ۶ ابن خلدون، ج ۲، ص ۱۷۱۔

ہوگیا، چنانچہ توراۃ کی زبان میں مابین النہرین (عراق) کا نام ''ارم نہرائم''[1] اور ''پدان ارام'' ہے، ملک شام کو ''ارم''[2] اور ''ارم دمشق''[3] اور شمالی عرب کو ''ارام''[4] کہا گیا ہے، نیز ایک اور شہادت یہ ہے کہ بابل، اسیریا، شام، کنعان، فینیشیا اور شمالی عرب میں جو قدیم کتبات پائے گئے ہیں ان کی زبان اکثر ارامی ہے یا ارامی الفاظ سے پر ہے[5]۔

کوئی بڑی قوم جب برسر اقتدار ہوتی ہے تو حقیقت میں اس کل کے ضمن میں کوئی جز ممتاز ہوتا ہے اور اس کے انتساب سے مجموعی قوم مقتدر اور ممتاز تسلیم کر لی جاتی ہے، امم سامیہ کی کثیر الافراد جمعیت میں ضروری ہے کہ کوئی خاص جز قوت حاکمہ کا مالک ہو اور بقیہ اجزاء اس کے اشارے پر حرکت کرتے ہوں، اس جز کا حقیقی نام کچھ ہو لیکن اہل عرب اس کا نام عاد بتاتے ہیں، **ولا مشاحة فی الا صطلاحات**۔

تاریخ قدیم کے بعض یورپین مصنّفین عاد کو صرف ایک فرضی اور مذہبی کہانی (میتھالوجی) سمجھتے ہیں لیکن یہ انتہائی غلطی ہے، تحقیقات جدیدہ نے فیصلہ کیا ہے کہ عرب کے تمام قدیم باشندے (امم سامیہ) ایک کثیر الافراد باعظمت جمعیت تھی جس نے بابل، مصر وشام میں بڑی بڑی حکومتیں قائم کیں یہ حقیقت اور واقعہ ہے، اہل عرب اگر اپنی زبان میں ان قدیم باشندوں کو امم بائدہ اور ان کی جماعت کے افراد کو عاد وثمود وطسم وجدیس کہتے ہیں تو کیا اس وضع اسماء کے جرم میں حقیقت اور واقعہ مٹ جائے گا؟

سب سے مستند ذریعہ ہمارے پاس قرآن مجید ہے، قرآن مجید نے عاد کی حقیقت یہ بیان کی ہے: **اَلَمْ تَرَكَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ اِرَمَ** (الفجر ۸۹:۶-۷) اس آیت سے یہ ظاہر ہوا کہ عاد ارم ہی کا حصہ تھا، دوسری جگہ خدا فرماتا ہے:

---

[1] تکوین ۱۴-۱۰ [2] تک ۲۵-۲۰-۲۸-۶-۳۱-۱۸-۳۵-۹-۴۶-۱۵ [3] ملوک باب ۲۰و۲۲

[4] عدد ۲۳ [5] برٹانیکا طبع یازدہم مضمون السنۂ سامیہ اور ہیرن کی کتاب ''سیاسی وتجارتی تحقیقات''

HEEREN VOL I P 3001۔

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ (الاعراف ۷:۶۹)

اے عاد کے لوگو خدا کے اس احسان کو یاد کرو کہ اس نے قوم نوح کے بعد تم کو اپنی خلافت عطا کی۔ (یعنی حکومت دی)

قوم نوح کی بربادی کے بعد عرب میں جو سب سے پہلی مقتدر اور حکمراں جماعت ظہور پذیر ہوئی، قرآن کی زبان میں اسی کا نام عاد ہے، کیا قدیم وابتدائی امم سامیہ کی یہی حقیقت نہیں ہے۔

فرانس کا مشہور اسلامی مؤرخ مسیو سیدیو (Sedues) اپنی تاریخ عرب میں لکھتا ہے:

''قبائل بائدہ کے حالات قابل وثوق نہیں، زیادہ سے زیادہ یہ معلوم ہوتا ہے بلکہ مفروض ہوسکتا ہے کہ عاد مسیح سے ۲۰۰۰ ؍ برس پہلے مصر و بابل پر قابض تھے اور ان کا نام اس زمانہ میں چوبان یا ہیک سوس (چرواہے بادشاہ، یعنی بدوی بادشاہ) تھا[1]۔''

لیکن امم سامیہ کی حقیقت سمجھنے کے بعد یہ 'فرض' یقین سے بدل سکتا ہے۔

---

[1] ترجمہ عربی ذکر امم بائدہ۔

عاد

گذشتہ مباحث سے مفصل معلوم ہو چکا ہے کہ قدیم امم سامیہ اور عاد مترادف لفظ ہیں، اس تفصیل کے بعد امید ہے کہ عاد کی شخصیت تاریخی وجود اور دعوائے حکومت کے متعلق کوئی شک باقی نہ رہے گا اب دوسرے مسائل کی طرف توجہ کا موقع آیا ہے۔

لفظ عاد: السنہ سامیہ میں لٹریچر کے لحاظ سے عبرانی سب سے قدیم زبان ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ قدیم الفاظ کی اصلیت عربی سے زیادہ اس میں محفوظ ہے، لغوی حیثیت سے عربی میں عاد کے کوئی معنی نہیں ملتے۔

عبری میں 'عاد' کی اصلیت موجود ہے، 7Y کے معنی ''بلند و مشہور'' کے ہیں اور عجیب تر یہ کہ ''ارم'' 177N اور ''رشم'' (سام) کے بھی یہی معنی ہیں، ان معنوں کا بقیہ اثر عربی میں بھی موجود ہے، ارم کے معنی پہاڑی اور نشان راہ کے پتھر کے لغت میں مذکور ہیں اور 'شم' سے 'شمم' اور 'سمو' تو اب تک مستعمل ہیں۔

توراۃ میں ''عاد'' مذکر[۱] کے نام کے لئے اور ''عادہ'' عورتوں[۲] کے لئے کئی جگہ آیا ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عہد قدیم میں یہ نام عموماً مستعمل تھا۔

عاد کا زمانہ: نام کے بعد دوسری بحث زمانہ کی ہے، عرب قبل اسلام میں کوئی باقاعدہ تاریخ رائج نہ تھی، اس لئے عرب بائدہ کا کوئی زمانہ مذکور نہیں لیکن اس بنا پر کہ مورخین عرب نے عاد کو عوض بن ارم بن سام کا حقیقی فرزند لکھا ہے (؟) اس لئے اس کا زمانہ ۳۰۰۰ ق م سے پہلے

---

[۱] تاریخ ایام اول ۷-۲۱ [۲] تکوین ۳۶، ۲، تاریخ ایام اول ۲۰۰۰۔

قرار دینا چاہئے، قرآن مجید نے عاد کا جہاں ذکر کیا ہے اس کو خلفائے قوم نوح کہا ہے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سرزمین شام کی دوبارہ آبادی کے بعد بنو سام کی پہلی ترقی عاد سے شروع ہوتی ہے اس لئے اس آیت سے نہ صرف زمانہ کی تعین ہوتی ہے بلکہ ہماری اس تھیوری کی بھی تائید ہوتی ہے کہ امم سامیہ اولی اور علی الاغلب عاد ایک چیز ہے اور اسی لئے قرآن نے ان کو عاد اولیٰ کہا ہے۔

وَاَنَّهٗٓ اَهْلَكَ عَادَا اِۨالْاُوْلٰى (النجم:۵۳-۵۰) اسی خدا نے عاد اولیٰ کو برباد کیا۔

لیکن جیسا کہ ہم نے پہلے لکھا ہے اور آج کل عموماً تسلیم کیا جاتا ہے کہ بنو سام کی حقیقی ترقی کا عہد ۲۲۰۰ ق م تا ۲۰۰۰ ق م ہے، سامی اقوام کے حملہ مصر یا بل کی بھی یہی تاریخ ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عاد ارم کا وجود ۲۲۰۰ ق م سے شروع ہوتا ہے، انتہائے مدت کی تعیین کی یہ صورت ہے کہ پندرہ سو ق م میں یمن میں ایک دوسری قوت کا ظہور معلوم ہوتا ہے اور اس سے کچھ ہی پہلے حضرت موسیٰؑ کا زمانہ ہے، حضرت موسیٰؑ کے عہد سے پہلے عاد کی تباہی عام ہو چکی تھی، قرآن مجید نے نقل قصص میں ہمیشہ عاد کا ذکر حضرت موسیٰؑ و فرعون سے پہلے کیا ہے بلکہ ایک موسوی مسلم، فرعون کے دربار میں کہتا ہے:

يٰقَوْمِ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ مِّثْلَ يَوْمِ الْاَحْزَابِ مِثْلَ دَاْبِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّ ثَمُوْدَ وَالَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ (المومن ۴۰:۳۰-۳۱)

بھائیو! میں ڈرتا ہوں کہ جماعتوں کے دن کی طرح اور قوم نوح، عاد، ثمود اور جو ان کے بعد ہیں ان کے دن کی طرح ایک دن تم پر بھی آئے۔

ان وجوہ سے عاد کی عظمت اور ترقی کا زمانہ ۲۲۰۰ ق م سے ۱۷۰۰ ق م تک ہو سکتا ہے، صالحین عاد کا وجود اس کے بعد بھی ابتدائے عہد مسیح تک باقی رہا ہے اور یونانیوں نے عادر میٹا (عاد ارم) اور عادائیت (عاد) کے نام سے ان کا ذکر حضر موت اور یمن کے باشندوں میں کیا ہے، تمیز کے لئے عہد اول کو عاد اولیٰ اور عہد ثانی کو عاد ثانیہ کہتے ہیں۔

عاد کا مقام: عاد کی مرکزی آبادی، عرب کے بہترین حصہ یعنی یمن و حضر موت میں سواحل

خلیج فارس سے حدود عراق تک تھی[1]، دراصل حکومت کا مرکز ملک یمن تھا، لیکن خلیج فارس کے کنارہ کنارہ وہ عراق تک وسیع تھی، جس سے نہایت آسانی سے وہ راہ معلوم ہوسکتی ہے جدھر سے یہ قوم عرب سے عراق میں اور عراق سے دیگر ممالک میں پھیلی اور یہی جدید تحقیقات کی رو سے بھی امم سامیہ کا راستہ سمجھا جاتا ہے[2]۔

عاد کا دور دراز ممالک میں جانا عربوں میں اس قدر مسلم تھا کہ وہ شعرا کے ہاں تمثیلوں میں آگیا ہے، ایک جاہلی شاعر محرز بن مکعبر ضبی کہتا ہے:

حتیٰ انتھی لمیاہ الجوف ظاھرۃ	مالم ترقبلھم عاد ولا ارم
وہ وسط صحرا کے تالاب پر آکر رکا	یہ وہ رفتار تھی جو اس سے پہلے عاد اور ارم نے بھی نہیں چلی

عاد کی سلطنتیں: عرب کا ملک ایک بے آب وگیاہ صحرا ہے، جہاں بڑی اور حوصلہ مند قوموں کے لئے ترقی کا کوئی میدان نہیں ہے، ناچار پر جوش قومیں باہر نکل پڑتی ہیں، عرب کا جزیرہ نما جنوب مغرب اور کسی قدر مشرق کی جانب سے پانی سے گھرا ہوا ہے، اس لئے آسان اور قدرتی راستہ ان کے لئے بعض مشرقی اور عموماً شمالی ممالک ہیں، یعنی بابل وشام وسینا، بابل سے ایران کا راستہ ہے، شام سے بحر ابیض و بحر روم ہوکر یورپ اور افریقہ کی طرف بھی رخ کیا جاسکتا ہے، ۱۸۵ء سے پہلے جب نہر سویز موجود نہ تھی، بحر ابیض اور بحر احمر کے درمیان آج کل کی طرح متصل دریائی راستہ نہ تھا، نہ جزیرہ نمائے سینا اور مصر کے درمیان سوئز کی مصنوعی نہر تھی، ایک پتلی سی خشک زمین تھی جو شام، عرب اور جزیرہ نمائے سیناء کو خشکی کی راہ سے مصر سے ملاتی تھی، ہندوستان کی قدیم حملہ آور قوموں کے لئے جس طرح درہ خیبر مشہور راستہ ہے اسی طرح مصر کے قدیم حملہ آوروں کے لئے یہی پتلی گلی ایک پامال راہ تھی۔

امم سامیہ اولیٰ یا عاد کی سیاسی تاریخ کے دو جولانگاہ ہیں، بیرون عرب اور اندرون عرب۔

---

[1] معارف ابن قتیبہ ص ۱۰، مصر [2] سیموال لے انگ کی ہیومن اور یجن، ص ۳۳ و ۳۹۔

بیرون عرب

(از ۴۰۰۰ ق م تا ۱۹۰۰ ق م)

۱-عرب سامیہ یا عاد بابل میں۔

۲-عرب سامیہ یا عاد مصر میں۔

۳-عرب سامیہ یا عاد دیگر ممالک میں۔

۱-عرب سامیہ یا عاد بابل میں

کسی مقدمہ کی صحت کے صرف تین جز ہیں، مدعی کا دعویٰ، مدعا علیہ کا اعتراف اور گواہوں کی شہادت، اگر کسی مقدمہ کے یہ تینوں جز بہم پہنچ جائیں تو مقدمہ کی صحت میں کیا شک ہوسکتا ہے، اہل عرب کا دعویٰ ہے کہ انھوں نے عراق کے شہر بابل پر حکومت کی، اہل عراق اس کا اعتراف کرتے ہیں اور تحقیقات جدیدہ کی شہادت اس کی تائید کرتی ہے، پھر اصل مقدمہ میں کس کو شک ہوگا۔

اہل عرب کا دعویٰ: علامہ ابن قتیبہ المتوفی ۲۷۶ھ اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں:

فمنهم العماليق امم تفرقوا فی البلدان ومنهم فراعنة مصر والجبابرة[1]	ان ہی میں عمالیق ہیں، یہ متعدد قومیں ہیں جو ملکوں میں منتشر ہوگئی تھیں اور ان ہی میں سے مصر اور بابل کے بادشاہ ہیں۔

---

[1] کتاب المعارف، ص ۱۰، مصر۔

مورخ ابن خلدون کی تحقیق ہے جس کو اس نے اپنی تاریخ میں کئی جگہ دہرایا ہے:

ان قوم عاد والعمالقة ملكوا العراق[1] يقال انهم انتقلوا الى جزيرة العرب من بابل لماذا حمهم فيها بنو حام[2] نزلوها (الحجاز) ايام خروجهم من العراق امام النمارة من بنى حام[3]

عاد اور عمالیق عراق کے بادشاہ ہوگئے تھے، کہا جاتا ہے کہ یہ لوگ بابل سے جزیرہ عرب میں اس وقت چلے آئے جب بنو حام نے ان کی مزاحمت کی، یہ لوگ عراق سے نکلنے کے زمانہ میں بنو حام کے بادشاہ سے بھاگ کر حجاز چلے آئے۔

اہل ایران کا بیان: اہل ایران کا دعویٰ ہے کہ عراق و بابل کی قدیم ترین حکومت ان ہی کے ہاتھ میں تھی، اس لئے اس واقعہ کی نسبت ان سے بھی پوچھنا ہے، ان کا بیان ہے کہ جمشید کے بعد جو بنو سام بن نوح کا معاصر تھا ضحاک تازی (عرب) نے ملک پر قبضہ کرلیا، عرب بھی اس کو تسلیم کرتے ہیں

واليمن تعد عيه وتزعم انه من انفسها وهو الضحاك بن علوان (طبری، ۲۰۲ ج، یورپ)

اہل یمن بھی اس کے مدعی ہیں اور گمان کرتے ہیں کہ یہ بادشاہ ان ہی کی قوم کا تھا اور اس کا نام ضحاک بن علوان تھا۔

وبلغنا ان الضحاك هو نمرود و ان ابراهيم ولد فى زمانه وانه صاحبه الذى اراد احراقه (ص ۲۰۵)

ہمیں یہ روایت پہنچی ہے کہ ضحاک ہی نمرود تھا، حضرت ابراہیمؑ اسی کے زمانہ میں پیدا ہوئے تھے اور یہی تھا جس نے ان کے جلانے کا قصد کیا تھا۔

فردوسی جو اہل ایران کی تاریخ کا ترجمان ہے، ضحاک تازی (عرب) اور اس کی ہزار سالہ عہد حکومت کا مفصل بیان شاہنامہ میں کرتا ہے۔

توراۃ کا بیان: بنی اسرائیل کا خاندان عہد ابراہیمی سے پہلے اسی ملک کا باشندہ تھا اور

---

[1] کتاب العبر، ج ۲، ص ۲۵۹، مصر [2] ایضاً، ج ۲، ص ۱۹، مصر [3] ایضاً، ج ۲، ص ۲۷، مصر۔

نہایت قدیم زمانہ سے (۲۵۰۰ ق م) اس کے تعلقات یہاں سے قائم ہیں، اس بنا پر اس باب میں ان کی رائے بھی وقعت کے قابل ہوگی، تورات کی روایت ہے کہ "بابل کا سب سے پہلا بادشاہ کوش کا بیٹا نمرود تھا، اصل عبارت یہ ہے:

"کوش حام کا بیٹا تھا.... کوش اولاد سبا، حویلہ، سباتا، رعماہ اور سباتیکا اور رعماہ کے بیٹے شبا اور ویدان کوش نے نمرود کو پیدا کیا..... اور اس کی حکومت کی ابتدا، بابل اور اریخ (عراق) میں ہوئی۔" (تکوین ۱۰۔۱۔۶،۷،۸،۹،۱۰)

ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ اقوام کی ابتدائی تقسیم، جدید تحقیق کے مطابق نسلی نہیں بلکہ جغرافی ہے، یہ تمام اقوام جن کا اولاد کوش کے نام سے ذکر ہوا ہے، وہ سب جنوبی سمت اور سواحل خلیج فارس کے باشندے ہیں، یعنی عرب ہیں، یورپ میں تاریخ قدیم کا سب سے بڑا مورخ جرمن فاضل ڈنکر (Duncker) ہے، وہ بابل کی فصل تاریخ میں توراۃ کے اس فقرہ کی تفسیر یوں کرتا ہے:

"سفر تکوین مثل متاخرین یہود کے 'کوش' کے نام کے اندر ان اقوام کو داخل کرتا ہے جو جنوبی سمت میں رہتے ہیں، نوبی، اثوبی (اتھوپین) اور جنوبی عرب کے قبائل، یہاں پر ہم ان فرزندان کوش کو جنھوں نے بابل کی بنیاد ڈالی، جنوبی قبائل کے باشندے کہہ سکتے ہیں جو تقریباً خلیج فارس کے سواحل پر مقیم تھے۔[1]"

اہل عراق کا بیان: بابل کا ایک کلدانی مورخ بروشوس نامی ہے جو اصلاً بابلی اور بعل کے معبد کا ایک کاہن تھا، یہ مسیح سے شاید ۴۰۰ برس پہلے تھا، اس نے بابل کی قدیم تاریخ لکھی تھی، اصل کتاب تو ضائع ہوگئی لیکن یہودی اور یونانی مصنفین نے اس کے حوالہ سے بہت سی باتیں لکھی ہیں اور سنداً اس کی بعینہٖ عبارت بھی نقل کی ہے، ان ہی منقول عبارتوں میں ایک ملوک بابل کا نقشہ ہے، مورخ موصوف کلدانی بادشاہوں کے بعد، عرب بادشاہوں کا

---

[1] ڈنکر کی تاریخ قدیم، ج ۱، ص ۲۴۹۔

ذکر کرتا ہے، ان کی تعداد وہ ۹ اور ان کی مدت حکومت ۲۲۵ برس قرار دیتا ہے، اصل نقشہ یہ ہے، یہ نقشہ قابل تنقید ہے لیکن قابل تغلیط نہیں:

عدد	خاندان ملوک	سال
۱۰	بادشاہان قبل طوفانِ نوحؑ	۴۳۲۰۰۰
۸۶	بادشاہان بعد طوفان	۳۴۰۰۰
۸	میڈیا کے غاصب بادشاہ	۲۲۴
۱۱	بادشاہ..........	۲۴۸
۴۹	کلدانی بادشاہ	۴۵۸
۹	عرب بادشاہ	۲۲۵

تحقیقات جدیدہ: اہل عرب اور اہل بابل کے بیانات سے اس سے زیادہ کوئی اور علم حاصل نہیں ہوتا کہ کسی قدیم زمانہ میں 'عرب سامیہ' کے ایک خاندان نے عراق پر حکومت کی، اس سے زیادہ حالات قدامت کی تاریکی میں مخفی ہیں لیکن ارکیالوجی کی اعانت سے بابل کے آثار وحفریات[1] نے قدامت کے پردہ کو چاک کر دیا ہے، اب نئے سرے سے بابل کا تمدن زندہ ہو رہا ہے اور علم الآثار کے چراغ طلسمی میں اب نظر آرہا ہے کہ بابل و اسیریا کا ہر پتھر درحقیقت ان کی تاریخ کا ایک صفحہ ہے[2]۔

---

[1] زمین کے کھودنے سے جو پرانی چیزیں برآمد ہوتی ہیں۔ [2] ہر چیز مذہب سے شروع ہوتی ہے، تورات بابل واسیریا کے سلاطین اور شہروں کے نام سے پُر ہے، نوع انسان کا افتراق بابل میں ہوا (تکوین، باب ۱۰) حضرت ابراہیمؑ بابل وکلدان کے شہروں سے نکل کر فلسطین آئے تھے، یہودیوں کی تباہی اہل بابل کے ہاتھ سے ہوئی، ان وجوہ سے ضروری تھا کہ یورپ کے علمائے آثار ان ممالک کی تنقیب واکتشاف کی طرف توجہ کریں، اس کی ابتدا سولہویں صدی سے ہوئی اور اب تک جاری ہے، سیکڑوں کتبات، خطوط، کتابیں (منقوش بہ سنگ) مجسمات، سکے، عمارات، نشانات، واقعات تاریخی کی منقوش یادگاریں زمین سے نکالی (بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۲ پر)

قدیم بابل (اہل فارس سے پہلے) کے جو کتبات و آثار ملے ہیں، زبان کی حیثیت سے یہ دو قسم کے ہیں، سامی اور غیر سامی، ان سے بابل کے قدیم باشندوں کی قومیت کا راز فاش ہوتا ہے، ان میں سے اکثر کتبات پر سلاطین کی تاریخیں ہیں اور جن پر تاریخ مرقوم نہیں ہے، ان کے زمانہ کی تعیین قرائن سے کی گئی ہے، غیر سامی کتبات و آثار عموماً قدیم ترین ہیں، اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ غیر سامی آبادی سامیوں سے پہلے یہاں آباد تھی، ان کی زبان سومری اور اکادی ہے، جس سے ہم اس نتیجہ تک پہنچتے ہیں کہ وہ غیر سامی آبادی اکادی اور سومری تھی، جو تشابہ نام و زبان کے لحاظ سے غالباً تورانی النسل ظاہر ہوتی ہے۔

ارض بابل کے اس عہد کے تمام کتبات کو بہ ترتیب رکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۴۰۰۰ ق م کی ابتدا میں قدیم سومری الفاظ کی بجائے ان میں سامی الفاظ کی آمیزش شروع ہوتی ہے اور یہ آمیزش اور اختلاط رفتہ رفتہ بڑھتا جاتا ہے، تا آنکہ الفاظ، خط اور خیالات بالکل سامی ہو جاتے ہیں اور ایک مدت تک کتبات و آثار بالکل سامی رہتے ہیں، پھر ایک زمانہ کے بعد سومری کتبات کا دوسرا دور شروع ہوتا ہے، جس کا خاتمہ ایک اور تورانی النسل زبان عیلام پر ہوتا ہے، جس کا وطن خلیج فارس کا فارسی ساحل تھا، پھر ایک زمانہ کے بعد ۲۵۰۰ ق م میں زبان بالکل سامی ہو جاتی ہے اور بعد ازاں ایک مرکب و متحد زبان کی صورت نظر آتی ہے۔ (اس کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۰) گئیں، خط اور زبان کی مشکل حل کی گئی اور باقاعدہ ان اکتشافات و تحقیقات کا سلسلہ جاری کیا گیا، یہاں تک کہ ان سے بابل و اسیریا کی عظیم الشان تاریخ مدون ہوگئی، سیکڑوں علمائے مشرقیات نے ان تحقیقات میں اپنی زندگیاں وقف کیں، ان میں سے مشاہیر کے نام حسب ذیل ہیں: ہربرٹ (۱۶۷۷ء)، سرجان چارڈن (۱۲۰۰ء) کاربنس ڈی بروان (۱۷۰۴ء)، نیوبھر (۱۷۷۴ء)، جولیس موہل (۱۸۲۳ء)، جارج اسمتھ (۱۸۲۶ء) اور ہالوے وغیرہ، اس وقت بھی ایک جرمن سوسائٹی مشغول کار ہے اور اس کے حیرت انگیز نتائج اسی سال شائع ہوئے ہیں، اس سلسلہ میں عجیب بات یہ ہے کہ بابل و اسیریا کی تحقیقات و اکتشافات میں دولت عثمانیہ اور بعض ترک مثلاً سلیمان حمدی بے اور خلیل بے کے نام بھی نہایت روشن ہیں۔

بعد کے انقلابات ہمارے موضوع سے الگ ہیں۔)

نقشہ کی ان سادہ لکیروں میں اگر ہم رنگ بھر دیں تو ایک قومی و سیاسی تاریخ کا مسلسل مرقع تیار ہو جائے گا کہ پہلے یہاں سومری واکادی قوم آباد تھی، رفتہ رفتہ عرب کے سامی عنصر کی آمیزش شروع ہوئی جس نے آہستہ آہستہ سیاسی قوت حاصل کر لی اور ایک مدت تک حکومت اس کے ہاتھ میں رہی، یہاں تک کہ سومریوں نے پھر جدید قوت حاصل کر لی، جس کا عیلامیوں کے ہاتھ سے خاتمہ ہوا، عیلامیوں کی حکومت کے بعد پھر عربی سامی قوت کا عروج شروع ہوا اور اس نے عیلامیوں کو مٹا کر اپنی پہلی جگہ پھر اختیار کر لی، بعد ازاں ایک مدت کے بعد ایک مشترک وطنی حکومت کی بنیاد پڑی۔

ان قدیم ترین حکومتہائے بابل کے سلسلہ میں ہم نے دو جگہ عرب سامی خاندانوں کا ذکر کیا ہے، ایک ۴۰۰۰ ؍ق م اور ایک ۲۴۰۰ ؍ق م میں، یہ دونوں علاحدہ علاحدہ بیان کے محتاج ہیں۔

چار ہزار ق م: اس خاندان کے تعلق صرف اتنا معلوم ہے کہ وہ سامی تھا، باہر سے آیا تھا اور ابتداً نہایت وحشی تھا، یہ بیرونی وحشی سامی کون تھے؟ غالباً عرب! اس خاندان کے حالات کے متعلق جدید ترین تحقیق یہ ہے:

> ’’تقریباً چار ہزار ق م کی ابتدا میں سومری لوگوں نے جو ایک اعلیٰ تمدن حاصل کر رہے تھے اپنے ملک کو ایک بار (اس کے بعد) وسیع التعداد وحشی قبائل سے پر پایا، یہ سامی تھے جو نہایت قریبی خون کا تعلق عربوں سے رکھتے تھے جو ایک بار (اس کے بعد) اسپین تک دوڑ چکے ہیں اور عبرانیوں سے بھی اسی قسم کی مشابہت رکھتے تھے، جو ایک بار نہر اردن کو عبور کر کے کنعان پہنچے۔

> بعضوں کا خیال ہے کہ یہ کردستان سے آئے اور بابل پہنچ کر یہاں سے آرمینیا عرب اور کنعان وغیرہ میں پہنچے، لیکن یہ خیال اب متروک ہے، گو کہ ایک دو آدمیوں کے نام

اب بھی اس کے موئیدین میں نظر آتے ہیں، دوسری رائے یہ ہے کہ وہ افریقہ سے آئے اور مصر سے نکل کر تمام عرب میں پھیلے......اس تھیوری کے اثبات میں بہت کچھ کہا گیا ہے لیکن پھر بھی ایک تیسری تھیوری کے لئے بہت کچھ باقی ہے کہ ان کا اصل مسکن عرب تھا، جہاں سے نکل کر ایک سرسبز وسیع قطعہ کی تلاش میں الجزیرہ، بابل اور دور مغرب میں کنعان میں موجیں لیتے ہوئے نکل آئے۔

یہ آخری خیال روز بروز نئے نئے طرفداروں کو اپنی طرف کھینچ رہا ہے اور کہا جاسکتا ہے کہ عموماً اب یہی جدید علما کی مقبول رائے ہے،(ملخصاً از باب کتاب ۱)

سومری حکومت کے اسی عہد کا ایک چھوٹا سا اور ٹوٹا سا کتبہ ملا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس وقت ایک جدید داخل ہونے والی قوم سے جس نے شمالی بابل کو لے لیا تھا، دوبارہ اس کی واپسی کے لئے کوشاں تھی، یہ نئی آنے والی قوم کون تھی؟ سامی جس کا اصلی گھر غالباً عرب تھا۔

لیکن اب وہ کچھ دنوں سے بابل کے شمالی و مغربی حصہ میں غالباً الجزیرہ میں آباد تھی، سامیوں نے ملک کے تمام آباد اور ذرخیز شہر جن پر سومری جیتے تھے اپنے قبضہ میں کر لئے۔(باب ۱، کتاب ۲)

اس زمانہ میں حکومت ایک شہر سے عبارت تھا، جس کے آس پاس کچھ گاؤں، کچھ خیموں کی آبادی اور کچھ ادھر ادھر رہنے والے قبائل ہوتے تھے، شہر میں ایک شاہی قصر اور ایک ہیکل پتھروں کا بنا ہوتا تھا، ہیکل کا کاہن اور قصر کا بادشاہ عموماً ایک ہی شخص ہوتا تھا اور کبھی دو ہوتے تھے، ہر شہر کے ہیکل کا ایک خاص دیوتا تھا، جس کے قبضہ قدرت میں تمام شہر کی جان ہوتی تھی، اس وقت شہر 'کش' اور 'غشبان' سومریوں کے خاص شہر تھے۔

جس عہد کا قصہ ہم لکھ رہے ہیں تقریباً دو سامی شہر یا حکومتوں کا ذکر پاتے ہیں، ایک حکومت کش وغشبان وارخ جس کا تمہیدی ذکر اوپر ہوا اور دوسری حکومت اغاد۔

حکومت کش و عشبان وارخ: یہ حکومت بابل میں پہلی سامی حکومت ظاہر ہوتی ہے، اس حکومت کے صرف تین کاہن بادشاہوں کے نام معلوم ہیں، اوکوش کاہن عشبان، لوغل زاغیسی ابن اوکوش، لوغل اوکیسلی۔

۱۔ ''اوکوش'' کے متعلق اتنا معلوم ہے کہ وہ عشبان کا کاہن اور سیاسی سے مذہبی قوت زیادہ رکھتا تھا۔

۲۔ لوغل زاغیسی نے باپ سے زیادہ سیاسی قوت حاصل کی، وہ کش اور عشبان دونوں کا بادشاہ تھا، تقریباً ۴۰۰۰ ق م میں اس نے تیسرے شہر 'ارخ یا ارک' (عجب نہیں کہ لفظ عراق کی یہی اصل ہو) کی بنیاد ڈالی، جس کو اس نے کل ملک کا دارالحکومت مقرر کیا۔

۳۔ 'لوغل اوکیسلی اپنے باپ کے بعد تخت نشین ہوا، اس کے عہد میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سومری طاقت نے پھر عود کیا ہے اور اس شہر کو بیرونی قوموں سے واپس لے لیا۔

حکومت اغاد: کتبات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس خاندان میں چار بادشاہ گذرے ہیں، لطی بعل (بعل ایک دیوتا تھا) شرغنی شرعلی کر، نرام سنکر اور بن شرعلی۔

۱۔ 'لطی بعل' کے نام کا خود کتبہ نہیں ملا، لیکن اس کے بیٹے شرغنی کا ایک کتبہ ملا ہے جس میں وہ اپنے باپ کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ہے:

> ''شرغنی شرعلی بن لطی بعل اغاد کا قدرت والا بادشاہ بعل کے ہیکل ایکور کا شہر نپور میں بنانے والا۔''

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بادشاہ ہونے کے علاوہ بہت سی عمارتوں کا بانی بھی ہے۔

۲۔ شرغنی شرعلی کر (۸۰۰ ق م) اس کا پورا نام ہے لیکن کبھی صرف 'شرغنی' بھی پایا گیا ہے لیکن زیادہ تر مشہور بہ شرغون اول یا اسرجون اول کے نام سے ہے، سرغون اس خاندان کا گل سرسبد ہے اور حکومت ہائے بابل کے بزرگ ترین بادشاہوں میں اس کا شمار ہے، اس کے جو کتبات اس وقت تک ملے ہیں وہ متفقاً اس کی عظمت وجلال کے بیانات

سے پر ہیں، اس نے ایک طرف سومریوں کی قوت کا خاتمہ کر دیا اور دوسری طرف فارس میں عیلامیوں کو مغلوب کر لیا۔

بعد کی تاریخوں میں شرغون کے کارناموں کے بیان میں اتنا مبالغہ کیا گیا ہے کہ وہ معمولی انسانیت سے نکل کر ایک غیر معمولی انسان بن جاتا ہے، ایک لوح پر جو آٹھویں صدی ق م کی کتابت ہے اور جس کی نسبت سمجھا جاتا ہے کہ وہ شرغون کے مجسمہ کی نقل ہے، اس کی پیدائش وظہور کے متعلق عجیب داستان تحریر ہے۔

۳۔'نرام سن کر' (۳۷۵۰ ق م) بھی عظمت میں اپنے باپ سے کم نہیں، اس کا خطاب تھا، 'شاہ چاروانگ عالم'۔'نرام سن' کی خاص مہم زمین 'مغان' پر حملہ ہے 'مغان' سے غالباً جزیرہ سینا ملحق بہ شمالی مغربی عرب مراد ہے، اس کے قریب شہر 'مغان' اب تک معلوم ہے۔

فاتح ہونے کے علاوہ یہ بادشاہ بانی عمارات بھی ہے، نپور اور اغاد میں ہیکل تعمیر کرائے اور شہر پناہیں بنوائیں سفار میں آفتاب دیوتا کا ہیکل تیار کرایا۔

۴۔'بن غلی شر علی' خاتم خاندان اور مجہول الحال ہے[1]۔

---

[1] اس فصل کے لکھتے وقت حسب ذیل کتابیں ہمارے پیش نظر تھیں نینویٰ اور اس کی یادگاریں (Nineveh And Its Remaain BY A. H. Laayard1839 London) تاریخ قدیم رالنسن پروفیسر تاریخ قدیم، کیمبرج (A Manual Of Ancient Hisstory BY Rawlinson) (تحقیقات آثار نینویٰ و بابل Discoveries In The Ruins Of Nineveh And Babylon BY A.H. Layard 1953) لیکن رالنسن کی کتاب صرف تاریخ یونان وروم اور بوزات سے ماخوذ ہے اور لے یارڈ کی کتابوں کی معلومات جو گو بابل اور نینویٰ کی ذاتی سیاحت کے نتائج ہیں، تاہم پرانے ہو چکے ہیں، راجرس (R. W. Rogers) کی تاریخ بابل واشور جو بالکل جدید تصنیف ہے اور جس کی بنا صرف تحقیقات تازہ پر ہے اور جو تمام یورپ کے دارالآثار اور کتب خانوں کے مطالعہ کے بعد لکھی گئی ہے زیادہ تر اس فصل کا ماخذ ہے۔ (جلد اوّل، کتاب اوّل، باب ۱۱-۱۲ اور کتاب ۲، باب اوّل)

۲۴۰۰ ر ق م: گذشتہ صفحات میں ڈھائی ہزار برس کا مرقع پیش کیا گیا، جس میں بابل کے اسٹیج پر سومری، عیلامی اور سامی قوموں کا کبھی بہ صلح و آشتی، کبھی بہ جنگ و جدال ظہور ہوتا رہا، ۲۴۰۰ ر ق م میں ایک اور سامی قوم کا ظہور ہوا، جس نے تمام قوموں کا خاتمہ کر دیا اور ایک متحد سامی حکومت کی بنیاد ڈالی، اس حکومت کی قومیت کی حقیقت امریکن مورخ راجرس ان الفاظ میں ظاہر کرتا ہے:

سومری تہذیب اب پیری کو پہنچ چکی تھی، موت کے جراثیم اب اس میں پیدا ہو چکے تھے، دوسری طرف سامی تمدن زندگی اور جوش سے لبریز تھا، سامی ریگستان عرب کی آزاد ہوا سے باہر آئے تھے، وہ اپنی رگوں میں زندگی رکھتے تھے[1]۔

اس خاندان کا شجرہ ملوک جیسا کہ کتبات سے ظاہر ہوا ہے، حسب ذیل ہے[2]۔

۱-سموابی	۲۴۵۴-۲۴۴۰ ر ق م	۱۵ برس
۲-سمولا ایلو	۲۴۳۹-۲۳۰۵ ر ق م	۳۵ برس
۳-ذابو	۲۴۰۴-۲۳۹۱ ر ق م	۱۴ برس
۴-اَفلِ-سِن	۲۳۹۰-۲۳۷۳ ر ق م	۱۸ برس
۵-سِن مبلّطِ	۲۳۷۲-۲۳۴۳ ر ق م	۳۰ برس
۶-حمورابی	۲۳۴۲-۲۲۸۸ ر ق م	۵۵ برس
۷-سمو-ایلونا	۲۲۸۷-۲۲۳۵ ر ق م	۳۵ برس
۸-ابی-شوع	۲۲۵۲-۲۲۲۸ ر ق م	۲۵ برس
۹-عمی-ستانا	۲۲۲۷-۲۲۰۳ ر ق م	۲۵ برس
۱۰-عمی-صادقا	۲۲۰۲-۲۱۸۲ ر ق م	۲۱ برس
۱۱-سمو-ستانا	۲۱۱۸-۲۱۵۱ ر ق م	۳۱ برس

[1] ROGERS VOL I, 383 [2] راجرس، ج ا، ص ۳۳۵۔

اس فہرست میں پہلا نام 'سموابی' کا ہے، اس کی نسبت کوئی واقعہ نہیں معلوم، اس کا نام صرف سلاطین کی فہرست میں ملا ہے، اس کے بعد کے جانشینوں کی نسبت بھی ہم کو کوئی صحیح علم نہیں ہے، 'سمولا ایلو' کے متعلق اتنا جانتے ہیں کہ اس نے بابل میں چھ قلعے تعمیر کرائے تھے، 'ذابو' صرف ایک ہیکل کے بانی کی حیثیت سے معلوم ہے جو شہر کے دیوتا کے نام سے بنا تھا، افل سن اور سن مبلط بھی مجہول الحال ہیں۔

اس خاندان کا مشہور و ممتاز بادشاہ حمورابی ہے، جس کی نسبت ہماری اطلاعات کسی قدر وسیع ہیں، اس کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے ملک کو عیلامیوں سے پاک کر دیا، اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حمورابی سے پہلے تک عیلامیوں کا زور ملک میں باقی تھا اور عجب نہیں کہ حمورابی کے اسلاف کا عدم اہمیت وعدم شہرت اسی علت کا معلول ہو اور یہی وجہ ہے کہ حمورابی سے پہلے کے بادشاہوں کے ساتھ شاہی القاب نظر نہیں آتے۔

اب تک جو کتبات اس خاندان کے ملے ہیں وہ عموماً حمورابی ہی کے ہیں جن سے اس بادشاہ کی عجیب وغریب عظمت ظاہر ہوتی ہے[1]۔

تورات میں سب سے پہلا جو سیاسی واقعہ مذکور ہے وہ حضرت ابراہیمؑ کے عہد میں شمالی عرب میں عراق اور شام کے بادشاہوں کی باہمی جنگ ہے، اس موقع پر شنعار (بابل) کے بادشاہ کا نام امرافیل یا امورافیل مذکور ہوا ہے[2]، الف اور ح کا اور ب، پ اور ف کا مبادلہ، السنہ سامیہ میں بہت متداول ہے، اس لئے عجب نہیں کہ امرافیل، اصلاً امورافی ہو اور امورافی حمورابی کا عبری ''تلفظ ہو ال'' کا اضافہ (بمعنی خدا) صرف عبری ناموں کی مناسبت سے کیا گیا ہے، جیسے اسرائیل، شماعیل، حزقیل وغیرہ، مرافیل اور حمورابی کے اتحاد کی بڑی دلیل دونوں کا تقریباً اتحاد عصر اور اتحاد ملک بھی ہے بہرحال اگر یہ قیاس صحیح ہے تو حمورابی اور حضرت ابراہیم کا باہم ایک ہی زمانہ ہوگا[3]۔

---

[1] Rogers Vol I, 391 [2] تکوین، باب ۱۴-۱۱ [3] Rogers Vol I, 390۔

حمورابی کے ایک اور کتبہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاید یہ دنیا کا سب سے پہلا مقنن ہو، بابل کے ایک منارہ پر اس کے قوانین کندہ ملے ہیں، جو تورات کے احکام سے بہت مشابہ ہیں[۱]۔ یُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا (البقرہ۲:۲۶)، اہل ضلال کہتے ہیں کہ تورات کے احکام ان ہی قوانین سے ماخوذ ہیں، ارباب ہدایت کہہ سکتے ہیں کہ یہ احکام حضرت ابراہیمؑ کی شریعت کے ہیں، جن کو حمورابی نے سنا اور قبول کیا۔ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ (البقرہ۲:۲۶)

حمورابی کے بعد جو بادشاہ اس خاندان میں ہوئے، وہ باپ کی عظمت کو قائم نہ رکھ سکے[۲]۔

---

۱ حمورابی کے یہ قوانین انگریزی میں ایک رسالہ کی صورت میں چھپ گئے ہیں۔ ۲ اس باب کے تمام حوالوں کے لئے راجرس تاریخ بابل واسیریا دیکھو۔

عرب سامیہ یا عاد مصر میں

عراق کی طرح مصر میں بھی اس واقعہ کے تین اجزا ہیں، اہل عرب کی روایت، اہل مصر کا بیان اور تحقیقات جدیدہ کی تصدیق بلکہ اس مقدمہ میں ایک چیز اور زیادہ ہے یعنی توارات کے اشارات۔

روایت عرب: علامہ ابن قتیبہ کی شہادت ہے:

فمنهم العماليق امم تفرقوافي البلدان و منهم فراعنة مصر[1]

ان ہی (قبائل عرب) میں سے عمالیق ہیں، یہ متعدد قومیں ہیں جو ممالک میں پھیل گئیں، ان ہی میں مصر کے بادشاہ تھے۔

مورخ یعقوبی لکھتا ہے[2]:

فلما ملكو االنساء طمع فيهم العمالقة ملوك الشام فغزاهم ملك العمالقة وهو يومئذالوليدبن دومع وطئى البلادفرضوا ان يملكو عليهم فاقام دهراً طويلا ثم ملك بعده ملك أخر من العمالقة يقال له الريان بن الوليد و هو فرعون يوسف

مصریوں نے جب عورتوں کو بادشاہ بنایا، شام کے بادشاہ جو عمالیق تھے انھوں نے طمع کیا، عمالیق کے بادشاہ نے جس کا نام ولید بن دومع تھا، ملک کو پامال کیا تھا، اہل مصر ان کی بادشاہی پر راضی ہو گئے، ایک زمانہ تک یہ بادشاہ زندہ رہا، پھر عمالیق کا دوسرا بادشاہ ہوا جس کو لوگ ریان بن ولید کہتے تھے، حضرت یوسفؑ کا معاصر فرعون یہی ہے۔

---

[1] کتاب المعارف، ص ۱۰۱، مصر [2] تاریخ یعقوبی، جلد اوّل، ص ۲۱۱، لیڈن۔

جزئیات بیان اور نام گو صحیح نہ ہو، لیکن اصل واقعہ ثابت ہے اور کیا عجب کہ یہ عربی نام اصلی ناموں کے ترجمہ ہوں، اسی قسم کا بیان اور تاریخوں میں بھی ہے، معجم یاقوت میں ہے:

وقيل ان فراعنة مصر كانوا من العماليق وكان منهم فرعون ابراهيم ......وفرعون يوسف...... وفرعون موسى[1]	کہا گیا ہے کہ مصر کے فرعون عمالیق میں سے تھے، ان ہی میں حضرت ابراہیمؑ کا فرعون...... اور حضرت یوسف کا فرعون ......اور حضرت موسیٰؑ کا فرعون ہے۔

مورخ طبری کی روایت ہے:

وانه ملك على مصر اخاه سنان بن علوان وهو اول الفراعنة وانه كان ملك مصر حين قدمها ابراهيم خليل الرحمان (۲۰۲ ج ایورپ)	اس نے مصر پر اپنے بھائی سنان بن علوان کو بادشاہ بنایا، یہ مصر کا پہلا فرعون تھا، حضرت ابراہیمؑ جب مصر گئے تو یہی فرعون تھا۔

اس معاصرت کی تائید دیگر ذرائع سے بھی ہوتی ہے جس کا بیان آگے آئے گا۔

مورخ ابن خلدون کی تحقیق ہے[2]:

ان بعض ملوك القبط استنصر ملك العمالقة لعهده ...فجاء معه وملك مصر	قبط (قدیم باشندگان مصر) کے بعض سلاطین نے اپنے زمانہ کے شاہ عمالیق سے مدد مانگی، وہ آیا اور اس نے مصر پر قبضہ کرلیا۔

اہل مصر کا بیان: مسیح سے دو ہزار برس پہلے مصر پر ایک اجنبی قوم نے قبضہ کیا، اس کا نام اہل مصر سوس (چرواہے) اور ہیک سوس (چرواہے بادشاہ) بتاتے ہیں، یہ چرواہے بادشاہ کون تھے، عرب! جو اکثر شتربانی سے جہاں بانی تک پہنچے ہیں! اور اس وقت بھی ان کو یہی لقب دیا گیا لیکن کیا کیا جائے کہ چرواہا ہونا نہ صرف عرب کا بلکہ تمام امم سامیہ کا قومی وملکی

---

[1] تاریخ ابن خلدون ج ۲ باب الخبر عن القبط ص ۷۴ تا ۷۸ [2] تاریخ ابن خلدون جلد ۲ ص ۷۵۔

پیشہ ہے اور اس کی تحریری شہادت آج سے دو ہزار برس پیشتر کی ہمارے پاس موجود ہے، یہاں تک کہ پیشوایان امم سامیہ بھی اس سے مستثنیٰ نہیں[1]۔

بہر حال ان ہی عرب چرواہوں کی نسبت اہل مصر کا اعتراف ہے کہ مسیح سے دو ہزار برس پیشتر مصر پر حکمراں تھے، مصر کا قدیم مورخ اسکندریہ کا مانیتھو ہے، جس نے مسیح سے ۲۶۰ر برس پیشتر یونانی میں مصر کی تاریخ لکھی تھی، اصل کتاب تو مفقود ہے، لیکن اس کی جستہ جستہ عبارتیں بعد کی یونانی اللسان مصنفین کے یہاں منقول ہیں جن میں سے ایک یہودی مورخ یوسیفوس بھی ہے۔

یوسیفوس نے ایک خاص رسالہ ان یونانیوں کے رد میں لکھا ہے، جو یہودیوں کی قدامت عہد و مجد کے منکر تھے اور اسی سلسلہ میں غیر یہودی مورخین کی شہادتیں نقل کی ہیں، جن میں سے اسکندریہ کا یہ مانیتھو بھی ہے، مانیتھو نے ہیک سوس کی نسبت جو کچھ لکھا ہے ہم اس کا یہاں اقتباس نقل کرتے ہیں:

"ایک ہمارا بادشاہ طیماؤس نامی تھا، اس کے عہد میں یہ ہوا، لیکن ہم نہیں جانتے کہ کیوں کر ہوا، خدا ہم پر خفا تھا؟ ایک عجیب طریقہ سے شریر الخلقت لوگ "اطراف مشرق" سے چلے آئے، وہ اس قدر بہادر تھے کہ وہ ہمارے ملک میں گھس گئے، نہایت آسانی سے بزور مسخر کر لیا گوان سے ہماری ایک قسمت آزما جنگ ہوئی، جب انھوں نے ہمارے سرداروں کو گرفتار کر لیا جنھوں نے اپنی طاقت سے ہم پر حکومت کی تھی تو ہمارے شہروں کو جلا دیا، ہمارے دیوتاؤں کے ہیکلوں کو برباد کر دیا۔ آخر وہ حاکم بن بیٹھے اور اپنا ایک بادشاہ بنایا جس کا نام

---

[1] فلسفۂ یہودیت یوسیفوس ذکر موسیٰ بمدین نیز توراۃ دیکھو، حدیث صحیح میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر نبی نے بکریاں چرائیں اور میں نے بھی چرائی ہیں، سر ولیم میور جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بکریاں چرانے سے آپؐ کی ذلت و تحقیر کا پہلو نکالتے ہیں، ان کو یوسیفوس کو پڑھنا چاہیے تھا اور اپنی مذہبی کتاب توراۃ کو دیکھنا چاہیے تھا کہ ابراہیمؑ، اسحٰقؑ، یعقوبؑ اور موسیٰؑ کا کیا پیشہ تھا؟

''سلاطیس'' تھا...... سلاطیس نے مصر زیرین دونوں سے خراج وصول کیا اور مناسب مقامات پر دستے متعین کیے۔ خصوصاً مشرقی حصوں کی حفاظت اہل اسیریا کے مقابلہ میں پیش بینی کے لئے بہت کرتے تھے جو اس زمانہ میں قوی ترین قوت تھی.... سلاطیس نے ۳۰ر برس حکومت کی، پھر ایک دوسرا بادشاہ ہوا جس کا ''بینون'' نام تھا اور یہ ۴۴ برس زندہ رہا، بعد ازیں ۳۶ برس ۷ مہینے کے لئے ''ابوفیس'' بادشاہ ہوا اور پھر جینیاس نے ۵۰ برس اور ایک مہینہ تک حکومت کی اور ان سب کے آخر میں ''اسیس'' بادشاہ ہوا، ۴۹ برس دو مہینے اس کی بادشاہی کا زمانہ ہے۔

اس تمام قوم کا نام ہائیک سوس رکھا گیا تھا، یعنی ''چرواہے بادشاہ'' کیوں کہ ہائیک کے معنی مقدس زبان میں بادشاہ کے ہیں، اور ''سوس'' عام زبان میں چرواہے کو کہتے ہیں اور ان دونوں لفظوں سے مل کر ہائیک سوس بنا ہے لیکن بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ عرب تھے'' ۵۱۱ برس یہ مصر پر قابض رہے[1]

ان عرب حملہ آوروں کے نام ولقب کے متعلق ایک بات یہاں قابل ذکر ہے کہ عرب کی صحیح روایات میں فاتح مصر کا نام ''شداد'' ظاہر کیا گیا ہے۔ مانیثو نے ''سلاط'' لکھا ہے[2]، حقیقت میں یہ دونوں لفظ کے معنی ایک ہی ہیں، شداد کے معنی ''قوی'' اور ''جابر'' کے ہیں اور ''سلاط'' بھی سامی زبانوں میں یہی معنی رکھتا ہے، جس سے عربی زبان میں ''سلطان'' ''سلطنۃ'' اور ''سلطہ'' نکلے ہیں۔

''ہیک'' کو اگر ہم ''شیخ'' کا محرف نہ کہیں جو امیر بدو کا خاص لقب ہے، تو اس کو خاص مصری لفظ تسلیم کرتے ہیں، جیسا کہ مانیثو نے بتایا ہے لیکن سوس کا لفظ تو خاص عربی ہے، سوس کے اصل معنی نگرانی وانتظام کے ہیں، اسی مناسبت سے چرواہے کو بھی ''سوس، ابتدأ کہتے

---

[1] Josephas against Book Dect. 14 Vol VI [2] ''ی'' اور ''س'' جو سلاطیس کے آخری اجزاء ہیں مذکر نام کے اخیر میں یونانی اور لیٹن میں زائد کردئے جاتے ہیں۔

ہوں گے، جس سے منتقل ہو کر گلہ بانی سے جہاں بانی کے لئے عربی میں یہ لفظ مستعمل ہوا، اسی ماخذ سے سیاسۃ کا لفظ اب عام طور سے اس معنی میں بولتے ہیں، (سیاسۃ کا اصل مادہ لغت میں یہی سوس ہے) یعنی اول معنی گلہ بانی و چوبانی کا اثر صرف ایک لفظ میں ہمارے ہاں باقی ہے، یعنی ''سئیس'' خادم اسپ، عجب نہیں کہ عبری میں یہیں سے لفظ ''صوص'' D=7D گھوڑے کے لئے مستعمل ہوا ہو، تیسرے بادشاہ کا نام ''ابوفیس'' بھی عربی وضع کا ہے، آخری نام ''اسیس'' وہی نام ہے جس کو ہم عزیز کہتے ہیں اور اب تک امرائے مصر کا لقب جانتے ہیں، ایک عجیب بات یہ ہے کہ قرآن مجید میں حضرت یوسفؑ کے قصہ میں ''عزیز'' ہی کا لفظ ہم پاتے ہیں[1]۔

قرائین تورات: توراۃ میں حضرت ابراہیمؑ کا جب پہلی بار ظہور ہوتا ہے تو وہ اپنے خاندان کے ساتھ عراق سے مصر تک کی زمینوں میں سفر کرتے ہوئے ملتے ہیں اور اپنی بیوی سارا کو جو رشتہ کی بہن بھی تھیں، اپنی بہن ظاہر کرتے ہیں اور فرعون مصر قرابت کی درخواست کرتا ہے لیکن جب اصل واقعہ ظاہر ہو جاتا ہے تو وہ خود اپنی بیٹی ''ہاجرہ'' کو کنیزگی میں پیش کرتا ہے، کیا ان واقعات سے نسبی تعلق کا اشارہ نہیں ملتا؟

ڈیڑھ سو برس کے بعد اتفاقاً حضرت یوسفؑ مصر تشریف لے جاتے ہیں اور باوجود اس کے کہ ان کا عبرانی ہونا ظاہر ہو جاتا ہے اور اہل مصر عبرانیوں کو ذلیل جانتے ہیں اور ان کے ساتھ کھانا عار سمجھتے ہیں[2]، فرعون مصر یوسف کی عزت کرتا ہے، ان کو اپنا نائب السلطنت مقرر کرتا ہے[3]، یوسف کے پدر بزرگوار حضرت یعقوبؑ اور ان کے خاندان کے مصر آنے پر فرعون اور ارکان سلطنت خوشی کا اظہار کرتے ہیں[4] اور ان کے مرنے سے نہایت رنجیدہ ہوتے ہیں[5] اور سب سے

---

[1] یہ واقعہ کہ ہاجرہؑ فرعون کی بیٹی تھیں، توراۃ میں نہیں مگر یہودی روایات میں موجود ہے اور ان کا مصری ہونا تکوین میں بھی مسلم ہے۔ [2] تورات تکوین، باب ۴۳-۳۲ [3] ایضاً، باب ۴۰-۴۱-۴۲
[4] ایضاً، باب ۴۵-۱۶ [5] ایضاً، باب ۵۰-۳-۱۱۔

عجیب یہ کہ حضرت یوسفؑ اپنے خاندان کو تاکید کرتے ہیں کہ فرعون اگر پوچھے کہ تم کون ہو؟ تو یہ جواب دینا کہ ''ہم چرواہے ہیں! اور چوبانی ہمارا آبائی پیشہ[1] ہے''، پھر خود تورات کا یہ عجیب تر بیان کہ ''مصری ہر چوبان سے نفرت رکھتے تھے[2] اور یقیناً یہ سیاسی نفرت تھی، ان آثار سے ثابت ہوتا ہے کہ چرواہے بادشاہوں کا وجود تاریخی ہے اور حضرت یوسفؑ اور بنی اسرائیل کا قیام ان ہی عرب سامیہ یا چرواہے بادشاہوں کے عہد میں ہوا جیسا کہ مؤرخین عرب کا بھی بیان ہے اور یہ بھی اس سے واضح ہوتا ہے کہ ان عبرانی اور مصر کے خاص شاہی خاندانوں میں ضرور کوئی خاص قومی تعلق تھا، جس کا اظہار کنایۃً حضرت یوسفؑ باوجود اس علم کے کہ مصری ہر چوبان سے نفرت رکھتے ہیں، چوبانی کے ذریعہ سے کرنا چاہتے ہیں کیوں کہ جیسا کہ اوپر گذر چکا اہل مصر اس بدوی حکمراں خاندان کو تحقیراً ''شاشو'' یعنی چوبان کہتے تھے۔

چند صدیوں کے بعد بنی اسرائیل کا مصر میں مبتلائے مصائب ہونا، ہمارے نزدیک اس کی توجیہ یہ ہے کہ جب اہل مصر یعنی بنو حام نے سابق حکمراں خاندان یعنی بنو سام کو مصر سے نکال دیا اور ان کی حکومت کا مصر میں خاتمہ ہوگیا تو بنو اسرائیل جو بنو سام کی ایک شاخ تھے اور بعہد حکومت سابقہ مصر میں نہایت طاقتور ہو گئے تھے، ان کو سیاسی وجود سے کمزور کر دینا چاہا، تورات میں اس موقع پر حسب ذیل عبارت[1] ہے:

> ''لیکن اسرائیل کی اولاد برومند ہوئی اور بہت بڑھی اور فراوان ہوئی اور بہت زور پیدا کیا اور وہ زمین ان سے معمور ہوئی، تب مصر میں ایک نیا بادشاہ جو یوسفؑ کو نہ جانتا تھا پیدا ہوا اور اس نے اپنے لوگوں سے کہا، دیکھو کہ بنی اسرائیل کے لوگ ہم سے زیادہ اور قوی تر ہیں اور ہم انکے ساتھ دانشمندانہ تدبیر کریں تا نہ ہوئے کہ جب وے اور زیادہ ہوں اور جنگ پڑے تو ہمارے دشمنوں سے مل جائیں اور ہم سے لڑیں اور ہم کو نکال دیں[3]۔''

---

[1] تورات تکوین باب ۴۶-۳۲ نیز باب ۴۷-۳　[2] ایضاً، باب ۴۶-۳۴　[3] سفر خروج باب اوّل ۷-۸-۹-۱۰-۱۱۔

ان الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ مصر میں بنی اسرائیل کا معاملہ بالکل سیاسی تھا، قرآن مجید سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، فرعون حضرت موسیٰؑ اور ہارونؑ کی نسبت کہتا ہے:

اِنَّ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ يُرِيْدٰنِ اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ (سورہ طٰہٰ ۲۰:۶۳) — یقیناً یہ دونوں جادوگر ہیں جو چاہتے ہیں کہ تم کو تمہارے ملک سے نکال دیں۔

توراۃ کے اس فقرہ کا کہ ''تب مصر میں ایک نیا بادشاہ ہوا جو یوسف کو نہ جانتا تھا، ہم یہ مطلب سمجھتے ہیں کہ'' تب ایک نئی بادشاہی قائم ہوئی جو بنی اسرائیل سے جو سابق سامی حکومت کی ایک شاخ تھی، نفرت رکھتی تھی۔

ہمارے خیال کی مزید تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ تاریخ نے عرب سامیہ کی حکومت مصر کی جو مدت قرار دی ہے، یہ تقریباً وہی ہے جو ابراہیمؑ سے لے کر (جو ابتدائے حکومت کا زمانہ ہم فرض کرتے ہیں) حضرت موسیٰؑ سے کچھ پہلے تک (جو اختتام کا زمانہ ہے) تورات نے قرار دی ہے، یعنی تقریباً ۵۲۵ ربرس کیوں کہ بنی اسرائیل کی سکونت مصر کا زمانہ، جو حضرت یوسفؑ سے حضرت موسیٰؑ تک ممتد ہے، توراۃ نے ۴۳۰ ر بتایا ہے[1]، اس پر حضرت ابراہیمؑ سے حضرت یوسف تک کا زمانہ اور اضافہ کرو، یہ چار پشتیں ہیں جن کے لئے ۱۰۰ ربرس فرض کیا جاسکتا ہے، مجموعہ ۵۳۰ ہوتا ہے اور مانیثو نے اس کو حکومت کا زمانہ ۵۱۱ بتایا ہے، چند سال جو تورات میں فاضل ہیں، یہ وہ ہیں کہ دوسری وطنی حکومت مصر میں قائم ہوئی، جس کے چند سالہ مظالم سہہ کر بنی اسرائیل مصر سے نکلے۔

بنی اسرائیل اور عرب سامیہ کے باہمی تعلق مصر کا نہ صرف تورات کے ان فقروں سے ثبوت ملتا ہے بلکہ مصر اور عرب دونوں کی تاریخوں سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، یعقوبی کی عبارت ہم نے پہلے بھی نقل کی ہے اور پھر نقل کرتے ہیں:

ثم ملك بعده ملك آخر من العمالقة — اس کے بعد عمالقہ میں سے ایک اور بادشاہ ہوا

[1] خروج ۱۲-۴۰۔

يقال له الريان بن الوليد وهو	جس کا نام ریان بن ولید تھا، وہ حضرت یوسفؑ
فرعون يوسف ...ثم ملك فرعون	کا فرعون ہے، پھر حضرت موسیٰ کا فرعون بادشاہ
موسىٰ وهو الوليد بن المصعب[1]	ہوا جس کا نام ولید بن مصعب ہے۔

لیکن ایک بڑی غلطی ان روایات میں یہ ہے کہ فرعون موسیٰؑ کو بھی عمالیق میں شمار کیا گیا ہے، حالاں کہ حضرت موسیٰ سے پہلے ہی ان کا اخراج ہو چکا تھا۔

ادھر تو یہ خلط مبحث ہے، ادھر مانیتھو کے ہاں تاریخ مصر میں دوسرا خلط مبحث ہے، وہ عربوں کو اور بنی اسرائیل کو گویا ایک ہی سمجھتا ہے اور ظاہر ہے کہ باہر کا آدمی ایک قبیلہ کے باہمی خاندانوں کے فصل و وصل کو کیا جانتا ہے؟ ہندوستان میں تمام یورپین انگریز ہیں، یورپ میں ترک ہر مسلمان کا نام ہے، اسپین میں عرب اور مسلمان ایک تھے، مانیتھو کہتا ہے:

> ''مصر کے بادشاہ..... نے ان چرواہوں کو مفتوح کر لیا اور در حقیقت ان کو مصر کے اطراف سے نکال دیا، لیکن وہ ادارس نام ایک زمین میں نظر بند کر دئے گئے جس کی وسعت دس ہزار ایکڑ تھی.... پھر اس شرط پر کہ وہ مصر چھوڑ دیں گے، رہا کر دئے گئے.... اور انھوں نے اپنا راستہ صحرا کی طرف شام کا لیا اور چونکہ وہ اسیریا سے ڈرتے تھے اس لئے اس ملک میں جس کو یہودیہ کہتے ہیں.... ایک شہر بنا لیا، جس کو یروشلیم کہتے ہیں[2]۔''

مانیتھو نے یہاں متعدد غلطیاں کی ہیں، اولاً دو واقعوں کو باہم ملایا، عرب سامیہ کی جلا وطنی اور بنی اسرائیل کی قید، دونوں کو ایک ہی خاندان سے متعلق سمجھا، ثانیاً یہ کہ بنی اسرائیل عمالیق سے خوف زدہ تھے، نہ کہ اسیریا سے، سوم یہ کہ بنی اسرائیل نے دریا کا راستہ اختیار کیا تھا، نہ کہ صحرا کا۔

تورات کے بیانات سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ امم سامیہ میں سے عربوں کے تعلقات مصر کے ساتھ سب سے زیادہ تھے، اسماعیلی عربوں کی ماں ''ہاجرہ'' مصر کی تھیں[3]، خود

---

[1] تاریخ یعقوبی، جلد ۱، صفحہ ۲۱۱، لیڈن [2] Against Book Sect 14 [3] تکوین ۱۶-۱۳۔

حضرت اسماعیلؑ کی ماں کے سوا بیوی بھی مصریہ تھیں[۱]، عربوں کے قافلے برابر مصر کو آتے جاتے تھے[۲]، خود حضرت یوسفؑ کو دربار مصر تک جس نے پہنچایا[۳]، وہ عرب ہی تھے، حضرت یوسفؑ کے عہد میں جب مصر اور اس کے آس پاس کے ملکوں میں قحط پڑا، تو یمن سے جو عام روایت کے رو سے عاد و عمالیق کا وطن تھا، یہاں کی شاہزادی نے مصر سے غلہ طلب کیا تھا، یہ واقعہ اس کتبہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ جس کو مسلمان علمائے آثار نے ابتدائی صدی میں یمن میں پایا تھا[۴]۔

اس کتبہ سے نہ صرف توراۃ کے اس فقرہ کی تائید ہوتی ہے کہ ''تمام زمین میں قحط پڑا، بلکہ ان عربوں میں جو یمن میں تھے اور ان سامی عربوں میں جو اس وقت چرواہے بادشاہوں کے نام سے مصر میں تھے، باہم تعلقات کا اظہار ہوتا ہے۔

تحقیقات جدیدہ مانیتھو نے جو کچھ لکھا ہے ایجپٹیا لوجسٹ (عالم مصریات یعنی آثار مصریہ کے ماہرین) اس پر کچھ اضافہ نہیں کرتے، وہ صرف اس کی شرح کرتے ہیں، آثار سے ثابت کرتے ہیں کہ ہیک سوس سامی عرب تھے، بعض اس سے بھی آگے بڑھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خود مصری اصلاً شاید سامی عرب ہیں[۵]۔

''ہائیک سوس'' کے عرب ہونے کی نسبت سب سے پہلی شہادت ایک مستند جرمن مورخ ہیرن کی پیش کرتے ہیں، مورخ موصوف لکھتا ہے:

> ''اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ مختلف جہات سے مصر میں یہ قبائل حملہ آور تھے لیکن وہ جو مشرق سے آئے تھے یعنی عرب سب سے زیادہ زبردست تھے، یہ مصر زیریں تک دوڑ پڑے[۶]۔''

آگے چل کر لکھتا ہے:

---

۱ تکوین ۲۱-۲۱ ۲ تکوین ۳۷-۲۶ ۳ تکوین ۳۷-۲۹ ۴ ابن ہشام، اس کتبہ کی اصل عبارت کو ہمدانی نے اکلیل میں نقل کیا ہے، حمیری عبارت کا عربی ترجمہ مقدمہ میں گزر چکا ہے۔

۵ تاریخ قدیم مصر، مصنفہ جی، رالنسن ج۱ ص ۹۸ ۶ ج ۲، ص ۱۱۳۔

''ان کی لمبی ڈاڑھی، لمبے کپڑے ہر چیز ان کے عرب ہونے کو ظاہر کرتی ہے[1]۔''

جارج رالنسن (G.Rawlinson) جو اوکسفورڈ یونیورسٹی میں تاریخ قدیم کا پروفیسر تھا اور مصر کی تاریخ قدیم کا مصنف ہے، لکھتا ہے:

''مصر جو پانچ سلطنتوں میں بٹ گیا تھا اس کے ضعف نے شمالی مشرق سے باہر کے حملہ آوروں کو طمع دلایا ۲۰۸۰ ق م میں یا اس کے کسی قدر بعد ایک طاقت ور دشمن شمال مشرق سے مصر زیریں میں داخل ہوگیا، یومقط کی حکومت کے برباد کرنے اور ملک کے حصہ زیریں واقع طول البلد ۳۰۳۹ پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہوگیا، یہ حملہ آور ہائیک سوس یا چرواہے بادشاہ تھے جو شام یا عرب کے صحرانورد اور بدوی لوگ تھے[2]۔''

یہی مصنف دوسری جگہ لکھتا ہے:

''مصریوں کے دوسرے دشمن اس جانب میں شاشوش تھے، جو شاید ہیک سوس ہیں اور بظاہر عرب معلوم ہوتے ہیں[3]۔''

ایک جرمن فاضل بروکش ہنرخ (Brugsch Heinrich) نے مصر کی تاریخ صرف کتبات و آثار کی بنا پر لکھی ہے، اس کی کتاب کا ترجمہ انگریزی میں ہوگیا ہے، تاریخ مذکور میں فاضل موصوف کی تحقیقات کا خلاصہ یہ ہے کہ ہائیک سوس یقیناً سامی تھے، مصر کی زبان میں قدیم ''ہائیک بادشاہ اور سوس، چوبان اور اہل بادیہ کو کہتے ہیں[4]، اہل عرب کی اس روایت کو بھی اس نے تائیداً نقل کیا ہے کہ شداد بن عاد نے مصر پر حملہ کیا تھا[5]۔''

برٹش میوزیم لندن میں جو مجموعات مصریہ (Egyptian Collections) ہیں، ۱۹۰۹ء میں ایک ان کا دلیل نامہ (Guide) لکھا گیا ہے، جو معلومات تازہ کا خلاصہ ہے ہائیک سوس کے متعلق اس میں حسب ذیل تحقیق ہے[6]:

---

[1] تاریخ مصر قدیم مصنفہ جی، رالنسن، ج ۲، ص ۱۱۸ [2] ج ۱، ص ۶۶ [3] ج ۱، ص ۱۱۱ [4] ج ۱، ص ۲۴۷-۲۷۴ [5] ایضاً، ج ۱، ص ۲۶۶ [6] ایضاً، ج ۱، ص ۲۳۴۔

''تیرہویں خاندان حکومت کے زوال کے بعد نسبتاً فوراً ہی مصر زیریں (ڈلٹا) اور شمالی اطراف مصر پر متحدہ سامی بدوی قبائل نے آہستہ آہستہ قبضہ کرلیا، جن کے سرداروں کا نام بہ روایت یوسیفوس (التوفی ۱۰۰ء) ''ہائیک سوس'' یا چرواہے بادشاہ تھا لفظ ''ہائیک سوس'' دو مصری لفظوں سے ماخوذ ہے ''ہیکو'' اور ''شاشو'' یعنی ''شیخ'' یا حاکم قبائل بادیہ صحرائے مشرق وشام وغیرہ۔''

W.Cooktoy ایک انگریز مورخ جو ایک چھوٹی سی لیکن مستند تاریخ کے مصنف ہیں، فاتح عربوں کی شجاعانہ قوت سے برہم ہوکر لکھتے ہیں:[1]

''زمین عرب، جہاں کے بادیہ نشین قبائل جو تاریخ کے قدیم ترین عہد سے گلہ بان اور غارت گر ہیں اور اب تک ہمارے زمانہ تک بھی وہ ایسے ہی ہیں، ان مصر میں داخل ہونے والی قوموں کی ماں تھی، جنھوں نے نہایت سختی سے قدیم مصریوں کو ستایا... ان کا نام ''ہائیک سوس'' تھا، یا چرواہے بادشاہ۔''

اس عصر جدید میں مسلمان مورخین میں عمالقہ یا ''عرب سامیہ'' اور ''ہائیک سوس'' کے ایک ہونے کا خیال سب سے پہلے ایک مصری مسلمان عالم، علامہ رفاعہ بک طہاوی کو پیدا ہوا، جن کی ذات مصر کے دور انقلاب علمی کا پہلا نتیجہ اور معلومات مغربی ومشرقی کے پیوند کا پہلا ثمر تھا، ان کی تاریخ مصر بنام ''انوار توفیق الجلیل'' ۱۲۸۵ھ میں آج سے تقریباً پچاس برس پہلے شائع ہوئی ہے، اس میں اس موقع کی عبارت یہ ہے:

ودولتهم تسمى دولة الهقصوص	ان کی سلطنت کا نام ہیک سوس کی سلطنت ہے،
واشتهر وابالتواريخ باسم الملوك	یہ بادشاہ چرواہے بادشاہوں کے نام سے مشہور
الرعلة وفى كتب التواريخ	ہیں، اسلامی تاریخوں میں ان کا نام عمالقہ ہے۔
الاسلامية يقال لهم العمالقة[2]	

---

[1] تاریخ مصر قدیم مصنفہ جی. رالنسن، ج ا ص ۲ [2] انوار توفیق الجلیل فی اخبار مصر، ج ا ص ۵۸، مصر، ۱۲۵۸ھ۔

جمہور کی اس آواز متفق میں کہ ''ہائیک سوس'' سامی عرب تھے کبھی کبھی ایک دھیمی آواز بھی سنائی دیتی ہے کہ وہ تورانی یا منگولین تھے، آج سے ۸۰؍ برس پیشتر مسٹر روسی لن (Roselin) نے یہ خیال ظاہر کیا تھا، اس مدعی کے پاس اس دعوی کی صرف یہ دلیل ہے کہ سوائس (Scios) جو ''ہیک سوس'' کا جز ہے اور ایک تورانی قوم کے یونانی نام سیتینس (Scythens) میں بعض حروف کی تمسخر انگیز لفظی مناسبت ہے، جرمن عالم ہیرن نے اس کی تردید میں کہا ہے:

''ہائیک سوس جو مصر کے ایک بڑے حصہ پر مصر کے ۱۶؍اور ۱۷؍خاندان حکومت میں قابض ہو گئے تھے، مسٹر روسی لن کا اور میرا اس پر اتفاق ہے کہ وہ بادیہ نشین تھے، کیوں کہ آثار میں جو ان کی تصویر دکھائی گئی ہے وہ گلوں اور چوپایوں کے جھنڈ کے ساتھ ہے اس سے سب نے یہ طبعی طور پر سمجھا ہے کہ وہ حدود مصر کے بدوی قبائل تھے۔

میں یقین کرتا ہوں کہ ان میں عرب قوم کو میں اپنے مخصوص خصوصیات میں داڑھی، لمبے کپڑے اور کھلے رنگ میں پاتا ہوں اور جو ایک ایسی رائے ہے جس کی قوت کے ساتھ شہادت (خود ناقل روایت) یوسیفوس نے دی ہے، مسٹر روسی لن ان کو سیتینس فرض کرتے ہیں، سیتینس سے مقصود شاید ایشیائے وسطی کے تورانی بدوی قبائل ہیں، لیکن ان کے ذکر کردہ بیان سے...... علاوہ ازیں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو یہ دکھا سکے کہ ان قبائل نے اس قدر بعید زمانہ میں کوئی مہم بہ غرض فتح اس قدر بعید فاصلہ کے لئے اختیار کی ہو۔

مسٹر روسی لن کی دلیل صرف لفظی تشریح پر مبنی ہے جس کی بنا پر ان کو نظر آتا ہے کہ مصری نام سائس (Scios) سیتینس (Scythens) ہے، جس کے معنی برباد کنندہ کے ہیں، میں اس مسئلہ کے اندر پڑنے کی جرأت نہیں کر سکتا لیکن میں اپنے اعتراف و بیان میں بھی ترمیم نہیں کر سکتا[1]۔

---

[1] جلد ۲ ص ۴۵۰۔

پچاس ساٹھ برس کے عرصہ میں اس دھیمی آواز میں اور بھی ضعف آ گیا ہے، آج سے دس بارہ برس پہلے ایک کتاب لکھی گئی، جس میں یہ تسلیم ہے کہ تنہا تورانی نہ تھے بلکہ سامی عرب بھی اس میں شریک تھے۔

''اس میں معتد بہ حد تک شک ہے کہ ہائیک سوس کس قومیت سے تعلق رکھتے تھے، وہ بعض صرف کنعانی، عرب اور دوسرے سامی قبائل سمجھے گئے ہیں، لیکن حیتی (ایک تورانی قبیلہ) بھی ان کے ساتھ شریک معلوم ہوتے ہیں اور ان کے لیڈر تورانی معلوم ہوتے ہیں، اس فیصلہ کی بنا پر کہ آخری سلاطین ہیک سوس کے جو دو مجسمے ابھی حال میں ملے ہیں وہ بالکل تورانی شکل کے ہیں[1]۔''

بعض اشخاص کی مشابہت شکل سے بغیر کسی تاریخی اور اثری دلیل کے قومیت کا فیصلہ عجیب ہے اور اسی لئے یہ آواز ہمیشہ بالکل غیر مسموع رہی ہے، تازہ ترین خیال جو برٹش میوزیم اجپشین گائڈ (دلیل نامہ آثار مصریہ اور انسائیکلوپیڈیا طبع یازدہم) مضمون (ایجپٹ) کو پڑھ کر متفقاً تسلیم شدہ نظر آتا ہے، یہی ہے کہ ہیک سوس ''متحدہ سامی'' تھے۔

اور حقیقت یہ ہے کہ ہیک سوس کے عرب ہونے پر اس قدر پیہم دلائل موجود ہیں جن کا استخفاف تحکم ہے، تم ان پر ایک بار اور مجموعاً نظر ڈال لو۔

۱-عربوں کا بیان کہ انھوں نے زمانہ قدیم میں مصر پر حکومت کی۔

۲-قدیم اہل مصر کا اعتراف کہ عرب یہاں حاکمانہ داخل ہوئے۔

۳-ہیک سوس کے بادشاہ اول کے نام کا عرب کے ذکر کردہ فاتح مصر سے مطابقت معنوی و لفظی۔

۴-سلاطین ہیک سوس کے نام کا عربی اللفظ یا سامی الماخذ ہونا۔

۵-آثار میں ان کے مجسمہ کا عربی شکل و لباس میں ہونا۔

---

[1] سموال لے انگ صفحہ ۱۷-۱۹۔

۶-عرب ومصر کے قدیم تعلقات۔

۷-ہیک سوس کے جو اوصاف بیان کیے گئے ہیں ان کا بعینہ عربوں میں موجود ہونا۔

۸-تورات کے قرائن و اشارات۔

۹-علمائے آثار کی تائید۔

۱۰-یوسیفوس وغیرہ کے قدیم بیانات کی بنا پر اکثر یورپین مورخین کا ان کے عرب ہونے کی تصدیق کرنا۔

۱۱-ان تمام مباحث ومطارحات کے بعد سب سے آخری قطعی اور فیصلہ کن شہادت خود اس قوم کی نقل کرتے ہیں جس نے شاسو کو اپنے ملک سے نکالا کہ وہ خود شاسو کو کیا سمجھتے تھے؟ مصر کا قدیم بادشاہ رعمسیس سویم اپنے ایک کتبہ میں اپنی ایک فتح کی نسبت لکھتا ہے:

''میں نے ساعیر کو جو ''شاسو کے قبائل میں ہیں برباد کر دیا۔''

ساعیر سے مقصود اہل ساعیر ہیں، جو شمالی عرب میں ایک کوہستانی مقام ہے اور جہاں ادومی عربوں نے ایک حکومت قائم کی تھی، تورات میں کوہ سعیر کا نہایت کثرت سے ذکر ہے۔

عرب سامیہ

اسیریا، ایران، فینقیہ، قرطاجنہ، کریٹ اور یونان میں۔

عرب سامیہ اولیٰ کا ان ممالک میں گذر یا یہاں کسی حکومت کی تاسیس ایک تعجب انگیز واقعہ ہے لیکن غیر معقول نہیں، ۱۲۰۰ ق م میں بابل کی جگہ اسی ملک میں اسیریا کی حکومت قائم ہوئی، ایران اس وقت تک کوئی مستقل ملک نہ تھا، اسیریا اور بابل کا ایک جز تھا، فینقی (فینشین) شام و فلسطین کے سواحل بحرابیض پر آباد تھے، تورات میں ان کو آرامی کہا گیا ہے، یہ دنیا کی سب سے پہلی تاجر اور ایشیا سے یورپ کا سفر کرنے والی قوم سمجھی جاتی ہے اور یہی قوم ہے جس نے قدیم یورپ میں تہذیب کی روشنی پیدا کی، اس نے ایک طرف افریقہ کی زمین شور میں کارتھیج تمدن کی تخم ریزی کی اور دوسری طرف یورپ کے برفستان (یونان) میں تہذیب و تمدن کی آگ روشن کی۔

ان مباحث کی نسبت تفصیلاً بحث و اثبات تو طول کلام ہے، چند مستند کتابوں کے حوالہ سے ضروری نتائج پر ہم اکتفا کرتے ہیں۔

اسیریا: اسیریا کے متعلق سب سے آخری بحث میں ثابت ہو چکا ہے کہ وہ سامی قوم تھی[1] اور یہ معلوم ہے کہ وہ خلیج فارس کے سواحل عرب سے ٹھیک اسی راستہ سے بابل آئی تھی[2]، جس راستہ سے اس سے پہلے عاد یا امم سامیہ اولیٰ کا ادھر گذر رہا تھا، اس بنا پر حقیقت میں اسیرین نسلاً عرب تھے اور اسیریا کی اثری تاریخوں میں اس کے دلائل ہر جگہ ملیں گے۔

---

[1] سائنٹیفک ریویو، امریکہ، جلد ۶، ۱۹۱۴ء [2] راجرس امریکانی کی تاریخ بابل، جلد ۲، تذکرۂ اسیریا۔

ایران: ایران کی قدیم روایات میں مذکور ہے کہ جمشید کے بعد ضحاک نامی ایک عرب نے (خاندان ضحاک سمجھنا چاہیے) ہزار برس تک ایران پر حکومت کی[1]۔

ہمارے مورخین کہتے ہیں کہ ضحاک یمن کے ایک بادشاہ کا نام تھا[2] لیکن تاریخی اور اثری طور پر اس زمانہ قدیم میں یمن کا براہ راست ایران پر حملہ اور حکومت معلوم نہیں، اس کی صحیح توجیہ یہ ہے کہ یمن سے سواحل خلیج عرب سے ہوکر اسیریا میں جو عرب خاندان حکمراں تھا، وہ ایران پر حملہ آور ہوا اور ایک مدت تک اس پر حکومت کی، ایران کا بابل و اسیریا کی محکومی میں میڈیا کے عروج (۶۰۰/ق م) تک رہنا اب ایک مسلم واقعہ سمجھا جاتا ہے۔

اسیریا کا دور وجود ۱۸۰۰/ق م اور زمانہ عروج ۱۲۰۰/ق م سے ۶۰۰/ق م تک ہے۔

فینیقہ: فینیقی سواحل بحر ابیض پر آباد تھے، تائر ان کے دارالحکومت کا نام تھا اور ایشیا سے لے کر یورپ تک تجارت قدیم کے مالک تھے، عبرانی نام ان کا آرامی ہے، عاد ارم کے ذکر میں معلوم ہو چکا ہے کہ بنوارم کا مسکن عرب تھا، یہ تو اہل عرب کا دعویٰ ہے لیکن خود ان آرامیوں کا بیان ہے کہ وہ اس مقام پر بحرین کے پاس سے آئے ہیں جو عرب کا ایک ساحلی قطعہ ہے اور جس کا پہلا نام تائر تھا، آثار کے رو سے بھی یہ تصدیق ہوتی ہے کہ ان کی زبان، مذہب اور رسوم تمام تر سامی ہیں[3]، اس بنا پر اہل فینشیا کے تمام تر کارنامے اہل عرب کی طرف راجع ہوتے ہیں[4]۔

قرطاجنہ: جہاں اب تونس آباد ہے، ان ہی فینشین یا آرامی عربوں کی آبادی تھی جس کو عام طور سے اب کارتھیج کہتے ہیں، ان آرامی عربوں نے یہاں ایک عظیم الشان حکومت کی بنیاد ڈالی جس سے رومۃ الکبریٰ کی حکومت بھی لرز گئی، ہینبال وغیرہ اسی خاک کے فرزند تھے، رومیوں سے متعدد معرکے ہوئے اور آخر ان ہی کے ہاتھ سے اسی سنہ میں برباد ہوگئے۔

---

[1] فردوسی، ذکر ضحاک تازی [2] تاریخ طبری، جلد ۱، صفحہ ۹۸، مصر [3] ایضاً ص ۹۸، مصر [4] ان بیانات کے لئے دیکھو سموال لے انگ، ص ۷۔

یونان وکریٹ: یورپ کا سب سے پہلا متمدن ملک یونان ہے اور یونان کا تمام تر تمدن و علوم و خط فینیشیا سے ماخوذ ہے اور یہیں سے اس کی ترقی کا باب شروع ہوتا ہے، اس واقعہ سے اس مسئلہ پر روشنی پڑ سکتی ہے کہ عربی اور یونانی میں کیوں لوازم اور اشیائے تجارت کے بہت سے نام مشترک ہیں۔

لیکن اس سے بھی زیادہ دلچسپ یہ مسئلہ ہے کہ عربوں کی براہ راست آبادی یورپ کے شہر یونان وکریٹ میں تھی، پلینی ایک یونانی جغرافیہ نویس اہل معین واقع یمن کے ذکر میں لکھتا ہے کہ ''معین کے لوگ اپنے کو مینوس شاہ کے خاندان سے بتاتے ہیں''۔ ایک دوسرا یونانی مصنف اسٹرابو جزیرہ یوبیا (مملکت یونانی کا ایک جزیرہ) کے قدیم باشندوں کی نسبت لکھتا ہے کہ یہاں پہلی آبادی ایک ''عرب'' نوآبادی تھی جو قیدموس کے ساتھ یونان میں تھی[۱]۔

ہم ان فقروں کا ماحصل اتنا سمجھتے ہیں کہ عرب تاجر قدیم زمانہ میں یونان تک پہنچ چکے تھے اور وہاں اپنی کوئی تجارتی نوآبادی بھی قائم کر لی تھی۔

---

۱ پلینی اور اسٹرابو کے لئے دیکھو فارسٹر، جلد ۲، صفحہ ۱۷-۷۵۔

عاد اور قرآن

گذشتہ صفحات پڑھ لینے کے بعد معلوم ہوا ہوگا کہ عاد کوئی محدود اور مختصر قبیلہ نہ تھا، بلکہ وہ ایک عظیم الشان قوم تھی، جو دنیا کی قدیم ترین تہذیب کی بانی تھی، ایشیا اور افریقہ کا کثیر حصہ اس کے زور و قوت کا تماشا گاہ تھا، بڑی بڑی عظیم الشان عمارتیں اس کے دست صنعت کا نتیجہ تھیں، اس بنا پر عرب کے لئے اس قوم سے زیادہ عبرت و بصیرت کا کوئی دوسرا نمونہ نہ تھا، اسی لئے قرآن مجید نے عرب کی اس عظیم الشان قوم کی داستان بار بار دہرائی ہے۔

اب تک تاریخ قدیم اور تحقیقات جدیدہ کے رو سے اس قوم کے حالات کا جو مرقع پیش کیا گیا ہے، اب آؤ دیکھیں کہ قرآن کی تصویر کیا اس سے الگ ہے:

۱۔ معلوم ہو چکا کہ عاد ارم بن سام کی نسل سے تھے، قرآن بھی یہی کہتا ہے:

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ الَّتِي لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ (الفجر ۸۹: ۶-۸)	تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے خدا نے اس عاد ارم کے ساتھ کیا کیا، جو بڑی بڑی عمارتوں کے بانی تھے جن کی نظیر دنیا میں نہیں پیدا کی گئی۔

بعض داستان گو مفسرین نے ''ارم'' سے ایک عجیب الخلقت باغ مراد لیا ہے جس میں سونے چاندی کی اینٹیں تھیں اور لعل و گوہر کی پچہ کاری تھی، عاد کے بادشاہ شداد نے اس کو بہشت کے مقابلہ میں بنوایا تھا لیکن یہ دانشمند یہ نہ سمجھے کہ اس حالت میں عاد اور ارم میں باہمی نحوی تعلق کیا ہوگا؟ مشہور قراۃ میں یہ بدل مبدل منہ ہیں، شاید مضاف و مضاف الیہ کی ترکیب قرار دیتے ہوں لیکن اس حالت میں قراۃ شاذہ کے لزوم کے علاوہ قافیہ جس کا نظم

قرآن مقتضی ہے باطل ہوتا ہے، ابن خلدون نے اس موضوع پر ایک محقق بحث مقدمہ میں لکھی ہے، اس موقع پر وہ قابل مطالعہ ہے:

۲- ہم نے دعویٰ کیا ہے کہ عاد امم سامیہ کے ہم معنی یا تقریباً ہم معنی ہیں، نیز یہ کہ وہ ایک عظیم الشان حکمراں قوم تھی، قرآن پاک باعلان عام اس کی تصدیق کرتا ہے:

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ (الاعراف ۷:۶۹)	عاد کے لوگ یاد کرو خدا کے اس احسان کو کہ اس نے قوم نوح کی تباہی کے بعد تم کو خلافت (حکومت) عطا کی۔

قوم نوح کے بعد عرب اور اطراف عرب میں معلوم ہے کہ نوح کے بیٹے سام ہی کی نسل (امم سامیہ) نے ترقی کی تھی۔

۳- عاد کی عظمت وجلالت اور تفوق سیاسی کے مفصل بیانات گذر چکے ہیں، ان کو دعویٰ تھا کہ مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً (حم السجدہ ۴۱:۱۵) ''ہم سے بڑا روئے زمین پر آج کون ہے؟'' ان کے پیغمبر نے کہا وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّىْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ (ہود ۱۱:۵۷) ''عجب نہیں کہ خدا اپنی خلافت تم سے لے کر کسی دوسری قوم کو عطا کر دے''۔

۴- عاد بڑی عمارتوں کے بانی تھے، قرآن مجید نے اس واقعہ کو متعدد مقامات پر دہرایا ہے اور اسی لئے وہ اس قوم کو ''ذَاتِ الْعِمَادِ'' (ستونوں والے) کا خطاب دیتا ہے:

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ الَّتِىْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِى الْبِلَادِ (الفجر ۸۹:۶-۸)	تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے پروردگار نے اس عاد ارم کے ساتھ کیا کیا، جو بڑی بڑی عمارتوں والا تھا، جس کی نظیر دنیا میں نہیں پیدا کی گئی۔

دوسری جگہ حضرت ہودؑ کی زبانی ارشاد ہے:

اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ اٰيَةً تَعْبَثُوْنَ وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ (الشعراء ۲۶:۱۲۸-۱۲۹)	اے عاد والو! تم ہر بلند مقام پر بے فائدہ یادگار اور کاری گری کے مکان بناتے ہو، شاید تم دنیا میں ہمیشہ رہو گے۔

ان ہی عمارات باقیہ کی طرف خطاب کر کے قرآن کہتا ہے:

وَعَادًا وَّثَمُوْدَاۡ وَقَدْ تَّبَيَّنَ لَكُمْ مِّنْ مَّسٰكِنِهِمْ (العنکبوت ۲۹:۳۸)	اور عاد وثمود کو ہلاک کیا اوران کے گھروں کے کچھ حصے تمہارے سامنے ہیں۔

دوسری جگہ کہتا ہے:

فَاَصْبَحُوْا لَا يُرٰٓى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ (الاحقاف ۴۶:۲۵)	عاد کا یہ حال ہوا کہ ان کے مکانوں کے سوا اب کچھ نظر نہیں آتا۔

عاد کا مقام عام روایات میں یمن بتایا گیا ہے، امم سامیہ کے مسکن کے بیان میں کسی خاص مقام کی تعیین نہیں کی گئی ہے، صرف جزیرہ نمائے عرب تک محدود کیا گیا ہے لیکن قرآن نے ایک موقع پر کہا ہے:

وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ ؕ اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ (الاحقاف ۴۶:۲۱)	برادر عاد کو یاد کرو جب احقاف میں اس نے اپنی قوم کو ڈرایا۔

''احقاف'' صحرائے ریگستان کو کہتے ہیں، یہ صحرا جنوبی اور شمالی عرب میں دونوں طرف واقع ہے اس بنا پر پیغمبر عاد کے مقام بعثت کو جنوبی صحرا (یمن) کے ساتھ تخصیص کا کوئی سبب نہیں ہے۔

قوموں کی ملکی محرومی اور سیاسی بدبختی خود اس بات کا ثبوت ہے کہ ان کے اخلاق وصفات عالیہ کا پایہ کس حد تک پست ہوگیا ہے، عاد کے سیاسی تفوق وامتیاز کا دیگر ممالک میں گر جانا اس کی دلیل ہے کہ وہ اس حد تک گر چکے تھے کہ جہاں پہنچ کر خدا کا غضب قوموں پر بھڑکتا ہے اوران کو نیست ونابود کر دیتا ہے، بابل، اسیریا، فینشیا، قرطاجنہ، یونان، رومان، فارس قدیم سب اسی کلیہ کے جزئیات ہیں: (سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا) (الاحزاب ۳۳:۶۲) خدا کا قانون گزشتہ قوموں میں بھی یہی تھا اور خدا کے قانون میں تبدیلی نہ پاؤ گے۔

ایسے موقع پر خدا کا یہ قانون بھی ہے کہ قوم میں وہ کسی روحانی مصلح اعظم یعنی خود پیغمبر یا نائب پیغمبر (علماء و مصلحین) کو پیدا کرتا ہے، جو قوم کو عبرت دلاتا ہے، اس کے عیوب و مفاسد کی اصلاح کرنا چاہتا ہے، اس کو صلاح و ہدیٰ کی دعوت دیتا ہے، (وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا) (بنی اسرائیل ۱۵:۱۷) اور ہم کسی قوم کو اس وقت تک مبتلائے عذاب نہیں کرتے ہیں جب تک اس میں پیغمبر نہ بھیج لیں۔

لیکن تمام قوموں کی پچھلی تاریخ شاہد ہے کہ کبھی بدبختی کی انتہا یہ ہوتی ہے کہ ایک جماعت قلیل کے سوا، عموماً اس کی آواز ہر طبقہ میں غیر مسموع ہوتی ہے اور جو سنتے ہیں وہ سمجھتے نہیں اور جو سمجھتے ہیں وہ عامل نہیں اور نتائج صرف عمل پر موقوف ہیں، اس وقت خدا کا غضب تلوار میں چمک کر، آسمان سے گرج کر، یا زمین سے پھٹ کر ظاہر ہوتا ہے اور دوسری قوم کے لئے پہلی قوم کی جگہ صاف کر دیتا ہے۔

بعثت ہودؑ: اب وہ وقت آ گیا کہ اس عظیم الشان اور عظیم الجبروت قوم کو جس نے اپنے زور قوت سے دنیا کو ہلا دیا تھا، آخری دعوت دی جائے، آخر ان ہی میں ہودؑ مبعوث ہوئے جنہوں نے ان کو خدا کی آواز سنائی، پیغمبر نے کہا:

وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ط قَالَ يٰقَوْمِ	اے میری قوم! خدا کو پوج، اس کے سوا تیرے
اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ط اَفَلَا	لئے کوئی دوسرا خدا نہیں، کیا ڈرتی نہیں اس کی قوم
تَتَّقُوْنَ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ	کا وہ بلند طبقہ جو کافر تھا، بولا اے ہودؑ ہم تم کو
قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰكَ فِيْ سَفَاهَةٍ وَّاِنَّا	حماقت میں مبتلا پاتے ہیں اور تم کو جھوٹ بولنے
لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ	والوں میں پاتے ہیں، ہودؑ نے کہا اے میری
سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ	قوم! مجھ میں حماقت نہیں، ہاں میں پروردگار عالم
اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ	کی طرف سے رسول ہوں، اپنے پروردگار کے
اَمِيْنٌ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ	پیغام تم کو پہنچاتا ہوں اور میں درحقیقت تمہارا

رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ
وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ
نُوْحٍ وَّ زَادَكُمْ فِى الْخَلْقِ بَصْۜطَةً ۚ
فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ
(الاعراف ۷:۶۵-۶۹)

خالص خیر خواہ ہوں کیا تم کو تعجب ہوا کہ تمہارے پروردگار کی طرف سے نصیحت تم میں سے ایک شخص پر اتری، تاکہ تم کو متنبہ کرے، یاد کرو خدا کے اس احسان کو کہ اس نے تم کو قوم نوح کے بعد خلافت (حکومت دی) اور تم کو خلق میں وسعت عطا کی، خدا کی نعمتوں کو یاد کرو کہ فلاح پاؤ۔

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَنَذَرَ
مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ
اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ قَالَ قَدْ وَقَعَ
عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّغَضَبٌ ط
اَتُجَادِلُوْنَنِيْ فِيْٓ اَسْمَآءٍ سَمَّيْتُمُوْهَآ
اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ط
فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ
(الاعراف ۷:۷۰-۷۱)

کافروں نے جواب دیا، ”کیا تو اس لئے ہمارے پاس آیا ہے کہ ہم ایک خدا کو پوجیں اور جن کو ہمارے بزرگ پوجتے تھے، ان کو چھوڑ دیں جس عذاب کا تم دعویٰ کرتے ہو، اگر تم سچے ہو تو لے آؤ۔“ پیغمبر نے کہا، ”تمہارے پروردگار کا عذاب وغصہ تم پر آ گیا، کیا تم مجھ سے ان چند ناموں میں جھگڑتے ہو، جن کو تم نے اور تمہارے بزرگوں نے رکھ لیا ہے، خدا نے اس کے لئے کوئی دلیل نہیں اتاری، عذاب کا انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں“۔

فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِى الْاَرْضِ
بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ط
اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَهُمْ هُوَ
اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً ط وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا
يَجْحَدُوْنَ (حم السجدہ ۴۱:۱۵)

لیکن عاد نے بلا استحقاق، زمین میں غرور کیا اور کہا کون مجھ سے طاقت میں بڑا ہے، کیا وہ یہ بھی نہ سمجھے کہ جس خدا نے ان کو بنایا وہ طاقت میں ان سے زیادہ بڑا ہے اور وہ ہماری نشانیوں کے منکر تھے۔

وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ ط اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ
بِالْاَحْقَافِ وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْ بَيْنِ
يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖٓ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ط
اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ
قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَاْفِكَنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا ج
فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ
قَالَ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاُبَلِّغُكُمْ مَّآ
اُرْسِلْتُ بِهٖ وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا
تَجْهَلُوْنَ (الاحقاف ۴۶:۲۱-۲۳)

عاد کے بھائی (ہود) کو یاد کرو جب اس نے اپنی قوم کو صحرائے ریگستان میں متنبہ کیا خدا کی عبرتناک دھمکیاں اس کے سامنے اور اس کے پیچھے تھیں، اس نے کہا اس ایک خدا کے سوا اور کسی کو نہ پوجو میں ڈرتا ہوں کہ تم پر کوئی بڑا عذاب نہ آئے انھوں نے کہا، اے ہود تو اس لئے ہمارے پاس آیا کہ ہم کو اپنے دیوتاؤں سے مرتد کردے، جس عذاب کا دعویٰ کرتے ہو، اگر سچے ہو تو لے آؤ، اس نے کہا کہ اس کا علم خدا کے پاس ہے کہ عذاب کب آئے گا جو پیغام لے کر میں بھیجا گیا ہوں وہ صرف تم کو پہنچاتا ہوں، لیکن میں تم کو نادان قوم خیال کرتا ہوں۔

وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا قَالَ يٰقَوْمِ
اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ اِنْ
اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ يٰقَوْمِ لَآ اَسْئَلُكُمْ
عَلَيْهِ اَجْرًا اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى الَّذِيْ
فَطَرَنِيْ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ وَيٰقَوْمِ
اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُرْسِلِ
السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى
قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ قَالُوْا
يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَّمَا نَحْنُ

عاد کی طرف ہم نے ان کے بھائی ہودؑ کو بھیجا اس نے کہا، میرے بھائیو! خدا کو پوجو، اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں، دوسرے خداؤں کا نام تمہارا صرف افترا ہے، بھائیو! اس وعظ و نصیحت کا کوئی معاوضہ میں تم سے نہیں چاہتا، میرا معاوضہ اس پر لازم ہے جس نے مجھ کو پیدا کیا تم نہیں سمجھتے ہو؟ بھائیو! خدا سے اپنے گناہوں کی معافی مانگو اس کی طرف رجوع کرو، تو وہ آسمان کو تم پر برستا ہوا بھیجے گا اور تمہارے زور و قوت میں ترقی دے گا،

بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ قَالَ اِنِّيْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْٓا اَنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ اِنِّيْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّيْ وَرَبِّكُمْ مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖٓ اِلَيْكُمْ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّيْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْنَهٗ شَيْئًا اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ (ہود ۱۱:۵۰-۵۷)

گنہگار بن کر منہ نہ پھیرو اس کے بھائیوں نے کہا ہوڈ! تم ہمارے پاس کوئی دلیل نہ لائے صرف تمہارے کہنے سے تو ہم اپنے خداؤں کو چھوڑنے والے نہیں ہیں اور نہ ہم تم پر ایمان لانے والے ہیں، ہم تو یہی کہتے ہیں کہ ہمارے بعض دیوتاؤں نے تم کو کچھ کر دیا ہے، ہود نے کہا، میں خدا کو گواہ ٹھہراتا ہوں اور تم بھی گواہ رہنا میں جس کو تم خدا کا شریک ٹھہراتے ہو، خدا کے سوا اس سے پاک ہوں، تم سب مل کر میرے بیئے سازش کرو پھر مجھے مہلت نہ دو میں نے خدا پر بھروسہ کیا ہے جو میرا اور تمہارا دونوں کا پروردگار ہے، کوئی چلنے والا نہیں جس کی پیشانی اس کے ہاتھ میں نہیں میرا پروردگار صحیح راستہ پر ہے، اگر تم انکار کرو تو میں پیغام لے کر بھیجا گیا تھا وہ تم کو پہنچا چکا، خدا تمہارے سوا کسی اور کو حکومت بخشے گا تم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے میرا پروردگار ہر چیز پر نگہبان ہے۔

كَذَّبَتْ عَادُ ِالْمُرْسَلِيْنَ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ هُوْدٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ

عاد نے پیغمبروں کو جھوٹا کہا، جب ان سے ان کے بھائی ہود نے کہا تم پرہیز گار بنو میں تمہارا پیغمبر امین ہوں پس خدا سے ڈرو، اور میری بات مانو میں اس کے لئے تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتا، میرا معاوضہ پرودگار عالم کو دینا ہے، کیا تم ہر

رِيْعٍ اٰيَةً تَعْبَثُوْنَ وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ وَاتَّقُوا الَّذِيْٓ اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ وَجَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ (الشعراء۲۶: ۱۲۳-۱۳۵)

بلند مقام پر بے فائدہ یادگار نشانی اور کاریگری کی عمارتیں بناتے ہو؟ شاید تم ہمیشہ رہو گے جب کسی کو پکڑتے تو جابر بن کر، خدا سے ڈرو اور میری بات مانو، اس خدا سے ڈرو جس نے تمہاری ان نعمتوں سے مدد کی جن کو تم خود اچھی طرح جانتے ہو، چوپائے اولادیں، باغ اور چشمے، مجھ کو ڈر ہے کہ تم پر کوئی بڑا عذاب نہ آئے۔

قَالُوْا سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِيْنَ اِنْ هٰذَآ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ فَكَذَّبُوْهُ فَاَهْلَكْنٰهُمْ ط اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ط وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ (الشعراء۲۶: ۱۳۶-۱۴۰)

انھوں نے جواب میں کہا خواہ تم وعظ و نصیحت کرو یا نہ کرو ہم ماننے والے نہیں، یہ اگلے زمانہ والوں کی عادت ہے اور نہ ہم پر عذاب آئے گا، ان لوگوں نے پیغمبر کو جھٹلایا تو ہم نے ان کو برباد کیا، اس واقعہ میں عبرت کی نشانی ہے، یہ لوگ اکثر ایمان دار نہ تھے۔

ان آیات پاک میں عاد کی تباہی کے تین اسباب بتائے گئے ہیں جو ہمیشہ ہر قوم کی تباہی کے باعث ہوئے ہیں۔

۱-غرور قوت عاد کو اپنی قوت بازو پر ناز تھا اور اسی طرح ہر قوم جو مجد و تفوق پر قابض ہوتی ہے، اپنی زندگی کے آخری دنوں میں بھی اپنی قوت پر مغرور رہتی ہے۔

متکبرین عاد نے کہا اے ہود! ہمیں کس سے ڈراتے ہو۔

مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً (حم السجدہ۴۱: ۱۵)

قوت و زور میں ہم سے کون بڑا ہے؟

حضرت ہودؑ نے کہا تمہاری قوت مسلم لیکن اگر صلاح و تقویٰ کی دعوت قبول کرو گے۔

يَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ (ہود۱۱: ۵۲)

تو خدا تمہاری قوت کو اور قوت بخشے گا۔

لیکن وہ نہ سمجھے:

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً (حم السجدہ ۱۵:۴۱)	کیا وہ نہ سمجھے کہ جس خدا نے ان کو پیدا کیا وہ ان سے بھی زیادہ قوی ہے۔

ان کو نہ صرف اپنی فوجی وسیاسی قوت پر ناز تھا بلکہ اپنے افراد کی تعداد اور اپنی مواشی کی کثرت اور اپنے باغوں کی بہتات پر بھی ناز تھا جو اس عہد کی سب سے بڑی دولت تھی۔

حضرت ہودؑ نے کہا کہ یہ شکر کی بات ہے نہ استکبار کی:

وَاتَّقُوا الَّذِیْٓ اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ وَجَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ (الشعراء ۲۶: ۱۳۲ تا ۱۳۴)	اور اس خدا کا خیال کرو جس نے تم کو وہ چیزیں عنایت کیں جن کو تم جانتے ہو، مواشی، اولاد، باغ اور چشمے۔
وَّزَادَكُمْ فِی الْخَلْقِ بَصْۜطَةً (الاعراف ۷: ۶۹)	اور تم کو خلق میں وسعت عطا کی۔

۲۔ ظلم وجور، قوم کی حاکمانہ زندگی کے لئے سب سے زیادہ زہر قاتل، ظلم اور جور وستم ہے اور اقوام کی تاریخ اس دعویٰ پر بہترین شاہد ہے، عاد اپنے ممالک مقبوضہ میں اکڑتے پھرتے تھے، بغیر کسی استحقاق کے قوموں کو چھیڑتے تھے، جیسا کہ ہر عہد کے عاد زمین کے ہر قطعہ پر اکڑتے پھرتے ہیں اور معصوم قوموں کو چھیڑ چھیڑ کر فنا کرتے رہے ہیں۔

فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِی الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً (حم السجدہ ۱۵:۴۱)	لیکن عاد نے زمین میں بلا استحقاق غرور کیا اور کہا کہ کون ہم سے زور وقوت میں بڑا ہے۔

عاد کی اس جباری وستمگری کا ثبوت مصر کی مفتوح اقوام کی زبان سے بھی ملتا ہے:

> ”خدا ہم سے ناراض تھا، ایک عجیب طریقہ سے اطراف مشرق سے شریر الخلقت لوگ چلے آئے، وہ اس قدر قوی تھے کہ ہمارے ملک میں گھس گئے اور بزور نہایت آسانی سے اس کو مسخر کرلیا...... جب انھوں نے ہمارے سرداروں کو گرفتار کرلیا..... ہمارے شہروں کو جلا

دیا، ہمارے دیوتاؤں کے مندر گرادئے اور تمام باشندوں کے ساتھ وحشیانہ طریقہ سے سلوک کیا اور نہ صرف یہ بلکہ بعض ہتھیاروں سے مار ڈالا اور ان کی بیوی بچوں کو غلام بنایا[1]۔

۳۔سب سے آخری چیز جو انتہائے بربادی عالم ہے، خدائے واحد کا انکار اور معبودان باطل کی پرستش ہے، ہود علیہ السلام نے کہا:

يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ (الاعراف ۷:۶۵)	بھائیو! خدا کو پوجو اس کے سوا کوئی خدا نہیں، کیا پرہیز گار نہیں بنتے۔
يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ (ہود ۱۱:۵۰)	بھائیو! خدا کو پوجو اس کے سوا کوئی خدا نہیں دوسرے خداؤں کا نام تمہارا افترا ہے۔

جواب وہی ملا جو اکثر ملتا ہے:

قَالُوْا يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ (ہود ۱۱:۵۳)	اے ہود تم ہمارے پاس کوئی حجت نہیں لائے صرف تمہارے کہنے سے تو ہم اپنے دیوتاؤں کو چھوڑنے والے نہیں اور نہ ہم تم پر ایمان لانے والے ہیں۔

ہود علیہ السلام نے اب خدا کا آخری پیغام پہنچایا:

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖٓ اِلَيْكُمْ ؕ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّيْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ (ہود ۱۱:۵۷)	اگر اعراض کیا تو میں نے تم کو جو پیغام دیکر بھیجا گیا تھا پہنچا چکا، خدا تمہارے سوا کسی اور کو حکومت دے گا۔
اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ (الاحقاف ۴۶:۲۱)	میں تم پر بڑے عذاب کے دن سے ڈرتا ہوں۔

آخر وہ دن آگیا جب سنت الٰہی نے اپنی زمین کے لیے ایک دوسری قوم کا

---

[1] یوسیفوس کی تاریخ بحوالہ سابق۔

انتخاب کیا اور اس شریر قوم کو احقاف کے باہر تلوار سے اور احقاف کے اندر ہوا اور ریگ کے طوفان سے برباد کردیا کہ یہ سب اس کے ہتھیار ہیں، اس کا ہاتھ انسانوں کے ہاتھ میں بھی ویسا ہی کام کرتا ہے جس طرح ہوا، پانی اور آگ میں:

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْٓ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيْقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰى (حٰم السجدہ ۴۱:۱۶)

ہم نے ان پر منحوس دنوں میں بادصرصر بھیجا تاکہ ہم ان کو عذاب ذلت کا اسی زندگی میں مزہ چکھائیں اور عذاب اخروی سب سے زیادہ ذلت والا ہے۔

فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍۢ بِاَمْرِ رَبِّهَا فَاَصْبَحُوْا لَا يُرٰٓى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ (الاحقاف ۴۶:۲۴)

جب ان کو بادصرصر کا عذاب ایک بادل کی صورت میں جس کا رخ ان وادیوں کی طرف تھا نظر آیا تو بولے یہ ہم کو سیراب کرنے والا بادل ہے، نہیں بلکہ یہ وہ ہے جس کی اے گنہگارو! تم کو جلدی تھی یہ ہوا ہے جس میں درد ناک عذاب ہے اپنے خدا کے حکم سے ہر شے کو برباد کردیتی ہے پھر وہ ایسے نیست و نابود کردئے گئے کہ ان کے گھروں کے سوا اور کچھ باقی نہ رہا۔

وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ حُسُوْمًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْۢ بَاقِيَةٍ (الحاقہ ۶۹: ۶تا۸)

لیکن عاد تو وہ تند بادصرصر سے تباہ کردئے گئے خدا نے جڑ کاٹنے والی سات رات اور آٹھ دن تک ان پر اس ہوا کو لگادیا، تم دیکھتے ہو اس ہوا نے اس قوم کو افتادہ جیسے وہ کھوکھلے درخت کی جڑ تھے، کیا اب ان میں کا کوئی تم کو زندہ نظر آتا ہے۔

وَفِیْ عَادٍ اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَیْهِمُ الرِّیْحَ الْعَقِیْمَ مَاتَذَرُ مِنْ شَیْءٍ اَتَتْ عَلَیْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ کَالرَّمِیْمِ (الذاریات: ۵۱-۴۱تا۴۲)	اور عاد میں عبرتیں ہیں جب ہم نے بے فائدہ بخش ہوا کو بھیجا جو ایسی تھی کہ جس شے پر اس کا گزر ہو جاتا اس کو بوسیدہ ہڈی کی طرح کر چھوڑتی۔

اور ملکوں میں پانی کا دریا ہے جس میں کبھی کبھی طوفان آتا ہے، عرب اور افریقہ میں ریگستان کا دریا ہے، کوسوں تک ریگستان ہے، احقاف وہ عظیم الشان ریگستان ہے جو سیکڑوں میل تک وسیع ہے اور اب اس کو الربع الخالی کہتے ہیں، اس میں جب تیز ہوا چلتی ہے زندگی دشوار ہو جاتی ہے، ریگ کے پہاڑ کے پہاڑ ہوا پر اڑتے پھرتے ہیں اور جہاں وہ تھمتے ہیں اس کو دبا کر دفن کر دیتے ہیں، قافلہ کا قافلہ، گاؤں کا گاؤں اس کے نیچے دب کر موت سے پہلے مدفون ہو جاتا ہے، پھر اتفاق سے جب یہاں سے ریگ ہٹتی ہے تو ہڈیوں کا قلعہ نظر آتا ہے، ایک انگریز سیاح جس نے اس طوفان سموم کا عرب میں نمونہ دیکھا ہے، اس کی کیفیت یوں بیان کرتا ہے:

''دوپہر تھی، جنوب کی طرف سے دفعتاً لو کے جھونکے آنے لگے، ہوا کی تیزی رفتہ رفتہ بڑھتی گئی...... میرے عرب رفیقوں نے اپنے چہروں کو کپڑے سے لپیٹ لیا اور اونٹوں کو مار مار کر تیز کرنے لگے لیکن اونٹ بار بار بیٹھ جانے کی کوشش کرتے تھے، میں نے رفیقوں سے واقعہ دریافت کیا لیکن نہایت گھبراہٹ کے ساتھ صرف یہ کہا کہ سامنے کے خیمے میں اگر پہنچ گئے تو جان بچ جائے گی'' اس اثنا میں ہوا اور زیادہ تند و تیز ہو گئی، گرمی کی یہ شدت ہو گئی کہ معلوم ہوتا تھا کہ آسمان سے دوزخ اتر آئی ہے، بالآخر کوشش کر کے ہم خیمے تک پہنچ گئے، وہاں ایک عورت منہ لپیٹے اوندھی پڑی تھی، ہمارے اونٹ ہوا کے رخ سے منہ پھیر کر ناک کو ریت میں گاڑ کر مردے کی طرح پڑ گئے۔

ہم بھی خیمہ میں جا کر منہ لپیٹ کر اوندھے پڑ گئے، تاریکی اتنی شدید تھی کہ رات معلوم ہوتا تھا، دس منٹ تک تقریباً یہی حالت رہی، پھر ہوا اور گرمی میں تخفیف ہوئی، جب

ہم اٹھے تو ہمارے چہروں پر مردنی چھائی ہوئی تھی[۱]۔

تنبیہات: حضرت ہودؑ کو عام طور سے ''عابر'' سمجھا جاتا ہے جوازروئے توراۃ تمام تر عبرانیوں کا باپ تھا، بظاہر ہم اس اتحاد کی کوئی وجہ نہیں سمجھ سکتے، گو نصرانی مصنّفین جو آبائے توراۃ کا تاریخی ثبوت ڈھونڈھتے ہیں اور ایک ایک ذرہ کو جو ان کے موافق ہو پہاڑ ماننے کو تیار رہتے ہیں لیکن اپنی مخالفت میں پہاڑ کو ذرہ ماننے پر بھی آمادہ نہیں، بدل و جان اس اتحاد کے موئید ہیں۔

عدن کے پاس عاد ثانیہ کا ایک کتبہ ملا ہے اس میں ہودؑ کا نام بھی مذکور ہے۔

عام طور سے مشہور ہے کہ حضرموت کے دامن کوہ میں حضرت ہودؑ کی قبر شریف ہے اور اب تک لوگ اس کی زیارت کو آتے جاتے رہتے ہیں۔

قوم عاد کی نسبت عام طور سے نہایت لغو باتیں مشہور ہیں، مثلاً یہ کہ ان کا قد کئی کئی گز کا ہوتا تھا، یہ شبہہ اس لئے ہوا کہ قرآن نے ان کو ذَاتِ الْعِمَادِ (ستونوں والے) کہا ہے، اس سے وہ سمجھے کہ ان کا قد ستونوں کی طرح تھا، حالانکہ ''ستونوں والے'' سے مقصود ''عمارتوں والے'' ہے۔

دوسری جگہ قرآن میں ان کی نسبت ہے:

وَّزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصْطَةً (الاعراف ۷:۶۹) خدا نے تم کو خلق میں زیادتی بخشی ہے۔

بصطۃً سے مقصود زور و قوت ہے، یعنی خدا نے تمہارے بدن میں زور و قوت بخشا ہے یہی محاورہ دوسری جگہ حضرت طالوتؑ کی نسبت مستعمل ہوا ہے وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ[۲] (البقرہ ۲:۲۴۸)، اس سے یہ معنی کون سمجھ سکتا ہے کہ طالوت بڑے قد آور تھے، بلکہ یہ مقصود ہے کہ صاحب قوت تھے، یہ بھی عام طور پر مشہور ہے کہ عذاب کے بعد قوم عاد میں پھر کوئی زندہ نہ بچا یہ غلط خیال قرآن کی ان آیتوں سے سمجھا گیا ہے:

---

۱ سیاحت نامہ عرب پالگریو ۲ لفظی ترجمہ: خدا نے اس کو بدن میں اور علم میں زیادتی بخشی ہے۔

فَاَصْبَحُوْا لَا یُرٰٓی اِلَّا مَسٰکِنُھُمْ (الاحقاف ۴۶:۲۵)
اور وہ اس طرح ہو گئے کہ ان کے گھروں کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔

فَتَرَی الْقَوْمَ فِیْھَا صَرْعٰی کَاَنَّھُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِیَۃٍ فَھَلْ تَرٰی لَھُمْ مِّنْ بَاقِیَۃٍ (الحاقۃ ۶۹:۷-۸)
اس ہوا میں یہ قوم اس طرح افتادہ تھی جیسے کھوکھلے درخت کی جڑ ہو، کیا ان میں سے اب کوئی زندہ نظر آتا ہے۔

لیکن یہ تو زمانہ نزول قرآن کا حال بیان کیا گیا ہے، اس سے دو ہزار برس پہلے کا حال کیا تھا، خود قرآن کہتا ہے:

فَاَنْجَیْنٰہُ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ بِرَحْمَۃٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا (الاعراف ۷:۷۲)
ہم نے ہودؑ کو اور جو ان کے ساتھ ایمان لائے اپنی رحمت سے نجات دی اور جنھوں نے ہماری نشانیوں کی تکذیب کی ان کی جڑ کاٹ دی۔

وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّیْنَا ھُوْدًا وَّالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَہٗ بِرَحْمَۃٍ مِّنَّا ۚ وَنَجَّیْنٰھُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِیْظٍ (ہود ۱۱:۵۸)
اور جب ہمارا حکم آیا تو ہم نے ہودؑ کو اور جو لوگ اس کے ساتھ ایمان لائے، اپنی رحمت سے نجات دی اور ہاں ہم نے ان کو بڑے عذاب سے نجات دی۔

اور تیسری جگہ قرآن نے تفصیل کر دی ہے اور ان ہلاک ہونے والوں کو ''عاد اولیٰ'' کہا ہے:

وَاَنَّہٗٓ اَھْلَکَ عَادَ اِنِ الْاُوْلٰی (النجم ۵۳:۵۰)
اور اس خدا نے عاد اولیٰ کو ہلاک کر دیا۔

اس آیت سے خود بخود یہ سمجھنا چاہئے کہ نجات پانے والوں کا عاد ثانیہ نام ہے ابن ہشام کلبی نے ''عاد اولیٰ و عاد ثانیہ'' کے حال میں ایک کتاب لکھی تھی[1] لیکن اب کہاں ملتی ہے۔

---

[1] ابن ندیم، ص ۹۸۔

اندرونِ عرب

یہ ان قبائل کی سرگذشت تھی جو ملک سے باہر جا کر آباد ہوئے، خود اندرون ملک میں بھی بہت سی قومیں رہ گئی تھیں جن میں ثمود سب سے زیادہ مشہور اور جن کی ترقی کا زمانہ عاد اولیٰ کے بعد ہے، امم سامیہ کا جو حصہ باہر سے شکست کھا کر پھر عرب واپس آیا[1]، اس نے ڈیڑھ سو برس یہاں بھی اپنے عروج کو قائم رکھا، اس کی صحیح مثال مسلمانوں کی ہے، فتنہ تاتار کے بعد بھی کئی سو برس تک وہ جیتے رہے لیکن ان کی روح اسی دن مر چکی تھی۔

بہر حال خواہ باہر سے واپس آ کر یا خود عرب میں رہ کر جن قبائل نے اندرون ملک میں حکومتیں قائم کیں وہ یہ ہیں:

حضر موت سے سواحل خلیج فارس کے طول میں عراق تک عاد ثانیہ، عرب میں حجاز سے حدود سینا تک ثمود، یمامہ میں طسم و جدیس، یمن میں اہل معین۔

۱- عادِ ثانیہ یا عادِ عرب

اس سے پہلے یہ معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت ہود علیہ السلام نے مع اپنے متبعین و صالحین عاد کے عذاب سے نجات پائی، روایات عرب میں ہے کہ وہ عذاب سے پہلے عاد کی آبادی سے نکل کر حجاز چلے گئے تھے، بہر حال ان میں لقمان نام ایک نیک بادشاہ ہوا، اس کی عمر کئی سو برس کی بیان کی گئی ہے اور یہ کچھ عجب نہیں، تمام قدیم قوموں کی ابتدائی تاریخ اسی قسم کے

---

[1] ابن خلدون، جلد دوم، صفحہ ۱۸، یقال انهم انتقلوا الى جزيرة العرب لما زاحمهم فيها بنو حام۔

طویل العمر بادشاہوں سے شروع ہوتی ہے، عام طور سے اب اس قسم کی روایات کے یہ معنی سمجھے جاتے ہیں کہ اس شخص کے خاندان میں حکومت کئی سو برس تک رہی اور مجازاً بجائے خاندان کے خود اس کا شخصی نام خاندان قرار دیا گیا، اس بنا پر لقمان کی عمر سے خاندان کی عمر مراد لینی چاہیے۔

حضرت لقمانؑ: یہ لقمان کون تھا؟ روایات عرب میں ایک شخص لقمان مشہور ہے جس کو لوگ اب عموماً حکیم لقمان کہتے ہیں، اس کی طرف حکایات وتمثیلات حکیمانہ کثرت سے منسوب ہیں، قرآن میں بھی لقمان کا تذکرہ ہے اور اس کے بعض نصائح کا حوالہ ہے، ہم ان دونوں کو ایک ہی سمجھتے ہیں اور اس اتحاد کی ہمارے پاس ایک قدیم شہادت بھی موجود ہے، مشہور مؤرخ ابن اسحٰق المتوفی ۱۵۱ھ ہجری جس کی سیرت آج آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات میں قدیم ترین تصنیف ہے اور تصنیفات موجودہ کی بنا پر عرب قدیم کا سب سے پہلا مؤرخ ہے، کتاب التیجان میں جو مخصوص عرب قدیم کی تاریخ ہے، روایت کرتا ہے:

قال وهب فلما مات شداد بن عاد	وہب (ایک مشہور راوی) نے کہا کہ شداد بن عاد
صار الملك الى اخيه لقمان بن عاد	جب مر گیا تو حکومت اس کے بھائی لقمان بن عاد
وكان اعطى الله لقمان مالم يعط	کو ملی، خدا نے لقمان کو وہ کچھ دے رکھا تھا جو کسی
غيره من الناس فى زمانه اعطاه	دوسرے کو اس زمانے میں نہیں دیا تھا، اس کو حواس
حاسة مائة رجل وكان طويلاً	سو آدمیوں کے برابر خدا نے دیے تھے اور اپنے
لايقارب اهل زمانه قال ابن وهب	معاصرین میں سب سے زیادہ وہ بلند قامت تھا،
قال ابن عباس كان لقمان بن عاد	ابن وہب نے کہا کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا
ابن الملطاط بن السلك بن وائل بن	کہ لقمان بن عاد بن ملطاط بن سلک بن وائل
حمير نبيا غير مرسل[1]	ابن حمیر؟ (نسب نامہ صحیح نہیں) نبی بلا کتاب تھا۔

عام لوگ غلطی سے لقمان عاد اور لقمان حکیم کو دو سمجھتے ہیں، عرب کے افسانہ گو کہتے

---

[1] کتاب التیجان قلمی موجودہ کتب خانہ بانکی پور، ص ۷۰۔

ہیں کہ لقمان حکیم افریقی الاصل تھا اور ایک غلام کی حیثیت سے عرب میں آیا تھا، بعض علمائے یورپ حکیم لقمان اور ایساپ نام ایک یونانی حکیم کو ایک قرار دیتے ہیں، اس اتحاد کی جو دلیل پیش کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ ان دونوں کی طرف جو حکایات وتمثیلات منسوب ہیں وہ تقریباً ایک ہی قسم کے ہیں لیکن یہ ایک تعجب انگیز استدلال ہے، کسی دو تصنیف کے مطالب کا اتحاد، ان کے مصنفین کے اتحاد شخصیت کو اگر مستلزم ہے تو افسوس ہے کہ اس جرم میں ہم کو سیکڑوں تاریخی اشخاص کے مٹ جانے کا افسوس ہوگا، اس کے بعد دوسرا سوال یہ ہے کہ قدیم عرب حکمائے یونان سے کب واقف تھے؟ عرب کا ایک شاعر جاہلی سلمٰی بن ربیعہ کہتا ہے:

اهلكن طسماً وبعده	غذى بهم وذاجدون	حوادث زمانہ نے قبیلہ طسم کو اور اس
واهل جاش و مارب	"دحي لقمان" والتقون	کے بعد ذاجدون شاہ یمن کو اور اہل
		جاش ومارب کو اور قبیلہ لقمان کو مٹا دیا۔

اس دوسرے شعر سے نہ صرف لقمان کا عرب ہونا ظاہر ہوتا ہے بلکہ ایک قبیلہ کا مالک یمن کا باشندہ اور عظمت وشوکت میں ''سبا'' کا مقابل اور یہ تمام باتیں لقمان عاد پر صادق آتی ہیں۔

عرب میں لقمان نہایت مشہور تھا، اس کا صحیفہ حکمت خود عرب میں موجود تھا اور لوگ اس کو پڑھتے تھے[1]۔

عاد کا ایک کتبہ جو ۱۸۳۴ء میں ملا تھا، اس میں چند حسب ذیل فقرے ہیں:

> ''ہم پر وہ بادشاہ حکومت کرتے ہیں جو کمینہ خیالات سے بہت دور اور شریروں کو سزا دینے والے تھے اور ہود کی شریعت کے مطابق ہمارے واسطے پیدا ہوتے تھے، اچھے فیصلے ایک کتاب میں لکھے جاتے تھے۔''

کیا ہم ان آخری الفاظ سے جو کاغذ پر نہیں پتھر پر لکھے پائے گئے ہیں یہ نتیجہ

---

[1] ابن ہشام، ذکر سوید وبیعت عقبہ۔

نہیں نکال سکتے ہیں کہ صحیفہ لقمان، لقمان کے ''اچھے فیصلے ایک کتاب میں لکھے ہوئے'' تھے۔

اس نیک دل بادشاہ کا جو ہودؑ کی شریعت کا متبع تھا، قرآن نے بھی ذکر کیا ہے اور اس کی نیکی اور دانائی کی شہادت دی ہے:

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ
وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ كَفَرَ
فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ
وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ اِنَّ الشِّرْكَ
لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ
حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ
عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ
وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ
لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي
الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ
ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ
تَعْمَلُوْنَ يٰبُنَيَّ اِنَّهَا اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ
خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ
اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ
خَبِيْرٌ يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ
وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ
اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ
لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا اِنَّ

بے شک ہم نے لقمان کو دانائی دی کہ خدا کا شکر کر اور جو خدا کا شکر ادا کرتا ہے اس کا نفع خود اسی کو ملتا ہے اور جو کوئی ناشکری کرتا ہے تو خدا بے پروا اور حمد کیا گیا ہے، یاد کرو! جب لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا، فرزند من! خدا کے ساتھ شرک نہ کرنا، شرک بڑے ظلم کی بات ہے (خدا کہتا ہے کہ) ہم نے انسان کو حکم دیا ہے اپنے ماں باپ کے ساتھ نیکی کریں، اس کی ماں نے اس کو پیٹ میں رکھا، کمزوری پر کمزوری، دو برس کے اندر اس کا دودھ چھڑاتا ہے، اے انسان! میرا اور اپنے ماں باپ کا شکر گزار ہو، بازگشت میری طرف ہے، اگر والدین تجھ کو میرے شرک پر مجبور کریں تو ان کا کہنا نہ ماننا لیکن دنیا میں نیکی کے ساتھ ان کے ساتھ رہنا اور ان لوگوں کا پیرو بن جو میری طرف رجوع کرتے ہیں، پھر میری طرف بازگشت تمہاری ہے، تو تم کو بتاؤں گا جو تم کیا کرتے تھے، فرزند من! اگر رائی کے دانہ کے برابر بھی کوئی چیز ہوگی اور وہ کسی چٹان کے اندر یا آسمان میں یا زمین میں ہوگی تو وہ بھی خدا لے آئے گا، خدا بے شبہ باریک بین اور خبر رکھنے والا

اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ وَاقْصِدْ فِىْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ (لقمان ۳۱: ۱۲-۱۹)

ہے، فرزند من! نماز پابندی سے پڑھا کر اور نیک بات کی لوگوں کو ہدایت کر اور بری بات سے روکا کر اور جو تجھ پر مصیبت آئے اس پر صبر کیا کر، یہ بڑی باتیں ہیں، غرور سے منہ لوگوں سے نہ پھیرا کر اور نہ زمین میں اترا کر چل، یقین رکھ کہ خدا مغرور اور فخار کو پیار نہیں کرتا اور اپنی چال میں میانہ روی اختیار کر، اپنی آواز کچھ نرم کر کہ بدترین آواز گدھوں کی آواز ہے (جو زور سے چیختے ہیں۔)

عادثانیہ کی تاریخ اثری: عادثانیہ کے متعلق کوئی مزید تاریخی یا اثری حال نہیں معلوم، اب تک اس قوم کا صرف ایک کتبہ حصن غراب (واقع قریب عدن) کے کھنڈروں میں ۱۸۳۴ء ملا ہے، اس کی دو سطریں ہم نے اوپر نقل کی ہیں، یہ کتبہ ایک منہدم عمارت میں پتھر پر کندہ تھا، ایک انگریز افسر جس کا نام Welle Sted تھا، ان کتبوں کا مکتشف ہے اور یہ سب سے پہلا عربی کتبہ ہے جو یورپ نے عرب کی سرزمین میں دریافت کیا، اس کتبہ کی زبان اور خطبہ جنوبی عربی ہے، جس کو متاخرین غلطی سے حمیری کہتے ہیں اور اب اسی نام سے مشہور ہے، کتبہ کی اصل حمیری عبارت الگ صفحہ پر ہے، اس کا اردو ترجمہ بہ ترتیب سطر یہ ہے[1]:

۱- ہم مدت تک اس وسیع قصر میں رہے، ہماری حالت بدنصیبی اور ادبار سے دور تھی۔

۲- ہماری نہروں میں دریا کا پانی امنڈا آتا تھا، سمندر موجیں مارتا ہوا ہمارے قلعہ کی دیواروں سے غضب ناک ہو کر ٹکریں مارتا تھا، ہمارے چشمے خوش آئندہ آواز سے بہتے تھے۔

۳- بلند کھجوروں کے اوپر جن کے باغبان خشک چھوہارے ہماری وادیوں کے چھوہاروں کی زمینوں میں لگاتے تھے اور خشک چاول بوتے تھے۔ (؟)

---

[1] اصل کتبہ اور اس کا حل اور ترجمہ اولاً ایشیاٹک سوسائٹی کے جرنل میں چھپا تھا لیکن ہم نے فارسٹر سے نقل کیا ہے۔

۴-ہم پہاڑی بکروں کا اور جوان خرگوشوں کا شکار پنجروں اور جالوں سے کرتے تھے اور مچھلیوں کو

۵-بہلا بہلا کر باہر نکال لیتے تھے اور ہم آہستہ آہستہ خراماں خراماں رنگ برنگ کے ریشم کے کپڑے اور کاہی سبز مختلف الالوان جامہ پہن کر چلا کرتے تھے اور ہم پر وہ بادشاہ حکومت کرتے تھے جو کمینہ خیالات سے بہت دور اور شریروں کو سزا دینے والے تھے ہوئ کی شریعت کے مطابق۔

٦-اچھے فیصلے ایک کتاب میں لکھے جاتے تھے اور ہم معجزات کا یقین رکھتے تھے، قیامت کے راز اور نقنوں کے راز پر ایمان تھا۔

۷-رہزن (دشمن) گھس آئے اور وہ ہمارے ساتھ کچھ جھگڑا کرتے، مگر ہم نے گھوڑوں کو پویہ ڈال دیا اور ہمارے کریم نوجوان سخت اور نوکدار نیزوں کو لے کر آگے بڑھے۔

۸-ہمارے خاندان کے مغرور، بہادر مرد اور عورتیں گھوڑوں پر لڑ رہی تھیں، جن کی گردنیں لمبی تھیں اور جو چمکدار کمیت رنگ کے تھے۔

۹-ہماری تلواریں بدستور دشمنوں کو زخمی کر رہی تھیں اور چھید رہی تھیں یہاں تک کہ ان کے قلب پر حملہ کر کے ان کو مفتوح اور بالکل پست کر دیا جو بدترین نوع انسان میں تھے۔

مقدمہ میں بیان ہو چکا ہے کہ یہی کتبہ حضرت معاویہؓ کے زمانہ میں بھی بعض مسلمان علمائے آثار نے پڑھا تھا اور اس وقت ان کا ترجمہ یہ کیا گیا تھا:

غنينا زمانا في عراصة ذا انقصر — بعيش رخي غير ذي ضنك ولا نذر
يفيض علينا البحر بالمد زاخراً — وانهارها بالماء مزعة تجرى
خلال نخيل باسقات — بالقسب المجزع والتبر؟
ونصطاد صيد البحر بالخيل والقنا — وطوراً نصيد النون من لجج البحر
ونرفل في الخز المرقم تارة — وفي القز احيانا وفي الحلل الخضر

يلينا ملوك يبعدون عن الخنا شديد على اهل الخيانة والغدر
بقلم لنا من دين هود شرائعاً ونومن بالايات والبعث والنشر
اذاما عدوحل ارضا يريدنا برزنا جميعاً بالمثقفة السمر
نحامي على اولادنا ونسائنا على الشهب والكمت المعتق والشقر
نقارح من يبغي علينا ويعترى باسيافنا حتى يولون بالدبر

اس کتبہ سے نہ صرف عادثانیہ کے بعض حالات پر روشنی پڑتی ہے بلکہ متعدد حیثیات سے یہ قرآن کی تائید کرتا ہے، اول یہ کہ ہودؑ کی تاریخی شخصیت ثابت ہے، ثانیاً یہ کہ بقائے عاد صرف متبعین ہود تھے، ثالثاً یہ کہ عاد ذات العماد اور عمارتوں کے بانی تھے، رابعاً یہ کہ وہ حقیقۃً جیسا کہ قرآن نے کہا ہے، بڑے بڑے باغ، چشمے، آل و اولاد اور چوپایوں کے مالک تھے:

اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ وَجَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ (الشعراء ۲۶: ۱۳۳-۱۳۴) — خدا نے تمہاری مواشی، اولاد، باغ اور چشموں سے مدد کی۔

یونانی تاریخ و جغرافیہ میں عادثانیہ کا نام مدین کے شمالی و مشرقی جانب نظر آتا ہے، ان کا نام یونانی تلفظ میں عادائٹ (Adite) لیا گیا ہے[1] مسلمان بھی عاد کے اس مسکن سے واقف تھے[2] لیکن عربوں کی عام روایات کے مطابق یمن میں اس کی سکونت بھی یونانی جغرافیہ سے ثابت ہے، بطلیموس جنوبی عرب کے قبائل میں عادریمٹیا (Adremata) عادائٹ (Adite) کا ذکر کرتا ہے[3]، ہم پہلے نام کو عادِ ارم اور دوسرے کو عاد سمجھتے ہیں، بطلیموس دوسری صدی عیسوی میں تھا، اس بنا پر عاد کا وجود اس زمانہ تک مسلم ہے۔

عدن: یمن اور حضر موت کے حدود پر عدن نام ایک مشہور شہر واقع ہے اور اب تک اسی نام سے مشہور ہے اور آج کل انگریزی مقبوضات میں داخل ہے، لفظ عدن کی حقیقت پر تھوڑی دیر غور کر لینا چاہیے۔

---

[1] Goldmines of Median [2] یاقوت وادی القریٰ [3] Bewan Ch. Arabia۔

عہد قدیم میں عموماً سامی مذاق یہ رہا ہے کہ شہر کا نام بعینہٖ شہر کے بانی کے نام پر رکھتے تھے، عرب کے شہر رقیم، سبا، حضرموت، عمان، مدین، اوفر، حویلہ، تیاء وغیرہ کے اسی قسم کے نام ہیں، اس بناپر اگر یمن کے قدیم شہر "عدن" کو جس کے قریب وہ تمام عمارات واقع ہیں جن کو عرب عادیات کہتے ہیں اور تاریخ جس کے قریب عاد کی آبادی کا نشان بتاتی ہے اگر ہم "عادین" کا مخفف سمجھیں تو کیوں غلط ہوگا؟ عادمین کی جمعیت پر اعتراض نہ کرو کہ قبیلہ کے نام کے پہلے بنو (فرزندان) کا اضافہ کرنا شمالی عرب کی زبان ہے، عموماً قدیم طریقہ یہی ہے کہ پدر قبیلہ کے نام کی جمعیت سے قبیلہ کا نام پیدا کر لیتے ہیں مثلاً لوویم، مصرایم، جراہیم وغیرہ، عربی میں جمع مکسر میں اب تک یہ قاعدہ جاری ہے، مثلاً منذر سے مناذرہ، غسان سے غسانیہ، ارقم سے اراقمہ، فارسٹر عدن کو عدنان سے نسبت دیتا ہے، حالاں کہ عدنان کو یمن سے کوئی تعلق نہیں ہے، اس کا مسکن تو عرب کا شمالی حصہ تھا[1]، نیوبھر (Newbher) اٹھارہویں صدی کا ایک یورپین سیاح عدن کو (عیم) کے دوان[2] کے ساتھ تطبیق دیتا ہے لیکن شاید نیوبھر کو حزقیال کے اس درس کی خبر نہیں جس میں عدن اور دوان ایک ساتھ واقع ہیں[3]۔

یمن اور حضرموت کے احقاف میں جس کو جوف بھی کہتے ہیں ہاروے اور گلازر دو ماہر اثریات نے سیکڑوں کتبات پائے ہیں لیکن جس مقام میں پائے گئے ہیں اس کا نام شہر معین معلوم ہوا ہے، اس لیے ان کتبات کو معینی اور یہاں کی اثری تاریخ کو اہل معین نام ایک مجہول الاصل قوم کی طرف منسوب کرتے ہیں لیکن چوں کہ موقع اور مقام وہی ہے جہاں عرب عاد ثانیہ کی آبادی بیان کرتے ہیں اور کتبات کی تاریخ بھی حسب رائے علمائے جرمن ۱۶-۱۷ سو قبل مسیح تک پہنچتی ہے[4]، اس لیے بہتر ہوتا کہ معین کے باشندوں کی قومیت "عاد ثانیہ" قرار دی جاتی لیکن اب "اہل معین" کی اصطلاح پھیل چکی ہے تو اتباع لازم ہے۔

---

[1] جلد ۲، صفحہ ۳۷۴ [2] یسعیاہ ۲۱-۱۳ [3] حزقیال ۲۷-۲۰-۲۳ [4] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام "عرب"۔

۲-ثمود

عاد کے بعد شہرت اور سیاسی جانشینی ثمود کو حاصل ہوئی:

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْ بَعْدِ عَادٍ ثمود! یاد کرو کہ خدا نے تم کو عاد کے بعد جانشین بنایا۔

(الاعراف ۷:۷۴)

"ثمود" کی لفظی تحقیق شاید عربی میں صحیح نہ مل سکے، "ثمد" عربی میں "آب قلیل" کو کہتے ہیں لیکن اس سے کوئی خاص مناسبت نہیں معلوم ہوتی، عربی میں ایک لفظ "تامید" ہے، جس کے معنی دائم اور خالد کے ہیں، عربی کی "ث" اور عبری کی "ت" ایک چیز ہے، عبری میں "ث" نہیں ہے، اسی ملیے اکثر وہ الفاظ جو عربی میں "ث" سے ہیں عبری میں "ت" ہیں، اس بنا پر ثمود کے معنی عام سامی زبان میں وہی ہوں گے جو عربی میں خالد کے معنی ہیں اور بہت سے قبائل عرب کے نام ہیں۔

اس سے پہلے عاد کے حالات میں تم نے پڑھا ہوگا کہ وہ عرب جنوبی و مشرقی کے جو سواحل خلیج فارس کے ساتھ ساتھ حدود عراق تک وسیع ہے، مالک تھے، ثمود اس کے مقابل عرب مغربی و شمالی پر قابض تھے جس کا نام اس زمانہ میں وادی القریٰ تھا، وادی القریٰ اس لیے کہتے تھے کہ اس عہد قدیم میں یہ وادی چھوٹی چھوٹی آبادیوں سے جا بجا آباد تھی، ان آبادیوں کے سنگی کھنڈر اور آثار جغرافیین اسلام نے دیکھے[1] تھے اور اب بھی باقی ہیں، قرآن نے سورۂ فجر میں وادی سے اسی وادی القریٰ کو مراد لیا ہے۔

---

[1] دیکھو معجم یاقوت لفظ وادی القریٰ، ج ۸، ص ۲۷۵۔

وَثَمُوْدَا لَّذِيْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ (الفجر۹:۸۹) اور ثمود جو وادی میں (بغرض تعمیر) پتھر تراشا کرتے تھے۔

ثمود کے ملک کا دارالحکومت حجر تھا، یہ شہر اس قدیم راستہ پر واقع ہے جو حجاز سے شام کو جاتا ہے، اسی راستہ پر ثمود کا ایک دوسرا مقام "فج الناقہ" ہے جس کو یونانیوں نے یہ لفظ Bednoitu لکھا ہے لیکن اصلی شہر حجر ہی تھا، اب عموماً اس شہر کو مداین صلح کہتے ہیں[1]۔

قوم ثمود کے سیاسی حالات بالکل نہیں معلوم، صرف اتنا معلوم ہے کہ یہ شمالی عرب کی ایک زبردست قوم تھی، فن تعمیر میں عاد کی طرح اس کو بھی کمال حاصل تھا، پہاڑوں کو کاٹ کر مکان بنانا، پتھروں کے عمارات و مقابر تیار کرنا اس قوم کا خاص پیشہ تھا، یہ یادگاریں اب تک باقی ہیں، ان پر ارامی اور ثمودی خط میں کتبے منقوش ہیں لیکن ان میں سے اکثر ارامی کتبات نبطی اقوام کے ہیں[2]، جنہوں نے مسیح کے قبل و بعد اسی مقام پر حکومت کی ہے۔

قرآن مجید نے ان کی عظمت تعمیر کا متعدد آیات میں ذکر کیا ہے:

وَثَمُوْدَا لَّذِيْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ (الفجر۹:۸۹) اور ثمود جو وادی میں (بغرض تعمیر) پتھر تراشا کرتے تھے۔

وَبَوَّاَكُمْ فِى الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّ تَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا (الاعراف ۷:۷۴) اور (صالح نے کہا، اے لوگو!) خدا نے تم کو زمین میں جگہ دی، جس کے میدانوں میں تم قصر و محل اور پہاڑوں کو کاٹ کر مکان بناتے ہو۔

وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا فٰرِهِيْنَ (الشعراء۲۶:۱۴۹) اور پہاڑوں کو کاٹ کر مکان بناتے ہو۔

یہ پہلے کہا جا چکا ہے کہ اس قوم کا زمانہ ترقی عاد سے متاخر ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ اس قوم کا نام اسیریا اور یونان میں نہایت صراحت کے ساتھ ملتا ہے، قرآن کی حسب ذیل آیات سے بھی یہی مفہوم ہوتا ہے:

---

[1] Encyclopedia Britannica, Vol 24, p 636 Ed I & II

[2] انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، جلد ۱۱، ص ۶۳۶۔

وَاذۡكُرُوۡۤا اِذۡ جَعَلَكُمۡ خُلَفَآءَ مِنۡۢ بَعۡدِ عَادٍ (الاعراف ۷:۷۴) یاد کرو جب خدا نے تم کو عاد کے بعد جانشین بنایا۔ (یا حکومت عطا کی۔)

اور اس ترقی کی انتہا حضرت موسیٰؑ سے پہلے ہو جاتی ہے کیوں کہ شمالی عرب کے نام بڑے بڑے قبائل کے سیاسی تعلقات کی بنا پر تورات میں مذکور ہیں لیکن اس فہرست میں ثمود کا نام نظر نہیں آتا، قرآن سے بھی یہی اشارہ مفہوم ہوتا ہے، ایک مومن موسیٰ اہل فرعون سے کہتا ہے:

يٰقَوۡمِ اِنِّىۡۤ اَخَافُ عَلَيۡكُمۡ مِّثۡلَ يَوۡمِ الۡاَحۡزَابِ مِثۡلَ دَاۡبِ قَوۡمِ نُوۡحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوۡدَ (المومن ۴۰:۳۰-۳۱) بھائیو! مجھ کو ڈر ہے کہ دوسری قوموں کی طرح نوح کی قوم، عاد اور ثمود کی طرح تم پر بھی عذاب آئے۔

اور یہ زمانہ تقریباً ۱۸۰۰ قبل مسیح سے ۱۶۰۰ قبل مسیح تک ہے، حضرت موسیٰ سے پہلے اس قوم کی بربادی عام کی ایک اور دلیل یہ ہے کہ اس عہد میں ٹھیک اس جگہ پر جہاں اس قوم کو از روئے روایات ہونا چاہیے اہل مدین غالب نظر آتے ہیں، یہ حقیقت سفر خروج کے ہر مطالعہ کرنے والے پر ظاہر ہے۔

حضرت صالح علیہ السلام

ثمود کے پیغمبر کا نام صالح تھا۔

قوم کی آخری زندگی میں جو مرض عام پیدا ہوتا ہے، ثمود بھی اس سے مستثنیٰ نہ تھے، خدائے واحد کی پرستش چھوڑ کر انہوں نے ستاروں کے مادی ہیکلوں کے سامنے سر جھکایا، حسب سنت الٰہی ایک پیغمبر صالحؑ نام مبعوث ہوا، توراۃ میں ارم کے بھائی ارفخشد کے ایک بیٹے کا نام سالح ہے جو تمام اولاد ابراہیم اور عرب یقطانی کا باپ ہے[1]، نصرانی پادری جو بزرگان توراۃ کی تاریخی ہستی کے اثبات کے لیے کسی کوشش سے دریغ نہیں کرتے، روایات عرب اور قصص قرآن کا نام عام طور سے ان کی زبان میں افسانہ ہے لیکن اگر خود ان کو ضرورت پڑے تو وہ تاریخ کی بلند ترین شہادت ہے کہتے ہیں کہ ''صالح'' اور ''سالح'' ایک ہی شخص تھے[2]، تاریخ اگر اجازت دے تو ہمیں اس اتحاد کے تسلیم میں کوئی عذر نہیں، خدا کے پیغمبر نے خدا کی دعوت دی لیکن بد بخت قوم نے قبول نہ کیا، پیغمبر نے کہا، یہ اونٹنی ایک نشان ہے، زمین میں اس کو چرنے دو، چشمہ کا پانی ایک دن یہ پیے گی اور ایک دن تم پیئا، اگر اس اونٹنی کو صدمہ پہنچا تو وہ خدا کے عذاب کا دن ہوگا، آبادی میں مومنوں اور کافروں کی دو جماعتیں تھیں، مومنوں نے صالحؑ کی دعوت کو لبیک کہا، کافروں کی جماعت میں سے نو آدمیوں نے سازش کی کہ صالح اور اس کے متبعین پر شبخون ماریں، انہوں نے اونٹنی کی کونچ کاٹ ڈالی کہ یہ مرجائے، خدا کا عذاب پرشور زلزلہ کی صورت میں نمودار ہوا، فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰهَا، قرآن مجید میں یہ

---

[1] تکوین، ۱۰-۲۴ [2] Goldmines, P 278۔

تمام قصہ نہایت تفصیل سے مذکور ہوا ہے:

وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَیِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰیَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِیْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَیَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّاَكُمْ فِی الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُیُوْتًا فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ قَالَ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِیْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوْا یٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ فَتَوَلّٰی عَنْهُمْ وَقَالَ یٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّیْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِیْنَ (الاعراف ۷:۷۳-۷۹)

ثمود کے پاس ہم نے ان کے بھائی (ہم قوم) صالح کو پیغمبر بنا کر بھیجا، اس نے کہا کہ بھائیو! خدا کو پوجو، اس کے سوا تمہارا کوئی دوسرا خدا نہیں، تمہارے پاس خدا کی دلیل آ چکی، یہ خدا کی اونٹنی تمہارے لیے نشانی ہے، اس کو خدا کی زمین پر چرنے دو، اس کو دق نہ کرو ورنہ ایک دردناک عذاب تمہیں آئے گا اور یاد کرو خدا کے اس احسان کو کہ اس نے عاد کے بعد تم کو خلافت بخشی اور ملک میں تم کو جگہ عنایت کی جس کے میدانوں میں تم محل اور جس کے پہاڑوں کو کاٹ کر مکان بناتے ہو، خدا کی عنایتوں کو یاد کرو اور ملک میں فساد نہ کرتے پھرو، اس کی قوم کے مغرور سرداروں نے ان کمزوروں سے جو ان کی قوم میں مومن تھے، پوچھا، کیا تم سچ مچ یقین رکھتے ہو کہ صالح اپنے خدا کی طرف سے پیغمبر ہے، انہوں نے جواب دیا کہ بے شک صالح جو پیغام لے کر بھیجا گیا ہے اس پر ہم کو ایمان ہے، مغروروں نے کہا، تم جس پر ایمان لائے ہو ہم کو اس سے انکار ہے، اس کے بعد انہوں نے اونٹنی کی کونچ کاٹ ڈالی اور خدا کے حکم کی نافرمانی کی، اور صالح سے کہا، اے صالح اگر تم پیغمبر واقع میں ہو تو جس عذاب کے آنے کا تم ہم سے وعدہ کرتے ہو

وہ لے آؤ، پس زلزلہ نے آ کر ان کو پکڑ لیا اور وہ اپنی جگہ پر اوندھے رہ گئے، صالح نے ان کی جانب سے منھ پھیرا اور کہا بھائیو! میں اپنے خداوند کا پیغام یقیناً پہنچا چکا اور تمہاری خیر خواہی کر چکا لیکن تم اپنے خیر خواہوں کو پسند نہیں کرتے۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ صٰلِحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اَتُتْرَكُوْنَ فِيْ مَا هٰهُنَآ اٰمِنِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ وَّ زُرُوْعٍ وَّنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيْمٌ وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا فٰرِهِيْنَ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ وَلَا تُطِيْعُوْٓا اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ الَّذِيْنَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا فَاْتِ بِاٰيَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيْمٍ فَعَقَرُوْهَا فَاَصْبَحُوْا نٰدِمِيْنَ

ثمود نے پیغمبروں کی تکذیب کی، جب ان کے بھائی صالح نے کہا، کیا تم پرہیزگار نہیں بنتے، میں تمہارا رسول امین ہوں، خدا سے ڈرو اور میری بات مانو اور میں اس کا تم سے کوئی معاوضہ بھی نہیں چاہتا، میرا معاوضہ پروردگار عالم پر ہے، کیا جو نعمت تم کو یہاں حاصل ہے اس میں تم باطمینان چھوڑ دیے جاؤ گے، ان باغوں، چشموں اور کھیتوں میں اور ان چھوہارے کے درختوں میں جن کے خوشے ہیں اور پہاڑوں کو کاٹ کر تم بڑی بڑی عمارت بناتے ہو، پس خدا سے ڈرو اور میری بات سنو اور ان کی نہ سنو جو حد سے گزر گئے ہیں، جو ملک میں فساد پھیلاتے ہیں صلح نہیں، انہوں نے کہا، تم پر جادو کر دیا گیا ہے، تم ہماری ہی طرح ایک آدمی ہو، کوئی نشانی لاؤ اگر سچے ہو، اس نے کہا یہ ایک اونٹنی ہے، اس کے لیے پینا ہے اور تمہارے لیے ایک مقرر دن کا پینا اور اس کو چھیڑو نہیں ورنہ ایک بڑا عذاب تم کو آئے گا، انہوں نے اس کی

فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ (الشعراء۲۶:۱۴۱-۱۵۹)

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ فَاِذَاهُمْ فَرِیْقٰنِ یَخْتَصِمُوْنَ قَالَ یٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّیِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ لَوْلَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ قَالُوا اطَّیَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ قَالَ طٰٓئِرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ وَكَانَ فِی الْمَدِیْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ یُّفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ وَلَا یُصْلِحُوْنَ قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَیِّتَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِیِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَقَوْمَهُمْ اَجْمَعِیْنَ فَتِلْكَ بُیُوْتُهُمْ خَاوِیَةًۢ بِمَا ظَلَمُوْا اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ وَاَنْجَیْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا یَتَّقُوْنَ (النمل ۲۷:۴۵-۵۳)

کونچ کاٹ ڈالی، پھر نادم ہوئے، پس عذاب نے ان کو آلیا، یقیناً اس میں اللہ کی نشانی ہے اور ان میں سے اکثر مومن نہ تھے اور خدا تو غالب اور رحم والا ہے۔

اور البتہ ہم نے بھیجا ثمود کے پاس ان کے بھائی صالح کو کہ خدا کو پوجو، ناگہاں وہ دو فریق ہو کر باہم جھگڑنے لگے، صالح نے کہا کہ بھائیو! نیکی سے پہلے برائی کیوں جلد چاہتے ہو، کیوں خدا سے مغفرت نہیں چاہتے، شاید تم پر رحم کیا جائے، انہوں نے کہا، ہم نے تم سے اور تمہارے ساتھیوں سے شگون لیا، اس نے کہا، تمہارا شگون خدا کے پاس ہے، بلکہ تم لوگ آزمائش میں ڈالے جاؤ گے، شہر میں نو آدمی تھے جو ملک میں فساد پھیلاتے تھے، صلح نہیں، انہوں نے کہا، آؤ باہم خدا کی قسم کھائیں کہ ہم صالح اور صالح کے خاندان پر شبخون ماریں، پھر اس کے وارث سے ہم کہہ دیں گے کہ اس کے خاندان کے قتل میں تو شریک بھی نہ تھے، انہوں نے مخفی تدبیر کی، خدا نے بھی مخفی تدبیر کی اور انہیں خبر نہیں، پس دیکھو ان کی مخفی تدبیروں کا کیا انجام ہوا، ہم نے ان کو اور ان کی قوم کو سب کو برباد کر دیا، یہ ہیں ان کے گھر اور مسکن جو ان کی گنہگاری کے باعث ویران پڑے ہیں، اس میں جاننے والوں کے لیے بڑی

عبرت ہے اور ایمان والوں کو ہم نے نجات دی کہ پرہیزگار تھے۔

وَفِي ثَمُودَ إِذْ قِيلَ لَهُمْ تَمَتَّعُوا حَتّٰى
حِينٍ فَعَتَوْا عَنْ أَمْرِ رَبِّهِمْ فَأَخَذَتْهُمُ
الصّٰعِقَةُ وَهُمْ يَنْظُرُونَ فَمَا اسْتَطَاعُوا
مِنْ قِيَامٍ وَّمَا كَانُوا مُنْتَصِرِينَ
(الذاریات ۵۱:۴۳-۴۵)

اور ثمود میں نشانیاں ہیں، جب ان سے کہا گیا کچھ دیر فائدہ اٹھالو، انہوں نے اپنے پروردگار کے حکم سے سرتابی کی تو ان کو کڑک نے آلیا اور وہ دیکھ رہے تھے، پھر نہ کھڑے ہو سکے اور نہ مہلت پا سکے۔

كَذَّبَتْ ثَمُودُ وَعَادٌ بِالْقَارِعَةِ فَأَمَّا ثَمُودُ
فَأُهْلِكُوا بِالطَّاغِيَةِ (الحاقۃ ۶۹:۴-۵)

ثمود و عاد نے عذاب کا انکار کیا لیکن ثمود تو نافرمانی کے باعث ہلاک کر دیے گئے۔

كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِالنُّذُرِ فَقَالُوا أَبَشَرًا مِّنَّا
وَاحِدًا نَّتَّبِعُهُ إِنَّا إِذًا لَّفِي ضَلَالٍ وَّسُعُرٍ
ءَأُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْ بَيْنِنَا بَلْ هُوَ
كَذَّابٌ أَشِرٌ سَيَعْلَمُونَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ
الْأَشِرُ إِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ فِتْنَةً لَّهُمْ
فَارْتَقِبْهُمْ وَاصْطَبِرْ وَنَبِّئْهُمْ أَنَّ الْمَآءَ
قِسْمَةٌ بَيْنَهُمْ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ
فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطٰى فَعَقَرَ فَكَيْفَ
كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ
صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَكَانُوا كَهَشِيمِ الْمُحْتَظِرِ
(القمر ۵۴:۲۳-۳۱)

ثمود نے ہماری تنبیہوں کو جھٹلایا اور بولے کہ ہم میں سے ایک آدمی ہے اس کی ہم پیروی کریں اس وقت ہم گمراہ اور مجنوں ہوں گے، کیا ہم لوگوں سے چن کر اسی پر وحی آئی نہیں! وہ جھوٹا اور مغرور ہے، کل ان کو معلوم ہو جائے گا کہ کون جھوٹا اور مغرور تھا،، ہم اونٹنی کو ان کے لیے آزمائش بنا کر بھیجتے ہیں، اے پیغمبر! تو بھی تاک اور انتظار میں رہ اور انہیں خبردار کردے کہ پانی ان میں بانٹ دیا گیا ہے، ہر ایک کا پانی الگ موجود ہے، انہوں نے اپنے ساتھی کو بلایا، اس نے پکڑا اور کونچ کاٹا، پھر میرا عذاب اور میری دھمکی کیسی تھی؟ ہم نے ان پر ایک چیخ بھیجی جس کے اثر سے وہ پامال اور بھس کی طرح ہو کر رہ گئے۔

وَاَنَّهٗٓ اَهۡلَكَ عَادَا اۨلۡاُوۡلٰى وَثَمُوۡدَاۡ فَمَآ اَبۡقٰى (النجم۵۳:۵۰-۵۱)

اور خدا نے عاد اولیٰ اور ثمود کو ہلاک کر دیا اور کچھ رحم نہ کیا۔

كَذَّبَتۡ ثَمُوۡدُ بِطَغۡوٰٮهَاۤ اِذِ انۡۢبَعَثَ اَشۡقٰٮهَا فَقَالَ لَهُمۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقۡيٰهَا فَكَذَّبُوۡهُ فَعَقَرُوۡهَا فَدَمۡدَمَ عَلَيۡهِمۡ رَبُّهُمۡ بِذَنۡۢبِهِمۡ فَسَوّٰٮهَا وَلَا يَخَافُ عُقۡبٰهَا (الشمس۹۱:۱۱-۱۵)

ثمود نے اپنی سرکشی سے تکذیب کی جب انہوں نے اپنے بدبخت ترین آدمی کو بھیجا، پیغمبر خدا نے کہا، خدا کی اونٹنی اور اس کے پانی پینے کا خیال رہے، انہوں نے جھٹلایا اور اس کی کونچ کاٹی، خدا نے ان کے گناہ کے سبب ان پر ہلاکی ڈالی اور ان کو برباد کر دیا اور ان کے انجام کا وہ خوف نہیں کرتا۔

وَاِلٰى ثَمُوۡدَ اَخَاهُمۡ صٰلِحًا‌ قَالَ يٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ مَا لَـكُمۡ مِّنۡ اِلٰهٍ غَيۡرُهٗ‌ؕ هُوَ اَنۡشَاَكُمۡ مِّنَ الۡاَرۡضِ وَاسۡتَعۡمَرَكُمۡ فِيۡهَا فَاسۡتَغۡفِرُوۡهُ ثُمَّ تُوۡبُوۡۤا اِلَيۡهِ‌ؕ اِنَّ رَبِّىۡ قَرِيۡبٌ مُّجِيۡبٌ قَالُوۡا يٰصٰلِحُ قَدۡ كُنۡتَ فِيۡنَا مَرۡجُوًّا قَبۡلَ هٰذَاۤ اَتَنۡهٰٮنَاۤ اَنۡ نَّعۡبُدَ مَا يَعۡبُدُ اٰبَآؤُنَا وَاِنَّنَا لَفِىۡ شَكٍّ مِّمَّا تَدۡعُوۡنَاۤ اِلَيۡهِ مُرِيۡبٍ قَالَ يٰقَوۡمِ اَرَءَيۡتُمۡ اِنۡ كُنۡتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنۡ رَّبِّىۡ وَاٰتٰٮنِىۡ مِنۡهُ رَحۡمَةً فَمَنۡ يَّـنۡصُرُنِىۡ مِنَ اللّٰهِ اِنۡ عَصَيۡتُهٗ‌ فَمَا تَزِيۡدُوۡنَنِىۡ غَيۡرَ تَخۡسِيۡرٍ وَيٰقَوۡمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَـكُمۡ اٰيَةً فَذَرُوۡهَا تَاۡكُلۡ فِىۡۤ اَرۡضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوۡهَا

ثمود کے پاس ہم نے ان کے بھائی صالح کو بھیجا، اس نے کہا، بھائیو! خدا کو پوجو، اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں، اس نے زمین سے تم کو پیدا کیا اور زمین ہی میں تم کو آباد کیا، اس سے اپنے گناہوں کی مغفرت مانگو، پھر اس کی طرف رجوع کرو، میرا پروردگار پاس ہے اور قبول کرتا ہے، انہوں نے کہا، صالح ہم کو اس سے پہلے تمہاری ذات سے بڑی توقع تھی، تم ہم کو اس کے پوجنے سے روکتے ہو جس کو ہمارے باپ دادا پوجا کرتے تھے، تم جدھر بلاتے ہو اس میں ہم کو بڑا شک ہے، صالح نے کہا، بھائیو! تم سمجھتے ہو، اگر خدا کی طرف سے میں بصیرت پر ہوں اور اس نے اپنی رحمت سے مجھ کو اس میں سے کچھ عنایت کیا ہے تو اگر میں پیغام رسانی میں اس کی نافرمانی کروں تو خدا

بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيْبٌ فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ (ہود۱۱: ۶۱-۶۵)

سے بچانے میں میری کون مدد کرے گا، تم صرف میرا نقصان بڑھاؤ گے اور ہاں اے بھائیو! خدا کی اونٹنی تمہارے لیے نشانی ہے، اس کو خدا کی زمین میں چرنے دو اور اس کے ساتھ برائی نہ کرو، ورنہ خدا کا عذاب جو نزدیک ہے تم کو آلے گا، انہوں نے اس کی کونچ کاٹ ڈالی، صالح نے کہا، اب اپنے گھر میں تین دن اور لطف اٹھالو، یہ جھوٹا وعدہ نہیں۔

حسب سنت الٰہی حضرت ہودؑ اور صالحین ثمود کو اس عذاب سے نجات مرحمت ہوئی:

فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا اَلَآ اِنَّ ثَمُوْدَاْ كَفَرُوْا رَبَّهُمْ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ (ہود۱۱: ۶۶-۶۸)

جب ہمارا حکم آیا تو ہم نے صالح اور جو اس کے ساتھ ایمان لائے تھے بچالیا اپنے رحمت سے اور اس دن کی خواری سے نجات بخشی، بے شک تیرا پروردگار زبردست اور غالب ہے اور گنہگاروں کو چیخ نے آلیا، پس اپنے گھر میں سینہ کے بل پڑے رہ گئے، گویا کہ کبھی وہ ان گھروں میں آباد ہی نہ تھے، ہاں ثمود نے اپنے پروردگار کو نہ مانا، ہاں ثمود کے لیے ہلاکت ہے۔

وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى فَاَخَذَتْهُمْ صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ وَنَجَّيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ (حم سجدہ۴۱: ۱۷-۱۸)

ثمود کی ہم نے رہنمائی کی، انہوں نے ہدایت پر گمراہی کو ترجیح دی، تب رسوا کر دینے والے عذاب کی کڑک نے ان کے اعمال کے سبب ان کو آلیا اور ایمان والوں کو ہم نے نجات بخشی کہ وہ پرہیزگار تھے۔

وَاَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ (النمل۲۷: ۵۳)

اور ایمان والوں کو ہم نے نجات بخشی کہ وہ پرہیزگار تھے۔

ان بقایا سے ثمود کو ثمود ثانیہ کہتے ہیں۔

طریقہ ہلاک کو کہیں خدا نے صرف عذاب کہا ہے، کہیں صاعقہ (بجلی کی کڑک) اور کہیں صیحہ (چیخ) سے ادا کیا ہے، اس سے کوئی خاص طریقہ عذاب نہیں مطلق عذاب مراد ہے، جو انسان کے لیے کڑک اور چیخ سب کچھ ہے، بعض مفسرین نے کڑک اور چیخ سے زلزلہ مراد لیا ہے، اس بنا پر کڑک اور چیخ کے لحاظ سے یہ آتش فشانی زلزلہ ہوگا اور جغرافیہ نویسان سابق وحال تسلیم کرتے ہیں کہ ثمود کے مقامات آتش فشاں مادہ سے لب ریز ہیں۔

عام روایات میں ہے کہ یہ اونٹنی معہ اپنے بچہ کے کفار کے حسب طلب حضرت صالحؑ کے ایک معجزہ سے ایک پہاڑ کی چٹان سے پیدا ہوئی تھی لیکن صحیح طریقہ سے یہ روایتیں ثابت نہیں، قرآن مجید نے بھی اپنی تمام تفصیل میں اس خاص طریقہ پیدائش کا ذکر نہیں کیا، اس بنا پر وہ غیر مسلم ہیں، قرآن مجید کی آیتوں کے پڑھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ قوم جانوروں پر ظلم کرتی تھی، خدا نے ایک اونٹنی کو نشانی بنایا کہ جس دن تم نے اس کو ستایا وہی عذاب کا دن ہوگا، ثمود کی ایک پہاڑی کا نام عربوں میں فج الناقہ مشہور ہے، بطلیموس نے اس مقام کو یونانی لفظ میں ''بنڈاناٹا'' لکھا ہے، اس تسمیہ سے نفس اونٹنی کے واقعہ کا ثبوت قرآن سے چار سو برس پیشتر ملتا ہے۔

ثمود ثانیہ یعنی بقایائے ثمود: تاریخ میں ثمود ثانیہ کا نام عاد ثانیہ سے زیادہ روشن نظر آتا ہے، اس کا ایک سبب تو قرب زمانہ ہے اور دوسرا سبب دیگر اقوام قدیمہ سے قرب مکان ہے، اسی لیے ان کا نام ایک طرف تو اسیریا کے کتبوں میں نظر آتا ہے[1] اور دوسری طرف رومیوں کی تاریخ میں[2]، رومی مسیح سے کچھ پہلے عرب سنکستان پر جو مقام ثمود سے بالکل متصل ہے اور اس وقت انباط اور ادوم ان اطراف کے ممتاز قبائل تھے، قابض تھے۔

سرجون یا شرغون ثانی اسیریا کا ایک بادشاہ تھا، جس کا زمانہ ۷۲۲ قبل مسیح سے

---

[1] Rogers III - 148 [2] Bevan P 173۔

۷۰۵ قبل مسیح تک ممتد ہے، اس بادشاہ نے عرب پر فوج کشی کی تھی، جس کا ذکر اس نے اپنے کتبہ فتح میں کیا ہے، اس کتبہ میں جن عرب محکوم قبائل کا نام مذکور ہے، ان میں ثمود کا نام بھی ہے[1]، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ثمود دور ثانی میں کوئی جدید قوت حاصل نہ کر سکے اور اگر کر سکے تھے تو وہ زائل ہو چکی تھی۔

مؤرخین یونان و روم میں ڈائیڈ ورس (۸۰ رق م) پلینی (۷۹ رق م) اور بطلیموس (۱۴۰ رق م) نے ثمود کا ذکر کیا ہے[2]، ڈائیڈ ورس میں ثمود کا لفظ تھموڈینی (Thamudani) اور بطلیموس نے تھموڈیٹی (Thmudiotai) کیا ہے مگر دونوں نے جو جگہ اس کی مقرر کی ہے ٹھیک روایت عرب کے مطابق ہے[3]۔

ثمود کے ذکر میں ایک دوسرے یونانی مصنف اورنیوس (Uranus) کی شہادت ڈاکٹر اسپرنگر نقل کرتے ہیں جو گواہی دیتا ہے کہ ثمود انباط کے پہلو میں آباد تھے[4]۔

رومیوں نے جب عرب شمالی پر قبضہ کیا تو ثمود رومیوں کی فوج معاون میں داخل ہو گئے تھے۔

قیصر جستینن کے عہد میں جو ۴۸۳ء سے ۵۶۵ء تک ہے، ثمود عرب بھی رومی فوج میں داخل تھے[5]، ان کے لمبے نیزے اور سواری کے اونٹ مشہور تھے، بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ثمود کے ملک کا اکثر حصہ چوں کہ اہل مدین نے پہلے دبا لیا تھا اور باقی حصہ پر بعد کو انباط قابض ہو گئے تھے اور رومی انباط کے خلاف عرب پر فوج کشی کا ارادہ رکھتے تھے اور اس ارادہ کو انہوں نے پورا بھی کیا، اس تقریب سے عجب نہیں کہ انباط کی مخالفت میں ثمود نے رومیوں کا ساتھ دیا ہو۔

تاہم تعجب ہوگا کہ ثمود کا ذکر توراۃ میں نہیں لیکن توراۃ کی تحریر واقعات کے سنین

---

[1] Augers P 17 [2] Forster II P 125 [3] Goldmines P 278 [4] Goldmines P 278 [5] Huart P 3۔

جاننے کے بعد یہ تعجب رفع ہو جائے گا، توراۃ کی تاریخ بدءِ عالم سے حضرت یعقوبؑ تک بنی ابراہیم تک محدود ہے، اس کے بعد ہجرت مصر کا واقعہ ہے، جو تقریباً ۱۶۰۰ ق م قبل مسیح میں واقع ہوا ہوگا، اس زمانہ سے تا عہد موسیٰ علیہ السلام جو تقریباً ۴۵۰ برس کا زمانہ ہے، توراۃ کی کامل خاموشی کا عہد ہے اور از روئے تاریخ ثمود کے عروج و زوال کا یہی زمانہ ہے، اس کے بعد توراۃ میں صرف ان غیر اقوام کا ذکر ہے جن سے بنی اسرائیل کے سیاسی تعلقات تھے اور یہ رتبہ ثمود کی جگہ اب مدین کو حاصل تھا، جو ثمود اولیٰ کے جانشین تھے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ۹۰۰ یا ۱۰۰۰ ق م قبل مسیح میں اہل مدین جب بنی اسرائیل کے ہاتھ کلیۃً برباد ہوگئے تو ثمود ثانیہ نے پھر ایک سنبھالا لیا اور یہ وہی زمانہ ہے جس میں شاہ اشور نے شمالی عرب پر حملہ کر کے ثمود سے ۷۰۰ ق م قبل مسیح میں خراج وصول کیا، اس کے بعد ظہور مسیح سے پہلے انباط نے ثمود کو فتح کر لیا، اس کے بعد جب رومیوں نے انباط پر حملہ کیا تو ثمود دشمنوں کے ساتھ ہو گئے اور اسی خصوصیت سے تاریخ روم میں ثمود کا ذکر آیا۔

اسلام جب آیا تو ثمود کا نام و نشان نہ تھا، یہاں قبائل جیہہ، ویلی اور یہود اس وقت آباد تھے[1]، عجب نہیں کہ انباط نے خیانت وطنی کی سزا میں ان کو برباد کر دیا ہو، فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ أَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَقَوْمَهُمْ أَجْمَعِينَ فَتِلْكَ بُيُوتُهُمْ خَاوِيَةً بِمَا ظَلَمُوا (النمل ۲۷:۵۱-۵۲)

---

[1] معجم یاقوت، لفظ وادی القریٰ، ج ۸، ص ۳۷۵۔

۳- جرہم

یہ قبیلہ حجاز میں آباد ہوا تھا، تقریباً ۲۲۰۰ قبل مسیح میں جب حضرت اسماعیل علیہ السلام اس ملک میں آئے تو یہ قبیلہ ان ہی اطراف میں موجود تھا، حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اپنے پڑوس میں جگہ دی[۱] اور باہم اس سے رشتہ قائم کیا، جرہم کی قومیت کیا تھی اور کس سلسلہ نسب سے اس کو تعلق تھا، بعض ارباب تاریخ کی رائے یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ نسباً امم سامیہ اولیٰ سے تھا[۲] اور بعض اس کو قحطان کی نسل سے سمجھتے ہیں، عام مورخین نے دونوں تھیوریوں کو یکجا کر دیا ہے کہ جرہم دو تھے، جرہم اولیٰ و جرہم ثانیہ، جرہم اولیٰ معاصر عاد تھا اور وہ امم سامیہ اولیٰ سے تھے اور جرہم ثانیہ قحطان کا بیٹا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کا پڑوسی اور رشتہ دار تھا، جرہم کا دوسرا بھائی یعرب بن قحطان یمن کا مالک تھا اور جرہم بن قحطان کے حصہ میں حجاز کا ملک دیا گیا تھا۔

قحطان اور اس کی بارہ اولاد کا نام بنام تورات میں ذکر ہے، جن میں ایک یارح ہے جس کو یعرب سمجھ لو لیکن جرہم یا اس کا مماثل کوئی نام مذکور نہیں، اس بنا پر بعض نصرانی علمائے یورپ نے اس بات کی کوشش کی ہے کہ یارح اور جرہم ایک ہی نام ثابت کیا جائے، اس اشتباہ کا سبب یہ ہے کہ عربی و عبرانی اور لاطینی و یونانی میں باہم ''ی'' اور ''ج'' کا مبادلہ ہوجاتا ہے

۱۔ بخاری کتاب الانبیاء ۲۔ تاریخ یعقوبی، ص ۲۳۱-۲۵۳، فکان ولد جرهم بن عابر لما صار اخوتهم من بنی قحطان بن عامر ابی الیمن، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جرہم قحطان کا بیٹا نہ تھا بلکہ برابر کا بھائی تھا، مطبوعہ لیڈن، جلد ا۔

اور اس بنا پر یورپین تراجم میں جن کا ماخذ لاطینی و یونانی ترجمہ ہے، یارح کا تلفظ جرح یا جارح ہوا ہے، جس کو نہایت آسانی سے جرہم فرض کرنا ممکن ہے لیکن یہ شدید غلطی ہے، اولاً یہ کہ توراۃ کے نام عربی میں عبری سے آئے ہیں، یونانی یا لاطینی سے نہیں آئے ہیں، اس لیے ثبوت طلب تو یہ ہے کہ عربی اور عبرانی میں ''ی'' اور ''ج'' کا باہم مبادلہ ہوتا ہے اور یہ غیر مسلم ہے، ثانیاً یہ کہ اگر یرح اور جرح جرہم ہے تو پھر یعرب کی اصل کیا ہے؟ ثالثاً یہ کہ یعرب اور جرہم ایک ہی نام (یارح) کے دو متفرق تلفظ ایک ہی ملک اور ایک ہی زبان میں کیوں کر پھیلے؟

آخراً یہ کہ جس زمانہ میں جرہم کا وجود حجاز میں نظر آتا ہے اس وقت قحطانی عربوں میں کوئی سیاسی جنبش نہیں پیدا ہوئی تھی، قحطانیوں کی حرکت سیاسی، امم سامیہ اولیٰ وثانیہ کی تباہی کے بعد ایک ہزار قبل مسیح میں نظر آتی ہے، ان وجوہ سے ہم اس فریق کے ساتھ ہیں جو جرہم کو صرف ایک اور اس ایک کو بھی امم سامیہ اولیٰ میں تسلیم کرتا ہے، ملوکِ جرہم کا کچھ حال عربی تاریخوں میں مذکور ہے، ہم یہاں صرف اس کا لفظی ترجمہ کر دیتے ہیں:[1]

''پہلے مضاض بن عمرو جرہمی بادشاہ ہوا لیکن سمیدع نام ایک مدعی نے اس سے جنگ کی، مضاض کو فتح ہوئی اور سمیدع شام چلا گیا اور وہاں عمالیق کا بادشاہ ہوا، مضاض کے بعد اس کی جگہ حارث اس کا بیٹا حاکم ہوا، پھر عمرو بن حارث، بعد ازیں معتسم بن ظلیم، پھر حواس بن جحش بن مضاض، اس کے بعد عداد بن ضداد بن جندل بن مضاض، پھر فحص ابن عداد اور آخر میں حارث، یہ جرہم کا آخری بادشاہ تھا، جس کے عہد میں جرہم اپنی سرکشی اور طغیان کی پاداش میں ہلاک ہو گئے۔''

اسی جرہم کے گھرانے میں بہ روایات عرب حضرت اسماعیل علیہ السلام نے شادی[2] کی تھی لیکن توراۃ میں ہے کہ ان کی ماں نے جو مصریہ تھیں، ایک مصری عورت سے ان کا بیاہ

[1] یعقوبی، جلد ا، صفحہ ۲۵۲، یورپ [2] بخاری، کتاب الانبیاء۔

کردیا تھا[1]، اس اختلاف پر علمائے نصاریٰ کی اکثر انگلیاں اٹھی ہیں لیکن اگر انہیں یہ معلوم ہوتا کہ اس وقت عرب سامیہ اولیٰ خود مصر پر قابض تھے اور ان کا سلسلہ تعلق مصر سے جاری تھا تو کبھی اس اختلاف سے ان کو حیرت نہ ہوتی، بیان مذکور کے مطابق یہ کہنا بھی صحیح ہے کہ امم سامیہ کے خاندان جرہم نام میں شادی ہوئی اور یہ بھی صحیح ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی بیوی مصر سے تعلق رکھتی تھیں۔

بنی اسماعیل و جرہم اور بنائے کعبہ کی روایت، احادیث و روایات عرب کے علاوہ اشعار عرب میں بھی موجود ہے، عرب کا ایک جاہلی نصرانی شاعر زہیر بن ابی سلمیٰ کہتا ہے:

واحلف بالبیت الذی طاف حولہ   اناس بنوہ من قریش و جرہم

پلینی اپنے زمانہ کے قبائل عرب میں سے ایک نام ''چرمی'' (Charmai) بتاتا ہے[2]، عجب نہیں کہ یہ جرہم کی تحریف ہو۔

عہد ظہور اسلام میں جرہم کی جمعیت باقی نہ تھی، تاہم اس کے منتشر افراد باقی تھے، عبید بن شریر جرہمی نام ایک شخص اس زمانہ میں یمن میں موجود تھا، جو اسی خاندان جرہم کی طرف منسوب تھا، کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر وہ اسلام لایا تھا، حضرت معاویہؓ کے عہد حکومت تک وہ زندہ رہا، امم قدیمہ کی تاریخ و قصص سے اس کو کامل واقفیت تھی، حضرت معاویہؓ کے حکم سے اس کی یہ زبانی داستانیں قید تحریر میں لائی گئیں[3]۔

قبیلہ جرہم کے حالات میں غالباً تیسری صدی کے ایک مؤرخ ابراہیم بن سلیمان النہی الکوفی نے اخبار جرہم کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی[4]۔

---

[1] تکوین، ۲۱-۲۱-۲۱ [2] Forster Vol I P 124 [3] کتاب الفہرست ابن ندیم، صفحہ ۸۹ لیڈن و ۱۳۲، مطبعہ رحمانیہ، مصر [4] کتاب الفہرست طوسی، صفحہ ۱۳، کلکتہ۔

۴- طسم وجدیس

یہ دونوں قبائل یمامہ میں تھے، یہ کلبی کی روایت ہے اور زیادہ مشہور ہے، مؤرخ ابن خلدون نے ان کو بحرین میں جگہ دی ہے، ہماری تحقیق میں یہ اختلاف صرف لفظی تشابہ سے پیدا ہوا ہے، زمانہ قدیم میں ان دونوں شہروں کا نام ''ہجر'' تھا[1] اور یہ صحیح ہے کہ خلیج فارس پر یمامہ، بحرین اور عمان کے نام سے جو شہر آباد ہیں، طسم وجدیس کی آبادی ان سب پر مشتمل تھی[2]، یہ عاد کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے تھے[3]، سیاسی قوت اولاً طسم کے ہاتھ میں تھی، ایک زمانہ کے بعد ''عملوق'' نام ایک ظالم بادشاہ تخت نشین ہوا، جس نے اپنے شرمناک قواعد سے قبائل جدیس کو برہم کر دیا، آخر جدیس کی ایک خاتون عروس نے قبیلہ کو غیرت دلائی، یہ غیرت آگ بن کر اٹھی، طسم نے شاہ یمن سے مدد مانگی، اس نے آکر جدیس کو شکست دی، آخر قبائل کی باہمی نااتفاقی نے ملک غیروں کے ہاتھ سپرد کر دیا[4]۔

مؤرخین عرب نے اس شاہ یمن کا نام تبع حسان یا جشان (باختلاف روایت) لکھا ہے لیکن یہ یقیناً غلط ہے، ایک طرف تو یہی ارباب روایت ان قبائل کو اتنا قدیم ٹھہراتے ہیں کہ ان کو ارم کی صرف بہ دو واسطہ اولاد قرار دیتے ہیں یعنی تین چار ہزار قبل مسیح ان کا زمانہ بتاتے ہیں اور یا اس قدر پیچھے کرتے ہیں کہ تبابعہ یمن کا معاصر قرار دیتے ہیں جن کا زمانہ ۱۱۵ قبل مسیح سے اوپر نہیں، اس بنا پر غالباً تبع یمن سے عام شاہ یمن مراد ہے۔

---

[1] دیکھو معجم یاقوت لفظ ''حجر'' و ''ہجر'' [2] اخبار الطوال ابوحنیفہ دینوری، ص ۱۷ [3] القاموس للفیروزآبادی، لفظ ''طسم'' [4] یہ واقعات اغانی اور تاریخ عرب کی تمام کتابوں میں مذکور ہیں۔

یونانیوں نے قبائل عرب میں سے ایک کا نام جولسٹی (Jolistai) لکھا ہے[1]، شاید اس سے جدلیس ہی مراد ہو، طسم کا نام ہلاکت و بربادی کی عبرت کے لیے اس قدر مشہور ہے کہ عربی زبان میں ''طسم'' کے معنی خود برباد ہو گئے ہیں، عرب کا ایک جاہلی شاعر سلمٰی بن ربیعہ کہتا ہے:

اهلكن طسماً وبعده	غذى بهم وذاجدون	حوادث زمانہ نے طسم اور اس کے بعد
واهل جاش ومارب	دحى لقمان والتقون	ذاجدون اور شاہ یمن کو اور اہل جاش اور اہل مارب کو اور قبیلہ لقمان کو ہلاک کیا۔

اس ترتیب سے ظاہر ہوتا ہے کہ طسم کا زمانہ سبا (اہل مارب) اور عاد ثانیہ (حیّ لقمان) سے متقدم تھا، یمامہ کا قدیم نام ''جوّ'' ہے لیکن زیادہ تر اپنے قصبہ حکومت کے نام سے مشہور ہے، جس کا نام قریہ اور حجر ہے، قریہ اور حجر لفظ دو ہیں لیکن معنی ایک ہی ہیں، ابن الحائک ہمدانی یمنی جو عرب کی قدیم زبانوں سے واقف تھا، وہ کہتا ہے کہ ان دونوں لفظوں کے معنی آبادی کے ہیں، قدیم عربی زبان میں حجر لفظ تھا، بعد کی عربی زبان میں اس کے لیے قریہ کا لفظ استعمال ہوا[2] جو حجر کا بعینہ ترجمہ ہے۔

یمامہ میں جس کو قدیم نام کے لحاظ سے ہجر یا قریہ کہنا چاہیے، آثار قدیمہ کے نشان جغرافیہ نویسان اسلام کے عہد تک باقی تھے اور انہوں نے خود ان کو مشاہدہ کیا تھا، نجران اور بحرین کے مابین ایک پہاڑی پر مشقر نام ایک قلعہ ہے، جو طسم کی طرف منسوب ہے، ایک اور عمارت ایک ٹیلہ پر واقعہ ہے جس کا نام معنق ہے، وہ بھی طسم ہی کی یادگار ہے، شموس بھی اسی قسم کی ایک عمارت ہے، ''قریہ بنی سدوس'' یمامہ میں ایک مقام ہے، اوپر سے نیچے تک صرف ایک پتھر کو تراش کر ایک پوری عمارت بنائی گئی ہے، ایک اور عمارت ''بتیل حجر'' کے نام سے ہے، اس عمارت کا حصہ زیریں مربع الشکل ہے اور بلندی ۸۰ ر ہاتھ کے قریب ہے،

---

[1] دول العرب والاسلام طلعت حرب بک، ج ۱، ذکر طسم وجدیس [2] معجم یاقوت، ج ۸، ص ۴۴۶، مصر۔

جعدہ نام ایک اور قلعہ یہاں بنائے قدیم کی یادگار ہے[1]۔

خدا جانے ان آثار کا اب کس قدر حصہ باقی ہے؟ تاہم اگر یہ کل یا ان میں سے بعض بھی طسم و جدیس کے مصنوعات ہوں تو قبائل کی عظمت وتمدن کے دلائل نہایت واضح ہیں۔

اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ قریہ اور ہجر یمامہ و بحرین کا نام ہے، جغرافیین یونان وروم خلیج فارس کے سواحل پر اور کبھی یمن کے قرب میں عرب کے دو شہروں کا نام لیتے ہیں جن میں سے ایک کا لفظ ان کے یہاں گرا (Gerra) گرائے (Garrai) اور کبھی جرہا (Gerrha) اور دوسرے کا اگریا (Agraie) غالباً پہلے اور دوسرے نام کی اصلیت قریہ اور تیسرے کی ہجر ہے، یونانیوں اور رومیوں نے عرب تجارت پیشہ قوموں میں یہاں کے باشندوں کا مخصوص ذکر کیا ہے، ہندوستان کی تجارت میں خاصۃً ان ہی کو دخل تھا، آج بھی ان مقامات کے عرب اپنے قدیم خصوصیات کے ساتھ قائم ہیں اور تمام قبائل عرب میں سب سے زیادہ ہندوستان کے ساتھ ان ہی کو تعلقات حاصل ہیں۔

ان مقامات پر یونانیوں یا رومیوں نے کبھی حملہ نہیں کیا، سکندر کے بعد جب عراق سلوقی (سلوکس) خاندان قائم ہوا تو اس نے صرف ایک بار ۲۰۵ رقبل مسیح[2] میں اہل قریہ پر تھوڑی سی فوج کے ساتھ حملہ آوری کی جرأت کی تھی، یمامہ و بحرین کے قدیم قبائل کی بربادی کے بعد ایک مدت تک یہاں ویرانی رہی، تا آں کہ آخر میں اسماعیلی وقحطانی عربوں نے ادھر رخ کیا، ربیعہ اسماعیل کی ایک شاخ عزہ بن اسد اور کہلان قحطانی کی بعض اولادوں نے بحرین پر اور بنوحنیفہ نے یمامہ پر قبضہ کیا[3]، اسلام آیا تو بحرین اہل فارس کے قبضہ میں تھا اور ان کی طرف سے ایک عرب خاندان نائب حکومت تھا اور یمامہ بدستور بنوحنیفہ کے ہاتھ میں تھا، بحرین نے خود اپنی رضا و رغبت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دعوت اسلام قبول کی اور یمامہ ایمان لاکر پھر مرتد ہو گیا اور آخر خلافت صدیقی میں ایک جنگ عظیم کے بعد وہ مطیع ہوا۔

---

[1] ان تمام عمارات ومقامات کے نام معجم میں مطابق حروف اسماء دیکھنا چاہیے۔ [2] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، طبع ۱۱، جلد ۲۴، صفحہ ۲۰۴ [3] اخبار الطوال، ابوحنیفہ، صفحہ ۱۷-۱۸، مصر۔

۵- اہل معین

جوف یمن میں معین نام ایک آبادی تھی، اس کے مشرق میں حضرموت اور جنوب مغرب میں سبا (موجودہ صنعاء) واقع تھا، آج کل علمائے آثار میں اس آبادی کو نہایت اہمیت حاصل ہے، ان کو اس آبادی کا سراغ مل چکا ہے، وہاں کے کتبے پڑھے گئے ہیں، یونانی بیانات سے ان کی تشریح کی گئی ہے لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ معین آبادی کا نام تھا، باشندوں کا قومی نام کیا تھا یہ معلوم نہیں، اسی بنا پر یہ پتہ نہیں لگ سکتا کہ عربوں کو اس قوم کے حالات کہاں تک معلوم تھے لیکن تحقیقات جدیدہ نے اس کی جائے وقوع کی جو تعیین کی ہے وہ بعینہ عاد ثانیہ کا مقام و مسکن نظر آتا ہے، عام تقلید کی بنا پر ہم بھی ان کو اجمال و ابہام کے ساتھ صرف اہل معین کہتے ہیں۔

معین کے لفظی معنی ''منبع آب'' اور چشمہ کے ہیں، دیگر سامی زبانوں میں مثلاً عبری میں یہ لفظ ''معیان'' ہے جو نہایت آسانی سے معان کی صورت میں بگاڑا جا سکتا ہے، جواب تک شمالی عرب میں ایک آبادی ہے۔

اہل معین کا ذکر تحریری حیثیت سے سب سے پہلے آٹھویں صدی قبل مسیح میں اسفار یہود میں نظر آتا ہے[1]، اس کے چھ سو برس بعد اراٹستھینس المتوفی ۱۹۲ قبل مسیح ایک یونانی مصنف معین کا ذکر کرتا ہے۔

• اراٹستھینس کے علاوہ اسٹرابون (۹ےء) پلینی (۸۰ء) اور بطلیموس (۱۴۰ء)

---

[1] تاریخ دوم ۲۶-۷۔

نے بھی معین کا بہ تلفظ (Minaei, Mantai) اپنے اپنے زمانہ میں ذکر کیا اور تشریح کی کہ ان کا اصلی مقام حضرموت کے پاس مارب اور قتاب کے درمیان ایک معین نام کی آبادی ہے اوران کے پایہ تخت کا نام قرن (Charnaei) ہے۔

عرب مؤرخین کو بھی معین سے واقفیت تھی لیکن ان کو اس آبادی کا کوئی تفصیلی حال معلوم نہ تھا، یونانیوں نے جو حالات لکھے ہیں وہ گویا معلومات عرب پر بہت کچھ اضافہ کرتے ہیں تاہم واقعات کے افشا کے لیے قدرت کو علم الآثار کے ہاتھ کا انتظار تھا۔

اب ہم ترتیباً عرب، یونان اور علم الآثار کے بیانات ونتائج کا ذکر کرتے ہیں۔

عربوں کو معین کے متعلق صرف اس قدر معلوم تھا کہ یہ ایک مقام یا عمارت کا نام ہے، ہمدانی کتاب الاکلیل اور صفۃ جزیرۃ العرب[1] میں جہاں اضلاع یمن کا ذکر کرتا ہے، لکھتا ہے:

محافد الیمن براقش ومعین وھما	یمن کے اضلاع براقش اور معین ہیں اور یہ دونوں
باسفل جوف الرحب مقابلیان فمعین	رحب کے صحرائے ریگستانی کے نیچے واقع ہیں، معین
بین مدینۃ نشان وبین دوب سراقۃ	شہر نشان اور وہ سب سراقہ کے مابین ہے۔

یاقوت حموی نے بھی معجم میں ان دونوں مقامات کا ذکر کیا ہے، لفظ معین کے تحت میں لکھتا ہے:

معین اسم حصین بالیمن وقال	معین یمن میں ایک قلعہ کا نام ہے اور ازہری کا بیان
الازھری معین مدینۃ بالیمن تذکر فی	ہے کہ معین ایک شہر تھا جس کا براقش میں واقع ہونا کہا
براقش (ج۸،ص۱۰۲)	جاتا ہے۔

براقش کے ذکر میں لکھتا ہے:

قال الاصمعی براقش ومعین حصنان	براقش اور معین یمن میں دو قلعے ہیں، بعض شاہان
بالیمن کان بعض التبابعۃ امر ببناء	یمن نے قصر سلحین کی تعمیر کا حکم دیا تھا، وہ اسّی برس

[1] اکلیل میری نظر سے نہیں گزری، مولر نے اس کا حوالہ دیا ہے، جزیرۃ العرب میرے پیش نظر ہے۔

سلحين فبنى فى ثمانين عاما و بنى براقش و معين بغسالة ايدى صناع سلحين قال و لاترى لسلحين اثرا هاتان قائمتان (ج۲،ص۹۸)

میں بن کر تیار ہوا اور براقش اور معین کاریگروں کے ہاتھ کے دھون سے بنے لیکن دیکھو کہ قصر سلحین کا کوئی نشان نہیں اور وہ دونوں کھڑے ہیں۔

ان عبارت سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں، ایک تو یہ کہ یمن کے بادشاہوں کی تعمیر ہے، دوم یہ کہ یہ دونوں مقامات دوسری صدی ہجری تک موجود تھے، براقش کا ذکر اس کے بعد بھی تاریخ اسلام میں آٹھویں صدی ہجری تک نہایت کثرت سے آتا ہے اور اس وقت یہ ایک آباد شہر تھا۔[1]

شعرائے عرب نے بھی ان مقامات کا ذکر کیا ہے، حسب ذیل اشعار کو ہمدانی اور یاقوت دونوں نے اکلیل اور معجم میں نقل کیا ہے، فردہ بن مسیک کہتا ہے:

احل بحاجر جدى غطيف و معين الملك من بين ابينا
ملكنا براقش دوان اعلى وانعم اخوتى و بنى ابينا

علقمہ کا شعر ہے:

قدا سوا براقش حين اسوا ببلقعة و منبسط انيق
وحلوا من معين حين حلوا لغرهم لدى الفج اعميق

مالک بن حریم الدلانی کا یہ شعر صرف ہمدانی کے یہاں ہے:

و تحمى الجوف مادامت معين باسفله مقابلة عراداً

یہ دو شعر صرف یاقوت نے نقل کیے ہیں:

بنادى من براقش او معين فاسمع فاتلاب ينامليع

وقال الجعدى

---

[1] تاریخ یمن (العقود واللولوئیۃ) للخزرجی، ج۱،ص۱۰۰۰، طبع گب سیریز۔

تنستن بالضرو من براقش او　　هيلان اويالع من العتم[1]

ابوعلکم مرانی حمیری کہتا ہے:

براقش و معين نحن عامرها　　ونحن ارباب سرواح وروثانا

ان شہادتوں سے چند امور ثبوت کو پہنچے ہیں، معین ایک آبادی کا نام تھا، مقام جوف میں واقع تھا، اس کا وجود دوسری صدی ہجری تک باقی تھا، یہ شہر کسی زمانہ میں حکومت کا مستقر تھا، براقش اس سے متصل ایک دوسری آبادی تھی، ان روایتوں اور شعروں میں البتہ یہ دعویٰ عجیب ہے کہ یہ سبا اور حمیر کی تعمیر تھی لیکن یہ تعجب اس لیے رفع ہو جاتا ہے کہ اہل معین کے بعد سبا ہی اس کے مالک بن بیٹھے تھے، بعد کے لوگوں نے ان ہی کو غلطی سے اصل بانی سمجھ لیا۔

معین اور اکتشافات جدیدہ: معین کی تاریخی حقیقت واضح کرنے میں جدید عصری تحقیقات نے بڑی مدد دی ہے۔

یمن کے آثار قدیمہ کے اکتشافات تمام تر دو جرمن فاضل گلازر اور ہالوے کے نتائج سعی ہیں، ان دونوں نے یمن کے لیے ہزار کتبات حاصل کیے اور ان کو حل کیا، جن سے سیکڑوں سیاسی، مذہبی اور تجارتی واقعات کا سراغ لگا، معین حضر موت، قتاب اور مارب و سبا کی حکومتوں کی تاریخ، موقع وقوع، بادشاہوں کے نام، مذہبی رسوم، طرز تمدن کا نشان ملا، ان تمام یمنی حکومتوں میں قدیم تر معین کی حکومت ہے۔

معین کا زمانہ: معین کے عہد وجود اور زمانہ بقا کے متعلق گو کوئی قطعی تاریخی فیصلہ نہیں ہو سکتا، تاہم آثار کی مدد سے کچھ روشنی پہنچی ہے، بڑی مشکل یہ ہے کہ معین کے کتبات پر عموماً تاریخ ثبت نہیں، اس بنا پر زیادہ تر قیاسات سے کام لینا پڑتا ہے، جرمن علمائے آثار کی رائے ہے کہ خاندان حکومت ۱۴۰۰ ق م سے ۷۰۰ ق م تک موجود تھا، فرنچ ماہرین اثریات اور برائے نام انگریز واقفین اس کا زمانہ یقینی طور سے ۸۰۰ ق م سے شروع کرتے ہیں[2] لیکن

---

[1] معجم البلدان یاقوت، ج ۲، ص ۹۸، مصر [2] Huart Tome I P 45۔

عجیب تر یہ ہے کہ تازہ ترین انگریزی تحقیقی برٹانیکا طبع یازدہم میں ہم یہ الفاظ پاتے ہیں:

''آخر زمانہ کے کتبات کو چھوڑ کر زمانہ قدیم کے کتبوں میں کوئی سنہ یا تاریخ مذکور نہ ہونے کی وجہ سے اور نیز اس لیے کہ کتبات کی تعداد کم ہے، علما میں زمانہ تاریخ عرب قبل اسلام کی نسبت بہت سے اختلافات پیدا ہوگئے ہیں لیکن تمام علما کا اس پر اتفاق ہے کہ ان کتبات کی تاریخ ۱۹۰۰ ق م قبل مسیح تک پہنچتی ہے اور بعضوں کا قول ہے کہ صرف ۱۶۰۰ ق م قبل مسیح تک پہنچ سکتی ہے اور ان سے ثابت ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں عرب میں کم از کم چار متمدن حکومتیں (۱) معین، (۲) سبا، (۳) قتاب اور (۴) حضر موت قائم تھیں[۱]۔''

مصنّفین انسائیکلوپیڈیا آف اسلام معین کا زمانہ بظاہر اس سے بھی زیادہ قدیم قرار دیتے ہیں، کہتے ہیں:

''اس قدر قدیم کہ ۳۰۰۰ ق م قبل مسیح میں قدیم بابل کے کتبات ایک شاہ معنیوم (جس کا پورا نام معنوم وانوم ہے) کا ذکر کرتے ہیں جو ''معان'' یا مشرقی عرب کا بادشاہ تھا، اس نظریہ کی نسبت بہت کچھ کہا جا سکتا ہے کہ معان عربی لفظ معین کا سومری تلفظ ہے اور اسی صدی سے (جس کی تاریخ غیر معلوم ہے) جنوبی عربی حکومت معین یا معینان کی بنیاد پڑی، جس نے شاید اپنی ابتدا میں تمام جنوبی عرب کو جس میں قتاب اور حضر موت داخل ہے، اپنے آغوش میں لے لیا تھا اور جس میں ایک اور صوبہ ملوخ یا (ملوق) بھی شامل تھا جس کی نسبت بیان ہے کہ وہ غالباً عرب وسطیٰ اور عرب شمالی و مغربی کا نام تھا[۲]۔''

ان معلومات پر دو واقعات کا اور اضافہ کرنا چاہیے، ہائیکسوس عرب جب ۲۰۰۰ ق م قبل مسیح میں مصر پر قابض تھے تو ان حکم راں قبائل میں سے ایک قبیلہ کا نام اہل مصر ''مین'' بتاتے ہیں، جو ''معین'' کی نہایت صاف شکل ہے، نیز معین و اشور کے کتبات باہم واقعات کا تعلق ظاہر کرتے ہیں، اشور کے کتبات میں جن کا زمانہ ۱۹۰۰ ق م قبل مسیح سے ۷۰۰ ق م قبل مسیح تک ہے،

---

[۱] مضمون عرب (تاریخ) [۲] Brugsch Vol I P 268۔

معین کا ذکر موجود ہے[1]ان وجوہ سے جیسا کہ فرنچ مؤرخ عرب ہوارت (Huart) کہتا ہے
''ہم زیادہ نیچے بھی نہیں اتر سکتے[2]''۔

حکومت معین کی تعیین زمانہ کے وقت ایک اور واقعہ بھی ذہن نشین رکھنا چاہیے، یمن کی ایک اور عظیم الشان حکومت کا نام سبا ہے،، سبا کا زمانہ بلا شک وشبہ ۸۰۰/ یا ۹۰۰ قبل مسیح سے شروع ہے اور وہ حکومت آخیر عہد تک حمیر کے نام سے قائم رہی، اس بنا پر یہ ظاہر ہے کہ معین کا پورا زمانہ یا کم از کم عروج کا زمانہ ۸۰۰/ یا ۹۰۰/ قبل مسیح سے قبل ہونا چاہیے، تاکہ معین کا زوال وعہد آخر سبا کی ابتدا وعہد اول ہو، بعض اشخاص دونوں کو معاصر فرض کرتے ہیں لیکن یہ قابل غور امر ہے کہ اس مختصر خطہ ارض یعنی یمن میں دو عظیم الشان سلطنتیں ایک ساتھ کیوں کر قائم رہ سکتی ہیں۔

بہر حال اس عقدہ کے حل کرنے میں ہم انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کے مضمون نگار ''عرب'' مشہور جرمن فاضل ہومل (Hommal) کے ساتھ ہیں جس نے بدلائل متعدد یہ ثابت کیا ہے کہ معین کا تمام زمانہ یا کم از کم زمانہ عروج سبا سے پیشتر تھا۔

> ''مولر (وائنا) (Muller Of Viena) کی رائے ہے کہ سبا اور معین معاصر تھے، ایڈورڈ گلازر (Glaser) کی مشہور رائے ہے جس کی تقلید وتائید ونکلر (Winchler) اور راقم سطور (ہومل) نے کی ہے کہ معین کی حکومت کا زمانہ سبا کی حکومت سے اقدم ہے اور نیز (سبا کے) کاہن بادشاہوں (مکارب) سے پہلے ہے، اس تھیوری کی بنا پر طبعاً معین کے لیے ایک قدیم زمانہ کم از کم ۱۲۰۰/ قبل مسیح سے ۷۰۰/ قبل مسیح تک مفروض کرنا چاہیے۔
>
> حال میں سبا ومعین کی ہم عصری کی تائید بعض علما نے مثلاً ماہر عربیات مارٹن ہارٹمن (Hartmann) اور مؤرخ ایڈورڈ مائر (E. Merer) نے کی ہے لیکن پھر بھی ہارٹمن یہ قبول کرتا ہے کہ معین کا زمانہ زریں یقیناً سبا سے مقدم تھا۔''

---

[1] انسائیکلو پیڈیا آف اسلام، لفظ ''عرب'' [2] Vol I P 450۔

موئدین معاصرت کا سارا زور اس پر ہے کہ کتبہ معین (گلازر نمبر ۱۱۵۵، ہالوے نمبر ۵۳۵) میں ذکر ہے کہ "معین کے بخورات کی تجارت مصر، عشور اور عبر نہرین کے ساتھ تھی اور نیز اس میں ایک جنگ کا ذکر ہے جو "مذی" نام ایک قوم اور مصر میں ہوئی تھی، مذی کو یہ میدی یعنی اہل میڈیا (فارس) سمجھتے ہیں جن کی لڑائی مصر کے ساتھ ۵۲۵ ق م قبل مسیح میں ہوئی تھی۔

ہومل جواب دیتا ہے کہ "مذی" سے اہل مدین یا متی کیوں نہ سمجھا جائے جو بادیہ نشینان سینا کا نام تھا اور سب سے عجیب بات اس کتبہ میں ہماری تائید میں یہ ہے کہ اس کتبہ میں عشور (اشور یعنی اسیریا) اور عبر نہرین (مابین النہرین یعنی الجزیرہ) کا ذکر ہے، عشور سے اسیریا مراد ہوگا جس کا تورات میں اشور املا ہے، از روئے تاریخ اسیریا کا زوال ۷۰۰ ق م قبل مسیح میں ہو چکا تھا، اس بنا پر یقیناً معین کا زمانہ اسیریا سے یعنی ۸۰۰ ریا ۹۰۰ ق م قبل مسیح سے بہت پہلے فرض کرنا چاہیے، اس بنا پر معین کا تمام زمانہ سبا سے اقدم ہوگا یا کم از کم یہ کہ معین کا آخری زمانہ سبا کے ابتدائی زمانہ کے معاصر ہے[1]۔

یہ منازعات ومباحث معین کے ابتدائی زمانہ وجود یا زمانہ عروج کے متعلق ہیں، معین کا آخری زمانہ یونانی شہادتوں کی بنا پر سو برس قبل مسیح تک قائم تھا، اس کے بعد پہلی صدی مسیحی میں بھی معین کے متعلق ایک دو حرف ملتے ہیں لیکن زیادہ تر سبا کی عظمت سے یہ روایات پُر ہیں، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ معین اس وقت گم نام ہو چکے تھے۔

معین اور یونانی مؤرخین: یونانی مؤرخین نے اپنی تصنیفات سے نہ صرف اپنی قوم کو زندہ رکھا بلکہ اپنے زمانہ کی تمام قوموں کو بھی انہوں نے زندہ رکھا ہے۔

یونانیوں اور عربوں میں صرف تاجرانہ تعلقات تھے، مصر چوتھی صدی قبل مسیح سے یونانیوں کے قبضہ میں تھا، اسکندریہ اس وقت تجارت کا مرکز تھا، اس زمانہ میں معدنیات اور لوبان

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھو انسائیکلو پیڈیا آف اسلام، ج ۱، ص ۲۷۸۔

وغیرہ خوشبودار چیزوں کی تجارت خاص عرب تاجروں کی ملکیت تھی اورارا ٹستھینس (Eratos Thenes) جس کی تاریخ وفات ۱۹۶ ق م قبل مسیح ہے وہ قبائل یمن کے ذکر میں لکھتا ہے[1]:

''ملک عرب کے انتہائے اختتام پر سمندر کے کنارے اہل معین (Minsians) رہتے ہیں جن کا خاص شہر قرن (Karna) ہے، اس کے بعد سبا آتے ہیں، جن کا پایہ تخت مارب ہے، آگے بڑھ کر بجانب مغرب خلیج عرب کے گوشہ پر اہل قتاب آئے ہیں جن کے بادشاہ تمنع میں رہتے ہیں، آخراً انتہائے مشرق میں اہل حضر موت ہیں جن کا شہر سباتا ہے، ان چاروں ممالک میں سے ہر ایک کی وسعت مصر زیریں سے زیادہ ہے۔

ان ممالک میں ایام گرما میں بارش ہوتی ہے اور ندیاں بہتی ہیں جو میدانوں اور تالابوں میں گم ہوجاتی ہیں، اسی لیے زمین اس قدر زرخیز ہے کہ تخم ریزی وہاں سال میں دوبار ہوتی ہے، حضر موت سے ملک سبا تک ۴۰/ روز کا راستہ ہے، سوداگر ''معین'' سے عیلانہ (عقبہ) تک ۷۰/دن میں جاتے ہیں حضر موت، قتاب، سبا اور معین کے شہر دولت مند اور ہیکلوں اور شاہی عمارتوں سے آراستہ ہیں۔''

اس بیان سے جو مسیح سے دوسو برس قبل کی شہادت ہے، یہ ظاہر ہے کہ اس وقت یمن میں چار آباد قطعات تھے، جن میں سے ایک معین تھا، اس کی وسعت مصر زیریں سے کم نہ تھی، زمین نہایت زرخیز و سرسبز تھی، مملکت معین کا خاص شہر قرن تھا، موقع وقوع کے لحاظ سے یونانی مورخ کا بیان ہے کہ یمن کے مشرق میں حضر موت، مغرب میں بجانب بحر عرب قتاب اور وسط میں معین اور سبا، معین اور خلیج عقبہ کے درمیان جو یمن سے شام و مصر کا راستہ تھا، ۶۰-۷۰/دن کی مسافت تھی۔

معین تجارت پیشہ قوم تھی، زیادہ تر خوشبودار لکڑی اور بخورات کی تجارت کرتی تھی، ایک قدیم جغرافیہ نویس لکھتا ہے:

---

[1] ڈنکر کی تاریخ قدیم، ج ۱، ص ۳۱۰-۳۱۱۔

''یہاں سے بطرا اور فلسطین تک سڑک جاتی ہے، جہاں اہل قریہ اور اہل معین اور آس پاس کے تمام عرب بالائی ملک سے خوشبودار چیزوں کے بستے اور بخورات لاتے ہیں[1]۔''

پلینی کے بیان کے مطابق ان کی زمین کی خاص پیداوار چھوہارے اور انگور تھے لیکن ان کی دولت کا اصلی سرچشمہ جانوروں کی تجارت تھی[2]۔

پلینی کا سال وفات ۷۹ ء قبل مسیح ہے، اس وقت تک معین گو زندہ تھے لیکن سبا کے مقابلہ میں گم نام ہو چکے تھے، جیسا کہ پلینی کا یہ فقرہ ظاہر کرتا ہے:

''سبا تمام قبائل عرب میں سب سے زیادہ مشہور ہیں، وہ سمندر کے اس ساحل سے اس ساحل تک کے مالک ہیں، حضرموت ان کے ملک کا ایک ٹکڑا ہے، حضرموت کے پیچھے اندرونی حصہ میں معین واقع ہے[3]۔''

اس فقرہ سے ثابت ہوتا ہے کہ پہلی صدی عیسوی میں معین سبا کے مقابلہ میں گم نام ہو چکے تھے اور اس وقت سبا سمندر کے اس گوشہ سے اس گوشہ تک یعنی خلیج فارس سے بحر احمر تک کے تنہا مالک تھے، گو شہر معین کا وجود دوسری صدی ہجری اور آٹھویں صدی عیسوی تک باقی تھا[4]، پلینی نے ایک مزہ کی بات یہ لکھی کہ ''معین'' اپنا نسب ''مینوس'' شاہ کریٹ تک پہنچاتے ہیں[5]، یہ دعویٰ شاید یونانیوں کا طبع زاد ہو تاہم اس سے اتنا تو ثابت ہوتا ہے کہ معین کا سلسلہ تجارت یونان کی سرحد تک پہنچ چکا تھا۔

معین کا دائرۂ حکومت: معین کا دائرۂ حکومت کس قدر وسیع تھا؟ اس سوال کا جواب آسان نہیں تاہم کوشش کی جاتی ہے کہ اس کی تحدید ہو سکے، عرب اور یونان کی روایت اور علم الآثار کی تائید کی بنا پر[6] معین حضرموت اور سبا (صنعاء) کے وسط میں واقع تھا، جس کو آثار نے جنوبی جوف

---

[1] Goldmines of Median P 179 [2] فارسٹر، ج ۲، ص ۲۲۴-۲۲۶ [3] ڈنکر کی تاریخ قدیم، ج ۱، ص ۳۱۲-۳۱۳ [4] معجم البلدان یاقوت، ج ۲، ص ۹۸، مصر [5] فارسٹر، ج ۲، ص ۷۵ [6] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، مضمون عرب۔

کی حدود میں محدود کیا ہے، عربوں کے بیانات بھی معین کے لیے اسی مقام کی تعیین کرتے ہیں، ایک عرب شاعر کہتا ہے:

ونحمي الجوف مادامت "معين" باسفله مقابلة عرادا

معین کے خاص دارالحکومت کا نام یونانیوں نے قرن لکھا ہے، آثار میں بھی قرن لکھا ہوا پایا گیا ہے، آثار سے قرن کے علاوہ اور بھی بہت سی آبادیوں کے نام معلوم ہوئے ہیں جو معین کے حدود میں واقع تھے، ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں، یثیل، نشق، نشان، حریم اور کمنہ[1]، براقش کا نام اوپر آچکا ہے۔

معین کے کھنڈر اب تک باقی ہیں، ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ معین کے تمام قلعے اور شہر ایک دائرہ کی صورت میں واقع تھے، معین خود سبا کے قلب میں اس شاہراہ کے دست راست پر جو مارب کی شمالی جانب ہے، واقع تھا، روایات عرب میں معین کے ساتھ ساتھ براقش کا ذکر ہوتا ہے، براقش کا محل وقوع معین کی مغربی و جنوبی جانب اور موجودہ صنعاء کے قریب جو کوہستانی سلسلہ ہے، اس کی مغربی جانب تھا، براقش کا قدیم نام یثیل تھا، اہل معین کا تیسرا قلعہ یا شہر جو شاید یونانیوں کا بیان کردہ قرن یا قرنا ہو، شمالی جوف کے وسط میں معین و براقش کے شمال میں تھا[2]۔

یمن کے علاوہ معین کے آثار و خط و زبان کے نمونے شمالی عرب میں العلاء میں بھی ملتے ہیں، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ معین کی کوئی نوآبادی یہاں بھی قائم تھی[3]، غالباً اس نوآبادی کی غرض یہ ہوگی کہ معین ان تجارتی راستوں کی حفاظت کرے، جو سواحل بحر احمر پر عقبہ (عیلانہ) ہو کر شام و فلسطین اور اسکندریہ کو جاتے تھے۔

معین کے ان شمالی آثار سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ صرف تجارتی حکومت نہ تھی بلکہ جنگ و فتح میں حصہ لیتی تھی، شامی معین کا ایک گورنر اپنے آقا کی جنگ سے بخیریت واپسی

---

[1] Huart Tome I P 45 [2] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، مضمون عرب [3] سموال لے انگ، فصل عرب۔

پر ایک یادگاری لوح پر لکھتا ہے:

''استار (دیوتا) کے شکرانہ میں اس کی حفاظت پر فرماں روائے جنوب اور فرماں روائے شمال کی باہمی جنگ میں اور مدی اور مصر کی لڑائی میں اور ان کے بخیریت اپنے خاص شہر قرن واپس پہنچ جاتے ہیں۔''

اس کتبہ کا نویسندہ اپنے کو ابی یدع شیع شاہ معین کا ماتحت ظاہر کرتا ہے اور اپنا لقب ''تساراشور'' اور بالائی ساحل بحر کا حاکم بتاتا ہے، ''تسار'' کا ذکر مصری کتبات میں بھی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصری وعربی سرحد پر جہاں اب سوئز ہے، تسار کوئی سرحدی قلعہ تھا، معین کے ایک دوسرے شمالی کتبہ میں حکام معین شہر غزہ کا حاکم ہونا بھی اپنے کو بیان کرتے ہیں[1] شہر غزہ شام و فلسطین کے پاس اب تک موجود ہے، ان بیانات سے معلوم ہوگا کہ معین کی حکومت یمن سے شروع ہو کر شام و مصر اور اشور (اسیریا) تک ممتد تھی۔

معین کے شمالی آثار میں مصران نام ایک آبادی کا نام بھی منقوش ہے، یہ آبادی غالباً مدین کے پاس تھی، مصران، عبری کے مصرائم اور عربی کے مصر سے بہت متشابہ ہے اور عجیب تر یہ ہے کہ مصر کی طرح یہاں کا حاکم بھی اپنا لقب فرعون رکھتا تھا، اس بنا پر جرمن علماء میں عموماً یہ نظریہ قبول ہوتا جاتا ہے کہ تورات میں جہاں جہاں مصرائم (مصر) کا ذکر ہے، اس سے مراد یہی شہر مصران ہے لیکن یہ تھیوری ابھی بہت سے اعتراضات کا مورد ہے[2]۔

ہم نے آغاز فصل میں لکھا ہے کہ ۸۰۰ ق م قبل مسیح میں بنی اسرائیل نے ''معین'' کا ذکر کیا ہے، اس زمانہ میں عزیاہ بنی اسرائیل کا بادشاہ تھا، عزیاہ اس زمانہ میں عربوں سے لڑا تھا، اس لڑائی کا نتیجہ نبیم میں اس طرح مذکور ہے:

''اور خدا نے اس کو مدد دی کہ اہل فلسطین پر اور ان عربوں پر جو جوزلعل میں رہتے تھے اور معنیون پر اس کو غالب کیا۔'' (تاریخ دوم، ۲۶-۷)

---

[1] بیانات بالا کے لیے دیکھو Human Origins P 37 [2] Huarts, Yome I P 46۔

یہ جنگ معین کے شمالی مقبوضات میں جو فلسطین سے متصل تھے، واقع ہوئی ہوگی، اس شہادت سے جو ۸۰۰ر برس قبل مسیح کی ہے، چند نتائج مستنبط ہوتے ہیں، اولاً یہ کہ جیسا کہ آثار سے ثابت ہوتا ہے کہ معین کی نوآبادی شمالی عرب میں بھی تھی، اس واقعہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، ثانیاً یہ کہ ۸۰۰ر برس قبل مسیح معین کی ابتدائی قوت کا زمانہ نہیں ہے، جیسا کہ فرنچ علمائے آثار نے قرار دیا ہے، بلکہ ابتدائے ضعف کا زمانہ ہے، جیسا کہ جرمن علماء کی رائے ہے، اس کی ترقی کا زمانہ اس کے زمانہ شکست سے بہت اوپر فرض کرنا چاہیے، ثالثاً یہ کہ معین اصل میں ایک فاتح قوم تھی، اگر ۲۰۰ر قبل مسیح سے ۲۰۰ر ء تک یونان کے جغرافیہ نویسوں نے اس کا ذکر صرف ایک تاجر قوم کی حیثیت سے کیا ہے تو وہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اس کی سیاسی عظمت اس سے بہت پہلے مفقود ہو چکی تھی اور اس زمانہ میں وہ صرف ایک تجارت پیشہ قوم ہو کر رہ گئی تھی۔

شاہان معین: خاندان معین میں کتنے باشاہ گزرے اور ان کے کیا نام تھے،؟ اس کا جواب نہ خود روایات عرب میں ہے اور نہ مؤرخین یونان کے بیانات میں، اس کے لیے دنیا کو صرف علمائے آثار کا ممنون ہونا چاہیے، انہوں نے معین کے تقریباً ۲۵ر بادشاہوں کے نام دریافت کیے ہیں جن میں سے بیس باہم ایک دوسرے کے رشتہ دار ہیں، ناموں کی فہرست حسب ذیل ہے:

۱- ایل صادق	ابی یدع یاثع	وقع ایل صادق
وقہ ایل یاثع	وقہ ایل ریام	ابی کریب یاثع
ابی یفع یاشر	حفنم صادق	عمی یدع نابط
حفنم ریام	ابی یفع یاتوش	۴- ابی یفع ریام
۲- ابی یفع یاثع	۳- ابی یفع دقہ	ہوفاعشت
ابی یدع	٦- یثع اہل ریام	۷- ابی یدع
خالی کریب	تبع کریب	حفنم
حفن یاثع		

یہ کل تیئیس نام ہیں جو عمارات اور مقبروں کے کتبوں سے جمع کیے گئے ہیں[1]، یہ تعداد زمانہ حکومت کے لحاظ سے بہت کم ہے اور ظاہر ہے کہ متعدد نام ایسے ہوں گے جن کے نام کے کتبے ہم کو نہیں ملے اور بہت سے ایسے ہوں گے جن کے نام کے کتبے سرے سے نہ ہوں گے، اس لیے زمانہ حکومت کی وسعت کے مطابق کم از کم دس بارہ نام اور فرض کیے جاسکتے ہیں، کل ۳۵ر نام ہوتے ہیں، حمزہ اصفہانی نے ۲۶ر تابعہ یمن کی مدت حکومت ایک ہزار برس لکھی ہے لیکن یہ مدت ۲۶ر بادشاہوں کے زمانہ حکومت کے لیے بہت زیادہ ہے کیوں کہ زیادہ سے زیادہ ہر ایک کا زمانہ اوسطاً بیس برس سے زیادہ مفروض نہیں ہوسکتا، اگر ایک طرف ان میں بہت سے ۵۰ر برس کے ہوں گے تو دوسری طرف بہت سے دس برس کے ہوں گے، اس لیے زیادہ سے زیادہ اوسط ۲۰ر برس ہم فرض کرتے ہیں۔

اس فرض کی بنا پر ۳۵ر بادشاہوں کے لیے ۷۰۰ر برس کا زمانہ ہونا چاہیے، یہ زمانہ اگر ۱۷۰۰ قبل مسیح سے شمار کیا جائے جو یمن میں عاد کی خاتمہ حکومت کا زمانہ ہے تو ۱۰۰۰ قبل مسیح پر آ کر یہ ۷۰۰ر کی مدت ختم ہوتی ہے اور یہ ٹھیک وہ زمانہ ہے جب تورات کی رو سے (قصہ سلیمان وسبا) قوم سبا کی ابتدا ہو رہی ہے۔

گلازر (Glaser) اور ہومل (Hommel) جو جرمنی کے محققین علمائے آثار ہیں، وہ معین کا عہد حکومت ۱۵۰۰ قبل مسیح سے ۹۰۰ر قبل مسیح تک متعین کرتے ہیں، جس کے بعد ان کا بیان ہے کہ سبا نے شمال عرب سے آ کر معین کو فتح کر لیا[2]، ہم نے معین کی ابتدا عاد کے خاتمہ سے لے کر (۱۷۰۰ قبل مسیح) سبا کی ابتدا تک (۱۰۰۰ قبل مسیح) جو قرار دی ہے، اس سے بغیر کسی تکلف کے یمن کی ایک مسلسل تاریخ قائم ہو جاتی ہے اور یہ فرض محققین آثار سے زیادہ دور بھی نہیں واقع ہوتا ہے، معین کی زبان، خط اور دیوتا کے نام سبا سے مختلف ہیں اور کسی قدر بابل سے مشابہ ہیں، اس نتیجہ سے معین کی قومیت کا راز فاش ہوتا ہے کہ وہ عرب سامیہ اول کے بقایائے یادگار تھے۔

---

[1] ان ناموں کی فہرست کے لیے دیکھو Huart Yome I P 56 [2] انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، مضمون عرب یازدہم۔

۶- بنی لحیان

منجملہ عرب بائدہ کے رواۃ عرب بنی لحیان نام ایک قبیلہ کا ذکر کرتے ہیں، بنی لحیان کی نسبت وہ صرف اس قدر جانتے ہیں کہ یہ جرہم کی ایک شاخ تھی، ابن خلدون نے بھی اسی قدر لکھا ہے[۱]۔

آج کل شمالی عرب کے شہر العلا میں چند کتبات سبائی اور نبطی کتبوں کے پہلو بہ پہلو ملے ہیں جن سے نہ صرف ''بنولحیان'' کا وجود ثابت ہوتا ہے بلکہ یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ شمالی عرب میں حدودِ شام میں اور خصوصاً العلا کے اطراف میں آباد تھے، خط لحیانی جنوبی عرب کے خط معینی کے مشابہ ہے بلکہ ان ہی سے ماخوذ معلوم ہوتا ہے[۲]۔

علمائے آثار بنولحیان کی سیاسی قوت کا زمانہ شمالی عرب میں معین وسبا کے انحطاط (۵۰۰ رقبل مسیح) اور انباط کے ارتقا (۳۰۰ رقبل مسیح) کے درمیان میں قرار دیتے ہیں، لحیانی کتبات کے مضامین کچھ زیادہ واضح طور سے پڑھے نہیں جا سکے ہیں لیکن اس خیال کی ہر طرح تائید ہوتی ہے کہ فارس ومصر کے فاتحانہ تعلقات کے عہد ۵۰۰ رقبل مسیح کے ہیں، اس بنا پر اس زمانہ میں ہیروڈوٹس (۳۰۶ رقبل مسیح) نے فارس ومصر کے تعلق سے جن عربوں کا ذکر کیا ہے، خیال کیا جاتا ہے کہ وہ یہی ''بنی لحیان'' ہیں[۳]۔

بنی لحیان کا مسکن حکومت فارس ومصر کے درمیان واقع تھا، ہیروڈوٹس بیان کرتا ہے کہ یہ عرب ہر سال ہزاروں وزن (؟) بخورات شاہ فارس کو نذر دیتے ہیں لیکن یہ نذر

---

۱ تاریخ ابن خلدون، ج ۲، مصر ۲ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، جلد ۱، صفحہ ۳۳۹۲ ۳ ایضاً صفحہ ۳۷۹۔

غلامی وعبودیت کی قیمت نہ تھی بلکہ دوستانہ ہدیہ تھا، کیوں کہ مؤرخ مذکور لکھتا ہے کہ ”ان عربوں کو اب تک کوئی مفتوح نہ کرسکا۔“

۵۲۵ قبل مسیح میں قمبیز شاہ فارس نے جب مصر پر حملہ کرنا چاہا تو صحرائے سینا کے بے آب ودشوار گزار میدان بغیر ان عربوں کی اعانت کے قطع کرنا محال تھا، شاہ فارس نے ان عربوں کے پاس ایک سفارت بھیجی کہ وہ اس کی مدد کریں اور اس ریگستان میں اس کی فوج کے لیے پانی کا انتظام کریں، شاہِ عرب نے امداد کا وعدہ کیا اور پتھر سے انگلی پر مار کر خون نکالا، جو مستحکم وعدہ کی عربوں میں نشانی تھی، اونٹوں کی کھالوں میں پانی بھر کر اس ریگستان کو چشمہ پر آب بنا دیا[1]۔

پلینی نے پہلی صدی عیسوی میں خلیج ایلانہ (عقبہ) کے پاس لیانیین نام ایک قوم کا ذکر کیا ہے[2]، بعض لوگ اس کو لحیانین سمجھتے ہیں[3]۔

لیکن ہماری رائے میں وہ ایلانیین ہے اور اس کی شہادت یہ ہے کہ اس خلیج کا نام ”ایلہ“ اور ”ایلانہ“ نہایت قدیم ہے اور اسی نام سے یہود کے صحیفوں اور یونان کے جغرافیوں میں اس کا ذکر ہے، حالاں کہ اس کے بعد اور اس کے پہلے بنولحیان کا وجود بھی نہ تھا۔

بنولحیان عرب کے ایک اور قبیلہ کا بھی نام ہے جو اسماعیلی قبائل کی شاخ، ہذیل بن کنانہ کی فرع ہے، یہ ظہور اسلام میں نجد کے قریب آباد تھی، مسلمانوں کو اس کے ساتھ ایک غزوہ بھی پیش آیا تھا۔

---

[1] ہیروڈوٹس، باب ۳، فقرہ ۸۰ [2] Goldmines P [3] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ج ۱، ص ۳۷۹۔

مجہول قبائل سامیہ

ان قبائل مذکورہ کے علاوہ اور بہت سے قدیم قبائل بائدہ کے نام سے منقول ہیں لیکن نام کے سوا اور کچھ نہیں معلوم، مثلاً عبیل، عبث اولیٰ، اقیم، ارقم، وبار وغیرہم، جاہلی شاعر نابغہ جو اسلام سے کچھ پہلے گزرا ہے، ایک قصیدہ میں عرب کے قبائل بائدہ کا بہ تفصیل ذکر کرتا ہے:[1]

الم تروارما ولاعادا — افناهم الليل والنهار
وانقرضت بعدهم — ثمود بما جنى فيهم قدار
وجاسم بعدهم وسطم — قد او حشت منهم الديار
وحل بالحى من جديس — يوم من الشر مستطار
ومر دهر على صحار — فهلكت جهرة صحار
ومتعت بعدهم وبار — ولاصحار ولا دبار
باد و او خلوا رسوم دار — فاستوطنت بعدهم نزار
لان لهم سود دوحلم — ونجلة شانها و قار
اخنت عليهم صرف دهر — له على اهله عثار

---

[1] حمزہ اصفہانی کلکتہ صفحہ ۱۱۱۔

طبقۂ ثانیہ

بنو قحطان

(۲۵۰۰ قبل مسیح)

قحطان قبائل یمن کا جداعلیٰ تھا، عبرانی تورات میں قحطان کے بجائے یقطان مذکور ہے (تکوین، ۱۰-۲۶)، تورات کے یونانی تراجم میں "یا" کو "جیم" سے بدل کر جقطان استعمال کیا گیا ہے، قحطان، یقطان اور جقطان تینوں ایک ہی نام کے مختلف تلفظ ہیں، یہ نظریہ گو پہلے علمائے نصرانیت میں مسلم نہ تھا لیکن اب یہ عام طور سے قبول کیا جارہا ہے، چنانچہ انسائیکلوپیڈیا میں جو زمانہ حال کی مستحکم ترین سند ہے، اس اتحاد کو تسلیم کیا گیا ہے[1]، ریورنڈ فارسٹر جنہوں نے انیسویں صدی کے وسط میں عرب کا جغرافیہ تاریخی لکھا ہے، وہ اس اتحاد کے لیے نہایت بے قرار[2] ہیں کہ تورات کے یقطان کی تاریخی شخصیت کی تصدیق عرب کے قحطان کے سوا کسی اور صورت میں نظر نہیں آتی، ان ہی اسباب سے ہم دیکھتے ہیں کہ تورات کے مشرقی تراجم میں یقطان کے بجائے اب عام طور سے قحطان لکھا جاتا ہے۔

قحطان و یقطان کے اتحاد مسمیٰ کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ تورات میں جن اولادوں کا ذکر ہے، اصول تطابق اسماء کی بنا پر ان کا مسکن یمن ثابت ہوتا ہے، جس کی تفصیل یہیں آگے آتی ہے، تورات نے ان کی جائے سکونت "مسا سے سفار پورب کے پہاڑ

---

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ج ۲، ص ۲۸۴ [2] جلد ۱، فصل ۲۔

تک" بتائی ہے (تلوین، ۱۰-۳۱)، مسا اور صفار دونوں مقام مجہول ہیں، صفار سے اب عموماً ظفار واقع یمن مراد لیا جاتا ہے، مسا سے اگر حجاز مراد لیا جائے[1] (کیوں کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ایک بیٹے کا نام مسا تھا) تو مطلب یہ ہوگا کہ حجاز سے یمن تک بنوقحطان آباد تھے اور یہ بیان عربوں کی روایت کے بالکل مطابق ہے۔

تورات میں ہے کہ قحطان کے تیرہ بیٹے تھے، الموداد، شلف، ہدورام، اوزال، وقلاہ، عوبال، ابی مال، اوخیر، حویلہ، یوباب، یارح، حضارموت، شبا (تلوین، ۱۰-۳۰)۔

عرب رواۃ یارح، حضارموت اور شبا کے سوا کسی اور سے واقف نہیں لیکن یورپ کی مذہبی جماعت نہایت اہتمام وکوشش سے ان میں سے ہر ایک کا وطن ومسکن عرب کے ایک ایک گوشہ میں ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکال رہی ہے، ان کی تحقیقات کا نتیجہ حسب ذیل ہے گو ان کی صحت قطعی نہیں۔

الموداد

الموداد اور اس کی اولاد نے مشرقی عرب کے سواحل بحر فارس پر اقامت کی کیوں کہ بطلیموس نے الومائیٹو (Allumaeoto) نام ایک عرب قبیلہ کو جو الموداد کے نام سے مطابق ہے، یہیں جگہ دی ہے۔

شلف

بنوشلف حجاز میں مدینہ اور کوہ ذامس کے مابین آباد تھے، بطلیموس نے سلفنی نام یہاں ایک قوم کا ذکر کیا ہے جو عبرانی نام کی یونانی شکل ہے۔

---

[1] اسی کتاب میں جغرافیۂ عرب حسب بیان توراۃ دیکھو۔

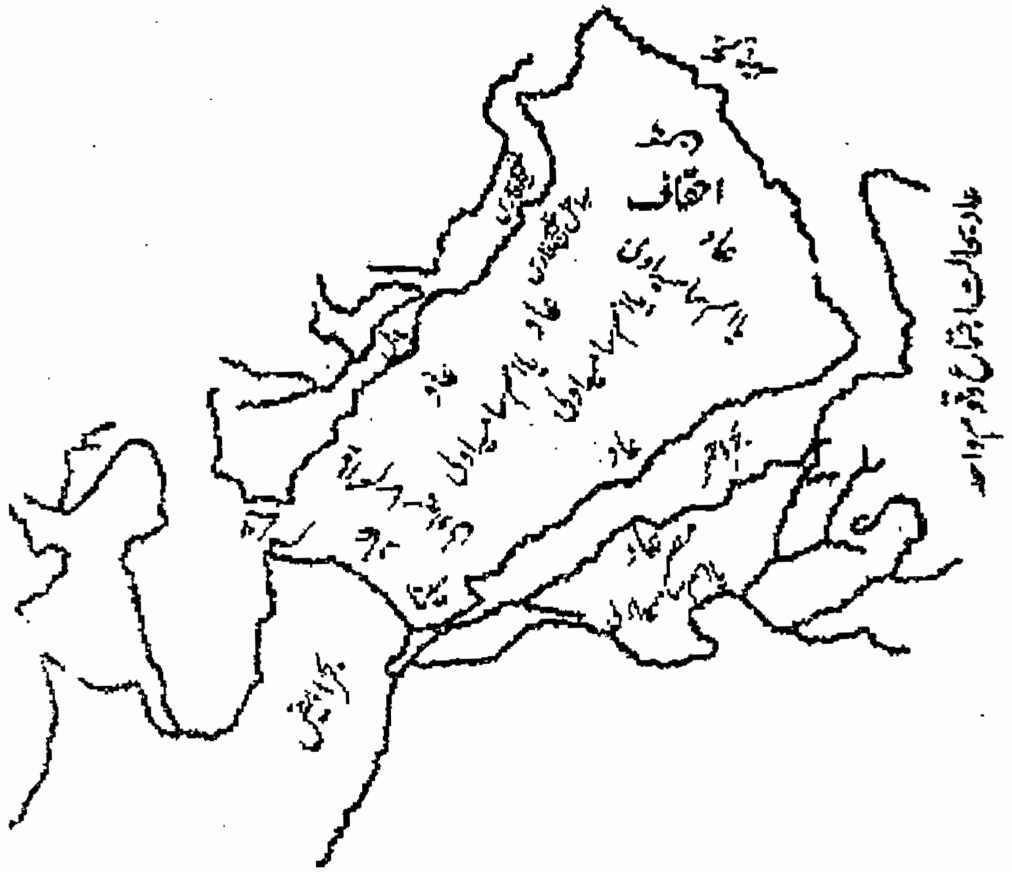

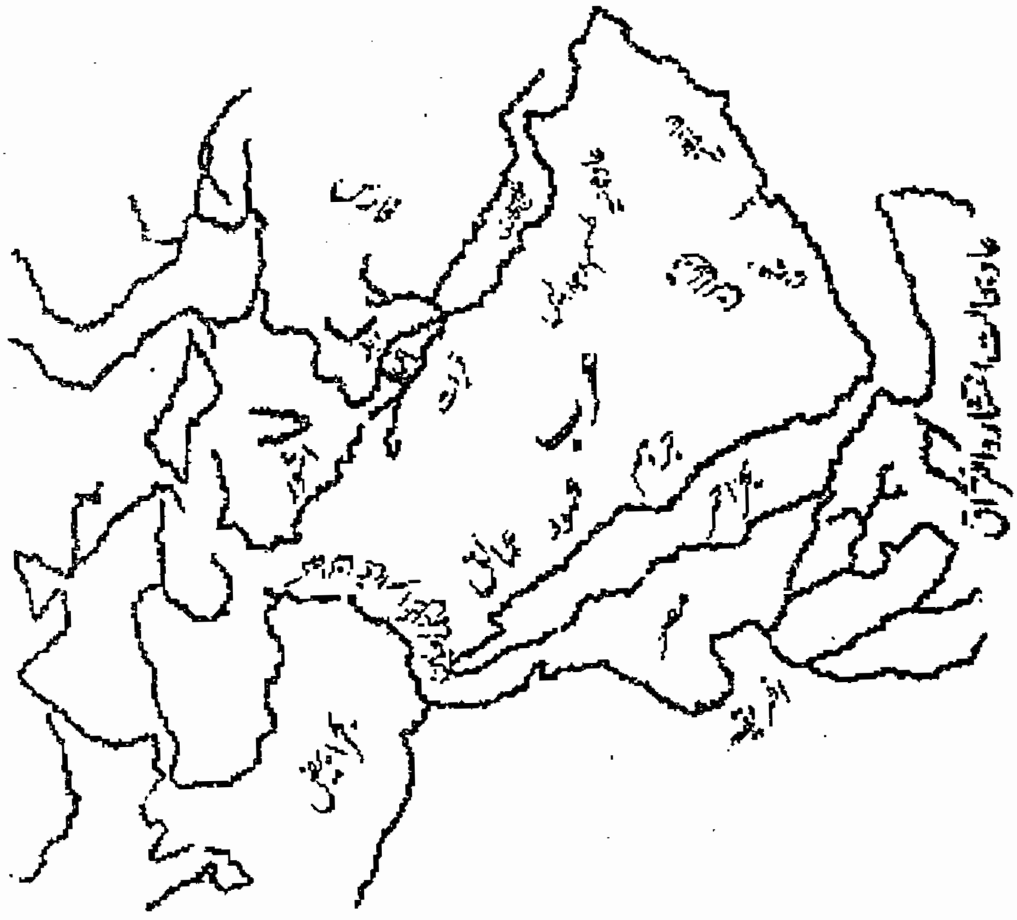

ہدورام

ہدورام کی اولاد نے بھی یہی سمت اختیار کی، ہدرمہ (Hadrama) نام ایک آبادی کا ابوالفدا نے ذکر کیا ہے۔(اصل نام حضرمہ ہے، ان ناواقفوں کو D کے تلفظ نے دھوکا دیا ہے، جو یورپین زبانوں میں عربی کے ''ذ'' اور ''ض'' دونوں کا کام دیتا ہے، جغرافیہ ابوالفدا کے یورپین ترجمہ میں حضرمہ کو (Hadrama) لکھا ہوگا۔)

اوزال

وسط یمن میں اس مقام پر آباد ہوئے جہاں اب صنعا آباد ہے، ان ہی کے نام سے یمن میں ''اوزال'' ایک مشہور شہر تھا، یہ شہر حضرت مسیح سے ۶-۷ سو برس پہلے تجارت کی ایک بڑی منڈی تھی، یہاں سے فولاد، تیزپات اور مسالہ لایا کرتے تھے (حزقیال، ۲۷-۱۹)، یہود اب تک موجودہ صنعا کو جو قدیم اوزال کی جگہ چھٹی صدی عیسوی میں آباد ہوا ہے، اوزال ہی کہتے ہیں۔

وقلاہ

یمن میں ایک مقام کا نام ''ذوالخلاعہ'' ہے، شاید وہ عبری وقلا کی عربی شکل ہو۔

عوبال

عرب میں اس خاندان کا نشان نہیں ملتا، شاید کہ وہ افریقہ (ایتھوپیا) چلا گیا ہو۔

ابی مائل

بعض اشخاص کے بیان کردہ آثار کے مطابق مسکن بنی سالف اور حجاز کے مابین

اس کی اقامت ظاہر ہوتی ہے۔

اوفر

بنواوفر یمن کے سواحل پر جاگزیں ہوئے، ان ہی کے نام سے اس مقام کو اوفر کہتے تھے، یہ یمن کا قدیم بندرگاہ تھا، حضرت سلیمان علیہ السلام کے جہاز یہاں آکر لنگر انداز ہوا کرتے تھے اور ان کے لیے یہاں سے سونا لاد کر لے جایا کرتے تھے (سلاطین ۹-۲۸۔۱)
اوفر کے سونے کا تمام اسفار یہود میں بکثرت ذکر ہے[1]۔

حویلہ

اس کی اولاد یمن میں شمال کی جانب آباد ہوئی جہاں اس کے نام سے شہر اویلہ آباد ہوا۔

یوباب

یوباب کو یونانی میں جواب کہیں گے، یمن کے جنوب میں جوبارٹی (Jobaritee) کو بطلیموس نے جگہ دی ہے، شاید یہ وہی ہو[2]۔
یارح، حضرموت اور سبا کے متعلق کسی قدر زیادہ حالات ہم کو لکھنے ہیں، اس لیے ان کے لیے مستقل عنوانوں کی ضرورت ہے۔

---

[1] ایام دوم ۸-۱۸ و ۹-۱۰-۱۰-۱۱-ایام اول، ۲۹-۴، سفر ایوب، ۲۲-۲۴ و ۲۸-۱۶، زبور، ۴۵-۹، اسعیا، ۱۳-۱۲ [2] ان تمام بیانات کے لیے دیکھو فارسٹر، جلد ۱، فصل ۲۔

یارح یا یعرب

یارح عبرانی ہے، عرب اس کو یعرب کہتے ہیں، السنہ قدیمہ میں اس قسم کا تغیر لہجہ نہایت عام ہے، یہودی رواۃ عرب تمام قبائل یمن کو تنہا اسی یعرب کی اولاد قرار دیتے ہیں، یہاں تک کہ شبا کو بھی یعرب ہی کا بیٹا سمجھتے ہیں اور یہی رائے ہمارے ہاں متفقاً تمام علمائے ادب و انساب کی ہے، اس غلطی کا سر بنیاد صرف عبید بن شریہ وغیرہ یہود یمن کے عام افسانے ہیں، تورات میں قحطان و اولاد قحطان کے تحریری حالات و انساب موجود ہیں جن کا رتبہ بہر حال یہودیوں کی زبانی کہانیوں سے بہت اعلیٰ اور ارفع ہے۔

روایات عرب کی رو سے یعرب یمن کا سب سے پہلا بادشاہ ہے، یا یوں سمجھو کہ تمام بنو قحطان میں نسل یعرب پہلی حکمراں جماعت ہے، یہ بھی کہتے ہیں کہ دعائے شاہانہ جو اسلام سے پہلے جاہلیت میں جاری تھی یعنی آبَیْتَ اللَّعْن وَاَنْعِمْ صَبَاحاً سب سے پہلے اسی کو دی گئی، یہ بھی مشہور ہے کہ عربی زبان کا سب سے پہلا متکلم فصیح یہی تھا، حسان بن ثابتؓ (مشہور شاعر و صحابی) فرماتے ہیں:

تعلمتم من منطق الشیخ یعرب　　ابینا فصرتم معربین ذوی نفر
وکنتم قدیماً لکم غیر عجمةٍ　　کلام و کنتم کالبھائم فی القضر

یہاں تک تو غنیمت ہے، آگے چل کر دعویٰ کیا جاتا ہے کہ ''عربی'' اور ''عرب'' کا نام بلکہ وجود اسی ''یعرب'' سے ماخوذ ہے، ہماری رائے میں یہ دعویٰ صرف لفظ ''یعرب'' اور ''عرب'' کی مناسبت لفظی پر مبنی ہے، بلکہ یعرب کی فصیح اللسانی کا دعویٰ بھی عجب نہیں کہ

اسی نام کی معنوی مناسبت کا نتیجہ ہو کہ ''یعرب'' اور ''اعراب'' ہم مادہ ہیں اور ''اعراب'' کے معنی عربی زبان میں صفائی کے ساتھ اظہار مطلب کے ہیں۔

تورات میں یعرب کی اولاد کا حال مذکور نہیں، رواۃ عرب، یشجب نام اس کے ایک بیٹے کا ذکر کرتے ہیں اور سبا کو تورات کے برخلاف یعرب (یارح) کے بھائی کے بجائے یعرب کا پوتا اور یشجب کا بیٹا کہتے ہیں لیکن ظاہر ہے کہ ان دونوں ماخذوں میں معتبر تر کون ہے؟ یہ بھی روایت ہے کہ یعرب خود یمن کا فرماں روا ہوا اور اپنے بھائی جرہم کو حجاز کا حاکم بنایا، تورات میں یعرب کے تمام بھائیوں کے نام مذکور ہیں، ان میں جرہم کسی کا نام نہیں، جرہم البتہ ایک الگ قبیلہ تھا، جس کا ذکر ہم ''امم سامیہ'' کے عنوان میں مفصل کر آئے ہیں۔

مصنف جغرافیہ عرب ریورنڈ فارسٹر اور ان کی گم راہ کن پیروی میں مصنف ''خطبات احمدیہ'' نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ یارح، یعرب اور جرہم ایک ہی نام ہیں یارح اور یعرب کا اتحاد تو ظاہر ہے لیکن یارح اور جرہم میں باہم کیا تعلق ہے؟ یہ غلطی اس لیے پیدا ہوئی ہے کہ یونانی تلفظ میں جس کی تمام السنہ یورپ میں تقلید ہے ''ی'' ''ج'' سے بدل کر ''یرح'' کا ''جرح'' ہو گیا ہے، اس بنا پر ایک یورپین کی نگاہ میں اگر ''جرح'' اور ''جرہم'' ایک نظر آتے تو تعجب نہیں لیکن ایک عرب نژاد مسلمان کو کیوں کر دھوکا ہوا؟ حالاں کہ واقعہ یہ ہے کہ جرہم خاص سامی التلفظ نام ہے، یونانی نہیں کیوں کہ اسمائے قدیم کے متعلق عربوں کی معلومات براہ راست یہودیوں سے ماخوذ ہیں جن کی زبان عبرانی و سریانی تھی اور یا خود ان کے عربی موروثی روایات ہیں اور ان دونوں کے لحاظ سے ''ی'' اور ''ج'' کا مبادلہ غیر مسلم ہے، یہ مبادلہ سامی (عبری و عربی) اور غیر سامی (یونانی ولاطینی) زبانوں کے مابین ہوتا ہے، ورنہ خود سامی زبانوں کے اندر اس قسم کا مبادلہ کبھی نہیں ہوتا۔

یعرب اور نسل یعرب اور اس کی حکومت کے متعلق کچھ نہیں معلوم، روایات عرب میں غلطی سے سبا کو یعرب کی فرع تسلیم کر کے تمام قبائل سبا اور حکومتہائے سبا کو قبائل یعرب

اور حکومتہائے یعرب کہتے ہیں لیکن ہم بحوالہ تورات ابھی ثابت کر چکے ہیں کہ سبا اور یعرب دونوں قحطان کی الگ الگ اور مستقل شاخیں ہیں، اہل معین کا دور حکومت جیسا کہ گزرا سترہویں صدی قبل مسیح سے شروع ہوتا ہے اورامم سامیہ اولیٰ (عاد وغیرہ) جو یمن پر قابض تھے، ان کی تباہی ۱۸۰۰ ق م قبل مسیح میں ہوئی ہے تو کیا درمیانی زمانہ بنو یعرب کا فرض کیا جائے؟

حصارموت یا حضرموت

عبری زبان میں ''ض'' نہیں ہے، اس لیے حضرموت کا تلفظ اس میں حصرموت یا حصارموت بہ زیادت الف ہے، حضرموت کی اولاد نے جس قطعہ عرب کو اپنا مسکن بنایا وہ حضرموت کے نام سے آج تک مشہور ہے، حضرموت عرب کے انتہائی جنوب میں بحرعرب کے سواحل پر یمن کے مشرق میں واقع ہے۔

بنو حضرموت کی ایک مستقل حکومت تھی، جس کا ذکر یونانیوں نے جابجا کیا ہے، مسلمان مؤرخین بھی اس دورحکومت سے واقف تھے، علم الآثار نے بھی یہاں کے متعدد بادشاہوں کے نام دریافت کیے ہیں، یونانی زبانوں میں باہم ''ح'' اور A اور Ch ''ض'' اور D اور T اور S میں مبادلہ ہوجاتا ہے، اس لیے حضرموت کا تلفظ یونانی میں مختلف طرق سے ہوا ہے، سینٹ جیروم نے Asarmonth پلینی نے Atranitae Chatramotitae اور بطلیموس نے Chathramitae اور Chatramotitae کیا ہے[1]۔

عرب مؤرخین نے حضرموت کی گو مفصل تاریخ کہیں بیان نہیں کی ہے لیکن اتنا ان کو معلوم تھا کہ سبا کی طرح اس خاندان میں بھی متعدد بڑے بڑے بادشاہ گزرے ہیں، ان کا لقب عیاہل ہوتا تھا، مؤرخین عرب کا بیان ہے کہ **كان فيهم ملوك تقارب ملوك التبابعة فى علو الصيت ونباهة الذكر** یعنی شاہان حضرموت شہرت اور ناموری میں تابعہ یمن کے ہم درجہ تھے، ابن خلدون نے تاریخ میں بعض بادشاہوں کا ذکر کیا ہے، نشوران

[1] فارسٹر اور بیوان۔

ابن سعید حمیری نے بھی ان کا نام لیا ہے[1]۔

وعیا اھل من حضرموت من بنی اجماد ذی الاشبا وآل صباح
العز من جدن وابنامرۃ وبنی شبیب والاولی بناح
وبنی الھذیل وآل فھد منھم من کل حش بالندی سرتاح

فرزندان حضرموت زیادہ تر لڑائیوں میں برباد ہوگئے اور جو بچے انہوں نے اپنے کو قبیلہ کندہ میں منضم کر دیا، ابن خلدون کی عبارت ہے:

قدذھب اکثرھم واندرح باقیھم فی کندۃ وصادو افی عدادھم[2]	اکثر لوگ فنا ہوگئے، جو بچے وہ قبیلہ کندہ میں مختلط ہوگئے اور ان کا شمار ان ہی میں ہوگیا۔

بنی حضرموت چوں کہ بحر عرب کے ساحل پر آباد تھے جو تقریباً جنوبی ہندوستان کے سامنے ہے، اس لیے ہندوستان کی بحری تجارت کے یہ عہد قدیم سے مالک تھے، ہندوستان کا تمام بیوپار ان ہی کے توسط سے انجام پاتا تھا، جہاز رانی میں ان کو خاص دست گاہ حاصل تھی، اسلام کے بعد ان کی یہ قوت اور زیادہ نمایاں ہوکر چمکی، جزائر ہند، جاوہ، سماترا اور تمام سواحل ہند میں ان کی نو آبادیاں قائم ہیں، دکن کی فوجی طاقت میں حیدر آباد اور مرہٹوں کے زمانہ تک ان کا عنصر ایک جزاہم تھا، ان سواحل جزائر میں اشاعت اسلام کی خدمت بھی ان ہی حضرموتی عربوں کے ہاتھوں سے انجام پائی ہے۔

حضرموت اور تورات: حضرموت ان خوش نصیب عرب قبائل میں ہے جن کا نام تورات میں مذکور ہے لیکن افسوس ہے کہ یہ خوش نصیبی نام کی حیثیت سے صرف ایک ہی بار نصیب ہوتی ہے، یعنی قحطان کے بیٹوں کے سلسلہ میں لیکن حضرموت کے بندرگاہ قانہ یا قانع کا نام تجارت کی مناسبت سے مذکور ہے، حزقیال: ۲۷-۲۲ میں ہے ”فاران اور قانہ اور عدن سبا کے تاجر اسیر یا تیرے بیوپاری تھے“، قانہ کا بندرگاہ کتبات میں بھی مذکور ہے۔

---

[1] قصیدۂ حمیریہ قلمی، کتب خانہ بانکی پور [2] ابن خلدون، ج ۲، صفحہ۔

حضرموت اور یونان: یونان نے بھی بحری تجارت اور ہندوستانی بیوپار کے تعلق سے ان کا ذکر کیا ہے، اراٹوستھینس (Eratosthens) المتوفی ۱۹۶ قبل مسیح بیان کرتا ہے کہ ''یمن کے آخر میں مشرق کی طرف حضرموت (Chatramitis) ہے، اس کے دارالحکومت کا نام سباتھا (Sabbatha) ہے، سباتھا کا اصلی تلفظ ''شبوہ'' ہے، جواب تک حضرموت کی ایک مشہور آبادی ہے، یہی مصنف آگے چل کر لکھتا ہے ''حضرموت زیادہ تر بخورات پیدا کرتا ہے لیکن ہر قسم کے میوے بھی وہاں وافر اور جانور بھی بکثرت ہوتے ہیں، حضرموت سے سبا کا ملک ۴۰ روز کی مسافت پر ہے، حضرموت اور شبا نہایت دولت مند شہر ہیں اور مذہبی اور شاہی عمارات سے آراستہ ہیں۔''

پلینی (۷۹ء) کہتا ہے ''سبا کے ایک حصہ کا نام حضرموت ہے، جس کا خاص شہر سباتھا (شبوہ) ہے، اس شہر میں ساٹھ ہیکل ہیں، یہاں سے بخورات جمع کر کے سباتھا لائے جاتے ہیں، اس وقت تک یہ خرید نہیں کیے جاسکتے اور نہ کوئی غیر ملکی ان کو لے جاسکتا ہے جب تک کاہن سباتھا کے دیوتا کے لیے ایک عشر (دسواں حصہ) ان سے نکال نہیں لیتا[1]۔''

ایک یونانی مؤرخ لکھتا ہے کہ ''حضرموت میں بادشاہ وراثتاً نہیں ہوتا، بلکہ شرفائے ملک کے گھر میں بادشاہ کے انتخاب کے بعد جو پہلا بچہ پیدا ہوتا ہے وہی ولی عہد قرار پاتا ہے۔''

تھیوفراسٹینس (Theophrastens) جو تاریخ طبعی کا مصنف ہے بیان کرتا ہے کہ ''لوبان وعود وغیرہ بخورات سبا اور حضرموت کے عرب اضلاع میں پیدا ہوتے ہیں، یہ تمام ملک سبا کے متعلق ہے[2]'' تھیوفراسٹینس کا زمانہ ۳۱۲ قبل مسیح ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد قدیم میں بھی حضرموت سبا سے آزاد نہ تھا۔

---

[1] ان دونوں یونانی حوالوں کے لیے دیکھو Dunker's History of Antiquity Ed I Page 310,

311, 313 [2] Heeren's Historical Researches of Antiquity Vol I Page 351۔

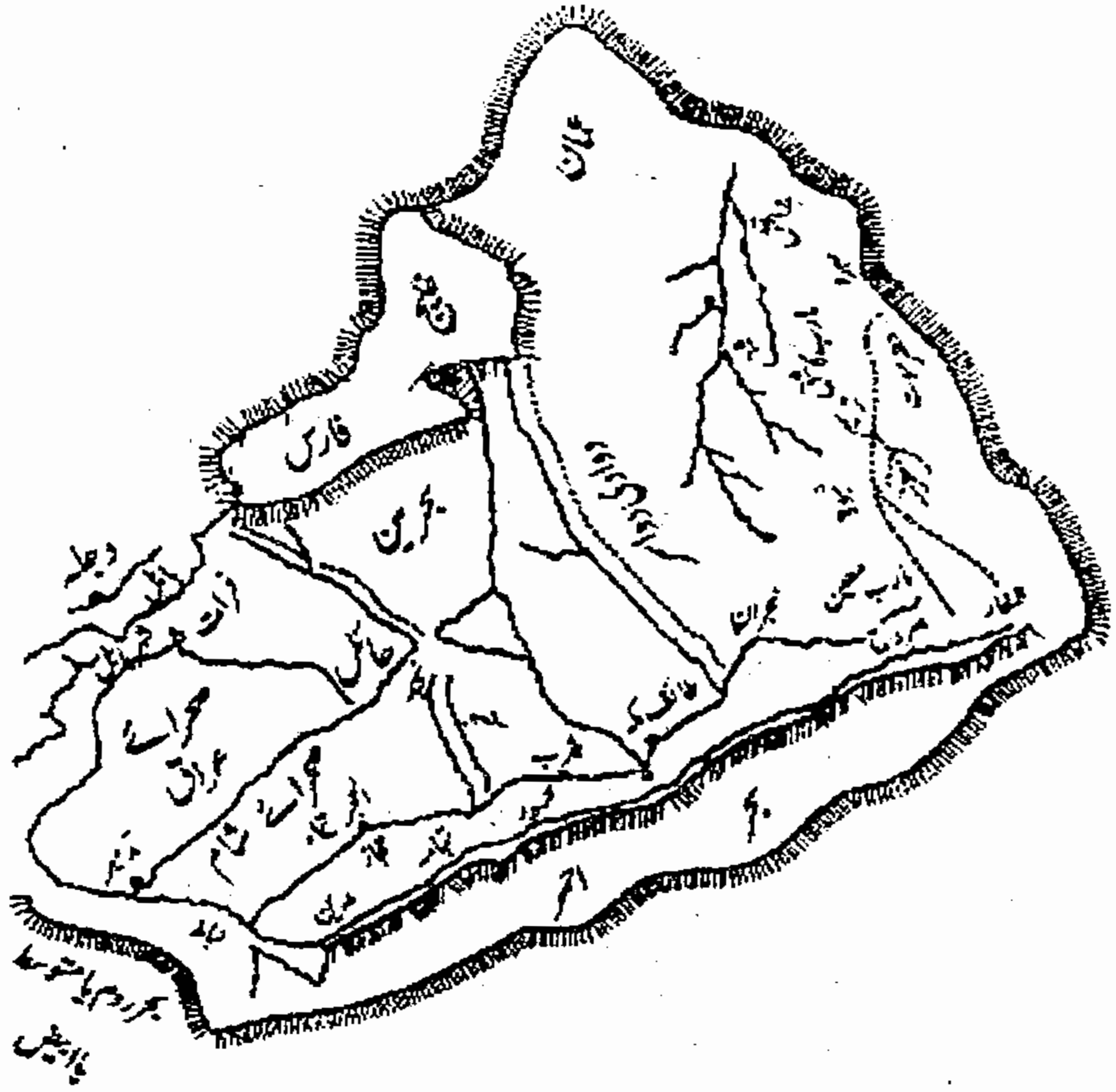
عمان
فارس
بحرین
نجران
صحرائے عراق
بحر روم یا متوسط

حضر موت اور آثارِ قدیمہ: حضر موت کے آثار کی تحقیق بہت کم ہوئی ہے، ۱۹۱۳ء تک جو انسائیکلو پیڈیا آف اسلام جلد اول کے طبع کی تاریخ ہے، حضر موت کے پایہ تخت شبوہ میں سیکڑوں کتبات ایسے موجود تھے، جو پڑھے نہیں گئے تھے[1]، تاہم جو آثار دریافت ہو چکے ہیں، ان سے ثابت ہوتا ہے کہ حضر موت کا تعلق نہایت قدیم زمانہ سے معین کے ساتھ تھا، بلکہ حضر موت کا خاندان معین کے ساتھ نسبی تعلقات بھی رکھتا تھا اور قانہ کا بندرگاہ اور ملک کا ایک ٹکڑا ایک حد تک اس کے ماتحت تھا، ایک طویل خاموشی کے بعد حضر موت کا نام سبا کی ماتحتی میں نظر آتا ہے[2]۔

سبا کا زمانہ نو سو یا دس سو قبل مسیح سے ۱۱۵ ر قبل مسیح تک فرض کیا گیا ہے، اس دور میں بھی حضر موت کی حکومت کا ذکر جنگ و صلح کے تعلق سے آتا ہے، شاہان سبا کے خطاب شاہی کے ساتھ ''شاہ حضر موت'' کا لقب بھی نظر آتا ہے، سواحل یمن کی دوسری جانب ملک حبش ہے، اہل حبش بھی حقیقت میں سبائی عرب تھے، انہوں نے اپنی نو آبادی زمانہ قدیم میں اپنے وطن کی دوسری مقابل جانب میں قائم کی تھی، اس زمانہ میں رفتہ رفتہ وہ بھی سواحل حضر موت پر واپس آرہے تھے، تقریباً ۳۰۰ ر میں بالآخر حضر موت پر انہوں نے استیلا حاصل کر لیا[3]۔

حضر موت کے بادشاہوں کے جو نام کتبات و نقوش میں پڑھے گئے ہیں ان میں سے ہم کو صرف دو معلوم ہیں، ''صدوق ایل'' اور ''معدی کرب'' معدی کرب صدوق ایل کا پوتا تھا اور معین کے بادشاہ ابی یدع یاثع کا چچا اور معاصر۔

حضر موت اور اسلام: ۱۰ ر ہجری میں حجاز و نجد سے فارغ ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو اصلاً یمنی تھے، دعوت اسلام کی غرض سے یمن بھیجا، ایک ہی سال کے

---

[1] Heeren's Historical Researches of Antiquity Vol I Page 351 [2] انسائیکلو پیڈیا آف اسلام، جلد ۱ [3] Historical Arab Etome Page 49۔

اندر اندر تمام ملک مسلمان تھا، اسی سال زیاد بن ولید خزرجی یہاں عامل مقرر ہو کر آئے، عہد اسلام میں حضر موت کا آخری بادشاہ ہنولا وائل بن حجر تھا، حضر موت کی زبان حجاز کی زبان سے مختلف تھی، شاہان عالم کے سلسلہ میں وائل کو عربی میں جو خط لکھا گیا تھا، وہ حضر موتی الفاظ کی آمیزش کے ساتھ تھا:

''من محمد رسول الله الىٰ الاقيال العباهلة والارواع المشابيب...... فى التبيعة لا مقورة الالباط ولاخناك وانطوالشبجة وفى السيوب الخمس ومن زنامم بكم فاصفعوه مائة واستو فقوه عاما و من زنامم ثيب فضرجوه بالاضاميم ولاتو...... فى الدين۔''

سبا

یہ امم قحطانیہ کی سب سے مشہور شاخ ہے، ایک طرف روایات عرب، حکایات یونان اورآثار قدیمہ ہیں، دوسری طرف قرآن مجید، تورات، زبور اورانجیل میں اس کی شہرت ورفعت کی داستانیں اورواقعات موجود ہیں، جنوبی وشمالی عرب جوتمدن کے گہوارے تھے، اس کی حکومت کے مرکز ہیں لیکن اس کی حکومت کوحقیقی وسعت واقتدار جنوبی عرب میں حاصل تھا، معین کی حکومت اب برسرزوال تھی، یمن میں معین کے قلعوں کے چاروں طرف سبانے اپنے قلعے قائم کر لیے تھے۔

نام: تورات میں شبا ایک جدقبیلہ کا نام ہے، عرب روایات کے مطابق اس جدقبیلہ کا نام عمریا عبدشمس اورلقب سبا تھا، محققین جدید بھی زیادہ تراس کولقب خیال کرتے ہیں، لغویین عرب کی رائے ہے کہ یہ ''سبی'' سے مشتق ہے، جس کے معنی غلام بنانے کے ہیں، چوں کہ عبدشمس بہت بڑا فاتح تھااوراس نے بہت سے لوگوں کوگرفتار کرکے غلام بنایا، اس لیے اس کالقب سبا قرار پاگیا، تحقیق جدید یہ ہے کہ ''اسبی'' اور''سبا'' اس معنی سے ماخوذ ہے جس کامفہوم ''تجارت'' ہے، کتبات میں عموماً ''سبا'' کامادہ تجارتی سفر کے معنی میں مستعمل ہوا ہے[1]، عربی زبان میں یہ اب تک شراب کی تجارت اورخرید وفروخت اوراس کے لیے سفر کے معنی میں مستعمل ہے، سباچوں کہ تاجرقوم تھی، اس لیے اس لقب سے مشہور ہوئی۔

زمانہ: سبا کازمانہ عروج کب سے شروع ہوتا ہے؟ روایات عرب میں براہ راست اس کا

---

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ج ۲۳، ص ۹۵۵۔

کوئی ذکر نہیں لیکن تمام مؤرخین اور اہل نسب نے عبد شمس سبا کو قحطان کا پوتا لکھا ہے اور اس کی حکومت کا زمانہ ۴۸۴ برس[1] بتاتے ہیں، اس کے بعد اس کا جانشین ان کی تصریح کے مطابق حمیر ہوتا ہے، یہ قاعدہ عام عبد شمس سے اگر عبد شمس کا خاندان مراد لیا جائے تو قحطان کی تیسری پشت سے جو کم از کم ۲۵۰۰ر قبل مسیح میں ہوگی، اس کا زمانہ شروع ہو کر ۴۸۰ر برس کے بعد ۲۰۰۰ر کے پس وپیش میں ختم ہو جائے گا، حالاں کہ سبا اور حضرت سلیمان علیہ السلام (۹۵۰ر قبل مسیح) کی معاصرت قرآن مجید، اسفار یہود اور انجیل سے اس کے ایک ہزار برس کے بعد بھی ثابت ہے۔

اسفار یہود میں سبا کا حکومت کی حیثیت سے ذکر سب سے پہلے حضرت داؤد علیہ السلام کی زبور میں نظر آتا ہے[2]، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک ہزار قبل مسیح سے پہلے عہد عروج شروع ہو چکا تھا، اسیریا کے کتبات میں ۷۱۵ر قبل مسیح میں اس کا ایک بادشاہ اسیریا کو خراج دیتا ہے، یہ سبا کی ترقی کا درمیانی زمانہ ہے، آخر میں ولادت مسیح کے پس وپیش یونانی تاریخوں میں بھی اس کا ذکر ہے، اس سے سبا کا آخری زمانہ ظاہر ہوتا ہے۔

یمن کی تمام قدیم حکومتوں میں سے سبا کے آثار و کتبات سب سے زیادہ ملے ہیں، یہ کتبے اکثر غیر مورخ ہیں لیکن بعض واقعات، اشارات اور خود کتبات کے حوالوں کی مدد سے علمائے آثار نے زمانہ کی تحدید کرنی چاہی ہے، یہ متفق طور سے ثابت ہے کہ از روئے کتبات ۱۱۵ر قبل مسیح سبا کی آخری تاریخ ہے، ابتدائی تاریخ کی نسبت بھی یہ متفق ہے کہ وہ نویں صدی قبل مسیح سے پیچھے نہیں ہے اور بعضوں کی رائے ہے کہ انیسویں صدی قبل مسیح سے پیچھے نہیں ہے[3]، ہماری رائے ہے کہ چوں کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی زبور میں جس کا زمانہ تصنیف دسویں صدی قبل مسیح کا وسط حصہ ہے، شاہان سبا کا ذکر صریح موجود ہے، اس لیے سبا کا ابتدائی زمانہ عروج ۱۱۰۰ر قبل مسیح سے کسی حال میں کم نہیں ہو سکتا۔

---

[1] مروج الذہب مسعودی، جلد۱، صفحہ۱۹۳، مصر [2] زبور داؤد، ۱۰-۷۲ [3] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ج۲، ص۲۶۴۔

دائرۂ حکومت: سبا کا اصلی مرکز حکومت جنوب عرب میں یمن کا مشرقی حصہ تھا، اس کا دارالحکومت شہر مارب تھا لیکن رفتہ رفتہ اس کا دائرہ مغرب میں حضر موت تک وسیع ہو گیا تھا اور چونکہ یہ ایک تاجر قوم تھی اس لیے بہت سے بحری اور تجارتی راستوں پر بھی اس کو قبضہ کرنا پڑا تھا، اسی سلسلہ میں شمالی عرب میں سبا کی حکومت نظر آتی ہے اور افریقہ میں بھی اس کے آثار ملتے ہیں، حبشہ میں اذینہ کا ضلع سبا کے ماتحت تھا، اس ضلع پر "معافر" کے لقب سے ایک سبائی گورنر حکومت کرتا تھا[1] یمن سے براہ حجاز شام تک جو قدیم تجارتی راستہ تھا، یہ بھی ان ہی کے قبضہ میں اس وقت نظر آتا ہے اور اس پر جا بجا ان کی نو آبادیاں قائم معلوم ہوتی ہیں، غالباً ان مقامات پر سبا کا قبضہ واستیلا نویں یا آٹھویں صدی میں اہل معین کے مفتوح ہونے کے بعد ہوا ہوگا۔

اسیریا کے بادشاہ سرجون کے ایک کتبہ میں جو ۷۱۵ ق م کا ہے، شمالی عرب کے چند قبائل کا ذکر ہے، ان میں ایک کا نام "یثعمر سبائی" ہے، یہ سرجون کو خراج دیتا ہے[2]، سرجون کا یمن تک آنا آثار سے ثابت نہیں ہے، اس لیے لامحالہ خود سبا کا گزر وہاں تک ہوا ہوگا، اس واقعہ سے سبا کی حکومت کا رقبہ شمالی عرب میں عراق تک ثابت ہوتا ہے اور سبا کی حکومت کا ان اطراف میں سراغ بھی ملتا ہے، سفر ایوب: ۱-۱۵ میں ہے کہ "سبا نے اور اہل اسیریا نے حضرت ایوبؑ کے غلام اور جانور لوٹ لیے" ۶-۱۹ میں ہے کہ "سبا کے ساتھی تیما سواروں کا انتظار کرتے ہیں" تیما شام کے پاس شمالی عرب میں ایک شہر ہے، اس آیت سے سبا اور شام کے تعلقات ظاہر ہوتے ہیں، دیگر اسفار یہود میں بھی سبا کا بہ کثرت ذکر ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ملک شام و فلسطین و مدین کے آس پاس بھی سبا کی نو آبادیاں تھیں۔

سبا اور اس کی شاخوں میں امتیاز: عام عرب مؤرخین نے حمیر کو سبا کا بلا واسطہ جانشین فرض کیا ہے اور ان تمام ملوک یمن کو جو اس سلسلہ میں اول سے آخر تک گزرے ہیں، ان کو حمیر بن سبا اور ملوک حمیر بن سبا سمجھتے ہیں، اس بنا پر مستقلاً خاص سبا کے نام سے کسی زمانہ میں

---

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ج ۲۳، ص ۴۶۶ [2] ایضاً۔

بھی ان کے اصول کے مطابق کوئی حکومت نہ تھی لیکن تصریح قرآن کے یہ بالکل مخالف ہے، اس نے حمیر کے بلاتوسط حکومت سبا کا صاف وصریح نام لیا ہے اور تمام عبرانی، یونانی اور اثری شہادات قرآن کے ساتھ ہیں، عبرانی صحائف جن کا زمانہ آخر ۴۰۰ ر قبل مسیح ہے، حکومت یمن کا ہمیشہ سبا کے نام سے ذکر کرتے ہیں، یونانی مؤرخین نے بیس قبل مسیح سے پہلے حمیر کا نام نہیں لیا ہے، آثار میں ۱۱۵ ر قبل مسیح کے بعد حمیر خاندان کا وجود نظر آتا ہے۔

مؤرخین عرب نے ایک بڑی غلطی یہ کی ہے کہ حمیری بانی حکومت سے حمیر بن سبا تک جتنے آبائے نسب تھے، ان سب کو بادشاہ قرار دے کر وہیں سے حمیری حکومت قائم کردی، حالاں کہ یہ ضرور نہیں کہ ایک فرزند قبیلہ جو اتفاق سے ایک سلطنت کا بانی ہو جائے اس سے لے کر خود پدر قبیلہ تک اس سلطنت کی نسبت مسلسل ہو، ابو العباس سفاح عباسی حکومت کا بانی ہے لیکن اس خاندان کے پدر اول حضرت عباسؓ اس سے پانچ چھ پشت پہلے ہیں، اس بنا پر نسب عباسی کی ابتدا بے شک حضرت عباسؓ سے کی جائے گی لیکن ظاہر ہے کہ حکومت عباسی کی ابتدا حضرت عباسؓ سے نہیں بلکہ سفاح سے کی جائے گی، اس طرح نسب حمیری کی ابتدا حمیر بن سبا سے ہے لیکن حکومت حمیری اس کے سیکڑوں برس بعد قائم ہوئی اور نسب خاندانی کے لحاظ سے صحیح طور پر اس کو حمیری کہا گیا لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ خود حمیر بن سبا نے اس کی بنیاد بھی ڈالی، امیر معاویہؓ اور ان کے جانشینوں کی حکومت کا نام امویہ ہے لیکن کیا اس کا یہ مفہوم ہے کہ خود امیہ اس کا بانی بھی تھا۔

سبا کو چھوڑ کر سبا کی متفرق شاخوں میں جو بادشاہ گزرے ہیں ان کے نام وتعداد و حالات کسی قدر زیادہ روشن ہیں، اس بنا پر ان کا زمانہ چھ یا سات سو سے زیادہ نہیں[1]، اس زمانہ کی انتہائی حد معلوم ہے یعنی تقریباً سن ۶۰۰ ر جو ظہور اسلام کا زمانہ ہے، اس حساب سے ان کی ابتدائے تفرق سن ۱۱۵ ر قبل مسیح یا علی العموم پہلی صدی قبل مسیح ہونا چاہیے اور یہ وہی زمانہ ہے جس کو

---

[1] حمزہ اصفہانی سے ملوک غسان اور مناذرہ کے زمانوں کو جمع کرو اور حمیر کے زمانہ کی تعدیل کر کے دیکھو۔

گلازر وغیرہ نے ابتدائے حمیر وانتہائے سبا کے لیے از روئے آثار مقرر کیا ہے، اس بنا پر اس زمانہ تفرق وتفرع سے پہلے فرزندان سبا کا جو مشترک زمانہ تھا، حکومت سبا سے وہی عہد مراد ہے۔

فرماں روایانِ سبا: حکومت سبا کا نام تحریری حیثیت سے سب سے پہلے ۱۰۰۰ رقبل مسیح میں حضرت داؤد علیہ السلام کے عہد میں نظر آتا ہے، اس زمانہ بعید العہد میں بھی سبا کی دولت وحشمت، ہمسایہ بادشاہوں کی نگاہوں میں قابل رشک تھی، حضرت داؤد علیہ السلام زبور میں کہتے ہیں:

> ''الٰہی! اپنے بادشاہ کو اپنا فیصلہ عطا کر اور بادشاہ کے بیٹے کو راستی، شبا اور سبا کے بادشاہ اس کو نذریں دیں گے اور شبا کا سونا اس کو پیش کیا جائے گا''[1]

بادشاہ (داؤد علیہ السلام) کی دعا قبول ہوئی اور بادشاہ کے بیٹے (سلیمان علیہ السلام) کے بارگاہ میں سبا کے بادشاہ نے نذر دی اور سبا کا سونا اس کے سامنے پیش کیا، ۹۵۰ رقبل مسیح میں جو تقریباً حضرت سلیمان علیہ السلام کا عہد ہے، از روئے قرآن وتورات سبا پر ایک عورت حکم راں تھی، رواتِ عرب اس عورت کا نام بلقیس بتاتے ہیں لیکن بلقیس کا جو زمانہ وہ قرار دیتے ہیں وہ صحیح نہیں، مفصل بحث آگے آئے گی۔

سرجون یا شرغون شاہ اسیریا کے عہد میں جس کا زمانہ ۷۲۱ رقبل مسیح و ۷۰۵ رقبل مسیح ہے، ملک سبا پر یثعمر نام کا بادشاہ تھا، سرجون نے اپنے ایک یادگاری کتبہ پر لکھا ہے کہ ''اس کو ثمود، شمسیہ ملکہ عرب (عربی) اور یثعمر سبائی نے خراج دیا''[2] یہ متفق ہے جیسا کہ پہلے لکھا گیا ہے کہ سرجون یمن تک نہیں پہنچا، اس لیے ظاہر ہے کہ خود سبا حدود اسیریا تک پہنچ گئے تھے، اس کی تائید سفر ایوب سے بھی ہوتی ہے، جس میں کلدان (اسیریا) اور سبا کو باہم متحداً شمالی عرب کے حدود میں ظاہر کیا گیا ہے۔

یثعمر سبا کے متعدد بادشاہوں کا نام ہے، ان ہی میں سے وہ ایک یثعمر بھی ہے جس نے سبا کے دار الحکومت مارب میں سد عرم کی بنیاد ڈالی۔

---

[1] زبور: ۷۲-۱۰-۱۵ [2] تاریخ بابل راجرس امریکانی، جلد ۲، صفحہ ۱۶۴۔

عرب مؤرخین نے چوں کہ سبا اور حمیر میں کوئی تفریق نہیں کی ہے، اس لیے سلسلہ حمیر سے الگ انہوں نے کسی بادشاہ کا ذکر نہیں کیا، البتہ حمیر کے انہوں نے دو ٹکڑے کیے ہیں، ملوک حمیر اور تبابعہ حمیر ملوک وہ لوگ ہیں جو صرف یمن میں حکمراں تھے، تبابعہ وہ ہیں جن کے ماتحت یمن و حضرموت دونوں تھے، ان کی تحقیق کے مطابق سب سے پہلے تبع، حارث الرائش ہے، ملوک حمیر کی تعداد ان کے ہاں بہت کم ہے، بلکہ بعضوں نے تو اس طبقہ کو بالکل حذف کر دیا ہے، وہ حمیر بن سبا کے بعد فوراً بلا واسطہ یا بچند واسطہ حارث رائش کا نام لے لیتے ہیں، حالاں کہ حمیر اور حارث کے درمیان کم از کم ایک ہزار برس کا فصل ہے، جس کی رخنہ پری صرف مخصوص مؤرخین نے کی ہے لیکن وہ باہم اس قدر مختلف ہیں کہ نتیجۃً ان سب کی بے اعتباری ظاہر ہوتی ہے، اس بے اعتباری کی بڑی دلیل یہ ہے کہ بجز چند ناموں کے ان میں سے کوئی نام سبائی اسما کے طرز کا نہیں ہے، حالاں کہ ناموں کے اسلوب وطرز کو قومیت کی تعیین میں بہت بڑا دخل ہے، بہر حال مثالاً چند مختلف مستند روایات سے یہ درمیانی نام پیش ہیں:

نشوان بن سعید حمیری	قلقشندی	ابوالفداء	ابن خلدون	مسعودی
سبا	سبا	سبا	سبا	سبا
حمیر	حمیر	حمیر	حمیر	حمیر
الہمیسع	الہمیسع	وائل	وائل	کہلان
ایمن	ایمن	الکسک	الکسک	ابو مالک
زہیر	زہیر	یعفر	یعفر	جبار بن غالب
عریب	عریب	ذو ریاش	نعمان	حارث الرائش
الغوث	قطن	نعمان	ذو ریاش	......
وائل	الغوث	اشح	اشح	......
عبد شمس	وائل	شداد	حارث الرائش	......

نشوان بن سعید حمیری	قلقشندی	ابوالفداء	ابن خلدون	مسعودی
زہیر الصوار	عبد شمس	لقمان	......	......
ذویقدم	زرعہ حمیر اصغر	ذوسدو	......	......
ذوانس	شدو	الحارث الرائش	......	......
عمرو	الحارث الرائش	......	......	......
الملطاط	......	......	......	......
القلیص	......	......	......	......
سدد	......	......	......	......
الحارث الرائش				

غالباً اسی اختلاف و اختلاط کی بنا پر حمزہ اصفہانی نے حمیر بن سبا اور حارث الرائش کے درمیان کے نام چھوڑ دیے ہیں اور مجملاً لکھا ہے کہ حمیر بن سبا انتہائے عمر کو پہنچ کر مر گیا، اس کی نسل اس کے بعد وراثۃً حکومت کرتی رہی اور ان کے خاندان سے نکل کر یمن کی مملکت دوسروں کو نہیں ملی، یہاں تک کہ صدیاں گزر گئیں اور حکومت حارث الرائش کے ہاتھ میں آئی، یہ پہلا تبع ہے، حارث سے پہلے حکومت یمن سبا اور حضر موت دو ٹکڑوں پر منقسم تھی، کل اہل یمن ایک بادشاہ پر متفق نہ تھے لیکن حارث الرائش جب بادشاہ ہوا تو سب اس پر متفق ہو گئے اور اس کے تابع بنے، اس لیے اس کا نام تبع پڑا، حمیر بن سبا اور حارث الرائش کے درمیان پندرہ پشتیں ہیں[1]۔

اس عبارت میں آخری فقرہ کے علاوہ اور سب نہایت محتاط و قابل قبول باتیں ہیں، تبابعہ زیادہ سے زیادہ ۱۰۰ ؍ قبل مسیح سے شروع ہوتے ہیں، اس بنا پر اگر بقول صحیح سبا کی اور بقول عرب ملوک حمیر بن سبا کی ابتدا کم از کم ۱۰۰۰ ؍ قبل مسیح سے یعنی زمانہ داؤد سے ہو تو تبابعہ حمیر کے پہلے ملوک حمیر یا سبا کے لیے نو سو برس رہتے ہیں اگر ایک ایک بادشاہ کا اوسط زمانہ ۲۵ ؍ برس بھی

[1] حمزہ اصفہانی، صفحہ ۱۰۸، کلکتہ۔

فرض کیا جائے تو کم از کم اس عرصہ میں ۳۶ رپشتیں ہوں گی، اس لیے ''حمیر بن سبا'' کے معنی صرف یہ لینے چاہئیں کہ حمیر جو سبا کی اولاد دراولاد میں تھا اور جو تقریباً ۱۱۵ رقبل مسیح میں دولت حمیر یہ کا بانی ہوا، اس حمیر اور حارث الرائش کے درمیان پندرہ پشتیں ہونا ممکن ہے۔

بہر حال رواتِ عرب نے تبابعہ حمیر سے پہلے کے جو نام ملوک حمیر کے نام سے بتائے ہیں وہ بہت کچھ محتاج نقد و تصحیح ہیں۔

آثار و کتبات نے تاریخ یمن کا جو حصہ روشن کیا ہے، نوشتہائے یونان و رومان کی کی مدد سے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ درحقیقت اشارہ قرآن کے مطابق حکومت یمن کے دو مستقل دور، دو مستقل ناموں سے ہیں، سبا اور حمیر، سبا کی انتہا معلوم و متفق ہے کہ وہ ۱۱۵ رقبل مسیح ہے[1] اور یہی سال حمیر کی ابتدا کا ہے، سبا کی ابتدا ہم نے بوجوہ سابقہ الذکر (دیکھو سبا کا زمانہ) ۱۲۰۰ رقبل مسیح سے کی ہے، اس بنا پر حمیر سے پہلے حقیقی سبا کی تاریخ ۱۰۸۵ ربرس پر مشتمل ہوگی، جس میں کم از کم ۴۵ رسے ۵۰ ر بادشاہوں تک کی پشتیں گزرنی چاہئیں۔

مکارب سبا: باعتبار کتبات دور سبا کے دو طبقے نظر آتے ہیں، پہلے طبقہ میں شاہان سبا کا لقب مکارب سبا لکھا ہوا ملتا ہے، اس وقت ان کا مرکزی شہر یا قلعہ ''صرواح'' تھا، مکارب دو لفظوں سے مرکب معلوم ہوتا ہے ''مکا'' اور ''رب''، مکا کے معنی مذہبی کے ہیں اور رب بڑے کو اور بادشاہ کو کہتے ہیں، مکا کے معنی ''مذہبی بادشاہ'' یا ''کاہن بادشاہ'' کے ہیں، الغرض مکارب سبا، حکومت سبا کے ابتدائی کاہن بادشاہوں کا لقب تھا، صرواح جوان کاہن بادشاہوں کا دارالحکومت تھا، اس کے آثار اب تک مارب اور صنعاء کے درمیان میں باقی ہیں، صرواح سے عرب بھی واقف تھے، عمرو بن نعمان بن سعد بن خولان کہتا ہے:

ابونا الذی کانت بصرواح داره	وفی جبلی نعمان عزتمکنا
ہمارا باپ تھا جس کا مسکن صرواح تھا	اور نعمان کے دو پہاڑوں میں عزت متمکن ہوئی

---

[1] Encyclopaedia Britannica Vol II Page 264 ۔

شاعر جاہلی علقمہ کہتا ہے:

من یامن الحدثان بعد	ملوک صرواح و مارب
صرواح اور مارب کے بادشاہوں کے بعد	اب کون حوادث سے محفوظ رہ سکتا ہے

ابوعلکم مرانی قصور یمن کے ذکر میں کہتا ہے:

براقش و معین نحن عامرها	و نحن ارباب صرواح و روثانا
براقش و معین کے آباد کرنے والے ہم ہیں	اور ہم ہیں مالک (رب) صرواح اور روثان کے

ان شعروں میں چند نہایت کارآمد تاریخی اشارے ہیں، علقمہ، صرواح اور مارب دو دارالحکومتوں کے بادشاہوں کا ذکر کرتا ہے اور بعینہٖ یہی جدید تحقیق ہے، ابوعلکم اپنے شعر میں بجائے "ملاک" یا "حکام" اور اس وزن کے الفاظ کے "ارباب صرواح" کہتا ہے، جس سے "مکارب صرواح" کی بو آتی ہے۔

مکارب سبا کا زمانہ ازروئے کتبات ۹۰۰ر قبل مسیح سے اور زبور کی شہادت تحریری کی رو سے ۱۰۰۰ر قبل مسیح سے شروع ہوتا ہے لیکن احتیاطاً ہم ۱۲۰۰ر قبل مسیح سے شروع کرتے ہیں اور اس کا اختتام ۵۵۰ر قبل مسیح میں ہو جاتا ہے، ۳۵۰ر سال (حسب کتبات) یا ۴۵۰ر سال (حسب احتیاط) کے لیے بادشاہوں کی ایک کثیر تعداد چاہیے لیکن افسوس ہے کہ ہم کو صرف دس مکارب سبا کے نام کتبات سے ملے ہیں اور وہ بھی کل ایک ہی باپ کے بیٹوں اور پوتوں کی چار پشتیں ہیں، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہم کو مکارب سبا کی بہت کم تعداد معلوم ہے، ملکہ سبا جس کا ذکر اسفار یہود (نبیم) ہیں، قرآن مجید میں اور انجیل میں موجود ہے، اس کو اسی طبقہ میں ۹۵۰ر میں ہونا چاہیے لیکن جو نام معلوم ہوئے ہیں وہ زیادہ سے زیادہ ۸۰۰ر سے شروع ہو سکتے ہیں، اس بنا پر اس ملکہ کے حالات سے اب تک علم الآثار بے خبر ہے[1]۔

---

[1] مکارب سبا کی معلومات جدید کے لیے دیکھو Encyclopaedia Britannica Vol II Page 264۔

مکارب سبا کے جو نام اب تک دریافت ہوئے ہیں، حسب ذیل ہیں[1]، جن میں بجز آخر کے کہ اس کے متعلق ہم کو علم نہیں، ہر ایک کو دوسرے سے نسبی تعلقات ہیں، الفاظ کے فصل کے لیے نقطے اصل سبائی خط کی مطابقت ہے۔

۱- نومر علی، مکارب، سبا
۲- کرب، ایل، وتار، بن، ذمرعلی
۳- سمہی علی، نیوف، بن ذمرعلی

متحد خاندان

۱۰- ذمر علی، وتار، بن کرب ایل میں

متفرق نام

۴- یثع امر، بین، بن سمہی علی، نیوف
۵- یدع ایل، ذرخ بن سمہی علی، نیوف
۶- یثع امر، وتار، بن سمہی علی، نیوف

۱۱- یدع، ایل، ذبی، مکارب، سبا

شجرہ خاندان مکارب

ذومر علی مکارب سبا

۷- کرب ایل، بین، بن یثع امر، وتار
۸- یدع ایل، بین، بن یثع امر، وتار
۹- سمہی علی، نیوف، بن یثع امر، وتار

کرب ایل وتار — سمہی علی نیوف
شیع امر بین — یثع امر وتار — یدع ایل ذرح
یدع ایل بین — سمہی علی نیوف — کرب ایل بین
ذمر علی وتار

ملوک سبا: شاہان سبا کا زمانہ ۵۵۰ ق م قبل مسیح تک نظر آتا ہے، اس عہد میں ان کا لقب ''ملک سبا'' منقوش ملتا ہے، ان کا دار الحکومت شہر ''مارب'' تھا، یہ شہر یمن کے مشرق میں واقع تھا اور اس کا دوسرا نام شہر سبا تھا، مارب کے قصر شاہی کا نام ''سلحسین'' تھا، سکوں میں جائے ضرب ''بیت سلحسین وحضر مارب'' (قلعہ سلحسین اور شہر مارب) منقوش ملتا ہے، مارب تو مشہور مقام ہے لیکن سلحسین بھی غیر معروف نہیں، جاہلی شاعر علقمہ کہتا ہے:

---

[1] یہ فہرست ہم نے ہالوے (M.J.Halevy) کے شائع کردہ اصل کتبات سبا سے جو بخط عبری (Journal Asiatique) ماہ دسمبر ۱۸۷۴ء میں پیرس میں چھپے ہیں، التقاط کی ہے اور اس کی تطبیق Huart Yome I P 56 سے کرلی ہے۔

و قصر سلحین قد عفاہ　　ریب الزمان الذی یریب

اور سلحین کا قصر جس کو　　حوادث زمانہ نے مٹا دیا ہے

یہی شاعر دوسری جگہ کہتا ہے:

او ما ترین و کل شئی للبلی　　سلحین خاویۃ کان لم تعمر

کیا تو نہیں دیکھتی کہ ہر چیز فنا کے لیے ہے　　سلحین اب ایسا ویران ہے گویا کہ کبھی آباد نہ تھا

ابوعلکم مرانی کہتا ہے:

و قصر سلحین علاہ وشیدہ　　کھلان والدنا احبب بکھلان

سلحین کا قصر جس کو ہمارے باپ　　کہلان نے بنایا تھا

۵۵۰ قبل مسیح سے ۱۱۵ قبل مسیح تک ۴۳۵ برس ہوتے ہیں، جو تقریباً اس عربی روایت کے مطابق ہے کہ "سبا نے ۴۸۴ برس[1] حکومت کی ہے" اس زمانہ مدید کے لیے ۱۷ ملوک سبا کے نام ہم کو ملے ہیں جو تقریباً مفروضہ مدت زمانہ کے برابر ہیں اور وہ نام یہ ہیں:

سمہی علی، ذرح، ملک سبا
کرب ایل، بن سمہی علی، ذرح، ملک سبا
الیشرح بن سمہی علی، ذرح، ملک سبا
سمہی علی بن الیشرح، بن سمہی علی

خرفازان

یثع، امر، ملک، سبا
کرب ایل اوتار، بن ثیعمر، امز
یدع ایل، بین، یثع، امز
وہب ایل، یا حوذ، ملک سبا
کرب ایل اوتار، یونعم، بن وہب ایل
یوہیمن، بن وہب ایل، ملک سبا

ذمر علی، ذرح، ملک سبا
نشا کریب، یوہیمین، ملک سبا

وتبردم، یوہیمن، ملک سبا
یکرب ملک، وتار، ملک سبا
یارم، ایمن، ملک سبا
تبع شرجیل، ملک سبا
فرع، ینہب، ملک سبا

بن مرثد

---

[1] مروج الذہب مسعودی، جلد ا، صفحہ ۱۹۲، مصر۔

ان ناموں کے علاوہ کتبات میں میں نے اور نام بھی پڑھے ہیں لیکن ان کے ساتھ کوئی لقب شاہی نہیں ہے، ممکن ہے امرائے سبا ہوں، فرع۔ینہب کا نام سب سے آخر اس لیے قرار دیا گیا ہے کہ ایک کتبہ میں ''الیشرح ملک سباوذوریدان بن فرع۔ینہب ملک سبا'' منقوش ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ فرع۔ینہب ''ملک سبا'' کے لقب سے آخری شخص تھا، اس کا بیٹا ''ملک سباوذوریدان'' کے نام سے تیسرے طبقہ کا بانی ہے۔

سبا کی تقسیم و تنظیم: مملکت سبا کی حقیقت سمجھنے کے لیے پہلے یہ جاننا چاہیے کہ مملکت یمن کس اصول پر منقسم تھی اور امرا کی ترتیب و تنظیم کیوں کر تھی؟ ایک قلعہ ہوتا تھا، قلعہ کے آس پاس گاؤں کی صورت میں مختلف چھوٹی چھوٹی آبادیاں ہوتی تھیں، ان ہی کے مجموعہ کو محفد کہتے تھے، قلعہ داران گاؤں کا حاکم ہوتا تھا، اس کا لقب اس کے قلعہ کے انتساب و اضافت سے رکھا جاتا تھا، مثلاً ذوغمدان، ذوثعلبان، ذوبوبنیین، ذویمنی، ذبان میں کلمہ اضافت ہے اور اس کے معنی آقا کے ہوتے ہیں، اسی لیے حجازی عربی میں اس کے معنی ''صاحب و مالک'' کے ہیں اور بغیر اضافت مستعمل نہیں ہوتا، اس ''ذو'' کی جمع ''اذواء'' قلعہ داران ہے۔

یہ قلعے یا محافد مل کر ایک مخلاف کے تابع ہوتے تھے، جس کو صوبہ کا ہم معنی سمجھنا چاہیے، حاکم مخلاف کا لقب ''قیل'' تھا، اس کی جمع اقیال ہے اور عام طور سے مشہور ہے کہ ''اقیال'' یمن کے بادشاہوں کو کہتے ہیں، محفد اور مخلاف کی یہ تقسیم عہد اسلام میں بھی باقی رکھی گئی تھی، دولت عباسیہ کے زمانہ میں یمن میں ۸۴ مخلاف تھے، یہ تمام اقیال ایک بادشاہ کے ماتحت ہوتے تھے جس کا نام باختلاف عہد مکارب سبا اور ملک سبا تھا۔

ان اذواء، اقیال اور ملوک میں امن و اطمینان اور نظام کی زندگی بہت کم قائم رہتی تھی، قوی ضعیف کے ماتحت ہوتے تھے، جو ''ذو'' یا ''قیل'' قوی ہو جاتا ہے، وہی بادشاہ بن بیٹھتا تھا، عموماً بادشاہ کسی قلعہ میں سکونت کرتا تھا، اس قلعہ کی طرف نسبت بھی القاب شاہی کا جز ہوتی تھی، مثلاً ملک سبا قلعہ ریدان میں رہتا تھا، اس کا لقب شاہی ملک سباوذوریدان تھا۔

سبا کے تمدنی وتجارتی حالات: حکومتیں دو قسم کی ہوتی ہیں، صلح پسند اور فاتح، بابل، اسیریا اور مصر کی حکومتیں فاتح تھیں، ان کے آثار وکتبات فتوحات کی یادگاروں سے پر ہیں لیکن سبا کی حکومت بالکل صلح پسند تھی، سبا کے جتنے کتبات میری نظر سے گزرے ہیں جن کی تعداد ۳۰-۴۰ سے کم نہ ہوگی وہ تمام تر یا مقابر کی لوحیں ہیں، عمارتوں کے یادگاری پتھر ہیں یا دیوتاؤں کے ہیکل ومذبح پر نذر وشکر کے سپاس نامے ہیں۔

ہم نے پہلے بتایا ہے کہ سبا ایک تاجر قوم تھی، جس کی صحیح مثال موجودہ تاریخ میں برطانی حکومت ہے، عرب میں کثرت سے سونے اور جواہر کی کانیں تھیں اور اب بھی ہیں، ہمدانی نے ان کانوں کا ایک ایک کر کے نام گنایا ہے[1]، ڈاکٹر اسپرنگر نے ان بیانات کو اپنے جغرافیہ عرب قدیم میں یکجا کیا ہے، خدیو مصر کے اشارہ سے برٹن نام ایک انگریز عرب کے شہر مدین میں صرف وہاں کے معدنیات کا پتہ لگانے کو بھیجا گیا تھا، حضرموت اور یمن کا ملک خوشبودار چیزوں کی پیداوار کے لیے طبعی طور سے مخصوص ہے، اس زمانہ میں تمام دنیا میں دیوتاؤں کی عام پرستش کی جاتی تھی، ان کے لیے بڑے بڑے ہیکل بنائے جاتے تھے، ان ہیکلوں میں شب وروز خوشبودار لکڑیاں جلائی جاتی تھیں، اس لیے قدیم زمانہ میں ہر ملک میں ان کی بڑی مانگ تھی، عمان وبحرین میں موتیوں کے خزانے ہیں اور یمن کے سواحل ہندوستان وحبش کی پیداوار کی منڈی تھے، یہ تمام تجارتی اشیا اس عہد میں سبا ہی کی وساطت سے بحر احمر کے راستہ سے یا حجاز کی راہ سے شام، فینشیا اور مصر کو جاتی تھیں اور یہاں سے تمام یورپ میں پھیلتی تھیں۔

تورات سبا کی دولت وعظمت کے بیانات سے پر ہے، سب سے پہلے حضرت داؤد علیہ السلام کہتے ہیں (زبور: ۷۲):

"شبا اور سبا کے بادشاہ اس کو نذریں دیں گے اور شبا کا سونا اس کو پیش کیا جائے گا۔"

حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں سبا کی ملکہ آتی ہے:

---

[1] صفۃ جزیرۃ العرب، ص ۲۵۰، لیڈن۔

''وہ بہت فوج اور تزک واحتشام کے ساتھ یروشلم میں داخل ہوئی، بہت سے اونٹوں پر خوشبو کی چیزیں، بہت سا سونا اور بیش قیمت جواہر لدے تھے، ملکہ نے ۱۲۰ قنطار سونا اور بہت سی خوشبوئیں اور قیمتی جواہر سلیمان علیہ السلام کو دیے، ملکہ نے جیسی خوشبوئیں دیں ایسی پھر کبھی نہ ملیں۔'' (تاریخ ایام)

اشعیاء نبیؑ کی پیشین گوئی ہے:

''حبش اور سبا والوں کی تجارت جو شریف ہیں، تیرے پاس آوے گی۔'' (۴۵-۱۴)

حزقیال نبیؑ کہتے ہیں:

''جمہور آدمیوں کے ساتھ سبا والے بیابان (عرب) سے آئے، جن کے ہاتھوں میں کنگن ہیں اور سروں پر خوب صورت تاج۔'' (۲۳-۴۲)

''سبا اور رعما تیرے تاجر ہیں، وہ عمدہ خوشبو، جواہر اور سونا تیرے بازاروں میں بیچتے ہیں، حران، قانہ اور عدن (یہ تینوں یمن کے شہر ہیں) تیرے تاجر ہیں، سبا اور ثور اور کلماد تیرے سوداگر۔'' (۲۷-۱۴)

اشعیاء علیہ السلام کی پیشین گوئی ہے:

''اونٹوں کی قطاریں (اے یروشلم) تجھ پر چھا جائیں گی، مدین اور عیفا کی اونٹنیاں تمام سبا سے سونا اور لوبان لے کر آئیں گی۔'' (۶۰-۶)

یرمیاہ نبی بنی اسرائیل کو خطاب کرتے ہیں کہ:

''خدا کہتا ہے جب تمہارے اعمال صحیح نہیں تو ہیکلوں میں سبا کا لوبان میرے سامنے کیوں پیش کرتے ہو۔'' (۶-۶۰)

چوتھی صدی قبل مسیح سے پہلی صدی قبل مسیح تک یونانی مصر کے حکمراں تھے، ان کے عہد میں مصر کا دار الحکومت اسکندریہ تمام مشرقی اور مغربی تاجروں کا مرکز تھا، سبا اس عہد کی سب سے بڑی قوم تھی، اس بنا پر دیگر عرب قبائل کی بہ نسبت وہ سبا سے زیادہ واقف تھے،

اراٹوستھینس (Eratosthenes) (۱۹۴ر قبل مسیح) بیان کرتا ہے:

''عرب کی انتہائی حد پر سمندر (بحر ہند و عرب) پہلو میں، سبا کے لوگ ہیں، جن کا دار الحکومت مارب (Mariaba) ہے، یہ قطعہ ملک مصر زیریں سے بڑا ہے، گرمیوں میں بارش ہوتی ہے اور دریا جاری ہوتے ہیں، جو میدانوں اور تالابوں میں جا کر خشک ہو جاتے ہیں، اسی سبب سے زمین اس قدر سرسبز و شاداب ہے کہ تخم ریزی وہاں سال میں دو بار ہوتی ہے۔

حضر موت سے سبا کے ملک تک ۴۰ر روز کا راستہ ہے اور معین سے سوداگر ۷۰ر دن میں ایلہ (عقبہ) پہنچتے ہیں، حضر موت، معین اور سبا کے ملک خوش و خرم ہیں اور ہیکلوں اور شاہی عمارتوں سے آراستہ ہیں۔

یونانی مؤرخ اگاتھر شیڈس (Agartherchides) (۱۴۵ر قبل مسیح) جس کی تصنیف کا زمانہ دوسری صدی قبل مسیح ہے، بیان کرتا ہے:

''سبا عرب آبادان (Arabia Flex) میں رہتے ہیں، جہاں بہت اچھے بے شمار میوے ہوتے ہیں، زمین جو سمندر کے متصل ہے، اس میں بلسان اور نہایت خوبصورت درخت ہوتے ہیں، جو دیکھنے میں نہایت بھلے معلوم ہوتے ہیں، اندرون ملک میں بخوارات، دارچینی اور چھوہارے وغیرہ کے نہایت بلند درختوں کے گنجان جنگل ہیں اور ان درختوں سے نہایت شیریں خوشبو پھیلا کرتی ہے، درختوں کے اقسام کی کثرت تنوع کے سبب سے ہر قسم کا نام و وصف مشکل ہے، جو خوشبو اس میں سے اڑتی ہے، وہ جنت کی خوشبو سے کم نہیں اور جس کی تعریف لفظوں میں ادا نہیں ہو سکتی، جو اشخاص اس زمین سے دور ساحل پر سے بھی گزرتے ہیں، وہ بھی جب ساحل کی طرف سے ہوا چلتی ہے تو اس خوشبو سے محظوظ ہوتے ہیں، ان مسالوں کو وہاں کاٹتے نہیں اور کاٹ کر ان کا انبار نہیں لگاتے لیکن چوں کہ شگفتہ اور تازہ رہتے ہیں اس لیے جو شخص اس ساحل سے گزرتا ہے، آب حیات کا گویا لطف اٹھاتا ہے، یہ تشبیہ بھی اس کی قوت و لطافت کے لحاظ سے ناقص ہے۔''

''سبا میں حکومت وراثتاً منتقل ہوتی ہے، ان کا بڑا شہر مارب ہے جو ایک پہاڑ (جبل ابلق) پر واقع ہے، بادشاہ اسی شہر میں رہتا ہے، جو لوگوں کو فیصلہ دیتا ہے لیکن اس کو کبھی اس کی اجازت نہیں کہ وہ اپنا قصر چھوڑ کر نکل سکے، اگر وہ اس کے خلاف کرتا ہے تو وہ حکم مذہبی کے مطابق سنگ سار کر دیا جاتا ہے۔''

''سبا میں تمام دنیا کے سب سے زیادہ دولت مند لوگ ہیں، چاندی اور سونا بکثرت ہر طرف سے لایا جاتا ہے، بعد کے سبب سے کسی نے ان کو فتح نہیں کیا ہے، اسی لیے خصوصاً ان کے دارالحکومت میں سونے چاندی کے برتن ہیں، تخت اور پیش گاہیں ہیں، جن کے ستون زرنگار اور نقرئی اور طلائی نقش سے آراستہ ہیں، ایوان اور دروازے زر و جواہر سے منقش ہیں، اس قسم کے زیب و زینت پر نہایت ہنرمندی اور محنت وہ صرف کرتے ہیں۔''

مشہور مؤرخ آرٹی میڈوروس (Artimidorus) (۱۰۰ قبل مسیح) باشندہ شہر افسوس (Ehesus) جو سبا کے عہد آخر میں تھا، لکھتا ہے:

''سبا کا بادشاہ اوران کا ایوان مارب میں ہے، جو ایک پر اشجار پہاڑ پر زمانہ خوش حالی (عیش و آرائش و مسرت) میں واقع ہے، میووں کی کثرت کے سبب سے لوگ سست اور ناکارہ ہو گئے ہیں، خوشبودار درختوں کی جڑوں میں لیٹے پڑے رہتے ہیں، جلانے کی لکڑی کے بدلے دارچینی اور خوشبودار لکڑی جلاتے ہیں، کچھ لوگوں کا پیشہ زراعت ہے اور کچھ ملکی اور غیر ملکی مسالوں کی تجارت کرتے ہیں، یہ مسالے مقابل کے حبشی ساحل سے لائے جاتے ہیں جہاں سبا کے لوگ چمڑے کی کشتیوں میں بیٹھ کر دریا کے پار چلے جاتے ہیں قرب و جوار کے قبائل سبا سے تجارتی اسباب خریدتے ہیں اور اپنے ہمسایوں کو دیتے ہیں اور اسی طرح دست بدست وہ شام اور جزیرہ تک پہنچتے ہیں[1]۔''

---

[1] تمام بیانات تاریخ قدیم کے مستند ترین ماخذ ڈنکر (Duncher) کی تاریخ قدیم سے ماخوذ ہیں۔ ج۱، ص ۳۱۰-۳۱۳۔

سبا کی عمارتیں: ہم نے پہلے بتایا ہے کہ سبا ایک صلح پسند اور امن و مسرت کی حکومت تھی، یہی سبب ہے کہ اس نے اپنی قوت کا زیادہ تر حصہ اسلحہ کے بجائے عمارتوں پر صرف کیا، یونانی مؤرخین کے بیان سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے، ان میں سے بعض عمارتیں عہد اسلام تک باقی تھیں، مسلمان مؤرخین نے خود دیکھا اور اپنی کتابوں میں ان کے حالات لکھے ہیں، ہمدانی نے اکلیل کا ایک باب صرف ان ہی عمارتوں کے لیے مخصوص کیا ہے، سبا کے اب تک جو کتبات ملے ہیں وہ زیادہ تر ان ہی عمارتوں کی یادگاری لوحیں ہیں، نشوان بن سعید حمیری نے قصیدہ حمیریہ میں تقریباً ۲۵ر عمارات شاہی کا ذکر کیا ہے، یورپین سیاح بھی ان عمارات کے کھنڈروں کے عجیب و غریب حالات بیان کرتے ہیں، قصر سلحین جو قیام گاہ شاہی تھا، اس کا نشان بھی اب تک موجود ہے۔

سد مارب: اسی سلسلہ عمارات میں ایک چیز بند آب ہے، جس کو عرب حجاز سد اور عرب یمن عرم کہتے ہیں، عرب کے ملک میں کوئی دائمی دریا نہیں، صرف سلسلہ کوہستان ہے، پانی پہاڑوں سے بہہ کر ریگستانوں میں خشک ہوجاتا ہے اور ضائع ہوجاتا ہے، زراعت کے مصرف میں نہیں آتا، سبا مختلف مناسب موقعوں پر پہاڑوں اور وادیوں کے بیچ میں بڑے بڑے بند باندھ دیتے تھے کہ پانی رک جائے اور بہ قدر ضرورت زراعت کے مصرف میں آئے، مملکت سبا میں اس قسم کے سیکڑوں بند تھے، ان میں سب سے زیادہ مشہور سد مارب تھا، جو خود دارالحکومت کے اندر واقع تھا۔

شہر مارب کے جنوب میں داہنے بائیں دو پہاڑ ہیں جن کا نام کوہ ابلق ہے، دونوں پہاڑوں کے بیچ میں وادی اذینہ ہے، پہاڑوں سے اور نیز ادھر ادھر سے پانی جمع ہوکر وادی اذینہ میں ایک دریا جاری ہوجاتا ہے، سبا نے ان دونوں پہاڑوں کے بیچ میں تقریباً ۸۰۰ر قبل مسیح میں سد مارب کی تعمیر کی تھی، یہ بند تقریباً ۱۵۰ر فٹ لمبی اور ۵۰ر فٹ چوڑی ایک دیوار ہے، اس کا اکثر حصہ تو اب افتادہ ہے، تاہم اس کی ایک ثلث دیوار اب بھی باقی ہے،

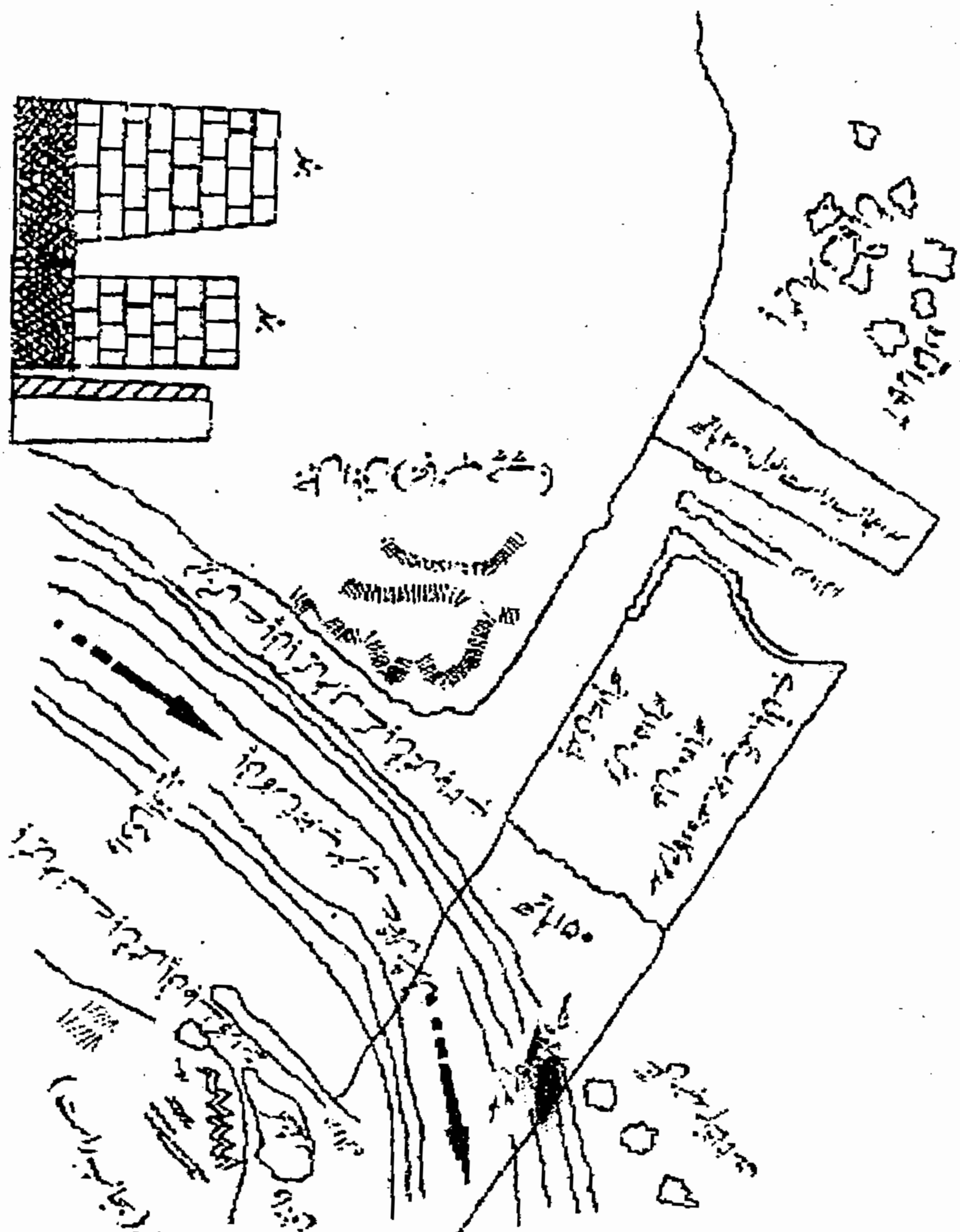

ارناوَایک یورپین سیاح نے اس کے موجودہ حالات پر ایک مضمون فرنچ ایشیاٹک سوسائٹی کے جرنل میں لکھا ہے اور اس کا موجودہ نقشہ نہایت عمدگی سے تیار کیا، اس دیوار پر جابجا کتبات ہیں، وہ بھی پڑھے گئے ہیں۔

عام مسلمان مؤرخین چوں کہ ہر قدیم عمارت کو ''بنائے سلیمانی'' کہنے کے عادی ہیں اس لیے اس سد کا بانی وہ بلقیس بلکہ یمن و حرم سلیمانی کو قرار دیتے ہیں لیکن سد مارب کے بقیہ حصہ پر جو کتبات ہیں ان میں بانیوں کے نام بھی خوش قسمتی سے باقی رہ گئے، ان میں یثع امر یین بن سمہی علی نیوف مکارب سبا، سمہی علی نیوف بن ذمر علی مکارب سبا، کرب ایل بین بن یثع امر مکارب سبا ذمر علی ذرح ملک سبا اور یدع ایل وتار کے نام پڑھے گئے ہیں، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ سد ایک زمانہ ممتد میں مختلف سلاطین یمن کے عہد میں تعمیر ہوا ہے، اس کا پہلا بانی یثع امر تھا جو آٹھویں صدی قبل مسیح میں تھا، اس سد میں اوپر نیچے بہت سی کھڑکیاں تھیں، اوپر سے نیچے تک کی کھڑکیاں حسب ضرورت کھولی اور بند کی جاتی تھیں، سد کے دائیں بائیں مشرق و مغرب میں دو بڑے دروازے تھے جن سے پانی تقسیم ہو کر چپ و راست کی زمینوں کو سیراب کرتا تھا، اس سد کے حالات ہمارے مفسرین نے جو بیان کیے ہیں[1]، بعینہٖ ارناؤ کے بیان سے اس کی تصدیق ہوتی ہے[2]، نقشہ کے دیکھنے سے صورت حال اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے گی۔

جنتین عن یمین و شمال: اس نظام آب رسانی سے چپ و راست دونوں جانب اس ریگستانی اور شور ملک کے اندر ۳۰۰ میل مربع میں سیکڑوں کوس تک بہشت زار تیار ہو گئی تھی، جس میں انواع و اقسام کے میوے اور خوشبودار درخت تھے، ان کی خوشبو دور تک پھیلی رہتی تھی۔

جنت سبا اور قرآن مجید: قرآن مجید ان آیات میں ان ہی باغوں کی طرف اشارہ کرتا ہے:

لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِيْ مَسْكَنِهِمْ اٰيَةٌ" سبا کے لوگوں کے لیے خود ان کے گھر میں

---

[1] تفسیر آیت مذکور، طبری، اور بغوی میں دیکھو۔ [2] فرنچ ایشیاٹک سوسائٹی کا رسالہ ۱۸۷۴ء۔

جَنَّتٰنِ عَنْ يَّمِيْنٍ وَّشِمَالٍ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ (سبا۳۴:۱۵)	قدرت خدا کی ایک عجیب نشانی موجود تھی، دو باغوں (کا سلسلہ) داہنے بائیں، سبا کے لوگو! اپنے پروردگار کی روزی کھاؤ اور شکر کرو، شہر ہے پاکیزہ اور پروردگار ہے بخشنے والا۔

ہمارے پاس اس جنت زار کے قصے عربوں کی روایات سے کئی سو سال بعد کے موجود ہیں لیکن خود ہمارے دشمنوں کے سفینوں میں اس کی معاصرانہ شہادتیں جو محفوظ ہیں، ان کو ایک دفعہ پھر پڑھو:

اراٹوستھینس (Eratasthenes) جو ۱۹۴ ق م میں سبا کا معاصر تھا، لکھتا ہے:

''سبا کے لوگ جن کا دارالحکومت شہر مارب ہے، یہ قطعہ ملک مصر زیریں سے بڑا ہے، گرمیوں میں بارش ہوتی ہے اور دریا جاری ہوتے ہیں، جو میدانوں اور تالابوں میں خشک ہو جاتے ہیں، اس سبب سے زمین اس قدر سرسبز و شاداب ہے کہ تخم ریزی وہاں سال میں دوبار ہوتی ہے، سبا کا ملک خوش وخرم ہے۔''

اغا تھارشیدس (Agatharchides) جو ۱۴۵ ق م میں سبا کے زمانہ وعصر میں تھا، بیان کرتا ہے:

''سبا عرب کے حصہ سرسبز و آباد (Felix) میں رہتے ہیں جہاں بہت اچھے اچھے بے شمار میوے ہوتے ہیں، دریا کے کنارے جوز مین ہے اس میں نہایت خوبصورت درخت ہوتے ہیں، جو دیکھنے میں نہایت بھلے معلوم ہوتے ہیں، اندرون ملک میں بخوارات، دارچینی اور چھوہارے کے نہایت بلند درختوں کے گنجان جنگل ہیں اور ان درختوں سے نہایت شیریں بو پھیلا کرتی ہے، درختوں کے اقسام کی کثرت وتنوع کے سبب سے ہر قسم کا نام و وصف مشکل ہے، جو خوشبو اس میں سے اڑتی ہے وہ جنت کی خوشبو سے کم نہیں اور جس کی تعریف لفظوں میں ادا نہیں ہو سکتی، جو اشخاص زمین دور ساحل سے گزرتے ہیں وہ بھی جب ساحل کی طرف

سے ہوا چلتی ہے تو اس خوشبو سے محظوظ ہوتے ہیں، وہ گویا آب حیات کا لطف اٹھاتے ہیں اور یہ تشبیہ بھی اس کی قوت و لطافت کے مقابل میں ناقص ہے۔"

آرٹی میڈروس (Artimidarus) جو سبا کے عہد آخر میں تھا، لکھتا ہے:

"سبا کا بادشاہ اور اس کا ایوان مارب میں ہے جو ایک پر اشجار پہاڑ پر عیش و مسرت (زمانہ خوش حالی) میں واقع ہے[1]۔"

خدائے پاک اس کے بعد فرماتا ہے:

فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ سَیْلَ الْعَرِمِ (سبا۳۴:۱۶)	پھر انہوں نے سرتابی کی تو ہم نے ان پر بند (توڑ کر اس کا) سیلاب بھیجا۔

یہ سیلاب آیا اور ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں لیکن اس عصر تاریخی میں جب ہر غیر معاصرانہ روایت قابل شک و اشتباہ ہے، خدائے قرآن نے اپنے کلام معجز کی صداقت کا نیا سامان پیدا کر دیا، یعنی اس بند کے ٹوٹے ہوئے کھنڈر میں واقعہ سیلاب کے مشرح حالات کا کتبہ جو ایک عیسائی فاتح یمن کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے، مل گیا ہے، یہ عیسائی فاتح وہی ہے جو اپنے ہاتھیوں کے بل پر کعبہ کو ڈھانے نکلا تھا لیکن آج اسی دشمن کعبہ کا سنگی ہاتھ کعبہ مکرمہ کی کتاب مقدس کی تصدیق کے لیے بلند ہے[2]۔

وَبَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَیْهِمْ جَنَّتَیْنِ ذَوَاتَیْ اُكُلٍ خَمْطٍ وَّاَثْلٍ وَّ شَیْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِیْلٍ ذٰلِكَ جَزَیْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا وَهَلْ نُجٰزِیْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ (سبا۳۴:۱۶-۱۷)	اور ان اعلیٰ میوں کے باغوں کے بدلہ معمولی پھلوں یعنی پیلو، جھاؤ اور کچھ بیری کے باغ دے دیے، یہ ان کے کفران کی سزا ہے، ہم کفران نعمت کرنے والوں ہی کو سزا دیتے ہیں۔

قرآن مجید جب نازل ہو رہا تھا تو اس سزا کو جوان درختوں کی شکل میں نمودار ہوئی تھی، یمن کا ہر باشندہ بچشم خود معائنہ کر رہا تھا لیکن ۱۴۰۰ برس کے بعد بھی برائے العین ہر سیاح

---

[1] ان عبارتوں کا حوالہ اوپر گزر چکا ہے۔ [2] تفصیل اصحاب فیل میں دیکھو۔

کونظر آ رہی تھی، ہمدانی المتوفی ۳۰۰ھ جس کی صداقت بیانی کے نہ صرف سیاحین یورپ بلکہ اثریین (ارکیالوجسٹ) بھی معترف ہیں، جو خود چوتھی صدی کے اوائل میں شہادت عینی پیش کرتا ہے کہ ''ان باغوں کی جگہ یہاں پیلو کے درخت اتنے ہیں کہ کہیں اور نہیں۔''

سبا کی آبادیاں ہم نے ''سبا کے دائرۂ حکومت'' کے تحت لکھا ہے کہ یمن کے علاوہ حبشہ اور شمالی عرب میں بھی سبا کی آبادیاں تھیں، تورات و اسفار میں متفرق خاندانوں کے نام بتائے گئے ہیں، سبا بن یقطان (قحطان) باشندہ یمن، سبا بن...... بن ابراہیم برادرزادہ مدین باشندہ عرب شمال سبا بن کوش بن عام باشندہ حبش۔ (تکوین)

نولڈیکی کے اصول کی بنا پر کہ تورات کے قبائل واقوام کا مقسم صرف جغرافی نسب و تعلق ہے، ان تینوں متفرق النسب سبا کے یہ معنی ہیں کہ سبا کے تین جغرافی مرکز یا آبادیاں تھیں، یمن، حبشہ اور شمالی عرب میں، یمن میں سبا کا وجود و قیام تو محتاج اثبات نہیں، روایات عرب، تاریخ اقوام، آثار قدیمہ ان سب کی شہادت قاطعہ موجود ہے، دیگر اطراف ملک میں بھی ان کا وجود واثر مخفی نہیں ہے، شمال عرب میں بطرف شام و عراق تورات کے متعدد فقروں میں ان کا وجود عارضی نہایت قدیم زمانہ سے مذکور ہے اور ان کا بار بار ذکر اوپر گزر چکا ہے (دیکھو سبا کا دائرۂ حکومت اور سبا کی دولت وعظمت)، یونانی مؤرخین نے بھی ان اطراف میں ان کا ہونا بیان کیا ہے، آغا ثارسیدوس (۱۴۵ ق م قبل مسیح) کہتا ہے ''سب سے پہلے نبطی (جن کا مسکن عراق و شام کے درمیان تھا) اور سبائی[1] جو شام کے اوپر واقع ہیں، عرب سعید پر قابض ہوئے ہیں'' ایک اور یونانی مؤرخ بیان کرتا ہے[2]:

> ''یہاں سے اس شہر تک ایک سڑک جاتی ہے جس کا نام پڑا (رقیم) ہے، جہاں اہل قریہ، اہل معین اور وہ تمام عرب اس کے قریب رہتے ہیں جو بالائی ملک (عرب) سے بخورات لاتے ہیں۔''

---

[1] گولڈ مائنس آف مدین، ص ۲۲۴ [2] حوالہ مذکور، صفحہ ۱۷۱۔

یہ پہلے گزر چکا ہے کہ اسیریا کے آثار میں بھی شع امر سبائی کا ساتویں صدی قبل مسیح میں اسیریا سے مغلوب ہونا مذکور ہے، معلوم ہے کہ اہل اسیریا کبھی یمن نہیں آئے، اس لیے یہ بالکل واضح ہے کہ خود سبا یہاں تک پہنچ گئے تھے، جیسا کہ سفر ایوب (۱-۱۵-۶-۱۹) سے بھی ثابت ہے۔

حبشہ میں اہل سبا کا وجود عہد قدیم سے تھا، حبشہ یمن کے بالمقابل سواحل پر واقع ہے، یہ سواحل تاریخ کی ابتدا سے اس وقت یمنی وحضرموتی عرب کی جولان گاہ ہیں، بعض کتبات سے معلوم ہوا ہے کہ سبا کا ایک گورنر معافر کے لقب سے حبشہ میں رہتا تھا[۱]، خود حبش بھی اپنے کو سبا کی اولاد کہتے ہیں[۲]، ایک یونانی مؤرخ کی شہادت بھی، جو سبا کا معاصر تھا، پہلے گزر چکی ہے کہ ''سبا سواحل حبشہ میں بھی تجارت کا مرکز رکھتے ہیں۔''

ملکہ سبا: تورات (نبیم) انجیل اور قرآن مجید میں سبا کی ایک شہزادی کا ذکر ہے، جو حضرت سلیمان علیہ السلام کی بارگاہ میں آئی تھی، یہ سبا کی شہزادی بہ زبان تورات کس سبا کے خاندان سے تھی؟ یا بہ زبان تاریخ سبا کی کس آبادی سے آئی تھی؟ تورات میں صرف سبا کی ''شہزادی'' کا لفظ بلا تعیین خاندان وجہت ہے[۳]، ترگوم میں ہے کہ ''اس کا ملک (فلسطین) کے مشرق میں[۴] ہے''، انجیل میں ہے کہ ''وہ (فلسطین) کے جنوب[۵] سے آئی تھی''، یوسیفوس اسرائیلی کی تاریخ میں ہے کہ ''وہ مصر[۶] وحبشہ کی شہزادی تھی''، اہل حبش اس کو حبشی سمجھتے ہیں[۷]، جس کے یہ معنی ہیں کہ وہ کوشی خاندان کی سبا تھی، قرآن مجید نے بھی کوئی تعیین خاندان وجہت نہیں کی ہے لیکن تمام مفسرین ومؤرخین اس کو عرب قحطانی اور باشندہ یمن سمجھتے ہیں، آج کل کہ اثریات کا زمانہ ہے، اس بنا پر کہ یمن کی عورت کا کوئی کتبہ نہیں ملا ہے اور شمال عرب میں متصل عراق تین چار قدیم حکمران عورتوں کے نام ملے ہیں، ملکہ سبا کا اس حصہ آبادی سے جانا ممکن خیال کیا جاتا ہے[۸]۔

---

[۱] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ج ۱۳، ص ۹۵۵ [۲] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ج ۱، ص ۲۲۰ [۳] تاریخ ملوک ایام ۱۰ وایام ۲، باب ۹ [۴] جوئیش انسائیکلوپیڈیا مضمون سبا [۵] متی ۱۲-۴۲، لوقا ۱۱-۳۱ [۶] جلد از ذکر سلیمان [۷] جوئیش انسائیکلوپیڈیا مضمون سبا [۸] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ج ۱، ص ۳۷۲۔

جن قدیم تحریروں میں ملکہ سبا کا ذکر ہے، ان میں سے صرف تین میں تعیین جہت ہے، یوسیفوس، ترگوم اور انجیل، یوسیفوس کا بیان ہے کہ وہ مصر کی شہزادی تھی، متفقاً غلط ہے، بقیہ بیانات میں کہ وہ مشرق جنوب یا مصر کی تھی، ہمارے نزدیک کوئی فرق نہیں کہ یہ سب سبا کے مقامات تھے، تاہم اصل مرکز کے لحاظ سے وہ یمن ہی کی کہی جائے گی (یعنی جنوب عرب کی)، جیسا کہ انجیل کی شہادت اور روایات عرب کا تواتر ہے۔

اہل حبش جو ملکہ سبا کو حبشہ کی بتاتے ہیں اور اب تک حبشہ کا شاہی خاندان تفاخراً اپنے کو اسی ملکہ سبا کی اولاد یقین کرتا ہے، اس کا نام ان کی زبان میں ماکدہ ہے، یمن کے عرب یہود میں اس کا نام بلقیس مشہور تھا اور اسرائیلیات کے ذریعہ یہی نام مسلمان مورخین اور اہل تفسیر میں مقبول ہے لیکن لفظی دلالت کے لحاظ سے یہ عربی نہیں بلکہ یونانی الاصل نام معلوم ہوتا ہے، بعض روایات تفسیر میں بلقیس کو پری زاد کہا گیا ہے، یعنی اس کی ماں (بلقمہ) ایک پری تھی لیکن یہ روایتیں بالکل لغو اور موضوع ہیں "بلقمہ" کو ممکن ہے کہ یمن کی مشہور دیبی "المقہ" سے کوئی نسبت ہو، اسی طرح اہل تاریخ کا ملکہ سبا (بلقیس) کو بنت شرجیل لکھنا بھی غلط ہے، شرجیل حمیر کا بادشاہ اور حضرت سلیمان علیہ السلام سے تقریباً ڈیڑھ ہزار برس بعد تھا۔

ملکہ سبا اور قرآن مجید: سبا کا نام قرآن مجید میں دو بار آیا ہے، اول حضرت سلیمان علیہ السلام کے قصہ میں ملکہ سبا کے نام سے اور دوسری بار سیل عرم کے ذکر میں، سیل عرم کا ذکر اس سے پہلے گزر چکا ہے، ملکہ سبا کا قصہ سورہ نمل میں مذکور ہے:

وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَالِيَ لَآ اَرَى الْهُدْهُدَ	سلیمان نے پرندوں کا جائزہ لیا، پھر کہا مجھے کیا
اَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِيْنَ لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا	ہے کہ میں نے ہدہد کو نہیں دیکھا یا وہ موجود نہیں
شَدِيْدًا اَوْلَآ اَذْبَحَنَّهٗٓ اَوْلَيَاْتِيَنِّيْ بِسُلْطٰنٍ	ہے، اس کو سخت سزا دوں گا یا ذبح کر ڈالوں گا، یا
مُّبِيْنٍ فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيْدٍ فَقَالَ اَحَطْتُّ	کوئی صاف دلیل لائے، سلیمان تھوڑی دیر
بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍۢ بِنَبَاٍ	ٹھہرے کہ ہدہد آکر گویا ہوا، مجھے وہ معلوم ہوا جو

يَّقِيْنٍ اِنِّىْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ
وَاُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَىْءٍ وَّلَهَا عَرْشٌ
عَظِيْمٌ وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ
لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ
الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ
فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ اَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِىْ
يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ
اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ قَالَ سَنَنْظُرُ
اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ اِذْهَبْ
بِّكِتٰبِىْ هٰذَا فَاَلْقِهْ اِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ
فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُوْنَ قَالَتْ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا
اِنِّىْٓ اُلْقِىَ اِلَىَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ
وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اَلَّا
تَعْلُوْا عَلَىَّ وَاْتُوْنِىْ مُسْلِمِيْنَ قَالَتْ يٰٓاَيُّهَا
الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِىْ فِىْٓ اَمْرِىْ مَا كُنْتُ قَاطِعَةً
اَمْرًا حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ قَالُوْا نَحْنُ اُولُوْا
قُوَّةٍ وَّ اُولُوْا بَاْسٍ شَدِيْدٍ وَّالْاَمْرُ اِلَيْكِ
فَانْظُرِىْ مَاذَا تَاْمُرِيْنَ قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ
اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْٓا
اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ وَاِنِّىْ

آپ کو نہیں معلوم، سبا سے ایک سچی خبر لے کر میں آیا ہوں، میں نے ایک عورت کو دیکھا جو سبا پر حکومت کرتی ہے، اس کو ہر شے عنایت کی گئی ہے، اس کا ایک بڑا تخت ہے، میں نے اس عورت کو اور اس کی رعایا کو خدا کو چھوڑ کر آفتاب کو سجدہ کرتے پایا، شیطان نے ان کے اعمال ان کی نگاہ میں اچھے کر کے دکھائے ہیں، صحیح راستہ سے ان کو باز رکھا ہے، وہ راہ نہیں پاتے کہ خدا کو وہ سجدہ کریں جو آسمانوں سے اور زمین سے چھپی ہوئی چیز کو باہر نکالتا ہے اور جو تم چھپاتے ہو یا ظاہر کرتے ہو سب جانتا ہے، خدا ہے جس کے سوا کوئی خدا نہیں، وہی بڑے تخت کا مالک ہے، سلیمان نے کہا ہم دیکھتے ہیں کہ تو سچ کہتا ہے یا جھوٹا ہے، میرا یہ خط لے جا، ان کے پاس ڈال دے، پھر ان سے الگ ہٹ کر دیکھ کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں، ملکہ نے خط پا کر درباریوں سے کہا، میرے نام ایک نامہ مقدس آیا ہے، یہ نامہ سلیمان کے پاس سے آیا ہے، عبارت یہ ہے کہ مہربان اور رحم والے خدا کے نام سے شروع کرتا ہوں، مجھ سے سرکشی نہ کرو اور مسلمان ہو کر میرے پاس آجاؤ، ملکہ نے کہا، اے سردارو! اس معاملہ میں اپنی رائے دو، تمہاری حاضری کے

مُرْسِلَةٌ اِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنٰظِرَةٌۢ بِمَ يَرْجِعُ
الْمُرْسَلُوْنَ فَلَمَّا جَآءَ سُلَيْمٰنَ قَالَ
اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ فَمَآ اٰتٰنِ اللّٰهُ خَيْرٌ مِّمَّآ
اٰتٰكُمْ بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ اِرْجِعْ
اِلَيْهِمْ فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ
بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَآ اَذِلَّةً وَّهُمْ
صٰغِرُوْنَ قَالَ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ
يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ
مُسْلِمِيْنَ قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا
اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ وَاِنِّيْ
عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ
مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ
اِلَيْكَ طَرْفُكَ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ
هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ لِيَبْلُوَنِيْٓ ءَاَشْكُرُ اَمْ
اَكْفُرُ وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ
وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّيْ غَنِيٌّ كَرِيْمٌ قَالَ
نَكِّرُوْا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرْ اَتَهْتَدِيْٓ اَمْ
تَكُوْنُ مِنَ الَّذِيْنَ لَا يَهْتَدُوْنَ فَلَمَّا
جَآءَتْ قِيْلَ اَهٰكَذَا عَرْشُكِ قَالَتْ كَاَنَّهٗ
هُوَ وَاُوْتِيْنَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَكُنَّا
مُسْلِمِيْنَ وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تَّعْبُدُ مِنْ

بغیر میں کسی بات کا فیصلہ کرنے والی نہیں ہوں، سرداروں نے کہا، ہم زور وقوت والے ہیں، یوں فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے، دیکھیے کیا حکم دیتی ہیں، ملکہ نے کہا، بادشاہ جب کسی آبادی میں داخل ہوجاتے ہیں تو اس کو ویران کرڈالتے ہیں اور وہاں کے معزز ترین باشندوں کو ذلیل بناڈالتے ہیں اور اسی طرح کیا کرتے ہیں، میں ان کے پاس ہدیہ دے کر قاصد بھیجتی ہوں، پھر دیکھتی ہوں کہ قاصد کیا جواب لاتے ہیں۔

قاصد جب سلیمان کے پاس پہنچا تو سلیمان نے کہا، اس حقیر مال و دولت سے تم میری مدد کرتے ہو، خدا نے جو کچھ مجھے دیا ہے وہ اس سے بہتر ہے جو تم کو اس نے دیا ہے، تم اپنے اس تحفہ پر شاداں ہو، سبا کو واپس جا، ہم اب لشکر لے کر آئیں گے کہ جس کا وہ مقابلہ نہ کرسکیں گے اور ملک سبا سے ذلیل کرکے ان کو باہر کریں گے، سلیمان نے اپنے سرداروں سے کہا کہ کون اس کا تخت میرے پاس اٹھالائے گا، ایک تنومند جن نے کہا، میں اس سے پہلے کہ آپ دربار سے اٹھیں میں وہ تخت لے آتا ہوں، میں اس تخت کے اٹھالانے کی قوت رکھتا ہو اور امانت کے ساتھ لاؤں گا، جس کو خط کا علم تھا،

دُوْنِ اللّٰهِ اِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ قِيْلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ فَلَمَّا رَاَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَّكَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا قَالَ اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيْرَ قَالَتْ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (النمل ۲۷:۲۰-۴۴)

اس نے کہا، نگاہ پلٹنے سے پہلے میں اٹھا لاتا ہوں، سلیمان نے جب تخت اپنے پاس رکھا دیکھا، کہا یہ خدا کے فضل سے ہوا تا کہ وہ مجھے آزمائے کہ میں شکر کرتا ہوں کہ ناشکری کرتا ہوں اور جو شکر کرتا ہے وہ اپنے ہی لیے کرتا ہے اور جو ناشکری کرے تو خدا بے پروا اور بزرگ ہے۔

سلیمان نے حکم دیا کہ تخت کا روپ بدل دو، وہ راہ پاتی ہے یا نہ راہ پانے والوں میں سے ہوتی ہے، جب ملکہ آئی تو اس سے کہا گیا کہ تیرا تخت کیا اسی قسم کا ہے؟ جواب دیا کہ گویا وہی ہے اور اس سے پہلے ہم کو علم دیا جا چکا تھا اور مسلمان ہو چکے تھے، ملکہ کو غیر خدا کی پرستش نے حق سے روک رکھا تھا اور وہ کافر قوم سے تھی، ملکہ سے کہا گیا کہ محل کے اندر چل، جب اس نے محل کو دیکھا تو سمجھی کہ گہرا پانی ہے، دونوں پنڈلیاں کھول دیں، سلیمان نے کہا، یہ تو شیشہ کا مکان ہے، ملکہ نے کہا، خدایا میں اپنی جان پر ظلم کرتی رہی، سلیمان کے ساتھ میں بھی خدا کی جو تمام دنیا کا پروردگار ہے، اطاعت گزار ہوئی۔

بعینہٖ یہ قصہ اسفار یہود میں بھی مذکور ہے، گو تفصیل و اجمال میں کسی قدر اختلاف ہے، سب سے پہلے نیمیم کے سفر ایام اور سفر ملوک میں یہ قصہ مذکور ہوا ہے اور یہ دونوں اسفار بیان واقعہ میں حرف حرف متفق ہیں:

''جب سلیمان علیہ السلام کا شہرہ سبا کی ملکہ تک پہنچا تو مشکل سوالوں سے وہ اس کو آزمانے آئی اور بڑی فوج اور شان وشوکت کے ساتھ یروشلم میں داخل ہوئی، بہت سے اونٹوں پر خوشبو کی چیزیں، بہت سا سونا اور بیش قیمت جواہر لدے تھے، وہ سلیمان کے پاس آکر ٹھہری اور جو کچھ اس کے دل میں تھا اس کی بابت اس سے گفتگو کی، سلیمان نے اس کے تمام سوالوں کا جواب دیا، سلیمان سے کوئی چیز پوشیدہ نہ تھی جو جواب نہ دیتا۔

سبا کی ملکہ نے جب سلیمان کی دانش مندی اور اس کے گھر کو جو اس نے بنایا تھا اور اس کے دسترخوان کے کھانوں کو اور اس کے نوکروں کی نشست و برخاست کے طور کو اور ان کی پوشاک اور اس کے ساقیوں کو اور اس کی سیڑھی کو جس سے وہ خدا کے مسکن پر چڑھتا تھا (یہ ملوک کی آیت ہے، ایام میں اس کے بجائے یہ ہے اور قربانیوں کو جو وہ خداوند کے مسکن میں چڑھایا کرتا تھا)، دیکھا تو اس کے ہوش اڑ گئے، اس نے بادشاہ سے کہا کہ میں نے تیری دانش اور تیرے کاموں کی نسبت اپنے ملک میں جو سنا تھا وہ تحقیق خبر تھی لیکن جب تک اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا تھا باور نہیں آتا لیکن جو دیکھا اس کا آدھا بھی نہیں سنا تھا۔

مبارک ہیں تیرے لوگ اور مبارک ہیں تیرے نوکر جو ہمیشہ تیرے حضور کھڑے رہتے ہیں اور تیری حکمت کی باتیں سنتے ہیں، خداوند تیرا خدا مبارک ہو، جو تجھ سے راضی ہے اور اس نے تجھ کو اسرائیل کے تخت پر بیٹھایا کیوں کہ خداوند اسرائیل کو ابد تک پیار کرتا ہے اور تجھ کو بادشاہ بنایا کہ تو عدل وانصاف کرے۔

ملکہ نے ۱۲۰ قنطار سونا اور بہت سی خوشبوئیں اور قیمتی جواہر سلیمان کو دیے، ملکہ نے جیسی خوشبوئیں پیش کیں ایسی پھر کبھی نہ ملیں، سلیمان نے سبا کی ملکہ کو جو کچھ اس نے مانگا اس سے زیادہ تحفہ دیا اور ملکہ اپنے ملازموں سمیت اپنی مملکت کو پھر گئی۔'' (۲، سفر ایام، باب ۹، ملوک باب ۱۰)

ترگوم (دوم براسترا) میں جو تورات اور نبیم کا ترجمہ بلکہ آرامی زبان میں ان کی

تفسیر ہے، یہ قصہ زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان ہوا ہے، گو بعض نہایت لغو باتوں کی بھی اس میں آمیزش ہے، ترگوم کی روایت کا لفظی ترجمہ یہ ہے:

''سلیمان عرق انگور پی کر جب نشاط میں آتے تھے تو تمام بادشاہوں کے سامنے اپنے غلاموں کو بٹھاتے تھے اور اس وقت دنیا کی تمام زندہ مخلوقوں کو حکم دیتے تھے کہ ان کے سامنے ناچیں، ایک دن سلیمان نے دیکھا کہ ہدہد غائب ہے، (سلیمان نے حکم دیا کہ وہ حاضر کیا جائے) جب ہدہد آیا تو اس نے بیان کیا کہ (تین مہینہ سے وہ ادھر ادھر اڑ رہا تھا کہ کوئی ایسا ملک ملے جو اب تک حضور کے ماتحت نہیں ہے) آخر مشرق میں ایک ملک ملا جس پر سبا کی ملکہ حکومت کرتی ہے، اس ملک کی خاک سونے سے زیادہ بیش قیمت ہے، وہاں چاندی کوڑی کی طرح گلیوں میں پڑی پھرتی ہے، درخت وہاں بدو خلقت سے ایسے ہی ہیں، پانی وہاں جنت سے آتا ہے اور وہیں سے بن کر ہار آتے ہیں جن کو لوگ پہنتے ہیں، اس ملک کے دارالحکومت کا نام ''قیطور'' ہے، پھر پرندہ نے یہ رائے دی کہ وہ اڑ کر اس ملک کو پھر جائے گا اور وہاں کی ملکہ کو اپنے ساتھ لائے گا، سلیمان نے یہ تجویز پسند کی اور خط لکھ کر ہدہد (کے بازو میں باندھ دیا گیا، ہدہد شام کے وقت جب وہ آفتاب کی عبادت کو جا رہی تھی) پہنچا، (یہ خط ملکہ کے حوالہ کیا) ملکہ نے خط پڑھ کر جس میں یہ دھمکی تھی کہ فوراً میری بارگاہ میں حاضر ہو ورنہ اس کی فوج (جو جانوروں، پرندوں، روحوں اور رات کے دیوؤں کی ہے) اس سے لڑنے کو آئے گی، (ملکہ بہت خوف زدہ ہوئی اور اس نے بوڑھوں کی) اور سرداروں کی مجلس میں مشورہ کیا لیکن یہ لوگ سلیمان سے بالکل واقف نہ تھے، تاہم ملکہ نے (اپنے جہازوں کو بیش قیمت لکڑیوں، گراں بہا جواہر اور موتیوں سے بار کر کے اور ۶۰۰۰ رایک ہی ساعت کی پیدائش اور ایک ہی قد و قامت اور ایک ہی شکل و صورت اور ایک ہی حریر سرخ کے لباس میں غلام اور لونڈیاں) تحفہ بھیجیں، (خط کے جواب میں لکھا کہ اگرچہ ''قیطور'' اور یروشلم کے درمیان عموماً سات برس کا راستہ ہے تاہم وہ تین برس میں وہاں پہنچے گی) (سلیمان نے اپنے دورہ میں ملکہ سے ملنے کو ایک نوجوان کو جو

کی طرح خوبصورت تھا، بھیجا) (ملکہ جب یروشلم پہنچی) تو ایک شیشہ کے محل میں اس سے سلیمان نے ملاقات کی، ملکہ نے یہ سمجھ کر کہ بادشاہ پانی میں بیٹھا ہے، پنڈلیوں سے کپڑا اٹھایا، (سلیمان مسکرائے اور یہ دیکھ کر کہ اس کے پاؤں میں بال ہیں، بولے کہ شکل تو ایک عورت کی لیکن بال مردوں کی طرح، پاؤں کے بال مردوں کی زینت ہیں لیکن عورتوں کے لیے عیب) ملکہ سبا نے سلیمان سے بہت سی پہیلیاں پوچھیں (تفصیل میں نے چھوڑ دی ہے) سلیمان نے سب کے ٹھیک جواب دیے۔“

اس عبارت کے جو فقرے گھیر دیے گئے ہیں وہ قرآن میں نہیں ہیں، اس سے ظاہر ہوگا کہ قرآن نے جو گذشتہ کتابوں کی تصحیح و تحیض کے لیے آیا تھا یہ خدمت اس نے کس حد تک انجام دی، علاوہ ازیں ترگوم نے اس واقعہ کو جس طرز و عبارت میں ادا کیا ہے وہ بالکل ایک کم پایہ انسان کے معمولی افسانہ کی حیثیت رکھتا ہے، برخلاف اس کے قرآن کا طرز ادا ایک شاہانہ پیغمبری، ایک تبلیغ دانش و حکمت، ایک روحانی جبروت و اقتدار کے اظہار پر مبنی ہے، قرآن کا بیان ترگوم کی واضح غلطیوں سے کہ سبا کا ملک مشرق میں ہے، اس کا پایہ تخت قیطور تھا، وہاں سونا چاندی کوڑی کی طرح پڑی رہتی تھی، دونوں ملکوں میں سات برس کی مسافت ہے، پاک ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ قصوں کی غرض وغایت میں زمین و آسمان کا فرق ہے، ترگوم کی بنا پر ملکہ سبا کی طلب صرف شاہانہ ملک گیری کی ہوس پر مبنی ہے لیکن قرآن کے لحاظ سے یہ طلب دعوۃ الی اللہ، منع شرک، قمع کفر اور اصلاح نفوس انسانی ہے۔

ایک اور بات بھی قابل لحاظ ہے، ترگوم کے مطابق حضرت سلیمان علیہ السلام سبا سے واقف نہ تھے اور تعجب و حیرت زائی کا سبب سبا کی دولت و حشمت کا مبالغہ آمیز بیان تھا۔

لیکن وحی قرآنی نے اس حیرت و تعجب کا سبب اس طرح بیان کیا ہے:

وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَإٍ بِنَبَإٍ يَقِينٍ إِنِّي	اور ہدہد نے کہا، میں سبا سے ایک تحقیق خبر لے کر
وَجَدْتُ امْرَأَةً تَمْلِكُهُمْ وَأُوتِيَتْ مِنْ كُلِّ	آیا ہوں، میں نے پایا کہ ایک عورت ان پر بادشاہ

شَيْءٍ وَّلَهَا عَرْشٌ عَظِيْمٌ وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ (النمل ۲۷: ۲۲-۲۴)

ہے، جس کو ہر چیز دی گئی ہے، اس کا ایک بڑا تخت ہے، میں نے اس کو اور اس کی قوم کو آفتاب کو سجدہ کرتے پایا، نہ خدا کو، شیطان ان کے کاموں کو ان کی نظر میں اچھا کر کے دکھاتا ہے، پھر ان کو راہ سے روک دیا۔

بعض شکوک کا ازالہ: ۱- ترگوم اور قرآن مجید دونوں میں قصہ کی ابتدا ہدہد سے ہوتی ہے، ہمارے ان تمام مفسرین نے اس ہدہد سے یہی معروف مرغ مراد لیا ہے لیکن اس زمانہ کے بعض ''فطرت پرست'' کہتے ہیں کہ مرغ کا بولنا اور اس کی بولی سے مفہوم کا سمجھنا خلاف عقل ہے، اس لیے ہدہد کسی انسان کا نام ہوگا اور اس زمانہ میں عموماً یہ نام رکھا جاتا تھا، ہم کو اس دعویٰ کی صداقت سے انکار نہیں کہ ہدہد آدمی کے نام ہوتے تھے، خود حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد میں مدین کے شہزادہ کا نام ہدہد تھا، (سلاطین) اور روایات عرب میں ملکہ کے باپ یا بھائی کا نام بھی ہدہد مذکور ہے لیکن قرآن مجید کے لفظ تَفَقَّدَ الطَّيْرَ (پرندوں کا جائزہ لیا) کا کیا جواب ہوگا؟ میری رائے میں اب جب کہ جانوروں کی عاقلیت کا مسئلہ مسلم ہوتا جاتا ہے، بندروں کی بولیوں کی ابجد تیار کی جارہی ہے، تو ہدہد کے بولنے پر تعجب کیوں ہو، ''طیر'' کے معنی فوج کے لینا جیسا کہ مولوی چراغ علی نے لیا ہے، اسی طرح بے ثبوت ہے جس طرح سرسید کا سورۂ فیل کی تفسیر میں ''طیر'' سے فال بد لینا اور اگر پرندوں کا بولنا اب بھی کھٹکتا ہے تو فرض کرلو کہ نامہ بر کبوتروں کی طرح تربیت یافتہ نامہ بر ہدہد ہوگا اور اس کے بولنے سے مقصود اس مضمون کا خط اس کے پاس ہونا سمجھ لو، جیسا کہ خود اسی موقع پر قرآن مجید میں ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے خط دے کر اس کو ملکہ سبا کے پاس بھیجا، اسی طرح پہلے بھی خط لے کر آیا ہوگا۔

۲- دوسری چیز قابل بحث ملکہ سبا کا تخت ہے، جس کی نسبت قرآن مجید میں مذکور

ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کو اپنے دربار میں اٹھوا منگوایا اور اس میں کچھ ردو بدل کر کے ملکہ سے پوچھا کہ ''تم یہ تخت پہچانتی ہو؟ تمہارا ہے؟'' روایات تفسیر میں مذکور ہے کہ یہ تخت طلائی اور جواہرات سے مرصع تھا، یہودیوں کے اسفار (نبیم) میں سبا کے تخت کا مطلق ذکر نہیں لیکن یہ مذکور ہے کہ ''ملکہ سبا حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں بہت سے جواہرات، سونا اور دیگر تحائف لائی جس سے حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک ہاتھی دانت کا مرصع و جواہر نگار تخت بنوایا (۲-ایام، باب۹)'' ممکن ہے کہ یہ اسی سبائی تخت کے متفرق اجزا کا ذکر ہو، ترگوم استرا میں بھی اس تخت کے متعلق بہت سی عجیب وغریب واقعات مذکور ہیں۔

تاریخی شہادات سے بھی یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ سبا میں اس قسم کی صنعت کاری کا رواج عام تھا، اگاتھرشیدوس ایک یونانی مورخ جو اسلام سے ۸۰۰ ربرس پیش تر اور سبا کا معاصر تھا، شہادت دیتا ہے کہ:

> ''سبا تمام دنیا میں سب سے زیادہ دولت مند لوگ ہیں، چاندی اور سونا بکثرت لایا جاتا ہے، بعد کے سب سے کسی نے ان کو فتح نہیں کیا ہے، اس لیے خصوصا ان کے پایہ تخت میں طلائی ونقرئی ظروف، تخت اور دہلیز ہیں، جن کے پائے زرنگار اور نقرئی وطلائی نقش و نگار سے آراستہ ہیں، پیش گاہ اور دروازے زر و جواہر سے منقش ہیں اور اس قسم کی زیب و زینت پر وہ نہایت ہنر مندی اور محنت صرف کرتے ہیں۔''

اس تحریری بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ مملکت سبا میں اس قسم کی چیزوں کا خاص طور سے اہتمام تھا، ممکن ہے کہ اس بیان سے ۱۲۰۰ رسو برس پہلے ملکہ ''سبا'' کا تخت بھی اسی قسم کا ہو۔

۳-ایک سوال یہ ہے کہ یہ تخت کس غرض سے بنایا تھا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں کیوں لایا گیا تھا؟ عام جواب یہ ہے کہ ملکہ کے بیٹھنے کا تخت شاہی تھا، جو

یمن میں بحفاظت مقفل کمروں میں تھا، جہاں سے اظہار معجزہ کے لیے پل کے پل میں حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے ملک شام اٹھا منگوایا، ہم کو اس سے اختلاف ہے، ہماری رائے یہ ہے کہ ملکہ سبا نے تحفہ کے طور پر حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے اپنے ملک کی صنعت کاری کی ایک چیز تیار کرائی تھی اور چوں کہ یہ تحفہ تھا، ضرور ہے کہ ملکہ اپنے ساتھ شام لائی ہوگی، تحفہ کا ثبوت اس سے ملتا ہے کہ قرآن نے سبا کی پہلی سفارت میں تحفہ کا ذکر کیا اور نبیم میں بھی سبا کے تحائف کا ذکر ہے۔

قرآن مجید میں مذکور ہے کہ ''حضرت سلیمان علیہ السلام کے ایک درباری نے جو کتاب سے واقف تھا، عرض کی کہ میں نگاہ پلٹنے سے پہلے ملکہ کا تخت اٹھا لاتا ہوں'' نگاہ پلٹنے سے پہلے تخت اٹھا لانے سے مقصود جیسا کہ ہماری زبان میں سرعت اور جلدی سمجھا جاسکتا ہے، اسی طرح عربی زبان میں بھی قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْکَ طَرْفُکَ سے یہی سمجھنا چاہیے، بعض تابعین اور مفسرین کبار نے بھی اس لفظ کے یہی معنی لیے ہیں اور یہ کہنا تو درحقیقت محاورات زبان سے نادانی کا ثبوت ہے کہ واقعاً اس سے نگاہ کے پلٹنے کے ساتھ کام کا ہوجانا مقصود ہے۔

۴- اس قصہ کے متعلق چوتھی بحث یہ ہے کہ قرآن مجید کے ان الفاظ میں کہ ''وہ شخص جس کے پاس کتاب کا علم تھا، بولا کہ میں تخت کو نگاہ پلٹنے سے پہلے لادوں گا، کتاب کے علم سے عِنْدَہٗ عِلْمٌ مِّنَ الْکِتٰبِ کیا مقصود ہے؟ عام مفسرین تورات مراد لیتے ہیں یا اسم اعظم لیکن ظاہر ہے کہ تورات کے علم سے تخت کا جلد اور بسرعت لے آنا کیا مناسبت رکھتا ہے؟ اسم اعظم کا یہودی تخیل کہ وہ جادو منتر کی طرح کوئی سریع التاثیر مخفی لفظ ہے جس کے تکلم کے ساتھ ہر کام ہوجائے، اسلام میں نہیں، البتہ بعض اسمائے الٰہیہ کے ساتھ دعائے مستجاب سے انکار نہیں، مگر اس کے لیے تو خود پیغمبر وقت سب سے زیادہ موزوں ہونا چاہیے۔

ایک مدعی علم کلام جدید نے کتاب سے رجسٹر اور دفتر مراد لیا ہے، یعنی بعض درباری جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے سرکاری دفتر اور رجسٹر سے واقف تھے اور جانتے تھے کہ یہ تخت

کہاں رکھا ہوا ہے، انہوں نے کہا کہ ابھی اٹھا لاتا ہوں لیکن اس عہد میں انیسویں صدی کی طرح باقاعدہ دفتر اور رجسٹر کا دعویٰ ایک مضحکہ خیز امر ہے، میری رائے یہ ہے کہ کتاب سے خط مراد ہے، لفظ کتاب اس قصہ میں اس سے پہلے دوبار اسی معنی میں قرآن مجید میں آچکا ہے:

اِذْهَبْ بِّكِتٰبِيْ هٰذَا (النمل ۲۷:۲۸)	میری یہ کتاب (خط) لے جا۔
اِنِّيْٓ اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ (النمل ۲۷:۲۹)	میرے پاس ایک کتاب (خط) آئی ہے۔

اس کے علاوہ لفظ کتاب کا بمعنی خط عربی میں عام طور سے استعمال ہے، بلکہ فصحا اس کے سوا خط کے لیے کوئی دوسرا لفظ استعمال نہیں کرتے، میری تاویل کے مطابق آیت کا مقصود یہ ہے کہ درباریوں میں سے ملکہ سبا کے مضمون خط کا جس کو علم تھا کہ وہ بطور تحفہ اپنے ساتھ ایک تخت لائی ہے، اس نے کہا میں ابھی لاتا ہوں۔

۵- قرآن مجید میں ہے کہ ملکہ حضرت سلیمانؑ کے ہاتھ پر اسلام لائی اور پیغمبرانہ جاہ وجلال دیکھ کر بے اختیار پکار اٹھی اَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ لیکن بظاہر نبیم سے اس کی تائید نہیں ہوتی لیکن نبیم میں ملکہ کے یہ فقرے ''خداوند تیرا خدا مبارک ہو جو تجھ سے راضی ہے اور جس نے تجھ کو اسرائیل کے تخت پر بیٹھایا کیوں کہ خداوند اسرائیل کو ابد تک پیار کرتا ہے اور تجھ کو بادشاہ بنایا کہ عدل وانصاف کرے'' کیا اس کے ایمان قلب کو ظاہر نہیں کرتے؟ مسیحی احباب تو قرآن کی تائید پر مجبور ہیں کیوں کہ انجیل کا یہ درس ان کو یاد ہوگا:

> ''جنوب کی ملکہ فیصلہ کے دن اس نسل کے ساتھ کھڑی ہوگی اور ملامت کرے گی کہ وہ زمین کے انتہائی حصہ سے سلیمان علیہ السلام کی حکمت سننے آئی اور دیکھو کہ یہاں سلیمان علیہ السلام سے بڑا ہے (یعنی مسیح)'' (متی ۱۲:۴۲)

سبا کا مذہب: قرآن مجید نے بتایا ہے کہ سبا کا مذہب آفتاب پرستی تھا:

وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (النمل ۲۷:۲۴)	میں نے سبا کی ملکہ اور اس کی قوم کو خدا کو چھوڑ کر آفتاب کو سجدہ کرتے پایا۔

نبیم اس ذکر سے خاموش ہے لیکن ترگوم سے تصدیق ہوتی ہے، ترگوم کا فقرہ یہ ہے ''جب کہ ملکہ آفتاب کی عبادت کو جارہی تھی''[۱] یونانی مورخ تھیوفراسٹینس (۳۱۲ قبل مسیح) جو اسلام سے تقریباً ۹۰۰ ربرس پیش تر اور سبا کا معاصر تھا، بخورات کے ذکر میں لکھتا ہے کہ ''یہ ملک سبا سے متعلق ہے جو بخورات کی ملکیت کی بڑی حفاظت کرتے ہیں، ان بخورات کا ڈھیر آفتاب کے ہیکل میں جو اس قوم میں نہایت مقدس سمجھا جاتا ہے، لایا جاتا ہے[۲]''

روایات عرب سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے، باقی قبیلہ سبا کا لقب ''عبد شمس'' مشہور ہے[۳] جس کے معنی پرستار آفتاب کے ہیں اکتشافات اثریہ نے اس مسئلہ کو اظھر من الشمس بنادیا ہے جس کی تفصیل ادیان میں آئے گی، مجمل یہ ہے کہ سبا کے متعدد دیوتاؤں میں سے ایک ''شمس'' بھی تھا جس کی تمام جنوب عرب میں پرستش کی جاتی تھی[۴] مسلمانوں نے ابتدائی صدیوں میں (۲یا۳) یمن کی ایک عمارت کا کتبہ پڑھا تھا جو جنوبی (حمیری) زبان میں تھا، اس میں یہ عبارت منقوش تھی ''بسم اللہ[۵] ھذا ما بناہ شمریر عش یسدۃ الشمس'' شمریرعش نے سورج دیبی کے لیے یہ بنایا۔

سبا کا تفرق وانتشار: ہم نے اوپر کہیں بتایا ہے کہ سبا کے مقبوضات تین حصوں میں منقسم تھے، جبش، یمن اور شمالی عرب ۱۱۵ قبل مسیح میں یہ شیرازے بکھر گئے،، جبش پر اکسومی خاندان (اصحاب الفیل) قبضہ کر بیٹھا، شمالی عرب میں اسماعیلی عربوں نے خروج کیا، یمن میں حمیر نے ظہور کیا اور بقیہ قبائل تمام ملک میں تتر بتر ہو گئے۔

لیکن سب سے پہلا سوال یہ ہوتا ہے کہ اس پراگندگی تفرق وانتشار کا کیا سبب ہوا۔

روایات نامعتبرہ، حکایات تفسیر اور افسانہائے عرب کا منشا یہ ہے کہ سیل عرم کے

---

۱ جوئش انسائیکلوپیڈیا، جلد ۱۱، صفحہ ۲۳۶ ۲ ہیرن کی ہسٹاریکل ریسرچز، جلد ا صفحہ ۳۵۱ ۳ ملوک الارض، حمزہ اصفہانی، صفحہ ۱۰۷، کلکتہ ۴ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، جلد ۱، صفحہ ۳۷۹ ۵ ملوک الارض حمزہ اصفہانی، صفحہ ۱۱۰، کلکتہ۔

خوف سے جس کی خبر کاہنوں کے ذریعہ سے پہلے مل چکی تھی، قبائل یمن سے نکل کر دیگر اقطاع ملک میں چلے گئے لیکن اولاً تو کاہنوں کی پیشین گوئی ایک لغو امر ہے، ثانیاً سیل تو صرف شہر مارب میں آنے والا تھا، تمام یمن میں نہ آنے والا تھا اور نہ آیا، اس لیے یہ سبب تو ترک مارب کا ہوسکتا ہے، ترک یمن کا نہیں۔

اصل یہ ہے کہ سبا کی دولت وثروت کا اساس صرف تجارت تھی، یمن ایک طرف سواحل ہندوستان کے مقابل واقع ہے اور دوسری طرف سواحل افریقہ کے سونا، بیش قیمت پتھر، مسالہ، خوشبوئیں، ہاتھی دانت یہ چیزیں حبش اور ہندوستان سے ٹھیک یمن میں آکر اترتی تھیں، یمن سے سبا اونٹوں پر لاد کر بحر احمر کے کنارے خشکی خشکی حجاز سے گزر کر شام ومصر لاتے تھے، قرآن مجید نے اسی راستہ کو ''امام مبین'' (کھلا راستہ) اور اسی سفر کا رِحۡلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيۡفِ نام رکھا ہے جس کو قریش نے جاری کیا تھا، ان تجارتی کاروانوں کی آمدورفت کے سبب سے یمن سے شام تک آبادیوں کی ایک قطار قائم تھی، جہاں بے خوف وخطر سفر ہوسکتا تھا۔

چوتھی صدی قبل مسیح کے اواخر میں یونانیوں نے اور پہلی صدی قبل مسیح میں رومیوں نے علی الاتصال شام ومصر پر قبضہ کیا، یہ عربوں کے بار بار حملوں سے خوف زدہ رہتے تھے، عرب اس تجارت کو صرف اپنے ہاتھ میں رکھنا چاہتے تھے، اس لیے غیر قوموں کو اپنے ملک سے گزرنے نہیں دیتے تھے، انباط اور حمیر کے واقعات پڑھو کہ اس کے لیے کیا کیا خوں ریزیاں ہوئیں اور یونانی ورومی ان دشوار گزار پہاڑوں اور ریگستانوں کو بہ آسانی طے بھی نہیں کرسکتے تھے، لاجرم انہوں نے ہندوستان اور افریقہ کی تجارت کو بری راستہ سے بحری راستہ کی طرف منتقل کر دیا اور تمام مال کشتیوں کے ذریعہ سے بحر احمر کی راہ مصر وشام کے سواحل پر اترنے لگا، اس طریق سفر نے یمن سے شام تک خاک اڑادی اور سبا کی تمام نو آبادیاں بے نشان ہو کر رہ گئیں۔

دیکھو مفسرین کے علی الرغم قرآن مجید ان واقعات کی کیوں کر حرف حرف تصدیق کرتا ہے:

لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِيْ مَسْكَنِهِمْ اٰيَةٌ جَنَّتٰنِ عَنْ يَّمِيْنٍ وَّشِمَالٍ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ اُكُلٍ خَمْطٍ وَّاَثْلٍ وَّ شَيْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيْلٍ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا وَهَلْ نُجٰزِيْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَّقَدَّرْنَا فِيْهَا السَّيْرَ سِيْرُوْا فِيْهَا لَيَالِيَ وَاَيَّامًا اٰمِنِيْنَ فَقَالُوْا رَبَّنَا بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا وَظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ وَمَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ (سبا۳۴:۱۵-۱۹)

بے شبہ سبا کے لیے خود اپنے گھر میں نشانیاں تھیں، دو باغوں (کا سلسلہ) داہنے بائیں، اپنے پروردگار کی روزی کھاؤ اور اس کا شکر ادا کرو، ستھرا شہر ہے اور معاف کرنے والا مالک، انہوں نے سرتابی کی تو ہم نے ان پر بند (توڑ کر) سیلاب بھیجا اور ان کے دونوں باغوں کے بجائے بدمزہ پھلوں اور پیلو اور کچھ بیری کے جھاڑ پیدا کر دیے، یہ ان کی ناشکر گزاری کی جزا تھی اور ہم تو صرف ناشکر گزاروں ہی کو یہ جزا دیتے ہیں اور ہم نے ان کے (ملک) اور برکت والی آبادیوں (شام) کے درمیان بہت سی کھلی آبادیاں قائم کر دی تھیں اور ان میں سفر کی منزلیں مقرر کی تھیں، چلو ان آبادیوں کی منزلوں میں دن رات، بے خوف وخطر، انہوں نے کہا کہ خدا نے ہمارا سفر بڑا بنا دیا (اے خدا ہمارے سفر کو دور کر دے) انہوں نے خود اپنی جان پر آپ ظلم کیا تو ہم نے ان کو کہانی بنا دیا اور پارہ پارہ کر دیا، حقیقتاً اس میں عبرت کی نشانیاں ہیں شکر گزار اور صابر بندوں کے لیے۔

دیکھو ان آیتوں میں دو باتیں ہیں، ایک تو سیلاب عرم کا ذکر ہے جو مسکن سبا یعنی شہر مارب میں خدا نے بھیجا، اس سیلاب کے اثر سے تم کہتے ہو تمام قوم متزلزل ہوگئی لیکن خدا کہتا ہے کہ سیلاب بھیج کر بند توڑ دیا، جس سے صرف ان کے باغ ویران ہو گئے، دوسری

بات یہ ہے کہ تجارت کی جو پرامن آبادیاں اور راہیں قائم تھیں وہ اجڑ گئیں، تم کہتے ہو کہ اس کا کوئی اثر نہ ہوا لیکن خدا فرماتا ہے کہ یہی وہ عذاب تھا جس سے وہ مٹ کر قصہ کہانی بن گئے اور ان کی قومیت کا شیرازہ پارہ پارہ ہو گیا۔

قرآن کی صداقت پر ایک قرآن کا منکر (مولر) شہادت دیتا ہے کہ سبا کی بربادی سیلاب سے نہیں ہوئی جیسا کہ روایت عرب کا بیان ہے، بلکہ تجارتی راہوں کے بدلنے سے ہوئی ہے جس طرح کہ قرآن نے بوضاحت تمام بیان کیا ہے[1]۔

بنو کہلان کیا قحطانی ہیں؟ عام علمائے انساب سبا کے دو بیٹے قرار دیتے ہیں، حمیر اور کہلان، حمیر کو تمام تر یمن کا مالک قرار دیتے ہیں اور کہلان کو اطراف وحدود کی پاسبانی سپرد کرتے ہیں، بنو کہلان کا سالار خاندان خواب دیکھتا ہے یا کسی کاہن سے اس کو معلوم ہوتا ہے کہ سد مارب ٹوٹے گا اور سبا برباد ہوں گے، اس بنا پر وہ یمن چھوڑ کر حجاز، نجد، بحرین، عمان، یمامہ، مدینہ، عراق اور شام میں نکل جاتے ہیں، ان میں سے مشہور شاخوں کی جو متفرق صوبوں میں جا کر آباد ہو گئے، حسب ذیل تفصیل ہے:

یمن	ہمدان، اشعر
نجد	کندہ، قضاعہ
حجاز	خزاعہ (مکہ)، اوس وخزرج (مدینہ)
عمان	ازد
شام	عاملہ، غسان
عراق	لخم، جزام

لیکن ہمارے نزدیک ہمدان واشعر اور بعض دیگر قبائل کا قحطانی الاصل ہونا مشکوک ہے، قضاعہ، خزاعہ، لخم کو تو عموماً محققین انسان نے اسماعیلی وعدنانی کہا ہے، خزاعہ

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، مضمون سبا۔

(اسلم) کو حدیث صحیح میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی اسماعیل[1] کہا، اوس و خزرج کا اسماعیلی النسب ہونا بھی بخاری کی روایت سے ثابت[2] ہے اور خود اوس وخزرج کو بھی اس کا دعویٰ تھا، کندہ کے شاعر خود اپنے کو معد (بنی اسماعیل) کہتے ہیں، غسان کا بھی اسماعیلی ہونا شعرائے عرب کے کلام سے ثابت ہے، اصل یہ ہے کہ عام علمائے انساب کو صرف تین سلسلے معلوم تھے، عرب بائدہ، قحطانی سبا اور اسماعیلی قیدار (عدنان) اس بنا پر کہ جب کسی قبیلہ کی نسبت یہ ثابت ہوجاتا تھا کہ وہ بائدہ اور عدنانی نہیں ہے تو لامحالہ اس کو قحطانی فرض کر لیتے تھے، حالاں کہ تورات اور تاریخ کی رو سے عرب میں اور بہت سلسلے ثابت ہیں۔

قحطانی اور اسماعیلی خاندانوں میں تمیز کرنا نہایت آسان ہے، جنوبی عرب عموماً بنوقحطان کا مسکن ہے اور شمالی بنو اسماعیل کا، بنو قحطان کی زبان سبائی اور حمیری ہے، بنواسماعیل کی عدنانی اور نابتی، اول کا خط تحریر مسند اور ثانی کا نابتی، دونوں کے نام کا طریقہ، مذہبی تخیل اور دیوتاؤں کے نام بالکل مختلف ہیں۔

اس نکتہ کے سمجھنے کے بعد یہ عقدہ خود بخود حل ہوجاتا ہے کہ بعض علمائے انساب و حدیث خود قحطان کو اسماعیلی کیوں کہتے ہیں؟ امام بخاری کا میلان طبع بھی ادھر ہی نظر آتا ہے، چنانچہ صحیح میں انہوں نے ''باب نسبة اليمن الى بنى اسماعيل'' ایک مستقل باب باندھا ہے، علمائے انساب میں زبیر بن بکار کی اور ابن اسحٰق کی بھی یہی روایت ہے، علامہ ابن حجر بھی فتح الباری میں اسی پہلو کو راجح قرار دیتے ہیں[3]، اس مبالغہ میں اصل حقیقت صرف یہ ہے کہ بعض قحطانی شاخیں اسماعیلی ہیں اور یمن میں سکونت کے باعث یا کسی اور سبب سے ان کو قحطانی فرض کرلیا گیا ہے[4]۔

---

[1] صحیح بخاری باب المناقب [2] باب اِتَّخَذَ اللهُ اِبْرَاهِيمَ خَلِيْلًا [3] فتح الباری، ج ۲، ص ۳۹۱

[4] جامع ترمذی، تفسیر سورہ سبا، ترمذی میں ایک مرفوع حدیث ہے کہ لخم، جذام، غسان، عاملہ، ازد، اشعر، حمیر، سبا کے خاندان سے ہیں، یہ حدیث غریب وحسن ہے۔

حمیر یا سبا کا طبقۂ ثالثہ ورابعہ
(۱۱۵ قبل مسیح - ۲۵ عیسوی)
قوم تبع اور اصحاب الاخدود

ملک یمن کا نقشہ دیکھو تو معلوم ہوگا کہ وہ مغربی و مشرقی دو حصوں پر منقسم ہے، قطعہ مشرقی جو اندرونی ملک سے ملحق ہے، مملکت سبا ہے، قطعہ مغربی جو ایک طرف بحر عرب اور دوسری طرف بحر احمر کو چھوتا ہے، حمیر کی مملکت ہے۔

اس سے تم نے سمجھا ہوگا کہ بحری تجارتوں نے سبا کو مٹا کر حمیر کو کس حد تک چمکا دیا ہوگا، یہی سبب ہے کہ یمن کی حکومت مشرق سے منتقل ہوکر مغرب کو چلی آئی ہے اور حمیر جو مغربی قبیلہ تھا، اس نے قوت مزید حاصل کرلی، ناچار مشرقی قبائل رزق و معاش کی تلاش میں کچھ مغرب کو اٹھ آئے، کچھ یمامہ، بحرین، حجاز، عراق اور شام کو چلے گئے، یہ بھی سمجھ لو کہ حمیر سبا سے کوئی الگ شے نہیں، صرف خاندان اور موقع حکومت کا فرق ہے، زبان، مذہب اور طریق اور تمدن تمام چیزیں ایک ہیں، اسی لیے خود حمیر کے کتبات میں بھی بجائے حمیر کے سبا ہی مذکور ہے، البتہ مؤرخین یونان نے ۲۰ر قبل مسیح میں اور اہل حبشہ نے چوتھی صدی عیسوی میں اپنے کتبہ میں ان کو حمیر کہا ہے۔

لفظ حمیر: علمائے انساب کہتے ہیں کہ حمیر سبا کے جانشین فرزند کا نام تھا، اس لیے سبا کی تمام تاریخ میں وہ بجائے سبا کے ہر جگہ حمیر بولتے ہیں لیکن اب تک جو کتبات ملے ہیں اور جن میں سے اکثر کی بعینہ عبارتیں میری نظر سے گزری ہیں ان میں لفظ حمیر کہیں نظر نہیں

آیا[1]، خود حمیر کے سلاطین اپنے آپ کو ''ملک سبا وذوریدان'' لکھتے ہیں، ہاں اہل حبش کے بعض کتبات میں ''حمیر'' اور ''ارض حمیر'' البتہ کہیں کہیں ملتا ہے، حمیر عربی اور حبشی میں ''حمر'' سے مشتق ہوگا جس کے معنی سرخ کے ہیں اور محاورہ میں گورے رنگ کو احمر کہتے ہیں، اس کے مقابل اسود ہے، عرب ''سیاہ و سپید'' کی جگہ ''اسود الاحمر'' بولتے ہیں، چوں کہ عرب اہل حبش کو اسود اور اسودان کہتے ہیں، اس کے مقابل میں حبش عربوں کو ''حمیر'' یعنی گورے رنگ کے آدمی کہتے ہوں گے، ابرہہ یمن کا حبشی فاتح اپنے ایک کتبہ[2] میں لکھتا ہے کہ ''بادشاہ حبشی حمیری فوج لے کر آیا'' موجودہ محاورہ ہند میں اس کے یہ معنی ہو سکتے ہیں کہ کالی گوری دونوں پلٹنیں آئیں۔''

السنہ سامیہ اور آثار عرب کے ایک مشہور ماہر (ہالوے) نے اپنے سلسلہ مضامین ''مطالعہ زبان سبا'' میں جو فرنچ ایشیاٹک سوسائٹی[3] میں شائع ہوا ہے، اس موضوع پر ایک نہایت عجیب بحث لکھی ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ بربنائے کتبات؟ شاہان سبا و حمیر کا آئین تحریر یہ تھا کہ وہ کتبات میں عموماً لفظ ملک (شاہ) کے بعد قلعہ حکومت کا، اس کے بعد اپنے شہر حکومت کا یا علی العکس ذکر کرتے تھے، اس بنا پر جب ہم کو شاہ اذینہ حبشی کے کتبہ میں ''ملک حمیر وریدان و سبا و سلحین'' لکھا نظر آتا ہے تو ہم صاف کہہ دیں گے کہ سبا و سلحین میں جو تعلق ہے یعنی پہلا شہر ہے اور دوسرا قلعہ، یہی تعلق حمیر اور ریدان میں بھی ہے، اس بنا پر حمیر قوم کا نام نہیں بلکہ قلعہ شاہی کا نام تھا اور رفتہ رفتہ اس نے حکومت کا اور پھر تمام قوم کا نام اختیار کر لیا۔

لیکن ہم کو متعدد وجوہ سے اس تحقیق سے انکار ہے۔

۱- اس تاریخ کے پڑھنے والے جانتے ہیں کہ سامی قوموں میں شخص کے نام پر ملک کے نام رکھنے کا رواج عام تھا لیکن ملک کے نام پر قوم کا نام کبھی نہیں رکھا گیا، اس کی متعدد مثالیں اوپر گزر چکی ہیں اور خود یہاں بھی دیکھ لو، جس کو ہالوے صاحب بھی اس مضمون

---

[1] جہاں جہاں ہم نے اس باب میں کتبات کے حوالے دیے ہیں، وہ فرنچ ایشیاٹک سوسائٹی کے جرنل ۱۸۷۴ء کے مضامین ''مطالعہ زبان سبا'' سے التقاط ہیں۔ [2] دیکھو اصحاب الفیل [3] مئی و جون ۱۸۷۳ء، پیرس۔

میں تسلیم کرتے ہیں، بلکہ یہی ثابت کرنا چاہتے ہیں لیکن چوں کہ اس قوم کا پایہ تخت مارب تھا اس بنا پر خود شہر مارب کو سبا کہنے لگے، جیسا کہ اذینہ کے مذکورہ بالا کتبہ میں بھی موجود ہے۔

۲- قاعدہ یہ ہے کہ لفظ مذکور اگر کسی مقام کا نام ہوتا ہے تو اس کے پہلے لفظ ''ذو'' (مالک) یا لفظ ''حضر'' (شہر) یا لفظ ''بیت'' (قلعہ) آتا ہے، مثلاً خود صاحب ممدوح کے شائع کردہ کتبات میں دیکھو، ''ذوریدان ذوسلحین'' کہ یہ دونوں مقامات کے نام ہیں ''حضر عدن و بیت ابین'' یعنی شہر عدن وقلعہ سلحین وشہر مارب لیکن اس قسم کا استعمال لفظ حمیر کے ساتھ کہیں نظر نہیں آتا، اذینہ کے جس کتبہ کا حوالہ دیا گیا ہے، اس کی عبارت بھی یوں ہے ''نجوس[1] حمیر وذوریدان وذوسلحین'' دیکھو کہ اس میں بوضاحت تمام مقام اور قوم کے نام میں فرق نظر آتا ہے۔

۳- اب تک کتبات میں جس قدر شہروں اور قلعوں کے نام ملے ہیں وہ تمام تر عربی جغرافیوں میں مذکور ہیں لیکن حمیر کا بحیثیت قلعہ یا شہر کا کہیں ذکر نہیں ہے۔

مملکت حمیر: تمہید میں معلوم ہو چکا ہے کہ حمیر مغربی یمن میں بحر احمر و بحر عرب کے متصل آباد تھے، اس وقت اس خاندان پر ''ذو'' (امیر) حکومت کرتے تھے، قلعہ ریدان ان کا مسکن تھا اور اس بنا پر خطاب امارت ''ذوریدان'' تھا، یہ قلعہ شہر ظفار کے متصل تھا، جو شہر صنعا کے قریب واقع ہے اور جدید حکومت کا پایہ تخت تھا، ابوعلکم مرانی اسی ریدان کے ذکر میں کہتا ہے:

و فی ظفار بنت اباؤنا غرفاً	فی کوکبان وقصر الملك ریدانا
ہمارے بزرگوں نے ظفار میں عمارتیں تعمیر کیں	نیز کوکبان میں اور ''قصر شاہی ریدان'' تھا

سبا کی تباہی وتفرق کے بعد حمیر نے مارب تک اپنی حکومت کو وسعت دی، اس وقت ان کا لقب شاہی ''ملک سبا وذوریدان'' نظر آتا ہے، ایک مدت کے بعد ان کے القاب میں ''شاہ حضرموت'' کا بھی اضافہ ہو جاتا ہے، پھر تمام یمن، نجد اور تہامہ کی بادشاہی القاب میں

---

[1] نجوس حبشی لفظ ہے، جس کے معنی بادشاہ کے ہیں، اسی لفظ کو معرب کر کے عرب نجاشی کہتے ہیں۔

نظر آتی ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کس طرح رفتہ رفتہ ان کی حکومت کا رقبہ وسیع ہوتا جاتا ہے، آخراً ۵۲۵ء میں آخری حمیر بادشاہ ذونواس اکسومی حبشیوں سے شکست کھاتا ہے اور تقریباً ۴۰ر برس کے لیے ملک ان کے ہاتھ میں چلا جاتا ہے، اس کے بعد ایرانی آتے ہیں اور ان کے چند سالوں کے بعد تہامہ کی گھاٹیوں سے خورشید اسلام یمن میں طلوع ہوتا ہے اور ایک دن تمام یمن اس نور سے منور ہوجاتا ہے۔

حمیر کا زمانہ: سبا کے خاندان حمیر کا زمانہ کب سے شروع ہوتا ہے اور کب ختم ہوتا ہے؟ اس کا جواب فرض وتخمین کے بجائے کسی قدر واقعیت سے دیا جاسکتا ہے، سبائے حمیر کے پچھلے کتبات میں مبہود بن ابہد کے نام سے ایک غیر معلوم تاریخ کے سنین کا استعمال کیا گیا ہے، ۳۸۵، ۵۷۳، ۵۸۲، سنہ ۶۴۰، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۶۹ مختلف کتبات کے سنین ہیں، ان میں سے ۶۴۰ء کے کتبہ میں حبش کے حملہ یمن اور ذونواس کی موت کا ذکر ہے، یہ واقعہ عرب روایات اور رومی بیانات کے مطابق ۶۲۵ء کا ہے، اس بنا پر یہ بالکل بدیہی ہے کہ ۶۲۵ء سنہ ۶۴۰ حمیری کے مطابق ہے اور اس لیے سنہ حمیری کی ابتدا ۱۱۵ر قبل مسیح قرار پائے گی[1]۔

یہ تحقیق ہالوے کی ہے لیکن اس مسئلہ میں میری رائے ایک اور ہے، ہالوے کی اس تحقیق سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حمیری سنہ کی ابتدا ۱۱۵ر قبل مسیح سے ہوئی ہے لیکن یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حمیری خاندان یعنی "ملک سبا وذوریدان" کی بھی ابتدا اسی سنہ سے شروع ہوتی ہے، کتبات میں ایک کتبہ کی عبارت یہ ہے "**الیشرح یحضب ویثیل بین شاھان سبا ذریدان فرزندان فرغ ینھب شاہ سبا**" رومی تاریخ میں ایک حملہ یمن کا ذکر ہے جو ۲۰ر قبل مسیح میں **الیشرح شاہ مارب** (سبا) پر کیا گیا تھا[2]، الیشرح اس عہد میں دو (چچا اور بھتیجا) کا نام تھا، **الیشرح یحضب** اور **الیشرح یحمل** میں رومی تاریخ کا الیشرح، الیشرح یحمل کو فرض کرتا ہوں، کتبہ بالا سے ظاہر ہوتا ہے کہ الیشرح یحضب سبا دریدان کا پہلا بادشاہ تھا، رومی

---

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ج ۲۳، ص ۹۵۶ [2] ایضاً۔

تاریخ سے الیشرح یحصب کا زمانہ ۲۰ / قبل مسیح معلوم ہوتا ہے، اس بنا پر حمیری خاندان کی ابتدا پہلی صدی کے اوسط سے پہلے نہیں جاتی، مبہود بن ابہد جس کے نام کی طرف حمیری سنہ کی نسبت ہے، عجب نہیں کہ سبا کے سیاسی انقلاب کے بعد حمیر کا پہلا کاہن ہو، بابل میں یہ قاعدہ تھا کہ سنہ کی ابتدا سلاطین کے بجائے کاہنوں سے کی جاتی تھی، یہی اصول سنہ نویسی حمیر میں بھی نظر آتا ہے[1]۔

بہرحال اگر میری رائے درست ہے جس کی دوسرے واقعات سے بھی تصدیق ہوچکی ہے تو یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ سبائے حمیر کی تاریخ پہلی صدی قبل مسیح کے اوسط سے شروع ہوتی ہے اور ذونواس کی موت پر ۵۲۵ء میں ختم ہوتی ہے اور اس بنا پر حمیر کی کل مدت حکومت تقریباً ۵۵۰ / برس قرار پائے گی، مؤرخین یونان نے حمیر کا ۲۰ / قبل مسیح میں پہلی بار ذکر کیا ہے۔

حمیر کے طبقات: حمیری حکومت کے ۵۵۰ / برس حمیر کی مسلسل تاریخ نہیں ہے، پہلی صدی قبل مسیح سے تیسری صدی عیسوی کے اواخر تک حمیر کا طبقہ اول یا سبا کا طبقہ ثالث فرماں روائی کرتا رہا، دوسرا طبقہ تیسری صدی عیسوی کے اواخر سے شروع ہوتا ہے اور ابھی چند ہی بادشاہ گزرتے ہیں کہ اکسومی حبشی چوتھی صدی کے اوسط میں یمن گھس آتے ہیں، چند سال کے بعد حمیر ان حبشیوں کو نکال کر پھر وطنی حکومت کی بنیاد ڈالتے ہیں، یہ طبقہ ۵۲۵ / تک جب کہ آخری بار اہل حبش فاتحانہ داخل ہوتے ہیں، قائم رہتا ہے۔

سبائے حمیر کے ان دونوں طبقات میں متعدد فروق اور امتیازات ہیں، دور اول کے سلاطین کا لقب ''ملک سبا وذوریدان'' ہے، دور ثانی میں یہ سلاطین ملک سبا دریدان و حضرموت کا لقب اختیار کرتے ہیں اور پھر جب کوئی نیا قطعہ ملک فتوحات میں شامل ہوتا ہے تو لقب شاہی میں اتنا ہی اور اضافہ ہوجاتا ہے، ان القاب سے یہ واضح ہوتا ہے کہ دور اول میں حمیر کا رقبہ حکومت صرف یمن تک محدود تھا، دور ثانی میں حضرموت تک وسیع ہوجاتا ہے، عرب مؤرخین کے بیان سے بھی ان طبقات کی تصدیق ہوتی ہے۔

---

[1] انسائیکلو پیڈیا آف اسلام، ج ۱، ص ۳۷۷۔

واول من ملك اولاد قحطان حمير بن سبا فبقىٰ مليكا حتى مات هرماً وتوراث ولده الملك بعده فلم يعدهم الملك حتى مضت قرون وصار الملك الىٰ الحارث وهو تبع الاول فمن ملك اليمن قبل الرائش ملكان ملك بسبا وملك بحضرموت فكان لا يجتمع اليمانيون كلهم عليهم الى ان ملك الرائش فاجتمعوا عليه وتبعوه فسمى تبعاً[1]

فرزندان قحطان میں سے پہلے، جو پہلے بادشاہ ہوا وہ حمیر بن سبا ہے، یہ آخر وقت تک بادشاہ رہا تا آنکہ بڈھا ہو کر مر گیا، پھر حکومت اس کی نسل میں وراثۃً جاری رہی اور ان کے ہاتھ سے نہیں نکلی، تا آنکہ چند صدیاں گزر گئیں، پھر حارث الرائش بادشاہ ہوا جو پہلا تبع ہے، اس سے پہلے دو بادشاہ ہوتے تھے، ایک سبا میں اور ایک حضرموت میں، تمام یمنی ایک کی اطاعت پر متفق نہیں ہوتے تھے لیکن جب یہ بادشاہ ہوا تو اس کی بادشاہی پر سب متفق ہو گئے اور اس کی اطاعت کر لی اور اس لیے اس کا لقب تبع ہوا۔

ایک اور فرق عظیم ان دونوں طبقوں میں یہ ہے کہ پہلا طبقہ عموماً ستارہ پرست ہے، ان کے تمام کتبات ستاروں، دیوتاؤں اور ہیکلوں کے ناموں اور یادگاروں سے مملو ہیں، دوسرے دور میں سلاطین حمیر بعض عیسائی اور اکثر یہودی المذہب ہیں، اس لیے ان کتبات میں بجائے دیوتاؤں کے رحمٰن کا نام نظر آتا ہے[2]۔

شاہان حمیر: ابھی جو عبارت حمزہ اصفہانی کی تم نے پڑھی، اس سے سمجھا ہوگا کہ حارث الرائش سے پہلے کے شاہان حمیر کی جماعت، سبائے حمیر کا طبقہ اول ہے اور حارث الرائش سے آخر تک طبقہ ثانیہ ہے، شاہان طبقہ اول کے جو نام عربی تاریخوں میں مذکور ہیں، باہم نہایت مختلف اور متعارض ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ اذ تعارضا تساقطا کے رو سے ان میں سے کسی میں بھی صحت کا شائبہ نہیں ہے، ان ناموں کی تفصیل ہم سبا کے ذکر میں کر چکے ہیں،

---

[1] حمزہ اصفہانی، ص ۱۰۸، کلکتہ　[2] انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، مضمون سبا و حمزہ اصفہانی، فصل حمیر، عبد کلال عیسائی تھا، ذونواس وغیرہ یہودی تھے۔

مختلف مؤرخین کے بیانات ایک بار پڑھ لو اور دیکھو کہ ان ناموں کو طبقہ ثانیہ میں خود مؤرخین عرب نے جو نام لکھے ہیں اور جو ایک حد تک صحیح ہیں اور جو کتبات میں نام ملے ہیں ان دونوں سے زبان، جنسیت، مشارکت، یک رنگی، طریقہ اسمیت میں کوئی مناسبت ہے؟

مؤرخین عرب کے طبقہ اول حمیر کے نام	مؤرخین عرب کے طبقہ دوم حمیر کے نام	کتبات کے سبائی حمیری نام
حمیر	ناشر نعیم	فرع ینہب
الہمیسع	شمر یرعش ابو کرب	الیشرح یحضب
ایمن	ابو مالک	الیشرح یحمل
زہیر	الاقرن	یثیل ہین
عریب	کلیکرب	کرب ایل یونعم
الغوث	اسعد ابو کرب	ذمر علی ذرح
وائل	عبید کلال	شمر یہر عش
عبد شمس	مرثد بن عبید	ملک یکرب یونعم
زہیر الصوار	ولیعہ بن مرثد[1]	ابو کرب اسعد
ذو یقدم		معدی کرب
ذو انس		مرثد اللات
عمرو		ملک امر
الملطاط		سہی کرب
القلیص		تبع کرب
سدد[2]		یفرع نعیم

[1] یہ نام حمیر کے محقق ترین ماخذ نشوان بن سعید الحمیری کے قصیدہ حمیریہ سے ماخوذ ہیں۔ [2] حمزہ اصفہانی فصل حمیر سے کتبات شائع کردہ ہالوے اور فرنچ ایشیاٹک سوسائٹی بخط عبری ۱۸۷۴ء۔

اس مقابلہ سے تم نے سمجھا ہوگا کہ سبا اور حمیر کے اصلی نام کی ہیئت کیا ہوتی ہے اور ان میں کس قسم کے جوڑ بند ہوتے ہیں، یہی سبب ہے کہ اکثر محققین تاریخ عرب نے طبقہ ثانی سے پہلے کے نام چھوڑ دیے ہیں، حمزہ اصفہانی جو عربی زبان میں تاریخ قدیم کا بہترین محقق ترین ماخذ ہے، حارث الرائش سے پہلے کے سلاطین کا مطلق نام نہیں لیتا، کہتا ہے:

واول من ملك من اولاد قحطان حمير	فرزندان قحطان میں سے حمیر بن سبا پہلا بادشاہ
ابن سبا فبقى ملكا الى مات هرماً	ہوا اور آخر تک بادشاہ رہا تا آنکہ بڈھا ہو کر مر گیا،
وتوراث ولده الملك بعده فلم يعدهم ملك	اس کی نسل میں وراثۃً حکومت قائم رہی اور یمن
اليمن حتى مضت قرون وصار الملك الى	کی حکومت اسی نسل میں باقی رہی یہاں تک کہ
الحارث[1]	چند صدیاں گزر گئیں اور حارث بادشاہ ہوا۔

حارث سے پہلے کی یہی چند مجہول صدیاں حمیر کا طبقہ اول ہے۔

شاہان حمیر اور ان کے طبقات کی نسبت ہم نے جو کچھ لکھا، اس سے معلوم ہوا ہوگا کہ حمیر کے طبقہ ثانیہ میں اکسومی (سبائی) حبش کی ایک قلیل الزمانہ حکومت کی خلیج بھی حائل ہے، عرب مؤرخین کو عموماً گو اس کی واقفیت نہ تھی لیکن شاہان حمیر کی کامل فہرست جو وہ پیش کرتے ہیں، طبقہ ثانی کے بیچ میں یعنی حارث الرائش اور ناشر نعیم کے درمیان ناموں کے رنگ و بو پہچاننے والوں کو صاف حبشی یا کم از کم غیر عربی و حمیری رنگ و اثر چند ناموں میں نظر آئے گا:

نام			کیفیت	نام		کیفیت
الف:	۱-	حمیر	نام	۳-	الف-ایمن	صحیح لیکن نام کا صرف ایک جز ہے۔
	۲-	الہمیسع	مصنوعی نام			

[1] تاریخ حمزہ اصفہانی، ص ۱۰۸، کلکتہ۔

	نام	کیفیت	نام	کیفیت
	۴- زہیر	مصنوعی نام	۳- العبد ذوالازعار	مشکوک نام
	۵- عریب	مصنوعی نام	۴- ہداد بن شرجیل	ایک حبشی بادشاہ کا نام
	۶- الغوث	مصنوعی نام	۵- بلقیس بن ہداد	غیرعربی شاید یونانی
	۷- وائل	ایک شاہی خاندان کا بنو وائل نام ملا ہے۔	ج:۱- ناشر نعیم	صحیح نام
	۸- عبد شمس	صحیح نام	۲- شمر یرعش	صحیح نام
	۹- زہیر الصوار	مشکوک نام	۳- ابو مالک	صحیح نام
	۱۰- ذو یقدم	مشکوک نام	۴- الاقرن بن ابی مالک	مشکوک نام
	۱۱- ذوانس	مشکوک نام	۵- ذوجیشیان بن الاقرن	مشکوک نام
	۱۲- عمرو	مشکوک نام	۶- تبع بن الاقرن	مشکوک نام
	۱۳- الملطاط	مصنوعی نام	۷- کلی کرب بن تبع	صحیح نام
	۱۴- القلیص	مصنوعی نام	۸- اسعد ابو کرب	صحیح نام
	۱۵- سدد	مصنوعی نام	۹- حسان بن تبع	مشکوک نام
	۱۶- الحارث الرائش	صحیح نام	۱۰- عمرو بن تبع	مشکوک نام
ب:	۱- ابرہہ ذوالمنار	حبشی نام، ابرہہ ابراہیم کا حبشی تلفظ ہے۔	۱۱- عبد کلال ۱۲- تبع بن حسان ۱۳- مرثد بن عبید	صحیح نام مشکوک نام صحیح نام
	۲- افریقس بن ابرہہ	غیرعربی نام، افریقس کے معنی شاید افریقی یعنی حبشی ہوں۔	۱۴- ولیعہ بن مرثد ۱۵- ابرہہ بن الصباح ۱۶- صبہان بن محرث	صحیح نام حبشی نام مشکوک نام

نام			کیفیت	نام		کیفیت
	۱۷-	حسان بن عمرو	مشکوک نام	۱۹-	ذونواس	صحیح نام
	۱۸-	ذوشناتر	صحیح نام	۲۰-	ذوجدن	صحیح نام

اس طویل فہرست میں قائمہ ''الف'' طبقہ اول حمیر ہے لیکن تمام نام اس کے صحیح نہیں ہیں، قائمہ ''ب'' ایک مختصر حبشی دور ہے، یہ نام بھی غیر صحیح ہیں لیکن حبشیت کا ان میں شائبہ ہے، قائمہ ''ج'' طبقہ دوم حمیر ہے اور قرب زمانہ کے سبب اس کے اکثر نام صحیح اور محفوظ ہیں۔

طبقہ اول کے صحیح نام اور زمانے: شاہان حمیر کے صحیح نام وہ ہیں جواب تک پتھر اور چاندی کے حرفوں میں یمن کے ویرانوں اور سکوں میں لکھے ملے ہیں اور جن کو بہتوں نے پڑھا ہے اور ہر شخص جا کر پڑھ سکتا ہے، ہم نے اوپر بتایا ہے کہ طبقہ ثانی کے بعض کتبوں پر تاریخیں بھی ثبت ہیں، جن کا حل ہو چکا ہے، بعض سلاطین کے نام رومیوں کے سیاسی و تجارتی تعلق سے یونانی رومی تاریخوں میں محفوظ ہیں اور قیاصرہ روم کی معاصرت سے ان کی تاریخ معلوم ہے۔

اس رومی تعلق سے طبقہ اول حمیر میں سے (جس کا لقب شاہی ملک سبا وذوریدان ہے) دو باشاہوں کی تاریخ معلوم ہے، کرب ایل (Charibael) اور الیشرح (Elisaros) کتبہ میں الیشرح یحضب اور الیشرح یحمل، دو چچا بھتیجوں کے نام ملتے ہیں، رومیوں کا الیشرح ان میں سے جو ہو وہ ۲۰ ق م مسیح میں موجود تھا، ''کرب ایل شاہ سبا وریدان'' کو بریلرس مؤرخ (۸۰ء) نے پہلی صدی عیسوی کے اوسط میں ذکر کیا ہے، کتبوں میں الیشرح اور کرب ایل اور ان کے باپ اور بیٹوں کے نام بھی ملے ہیں جو ظاہر ہے کہ ترتیب میں اس کے آگے ہوں گے، بقیہ نام قیاساً اوپر نیچے ترتیب دیئے گئے ہیں، سب سے پہلا نام الیشرح یحضب قرار دیا جاتا ہے کہ کتبہ ذیل کی رو سے ''ملک سبا وریدان'' کے لقب سے یہ پہلا شخص

نظر آتا ہے۔

''الیشرح یحضب ویثیل میں شاہان سبا دریدان ابن فرع ینہب شاہ سبا[۱]''

الیشرح شاہ سبا دریدان ہے، اس سے پہلے اس کا باپ شاہ سبا ہے، طبقہ اول یعنی ''شاہان سبا دریدان'' کے نام حسب ذیل ہیں[۲]:

۱-	الیشرح یحضب، ملک سبا، ذوریدان بن فرع ینہب ملک سبا		۵۰-۳۰ قبل مسیح (فرضاً)
۲-	یثیل بین، ملک سبا ذوریدان فرع ینہب ملک سبا		ایک خاندان ۲۰-۳۰ قبل مسیح (فرضاً)
۳-	الیشرح یحمل ملک سبا وذوریدان بن یثیل بین		۲۰-۱ء (تقریباً)
۴-	ذمرعلی بین ملک سبا وذوریدان		۱-۳۰ء (فرضاً)
۵-	کرب ایل وتار یونعم ملک وذوریدان بن ذمرعلی		ایک خاندان ۳۰-۶۰ (تقریباً)
۶-	ملک امر ملک سبا وذوریدان بن کرب ایل		۶۰-۸۰ء (فرضاً)
۷-	ذمرعلی فدح ملک سبا وذوریدان بن کرب ایل		۶۰-۸۰ء (فرضاً)
۸-	یفرع نعیم، ملک سبا وذوریدان		۱۰۰-۱۲۰ء (فرضاً)
۹-	ہوفعثت اشوع، ملک سبا وذوریدان بن فرع نعیم	کتبہ میں ایک ساتھ ان کا نام ہے۔	ایک خاندان، ۱۲۰-۱۴۰ء (فرضاً)
۱۰-	شیدوایمن فرزندان ہوفعثت		۱۴۰-۱۶۰ء (فرضاً)

---

۱ ہالوے فرنچ ایشیاٹک سوسائٹی جرنل ۱۸۷۴ء مضمون مطالعہ زبان حمیر، ۱۲ ۲ یہ فہرست ہوارت کی تاریخ فصل سوم اور کتبات شائع کردہ موسیو ہالوے (فرنچ ایشیاٹک سوسائٹی جرنل ۱۸۷۴ء) سے ماخوذ و ملتقط ہے۔

۱۱- وہب ایل یحز، ملک سباوذوریدان ۱۶۰-۱۹۰ء (فرضاً)

۱۲- لغزنوفان یہصدق، ملک سباوذوریدان ۱۹۰-۲۲۰ء (فرضاً)

۱۳- یاسر یہصدق، ملک سباوذوزیدان ۱۲۰-۲۴۰ء (فرضاً)

۱۴- ذمرعلی یہبر، ملک سباوذوریدان ۱۴۰-۲۷۰ء (فرضاً)

۱۵- یاسر یونعم، ملک سباوذوریدانْ ۱۷۰-۲۸۰ء (تقریباً)

(ہم عصر)

طبقہ اول کے حالاتِ سیاسی: اس عہد میں یمن کے دو ہمسایہ حکومتوں سے تعلقات تھے، اکسومی حبش جو سبائی الاصل تھے اور جو مقابل کے ساحل افریقہ پر آباد تھے اور رومی جو مصر و شام پر حکومت کرتے تھے اور بحری راستہ سے ہندوستان کا مال تجارت لے کر سواحل یمن پر گزرتے تھے اور خود اہل یمن سے بھی تجارتی تعلق رکھتے تھے۔

رومیوں میں بھی یہودیوں کی طرح سبا کی دولت وثروت کی اس قدر شہرت ہوگئی تھی کہ رومن لٹریچر میں سبا کی دولت ضرب المثل بن گئی، شعرا ان کی دولت کی تمثیل دیتے تھے، رفتہ رفتہ طمع وحرص نے کام ودہن میں لذت اور دست و پا میں حرکت پیدا کی، سن ۲۰ رقبل مسیح میں آلیس گالوس (Ailius Gallus) نے جو رومیوں کی طرف سے مصر کا گورنر تھا، قیصر واغسطس (Agustus) کے حکم سے یمن پر حملہ کی تیاری کی، انباط جو شمالی عرب میں ان کے زیر اثر تھے، اعانت کے لیے آمادہ کیے گئے اور بظاہر وہ بھی آمادہ نظر آئے، شاہ انباط کا وزیر سلوس یا ثالث عرب کے بے نشان کوہ وبیاباں میں رہبر بنا، آخر صحرا و کوہستان حجاز طے کر کے یمن میں داخل ہوا، الیشرح جو اس وقت یہاں کا بادشاہ تھا، حملہ کی تاب نہ لا سکا اور قلعہ بند ہوگیا، رومی کئی روز تک محاصرہ کیے پڑے رہے لیکن پانی کی کمیابی سے خود حملہ آور فوج کے پاؤں اکھڑ گئے اور نجران وحجاز ہوکر ۶۰ ر دن کے بعد بحال تباہ وزار مصر واپس آئی[1]۔

یورپین اس مختصر اور عاجلانہ مہم کو بہت جی لگا کر بیان کرتے ہیں، کوئی فوج کے

---

[1] فارسٹر فصل آلیس گالوس کی عرب پر مہم، جلد ۲۔

راستہ کا نشان بتاتا ہے، کوئی محرف ناموں کی تصحیح کرتا ہے، کوئی اس کا جغرافیہ تیار کرتا ہے، کوئی اس مہم کی ناکامیابی کا سبب انباط کی خیانت ٹھہراتا ہے، کوئی راستہ کی دشوار گزاری کا عذر تراشتا ہے، ڈاکٹر اسپرنگر اور ریورنڈ فارسٹر اس کہانی کے مشہور قصہ گو ہیں، بہرحال رومیوں کی اس ناکامی کا نتیجہ یہ ہوا کہ پھر انہوں نے ادھر آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔

اکسومی حبش اس بنا پر کہ حمیر تمام تر سبا پر قابض ہو گئے، ان سے جلتے تھے، حبشی کتبات سے ظاہر ہوتا ہے کہ دوسری صدی عیسوی سے انہوں نے یمن پر حملہ شروع کیا اور یہ حملہ مسلسل قائم رہا، کبھی فاتح ہو کر بڑھے اور کبھی مفتوح ہو کر پیچھے ہٹے، آخر حضرموت اور دیگر ساحلی مقامات پر موقع کی فرصت پا کر جم گئے، شمر یرعش نے (جس کو عرب حارث الرائش اور شمر یرعش دو شخص سمجھتے ہیں) ان سے جنگ کی ہوگی اور ان سے یہ مقامات چھینے ہوں گے، کیوں کہ وہ یمن اور حضرموت دونوں کا پہلا بادشاہ ہوا اور اپنا لقب اس لیے اس نے تبع اختیار کیا، جس کے معنی حبشی زبان میں سلطان کے ہیں اور شاید اسی لیے قومی ہیرو کے لحاظ سے عرب اس کو زیادہ وقعت دیتے ہیں، شمر یرعش کے بعد ایک مدت تک بیچ کی کڑی نہیں ملتی، جس سے قیاس ہوتا ہے کہ نالائق جانشین ہوں گے، اسی بنا پر اکسومیوں نے پھر دوبارہ حملہ کیا اور حمیر کو شکست دی، تقریباً ۳۴۰ء سے ۳۷۸ء تک یہ مدعی فرماں روائی رہے[1]، گو وطنی رؤسا بھی اپنی جگہ پر ماتحت کی حیثیت سے قائم رہے، ۳۷۸ء میں ملک یکرب نے ان کو نکال کر یمن اور حضرموت پر دوبارہ حقیقی حکومت قائم کی، یہ حکومت ۵۳۵ء تک باقی رہی، ۵۲۵ء میں اکسومیوں نے دوبارہ حملہ کر کے ان کو برباد کر دیا۔

۳۴۰ء سے ۳۷۸ء تک جو اکسومی خاندان قائم کیا گیا ہے، اس کی صحت کی متعدد دلیلیں ہیں، اولاً یہ کہ اکسوم کے کتبہ میں اس کا بہ تفصیل ذکر کیا گیا ہے، شاہ اذینہ اور اس کے جانشین جو ۳۴۰ء سے ۳۷۸ء تک اکسوم میں بادشاہ تھے، اپنے کو "ملک اکسوم و حمیر و ریدان و

---

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا مضمون "سبا" و "اتھوپیاز" و "اکسوم"۔

اشیو بیا وسباوزیلع'' کہتے ہیں، حمیری کتبات میں اس عہد کے نام بلقب شاہی نہیں ملتے، عربی تاریخوں میں اس عہد کے سلاطین حمیر کے جو نام مابین شمر یرعش اور ملک یکرب مذکور ہیں، وہ حبشی التلفظ ہیں، خود عرب مؤرخین بیان کرتے ہیں کہ شمر یرعش کے بعد اس بنا پر حمیر طبقہ دوم یعنی ''ملوک سبا وریدان حضر موت'' کی ترتیب یہ ہے کہ اولاً دو حمیری بادشاہ ہیں پھر چند حبشی ہیں، ان کے بعد پھر سلسلہ حمیری ہے۔

طبقہ ثانیہ یا تبابعہ: طبقہ ثانیہ یعنی وہ سلاطین جن کا لقب ''ملک سبا وریدان وحضر موت'' ہے، عرب ان کو تبع کہتے ہیں اور اسی کی جمع تبابعہ ہے۔

لفظ تبع: لغویین عرب کے نزدیک تبع یا تبعیت سے مشتق ہے:

فعار الملك الى الحارث الرائش وهو تبع الاول فمن ملك اليمن قبل الرائش، ملكان ملك بسبا وملك بحضرموت فكان لايجتمع اليمانيون عليهم الى ان ملك الرائش فاجتمعوا عليه وتبعوه فسمى تبعا (حمزہ: صفحہ ۱۰۸)

حمیر کے بعد یمن کی حکومت حارث الرائش (یرعش) کو ملی، یہی پہلا تبع ہے، اس سے پہلے دو بادشاہ یمن میں ہوتے تھے، ایک سبا میں ایک حضر موت میں، تمام یمنی ایک بادشاہ پر متفق نہ تھے، جب رائش بادشاہ ہوا تو سب اس کی بادشاہی پر متفق ہو گئے اور اس کی بیعت اختیار کی، اس لیے اس کا لقب تبع ہوا۔

ممکن ہے کہ تبع عربی لفظ ''متبوع'' ہو یعنی جس کی لوگ پیروی اور اطاعت کریں لیکن بہ تحقیق جدید یہ حبشی لفظ ہے، حبشی میں اس کے معنی قادر، جبار اور صاحب قوت کے ہیں[1]، حکومت اسلام میں ٹھیک اسی معنی میں لفظ ''سلطان'' (قوت وغلبہ) رواج پایا ہے، اس لفظ کے غیر عربی ہونے کی تائید علاوہ اس کے کہ حبشی زبان میں یہ لفظ موجود ہے، یہ ہے کہ عربی زبان میں اس وزن پر کوئی لفظ واحد اور بہ معنی مفعول نہیں آیا، ''رکع''، ''سجد'' وغیرہ

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، مضمون عرب۔

الفاظ ہیں تو جمع ہیں، مبالغہ کا یہ وزن ہے تو وہ معنی مفعول نہیں پیدا کرتا اور اگر یہ عربی صنف کا صیغہ ہوتا تو مانع الف و لام کیا ہے لیکن یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ یہ صرف حبشی لفظ ہے، کتبات میں ملوک معین وسبا کے عہد میں کم از کم ایک ہزار سال قبل مسیح میں لفظ تبع نظر آتا ہے، ایک بادشاہ معین کا نام ''تبع کرب بن تبع ایل'' مذکور ہے، ایک سبائی کتبہ میں ''تبع شرجیل ملک سبا'' منقوش دیکھا ہے، دوسرے کتبہ میں ''تبع کرب'' بلا لقب شاہی نظر سے گزرا ہے[1]، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسی معنی میں یہ لفظ اصلاً سبائی وحمیری ہے۔

قرآن اور تبع: قرآن مجید نے قوم تبع کا دوبار ذکر کیا ہے، دونوں بار قوت وزور اور جبروت و عظمت کی طرف اس سے اشارہ کیا ہے، پہلی آیت میں صرف جبار قوموں میں اس کا بھی نام ہے، دوسری آیت میں قریش کی طرف روئے خطاب ہے کہ ان کو اپنی کس قوت پر ناز ہے؟ تبع اور ان سے پہلے کی قومیں کیا ان سے زیادہ توانا اور زورمند نہ تھیں، ان کا کیا انجام ہوا؟

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَّاَصْحٰبُ الرَّسِّ وَثَمُوْدُ وَعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ وَاِخْوَانُ لُوْطٍ وَّاَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ وَقَوْمُ تُبَّعٍ (ق ۵۰: ۱۲-۱۴)	اس سے پہلے نوح کی قوم، اہل رس، ثمود و عاد، فرعون، برادران لوط، اہل مکہ اور تبع کی قوم نے جھٹلایا۔
اَهُمْ خَيْرٌ اَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ وَّالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ اَهْلَكْنٰهُمْ اِنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ (الدخان ۴۴: ۳۷)	یہ قریش بہتر ہیں یا تبع کی قوم اور جو قومیں ان سے پہلے گزریں، ہم نے ان کو برباد کیا، وہ مجرم تھے۔

ان آیات کے موقع استعمال سے واضح ہوتا ہے کہ تبع کے معنی ''متبوع'' سے زیادہ بلیغ و پراثر ''قادر وتوانا'' کے ہیں، تبابعہ کی تاریخی و مذہبی اور دیگر حالات سے حسب ذیل فصول میں بحث کی جاتی ہے۔

---

[1] ہالوے کے شائع کردہ کتبات میں جن کا حوالہ پہلے گزر چکا ہے۔

تبابعہ کی تعداد: عام مؤرخین اوران کی تبعیت میں عام مفسرین لکھتے ہیں کہ صرف تین تبع گزرے ہیں، تبع اکبر، تبع اوسط اور تبع اصغر، تبع اکبر کا نام الحارث الرائش ہے، تبع اوسط اسعد ابوکرب کالقب تھااور تبع اصغر تبع بن حسان تھا،اس کے مقابلہ میں خود حمیری مصنّفین کی روایت ہے کہ تاریخ یمن میں ستّر تبع گزرے ہیں،شارح قصیدہ حمیریہ اورنشوان بن سعید الحمیری مصنف شمس العلوم نے روایت کے علاوہ اشعار سے اس کی تائید پیش کی[1] ہے لیکن اس سے مقصود شاید عام سلاطین یمن ہوں گے، کیوں کہ لفظ تبع جیسا کہ ہم نے پہلے لکھا ہے معین،سبااورحمیر ہر دور میں نظر آتا ہے، ورنہ تنہا اس طبقہ میں تو یہ تعداد کھپنی مشکل ہے، جن عام مؤرخین نے صرف تین مخصوص تبابعہ کا ذکر کیا ہے شاید انہوں نے صرف مشہورترین تبابعہ کے نام پر کفایت کی ہے۔

تبابعہ کے نام اورزمانے: تبابعہ جوملوک سبادریدان وحضرموت ہیں،عرب ان کے نام سے دیگرتمام گذشتہ خاندانوں سے زیادہ واقف ہیں اورصحت کے ساتھ ان کے نام اوران کی باہمی ترتیب بیان کرتے ہیں اور پھرخوش قسمتی سے کتبات میں ان میں سے اکثراشخاص کے ناموں کے ساتھ سنہ حمیری منقوش ہے،اس کی اعانت سے غیرمعلوم تاریخ کا استنباط بھی بقرائن آسان ہے:

مؤرخین عرب کے مطابق نام	مدت حکومت	کتبات کے مطابق نام	مدت حکومت
یاسرنعیم بن شرجیل	۸۵/برس	یاسرینعم	۲۷۰ء-۲۷۹ء
شمریرعش	۳۷/برس	شمریرعش	۲۸۰ء-۳۱۵ء
ابومالک	۵۵/برس	ابومالک؟	۳۱۵ء-۳۴۰ء
الاقرن بن ابی مالک	۵۳/برس	× حبشی دور	۳۴۰ء-۳۵۵ء
ذوجیشان بن الاقرن	۷۰/برس	×	۳۵۵ء-۳۷۴ء

[1] دیکھو شمس العلوم میں لفظ تبع اورشرح قصیدہ حمیریہ، کتب خانہ بانکی پور۔

مؤرخین عرب کے مطابق نام	مدت حکومت	کتبات کے مطابق نام	مدت حکومت
کلیکرب	۳۵/برس	ملک یکرب یہیمن	۳۷۵ء-۳۷۸ء
عمرو بن کلیکرب	۶۳/برس	ذارامر یمن ملک یکرب	۳۷۸ء-۴۰۰ء
اسعد ابوکرب بن کلیکرب	۳۰/برس	ابوکرب اسعد بن ملک یکرب	۴۰۰ء-۴۶۵ء
حسان بن تبع	×	شرجیل یعفر بن ابوکرب	۴۲۵ء-۴۵۵ء
عبد کلال بن شوب	۴۷/برس	عبد کلیل	۴۵۵ء-۴۵۹ء
×	×	شرجیل نیوف	۴۶۰ء-۴۸۰ء
مرثد بن عبد کلال	۴۱/برس	مرثد اللات نیوف	۴۸۰ء-۴۹۰ء
×	×	معدی کرب نیم	×
ولید بن مرثد	۳۷/برس	ابیعہ نیوف بن معدی کرب	۴۹۱ء-۵۰۰ء
ذوشناتر	۲۷/برس	ذوشناتر	
ذونواس	۲۰/برس	دونواس	۵۲۵ء

تبابعہ یمن کی خوش قسمتی سمجھنا چاہیے کہ بروایت عرب بھی ان میں سے اکثر کے نام محفوظ ہیں اور کتبات سے ان کی مزید تصدیق ہوتی ہے، شمر یرعش اور ملک یکرب کے درمیان کے نام نہیں ملتے اور یہ وہی زمانہ ہے جس میں اہل حبش یمن کی شاہی کا دعویٰ کرتے ہیں اور شاید صحیح ہو۔

ابو مالک پر ہم نے نشان استفہام بنایا ہے، سبب یہ ہے کہ آثار کی بنا پر جن مستشرقین نے ان تبابعہ کی فہرست بنائی ہے، ان میں یہ نام موجود نہیں لیکن نفس ''ابو مالک'' نام بدون لقب شاہی کتبات (شائع کردہ موسیو ہالوے) میں موجود ہے، الحارث الرائش جس کے وجود و عظمت کی تمام مؤرخین عرب متفقاً اطلاع دیتے ہیں، حالاں کہ یہ فخر حمیر و سبا کے قدیم بادشاہوں کو بہت کم نصیب ہے، تاہم اس عظیم الشان بادشاہ کے نام کا کوئی کتبہ نہیں

ملتا، ہماری رائے میں ''الحارث الرائش'' ''بہرعش'' کی تصحیف ہے جو ''شمر یرعش'' کے نام کا جز ہے، اس بنا پر ''الحارث الرائش'' اور ''شمر یرعش'' دو نام نہیں ہیں۔

ہم نے جو زمانہ ترتیب دیا ہے، اس میں اکثر سنین، کتبات میں مذکور ہیں، بقیہ استنباط و قیاس ہے، جن سلاطین کے کتبات میں سنین منقوش ملے ہیں اور جو ان کے عہد کے کسی کارناموں کی تاریخ ہے، وہ حسب ذیل ہیں:

۱-	یاسر نیعم	۲۷۰ء	۲-	شمر یہرعش	۲۸۱ء
۳-	ملک یکرب یہمین	۳۷۸ء	۴-	شرجیل یعفر	۴۵۱ء
۵-	عبدکلیل	۴۵۵ء	۶-	شرجیل	۴۸۰ء
۷-	نیوف	۵۱۰ء	۸-	ذونواس	۵۳۵ء

یہ یاد رہے کہ عیسوی اور حمیری سنہ میں ۱۱۵ برس کا فرق ہے، اگر ان سنین پر جو عیسوی ہیں ۱۱۵ رسال کا اضافہ کر دیں تو حمیری سنہ نکل آئے گا، عبدکلیل کا سنہ جدول بالا میں ۴۵۸ء سنہ ہے، اس بنا پر سنہ حمیری ۵۷۳ رہو گا۔

کتبات میں چند اور نام مجھ کو ملے ہیں، جن کے پہلے لفظ ''نجرف'' یعنی بہ زمانہ منقوش ہے، جس سے خیال ہوتا ہے کہ وہ شاید سلاطین کے نام ہیں لیکن ان کے بعد لقب شاہی مذکور نہیں، اس بنا پر خیال راجح یہ ہے کہ وہ حمیری کاہن ہوں گے، جن کی نسبت دستخط اور جن کے عہد و زمانہ کے انتساب سے تعمیروں کے کتبے عہد قدیم میں لکھے جاتے تھے، دو نام یہ ہیں جو دو الگ خاندانوں میں منقسم ہیں:

۱- تبع کرب ہشفر بن فانع
۲- سمی کرب تبع کرب
۳- عم کرب بن سمی کرب

۱- ذو وایل بن یقہ ملک کبیر
۲- نبط ایل بن عم امر

شہر مارب کے ایک قصر پر ''تبع کرب کاہن ذات غضرن'' بھی منقوش ہے، جس

سے دوسرے خیال کی تائید ہوتی ہے، اس غرض سے تاکہ نظر آئے کہ حمیری نام سلاطین وامرا کے علاوہ عام لوگوں کے بھی کس طرح ہوتے تھے، ہالوے کے شائع کردہ کتبوں سے چند نام نقل کرنا ہم مناسب سمجھتے ہیں، ان کو پڑھ کر معلوم ہوگا کہ عام مؤرخین جو حمیر قبائل کے نام نقل کرتے ہیں، وہ کس قدر محتاج تنقید ہیں۔

اسعد یہمین، ہدی بن سہل، اسید، ارفط، کثیم، اسعد قوفن، ہداو، ثوبایل، ابن لہیعہ، دہران رباب یاثم، انمار بن ثمرت، مسعود، سرع معنین، سوفان، شمر بن قرین، عوام، عبد شمس بن خیط، انمار اظلم، ہوفعثت ذلخسان، شمر یوکب بن دستک، یہفرع، مودو، عمران، اوس۔

افسانہائے حمیر: رواۃ عرب تبابعہ یمن کی نسبت بڑے بڑے عظیم الشان فتوحات اور ملک گیری وکشور کشائی کے عجیب وغریب واقعات بیان کرتے ہیں، ایک تبع براعظم افریقہ کا فاتح ہے، شمر یرعش کی تیغ کشور کشا عرب سے ترکستان تک بلند ہو کر ایک شہر کو ویران کر دیتی ہے اور اس کا نام "سمر کند" پڑتا ہے، یعنی شمر نے اس کی بیخ وبنیاد کھود ڈالی، ایک تبع چین تک تلوار کی کاٹ دکھاتا چلا جاتا ہے اور تبت میں اپنی بقیہ فوج چھوڑ دیتا ہے، جہاں اب تک عرب آباد ہیں، ذوالقرنین جس نے مشرق ومغرب کے ڈانڈے ملا دیے تھے اور جس کا ذکر قرآن مجید نے کیا ہے، وہ یہیں کا ایک بادشاہ تھا۔

افریقہ کا بیان ایک حد تک صحیح ہے، اہل حبشہ سے مسلسل جنگ قائم تھی، کبھی فاتح تھے اور کبھی مفتوح، ورنہ ترکستان اور چین کی فوج کشی، جس کی ابن خلدون نے بھی کچھ کم ہنسی نہیں اڑائی ہے، صرف لفظ کا کھیل ہے، "سمر کند" (سمرقند) کے پہلے جز کو شمر یرعش کے پہلے جز سے اتحاد تھا، اس لیے وہ سمرقند کا بانی یا مخرب قرار پایا، انہوں نے "کند" کو فارسی لفظ "کندن" سے مشتق سمجھا، حالاں کہ قدیم ترکستانی زبان میں "گند" شہر کو کہتے ہیں، سمرگند، تاش گند، خوگند، یہ سب ترکستانی شہروں کے نام ہیں، ترکستان کی زبان بہ زمانہ اسلام فارسی ہوگئی تھی لیکن شمر یرعش کے زمانہ میں تو فارسی نہ تھی، جو "کند" فارسی "کندن" سے ماخوذ ہوتا،

چین وتبت کا نگار خانہ بھی صرف لفظ کا تماشا ہے، عرب تبّت کو تُبت کہتے ہیں جو تبع کے بالکل قریب قریب ہے، ذوالقرنین کو صرف لفظ ''ذو'' نے مقدونیہ سے یمن پہنچا دیا کہ ''ذو'' یمن میں اکثر امرائے حمیر کے لقب میں آتا ہے، مثلاً ذونواس، ذوشناتر، ذوریدان۔

لیکن زمانہ اسلام کے بعض عرب سیاحوں کے عینی مشاہدات کا کیا جواب ہے، ابن حوقل بغدادی (۴۰۰ ہجری) کا بیان ہے کہ اس کے زمانہ ورود سمرقند تک شہر کے دروازہ پر شمر یرعش کا حمیری کتبہ ایک لوہے کی تختی پر کندہ موجود تھا لیکن افسوس کہ سیاح موصوف ہی کے زمانہ قیام میں یہ نادرۂ روزگار شہر میں آگ لگ جانے سے جل کر بے نشان ہو گیا، اصل میں یہ قدیم ترکی خط (ایغوری) ہوگا، جو حمیری دمنجی وغیرہ خطوط کے مشابہ ہے، شہرت عام کی بنا پر اس کو ہمارے سیاح نے حمیری سیاح سمجھ لیا۔

اسی طرح مورخ مسعودی کا بیان ہے کہ تبت میں تبع رہ گئے تھے اور چنانچہ خود اس نے عربی لباس ووضع میں اشخاص پائے لیکن چوتھی صدی میں جب مسلمانوں کا تمدن تمام دنیا پر چھا رہا تھا اور عرب تاجر ہر کوہ و بیابان میں گزر رہے تھے ''تبت میں عربی لباس و وضع'' کے وجود سے تبع کی فتح تبت پر استدلال مسعودی کے فضل وکمال سے کس قدر فروتر ہے، اگر اس قسم کے انقلابات سیاسی حقیقتاً ظہور پذیر ہوتے تو اس عہد کی زندہ قومیں ان کے ذکر سے خاموش نہ ہوتیں۔

اسی طرح کا ایک اور واقعہ قابل ذکر ہے، ایران کے کیانی خاندان میں ایک مشہور بادشاہ کیکاؤس گزرا ہے، اس نے ایران سے ایک دریا (شاید خلیج فارس) کو عبور کر کے کشور ہاماوران پر فوج کشی کی لیکن شکست کھائی اور گرفتار ہو گیا، آخر رستم نے آ کر کیکاؤس کو رہائی دلائی، کیکاؤس نے جھوٹ کر ہاماوران کی شہزادی سودابہ سے شادی کر لی، یہ وہی سودابہ ہے جس کے مکروفریب سے گھبرا کر شہزادہ عجم سیاوس توران چلا گیا اور وہاں مارا گیا اور اسی کے جوش وغضب وانتقام نے صدیوں تک ایران وتوران کو باہم معرکہ آرا رکھا، شاہنامہ میں یہ

پوری تفصیل موجود ہے، ثعالبی نے اپنی تاریخ (غرر تاریخ الفرس) میں لکھا ہے، کشور ہاماوران اصل میں کشور حمیران ہے، یعنی یمن، حمیران حمیر کی فارسی جمع ہے، سوداب صحیح عربی نام سعدی کی تصحیف ہے[1]۔

ثعالبی نے علاوہ تمام لغات فارسی میں ہاماوران کے معنی یمن ہی لکھے ہیں، اس بنا پر ہمیں ان روایات کے قبول کرنے میں کوئی عذر نہیں بشرطے کہ یمن کا خاندان حمیر اور ایران کا خاندان کیانی تاریخی حیثیت سے معاصر ثابت ہوجائے ورنہ یہ سمجھنا چاہیے کہ حقیقتاً ایران کا کوئی اور بادشاہ ہوگا، کیکاؤس کی طرف غلطی سے نسبت ہے۔

تبابعہ کے تمدنی وسیاسی اور مذہبی حالات: ہم نے بیان کیا ہے کہ تبابعہ سے سبا کے تمام طبقے ستارہ پرست تھے، سب سے بڑا دیوتا ان کا ''شمس'' اور ''المقہ'' تھا، ''المقہ'' حمیری میں چاند کو کہتے ہیں، اس کی مزید تفصیل دوسرے حصہ میں آئے گی، یہاں سلسلہ بیان کے لیے اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ اولاً کواکب پرستی ان کا مذہب تھا، ۳۳۰ء میں یمن کے مقابل افریقی سواحل پر مصری رومیوں کے اثر سے عیسائیت نے پروبال پیدا کیے[2]، شامی رومیوں کے ذریعہ سے یمن کے اطراف میں شہر نجران نے بپتسمہ قبول کیا، ان گردوپیش کے اثر سے تبابعہ یمن میں بھی محفوظ نہ رہے۔

ستارہ پرستی نے تو شکست کھائی گوستاروں کے ہیکل اب بھی ویران نہ تھے، تاہم اب ''شمس''، ''المقہ'' اور ''عشتار'' کے پہلو بہ پہلو رحمٰن کا نام بھی آنے لگا، جو قبل اسلام یہود و نصاریٰ کے ساتھ مخصوص تھا[3]۔

<u>یہودیت ونصرانیت ان اطراف میں دو ہی مہذب اور صاحب الہام مذہب تھے</u>

---

[1] تاریخ غرر الفرس ثعالبی مطبوعہ پیرس [2] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، مضمون ابی سینا [3] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا مضمون ''سبا''، قرآن مجید کی بعض آیتوں سے (قل ادعوا الرحمن) اور احادیث سے بھی (واقعہ تحریر صلح حدیبیہ) یہ ثابت ہوتا ہے کہ عام عرب خدا کے لیے رحمٰن کا لفظ استعمال نہیں کرتے تھے۔

اور باہم میدان میں برابر کے حریف بھی تھے، گذشتہ ابواب میں معلوم ہو چکا ہے کہ رومیوں اور حبشیوں کے ساتھ سبائے حمیر کو کس قدر سیاسی کشمکش تھی، اس بنا پر تبابعہ حمیر عیسائیت سے زیادہ یہودیت کو ترجیح دیتے تھے، عبد کلیل کے علاوہ اور کسی تبع کا عیسائیت قبول کرنا ثابت نہیں ہے، عبد کلیل بروایت عرب بھی عیسائی تھا[1] اور ایک کتبہ سے بھی اس کا عیسائی ہونا ظاہر ہوتا ہے[2]، بقیہ تبابعہ کم تر ستارہ پرست اور اکثر یہودی تھے، تاریخ طبری میں ہے کہ سب سے پہلے اسعد ابوکرب نے یہودیت قبول کی، مذہب شاہی نے عام رعایا میں بھی فروغ پایا اور اس طرح عیسائیت اور یہودیت نے یمن میں ٹکر کھائی۔

رومیوں نے بحری راستوں کو پیدا کر کے سبا کے بازار سرد کیے تھے اور تنہا اس سے تسکین نہ ہوئی تو ۲۰ رقبل مسیح میں یمن پر حملہ آور ہوئے، اکسومی حبشی جو پہلے رومی مصریوں کے ہم خاک تھے اور اب ہم مذہب بھی ہو گئے تھے، رومیوں کے استعمال سے بار بار چھیڑ چھاڑ کرتے تھے، حمیر بھی موقع سے چوکتے نہ تھے، جب موقع ملتا رومی تاجروں کو دریا میں لوٹ لیتے[3]، شمال عرب میں ایران وروم باہم دست وگریباں تھے اور یہ طبعی تھا کہ حمیر کو ایرانیوں کے ساتھ ہمدردی ہوتی، رومیوں کو اس سے وحشت سوا ہوتی تھی۔

رومیوں نے اس نزاع کو بہ صلح وآشتی طے کرنا چاہا، چھٹی صدی عیسوی کے اوائل میں رومی قیصر جسٹینن نے تبع یمن کے دربار میں سفیر بھیجا، تبع نے نہایت تزک واحتشام سے اپنی سطوت کا اظہار کیا، خود ایک گاڑی پر سوار تھا، جس میں ہاتھی جتے ہوئے تھے، بدن پر ایک چادر تھی جو سونے کی گھنڈیوں سے اٹکی تھی، ایک ہاتھ میں ڈھال اور دوسرے میں دو نیزے تھے، بازوؤں میں بیش قیمت بازو بند تھے، اردگرد مسلح درباری تھے جو فخریہ رجز کے اشعار پڑھتے تھے[4]۔

---

[1] حمزہ اصفہانی، صفحہ ۱۳، کلکتہ [2] Huart کی تاریخ عرب فصل سوم [3] Sharpe II Page 352

83 انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، ج ۲، ص ۲۶۴ [4] Sharpe II Page 345۔

اس شان وشکوہ کے منظر میں سفیر نے قیصر کا خط اور اس کی طرف سے دیگر تحائف پیش کیے، خط کا مفہوم یہ تھا کہ ان اطراف میں ایرانی فروغ نہ پائیں، سفیر معمولی وعدہ وایجاب کے بعد واپس آ گیا۔

اصحاب الاخدود: یہ پیام صلح تعصب کی آگ کو کچھ بھی سرد نہ کر سکا، اس وقت ذونواس فرماں روا تھا، کہتے ہیں کہ اس نے یہودیت کے پرجوش تعصب کا سبق یثرب کے یہودیوں سے سیکھا تھا، جن سے اسلام نے بھی کچھ کم دکھ نہیں اٹھایا، رومی سوداگر تاجرانہ یمن کے سواحل تک پہنچے تھے لیکن جہاں جہاں گزرتے تھے، اسباب سوداگری کے ساتھ عیسائیت کی سوغات بھی ساتھ ساتھ بانٹتے جاتے تھے، عیسائی راہب بھی مخصوص مقاصد کے ساتھ ملک میں دورہ کرتے تھے، پہلے اثر نے عدن اور دوسری کوشش نے نجران میں جہاں پہلے شجر پرستی ہوتی تھی، عیسائیت کے برگ وبار پیدا کیے، یورپ کے جو اب ہتھکنڈے ہیں وہی پہلے بھی تھے، مذہبی اور سیاسی اغراض پر تجارت کا پردہ ہمیشہ ڈالا کیے ہیں، یہی پردہ اس وقت بھی ڈال رہے تھے، ان تدابیر سے نجران یمن میں عیسائیت کا مرکز قرار پا گیا تھا، یعنی رومیوں اور حبشیوں کی مذہبی وسیاسی امیدوں کا وہ ماویٰ بن گیا تھا، حمیری یہودی اس کو دیکھتے تھے اور وفور جوش سے بھڑتے تھے۔

اتفاق وقت اشتعال طبع کے لیے ایک عجیب حیلہ پیدا ہو گیا، جواب بھی نہایت کثیر الوقوع ہے، نجران میں ایک راہب کا مقام تھا، ایک لڑکا اس راہ سے اکثر گزرتا تھا، راہب اس کو راستہ میں ٹھہرا کر مذہبی تعلیم کا روز کوئی نہ کوئی سبق دیا کرتا تھا، جب عام لوگوں کو معلوم ہوا تو وہ طبعًا برافروختہ ہوئے اور ایک عظیم الشان فتنہ کے مواد فراہم ہو گئے۔

ذونواس نے سنا تو چراغ پا ہو گیا، نجران آگ بگولا بن کر پہنچا، لوگ قلعہ بند ہو گئے، شہر کا محاصرہ کر لیا، جب شہر فتح ہوا تو گڈھوں میں آگ دہکائی اور ایک ایک کر کے عیسائیوں کو بلوایا، جس نے یہودیت کے قبول سے انکار کیا اس کو نذر آتش کیا، قرآن میں اصحاب الاخدود کے نام سے اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ النَّارِ ذَاتِ	مارے جائیں گڈھوں والے، گڈھے بھڑکتی آگ
الْوَقُوْدِ اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ وَّهُمْ عَلٰى مَا	تھے، جب وہ ان پر بیٹھے تھے اور (سچے) مومنوں
يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ وَمَا نَقَمُوْا	کے ساتھ جو ظلم کر رہے تھے اس پر خود گواہ تھے، ان
مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ	مومنوں میں بجز اس کے اور کچھ قصور نہ پایا کہ وہ
الْحَمِيْدِ (البروج ۸۵:۴-۸)	خدائے محبوب و محمود پر ایمان لائے تھے۔

قرآن میں یہ مذکور نہیں کہ اس نے تمام لوگوں کو جلا دیا اور شہر کو بے نشان کر دیا لیکن کتب اخبار و تفسیر کی عام روایات میں مذکور ہے کہ تمام آبادی خاکستر ہو گئی لیکن یہ صحیح نہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نجران میں عیسائی آبادی موجود تھی، وہاں دعاۃ اسلام بھیجے گئے ہیں، نجران سے دو راہب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مناظرہ کے لیے آئے ہیں، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں یہاں کے نصاریٰ سے دونے صدقات وصول ہوئے ہیں یا ممکن ہے کہ حبشی عیسائیوں کے ہفتاد سالہ عہد میں یہ شہر پھر دوبارہ آباد ہوا ہو[1]۔

اس واقعہ کو عیسائیوں نے بھی یاد رکھا ہے، اسی عہد میں شام کے عیسائی اس قصہ کو قید تحریر میں لائے ہیں، ان کے بیان کا خلاصہ حسب ذیل ہے جس میں یقیناً بعض تاریخی غلطیاں بھی ہیں، جاڑے کے سبب سے اہل حبش اپنا نائب یمن نہ بھیج سکے، ذونواس نے حکومت غصب کر لی اور عیسائیوں کو مذہب کی خاطر بہت دکھ دیا، علاوہ ازیں نجران پر فوج کشی اور خلاف وعدہ شہر پر قبضہ کر لینے کے بعد با ایمان عیسائیوں کو آگ اور تلوار سے برباد کر دیا[2]۔

---

[1] اصحاب الاخدود کے متعلق طبری اور کتب تفسیر میں عجیب و غریب روایات ہیں، جو اصول روایت سے صحیح نہیں ہیں، بقیہ اس فصل کے تمام عربی روایات تاریخ طبری اور عام تفسیروں میں موجود ہیں۔ [2] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، اصحاب الاخدود۔

اصحاب الفیل
یا
سبائے حبش

كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ

گذشتہ فصل میں سبائے حمیر کے تعلق سے اہل حبشہ کا نام کئی بار آیا، اس فصل میں ان پر مفصل بحث کرنا ہے، قرآن مجید میں ان ہی کا نام اصحاب الفیل مذکور ہوا ہے لیکن واقعہ فیل کے بیان سے پہلے خود "اصحاب الفیل" کی حقیقت اور قومیت سمجھ لینی چاہیے۔

حبش کی اصلیت: یاد ہوگا کہ ہم نے قدیم سبا کی آبادی، افریقہ، یمن اور شمال عرب تین جگہ بتائی تھی، یمن اور افریقہ کے درمیان بحر احمر اور بحر عرب کے گوشے حائل ہیں، جن کو عرب جغرافیہ نویس بحر حبش کہتے ہیں، یمن کے مقابل افریقی سواحل پر سبا کی تجارتی نوآبادیاں تھیں، جن کے وجود کے دلائل سبا کی نوآبادیوں کے بیان میں گزر چکے ہیں، یہ نوآبادیاں بالکل یمن کے مقابل واقع ہیں اور خشکی کی راہ سے مصر و سوڈان کے ساتھ بخط مستقیم ملحق و متصل ہیں، اس تقابل اور اتصال کی بنا پر یہ مقامات ہمیشہ مصر و یمن سے متاثر رہے ہیں، چنانچہ زمانہ قدیم سے اب تک یہ مذہباً مصر کے ماتحت اور قومیت و تمدن کے لحاظ سے عربوں کے زیر اثر ہیں۔

اس قطعہ ارض کو یونانی، ایتھوپیا اور عرب حبش کہتے ہیں، اسی "حبش" کی مسخ شدہ

صورت ''ابی سینا'' ہے جو یورپ جا کر بجائے سپید ہونے کے اور زیادہ سیاہ ہوگئی ہے، عربی میں لفظ ''حبش'' کے معنی اختلاط و امتزاج کے ہیں، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عربوں کے نزدیک یہ ایک ممزوج النسل اور مختلط النسب قوم تھی، اسی قسم کا ایک قبیلہ مکہ کی پہاڑیوں میں آباد تھا، عرب اس کو بھی احابیش کہا کرتے تھے۔

یہ قوم کن اقوام وقبائل کا مجموعہ تھی، تاریخ و علم الانساب اس کے ذکر سے خالی ہے، ناچار کسی مجہول التاریخ قوم کی دریافت حال کے جو ذرائع ہیں، ان سے کام لینا چاہیے، یہ ذرائع علم الاقوام، علم الالسنہ اور قرائن حال ہیں۔

علم الاقوام کا جس کے ذریعہ سے دو قوموں کے جوڑ بند، چہرہ مہرہ اور خو بو کو دیکھ کر ان کے اتحاد نسل و جنسیت کا راز آشکار کیا جا سکتا ہے، بیان ہے کہ ''یمنی عرب اور اہل حبش کی جسمانی ساخت میں اس قدر شدید مشابہت ہے کہ دونوں قومیں ایک ہی نسل سے متفرع نظر آتی ہیں[1]۔''

علم الالسنہ کی شہادت اس سے واضح تر ہے، جرمن مستشرق نولڈیکی السنہ سامیہ کا جس سے زیادہ بڑا ماہر اس وقت یورپ میں موجود نہیں، لکھتا ہے:

> ''حبشی (ایتھوپی) زبان و خط، سبائی سے قریب و مشابہ ہے، اہل حبش (انسوم) بالکل سامی نہیں ہیں بلکہ اصلی باشندوں کے ساتھ عرب کے مختلف قبائل اقطاع کے مل گئے ہیں[2]۔''

وائنا کا مشہور پروفیسر مولر جس کا ''سبا'' مضمون مطالعہ و تحقیق ہے، کہتا ہے[3]:

> ''سبا کی نوآبادیوں کا ذکر حبش میں ہے، حبشہ جنوبی عربوں (اہل یمن) سے آباد ہوا ہے، جیسا کہ اس کی زبان و خط سے ظاہر ہوتا ہے اور جو فرق ہے وہ صرف ایک زمانہ تک کے افتراق کا نتیجہ ہے، اہل حبشہ میں بیرونی اثر اور اجنبی اختلاط صاف نظر آتا ہے۔''

ایک اور جرمن مصنف جو مشاہیر علمائے السنہ میں سے ہے یعنی بروکلمان (C. Brockelmannie) اپنی تصنیف ''السنہ سامیہ'' (Senitiquelinguitigue) میں شہادت

---

[1] انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، مضمون ''سبا'' [2] ایضاً، ج ۲۴، ص ۶۲۸ [3] ایضاً، مضمون ''سبا''۔

دیتا ہے[1]:

''جنوبی عرب زبان سے ملتی جلتی ایک اس سامی قوم کی زبان ہے جو جنوبی عرب (یمن) سے نکل کر ملک حبش میں آ کر آباد ہوئی، جو جنوبی عرب کے مقابل واقع ہے، یہ سامی عرب حامی قوم سے (جو اصل افریقی قوم ہے) بالکل مختلط ہو گئے، جنوبی عربوں کے اس انتقال مکانی کی کوئی صحیح تاریخ نہیں معلوم لیکن بہر صورت وہ حضرت عیسیٰؑ سے بہت پہلے واقع ہوا ہوگا۔''

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کا مضمون نگار عرب اس مسئلہ کی نسبت لکھتا ہے:

''اس زمانہ کے پچھلے حصہ میں اہل حبش جو قدیم زمانہ میں عرب سے منتقل ہو کر عرب کے مقابل افریقی سواحل پر آباد ہو گئے تھے، وہ تقریباً ۳۰۰ء میں واپس آتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔''

شریڈر (Schrader) ایک جرمن محقق السنہ سامیہ لکھتا ہے[2]:

''شمالی عربوں کو عرب وسطیٰ میں چھوڑتے ہوئے یہ مہاجرین جزیرہ نما کے جنوبی ساحل پر آباد ہوئے، جہاں سے ایک جماعت ان کی دریا کو عبور کر کے افریقہ پہنچ گئی اور حبشہ میں خیمہ زن ہوئی۔''

ولیم رائٹ (Wright) جو کیمبرج یونیورسٹی کا عربی پروفیسر تھا، اپنے قواعد السنہ سامیہ میں اپنا اعتقاد یہ ظاہر کرتا ہے[3]:

''یمن سے دریا کو قطع کر کے افریقہ میں ہم چیز یا ایتھوپی یعنی حبش، حمیر کی ایک قدیم آبادی کی زبان سے دوچار ہوتے ہیں۔''

قرائن حال یہ ہیں کہ تاریخ جب سے ملک حبش سے واقف ہے، عربوں کے اثر کے ذکر سے خالی نہیں ہے، آرٹی میڈروس (۱۰۰ ق م) ایک یونانی سیاح بیان کرتا ہے[4]:

---

[1] کتاب مذکور فرنچ ترجمہ، ص ۴۵، پیرس، ۱۹۱۰ء [2] کتاب مذکور، ص ۲۵ [3] Wright Page 9

[4] ڈنکر کی تاریخ اقوام قدیمہ، فصل عرب۔

’’سبا کا بادشاہ اور اس کا ایوان مارب میں ہے، بعض لوگ دیسی اور پردیسی بخورات اور مسالوں کی تجارت کرتے ہیں، جو مقابل کے افریقی سواحل سے لائے جاتے ہیں، جہاں سبا کے لوگ چمڑے کی کشتیوں پر بیٹھ کر دریا کے پار چلے جاتے ہیں۔‘‘

پیرسپلوس (Preplus) (۸۰ء) جو آرٹی میڈروس کے تقریباً سو برس کے بعد تھا، وہ اس سے بھی زیادہ قوی تر شہادت پیش کرتا ہے، وہ کہتا ہے کہ ’’افریقہ کے بعض سواحل (طبقہ ثالثہ) کے زیر حکومت ہیں[1]‘‘

علم الآثار کی شہادت کا اگر ہم اضافہ کریں تو معلوم ہوگا کہ سبائی خط میں حبش کے ملک میں کتبات بھی ملے ہیں جن کا ذکر آگے آئے گا۔

یہ تو اسلام سے پہلے کی شہادتیں ہیں، اسلام نے ابھی چھ برس کی عمر بھی نہیں پائی تھی کہ ۷۰ رمسلمانوں نے تمام دنیا کو چھوڑ کر صرف ملک حبش کا رخ کیا، حبش کا صوبہ زیلع جس کو آج کل شمالی لینڈ اور اریٹریا کہتے ہیں، وہ ہمیشہ تاریخ اسلام میں عرب قوت کا مرکز رہا ہے اور اب بھی حبش اور تمام افریقی سواحل صرف عربوں سے متاثر ہیں، شہر کے شہر ان کے آباد ہیں، زبان تک عربی کی نقل ہے، لباس وطعام وتمدن کی ہم رنگی تو ادنیٰ چیزیں ہیں۔

ان دلائل وشواہد کا خلاصہ نتائج یہ ہے کہ یمن کے مقابل افریقی سواحل پر قدیم زمانہ سے سبا کی تجارتی آبادیاں تھیں، جہاں ان کی بدولت یمن کی طرح تمدن کی روشنی پھیلنی شروع ہوگئی تھی، سبا کے طبقہ اول (مکارب سبا) وطبقہ دوم (ملوک سبا) کے بعد طبقہ سوم (سبائے حمیر) نے یمن میں مسیح سے تقریباً سو برس پہلے ظہور کیا، اس انتقال خاندان شاہی نے سبا کی افریقی نوآبادیوں میں خودسری کا خیال پیدا کردیا، باہم معرکہ آرائیاں ہوئیں، یہ غالب ہوتے تو یہ اپنے کو بادشاہ یمن لکھتے، اگر وہ غالب ہوتے تو وہ اپنے کو فاتح حبش کہتے[2]

---

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، مضمون ’’سبا‘‘ [2] تمام عربی تاریخوں میں مذکور ہے کہ افریقس نامی ایک تبع نے افریقہ فتح کرلیا تھا۔

یہی سبب ہے کہ اس قسم کے کتبات وواقعات دونوں طرف ملتے ہیں۔

بہر حال ان سبائی عربوں نے اصل افریقی (حامی) قبائل کے اختلاط وامتزاج سے جونئی قومیت پیدا کی ان ہی کا نام عربی میں حبش، یونانی میں ایتھوپین، یورپین زبانوں میں ابی سینین اور خود ان کی زبان میں جیز ہے، حبش کے سبائی الاصل ہونے پر سب سے بڑی لیکن تعجب انگیز دلیل یہ ہے کہ حبشی زبان ''سبا'' کے معنی ہی انسان کے ہیں[1]، جس طرح آدم کے بیٹے ''آدمی'' اورانسان کوایک سمجھتے ہیں، حبش کے ایک ابتدائی بادشاہ کا نام ذوشکال[2] تھا جو بالکل یمنی طرز کا نام ہے۔

حبش وحمیر: حبش وحمیر کے سیاسی تعلقات کی کشاکش اسی وقت سے نظر آتی ہے جب کہ سبائے حبش اور سبائے حمیر بالاستقلال الگ الگ خاندان قائم کرتے ہیں، حبش کے سواحل پر شہر زیلع میں ایک کتبہ ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دوسری صدی عیسوی کے اوائل میں نجاشی مدعی ہے کہ اس نے سبا کے ملک تک عرب میں جنگ کی، چوتھی صدی کے اوائل میں جب حبش میں انقلاب پیدا ہوا تو مذہب عیسوی کے نئے پیروؤں کے دل وفور جوش سے لب ریز تھے، شاہ اذینہ جو حبش کا پہلا عیسائی بادشاہ تھا اور نیز اس کے جانشین اپنے کتبات میں اپنے نام کے ساتھ یہ القاب لکھتے ہیں ''شاہ اکسوم وحمیر دریدان وحبشات وسباوزیلع'' یہ طرز القاب تقریباً اس وقت سے ۳۷۸ء تک قائم رہتا ہے اور عجیب یہ ہے کہ اصل سلاطین حمیر کے سلسلہ کی چند کڑیاں یہاں سے گم ہیں، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شاہان حبش کا ادعا غلط نہ ہوگا۔ (دیکھو فہرست سلاطین حمیر)

۳۵۸ء میں قیصر قسطنطوس نے اذینہ کے نام خط بھیجا تھا اور اسی عہد میں اذینہ یمن پر حملہ آور ہوتا ہے، اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ حملہ رومیوں ہی کے اشارہ سے ہوا تھا، حبش وحمیر میں اب صرف خاندانی وسیاسی اختلاف نہ تھا بلکہ سب سے زیادہ مذہبی تعصب

---

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، مضمون ''سبا'' [2] ایضاً مضمون ''اتھوپیا''۔

اب اس نخل کی سیرابی کر رہا تھا، حبشیوں کی یمن پر یہ پہلی حکومت زیادہ دن تک قائم نہ رہ سکی، ۳۷۸ء میں اس کا خاتمہ ہو گیا[1]۔

اکسوم کے نجاشی: ان مخلوط سبائی عربوں کا پایہ تخت شہر اکسوم تھا جو ملک حبش کے صوبہ ''تجرے'' میں ۱۴ درجہ ۷ دقیقہ ۳۲ ثانیہ بطرف شمال اور ۳۸/درجہ ۳۱/دقیقہ، ۱۵/ثانیہ بطرف مشرق واقع تھا اور جہاں اب تک اس کے کھنڈر باقی ہیں، اہل حبش اس کو نہایت مقدس شہر سمجھتے ہیں، شاہان حبش کی تاج پوشی انقلاب حکومت کے بعد بھی اب تک یہیں ہوتی ہے۔

تقریباً اسی زمانہ میں جب کہ سبائے حمیر نے ریدان میں اپنی مستقل حکومت قائم کی، سبائے حبش نے اکسوم میں ایک خاندان شاہی کی بنا ڈالی، جو اس وقت سے چھٹی صدی ہجری تک یعنی تقریباً ۱۲۰۰ تک قائم رہا، اس کے عروج وکمال کا زمانہ چوتھی اور پانچویں صدی ہے، عربوں میں شاہان حبش کا لقب نجاشی ہے جو درحقیقت ''نجوس'' کی تعریب ہے، جس کے معنی حبشی زبان میں بادشاہ کے ہیں، نجاشی جن کے عہد میں یمن فتح ہوا، نجاشی جن کے ملک میں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ہجرت کی، نیز جنہوں نے اسلام قبول کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جن کی جنازہ کی غائبانہ نماز پڑھی، وہ اسی خاندان، اسی ملک اور اسی شہر کے بادشاہ تھے۔

مصر کے تعلق وہمسائیگی سے شاہان حبش یونان وروم کے تمدن سے بہت متاثر رہے ہیں، اکسوم اور حمیر کے اس عہد انقلاب میں مصر کے مالک رومی تھے، جن کا مذہب عیسوی اور زبان علمی یونانی تھی، اس زمانہ کی حکومت کی واقفیت کا ذریعہ اسی شہر کے کھنڈر کے چھ کتبے ہیں، جو حال میں دریافت ہوئے ہیں، پہلا کتبہ یونانی زبان میں ۵۴۵ء کا لکھا ہے، دوسرا کتبہ سبائی زبان میں یلامیداد علی عمیدہ بادشاہ حبش کا ہے، تیسرا کتبہ بھی اسی بادشاہ کی یادگار ہے لیکن حبشی زبان میں ہے، چوتھا یونانی، سبائی اور حبشی تین زبانوں میں ہے، پانچواں

---

[1] انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، مضمون ''سبا وایتھوپیا والی سینا واکسوم''۔

کتبہ شاہ اذینہ بن یلامیدہ کا ہے، چھٹا سب سے اخیر زمانہ کا ہے۔

یہ خاندان اولاً اہل یمن کی طرح بت پرست تھا، شاہان روم کے تعلقات نے مصر کے ذریعہ سے یہاں عیسائیت کو فروغ دیا، چوتھی صدی عیسوی کے اوائل میں اسکندریہ کے ایک بشپ نے اس کو اپنے مشن کا مرکز قرار دیا، ۳۳۰ء میں سب سے پہلے اذینہ نجاشی حبش نے عیسائیت قبول کی، قیصر کنسٹنٹیوس نے ۳۵۶ء میں اس کو خط لکھا، اسی سے متصل وہ زمانہ ہے کہ رفتہ رفتہ حمیر بھی ستارہ و بت پرستی سے ہٹ کر عیسائیوں کی کوششوں کے علی الرغم یہودیت کی طرف مائل ہورہے ہیں۔

یمن کا آخری سقوط: حبش و یمن کی باہمی معرکہ آرائی گو چوتھی ہی صدی سے شروع ہوگئی تھی لیکن یمن کا آخری سقوط چھٹی صدی کے اوائل میں ہوا، اس کی تفصیل یہ ہے کہ ذونواس نے جب نجران کے عیسائیوں کو آگ کے گڑھوں میں ڈھکیل کر مار ڈالا تو اطراف کے تمام عیسائی غصہ سے جل گئے، دوس بن ثعلیان یمن کے ایک عیسائی امیر نے نجاشی کے یہاں فریاد کی، نجاشی نے قیصر روم کے اشارہ سے یمن پر فوج کشی کی اور ۵۲۵ء میں آخری بار یمن کو فتح کرنے میں کامیاب ہوگئے، یہ عرب مؤرخین کا بیان ہے، اس مقدمہ کے ایک فریق عیسائی رومی بھی ہیں، ان کا بیان بھی سننے کے لائق ہوگا، تھیو فانوس اسی عہد کا ایک مؤرخ بیان کرتا ہے:

> ”چھٹی صدی کے اوائل میں رومی جو یمن سے گزر رہے تھے، حمیر نے ان پر ظلم کیے، بعضوں کو مار ڈالا، اس واقعہ سے تجارت بند ہوگئی، اہل حبش کو یہ فعل ناگوار گزرا، ہداد شاہ حبش کی سرداری میں اہل حبش بحر احمر کو عبور کرکے حمیر سے معرکہ آرا ہوئے اور حمیری بادشاہ دمیانوس (ذونواس) کو مار ڈالا اور قیصر جسٹینین کے ساتھ اس شرط پر معاہدہ کیا کہ تمام باشندگان اکسوم عیسائی ہوجائیں اور اسکندریہ سے ان کے لیے ایک بشپ مقرر ہو۔“

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا (طبع یازدہم) کا مضمون نگار ابی سینا لکھتا ہے:

''چھٹی صدی میں حمیر نے عیسائیوں کو سخت تکلیف پہنچائی، آخر جسٹینین اول نے شاہ حبش کو جس کا نام کالب الاصبح تھا، لکھا کہ ان کی مدد کرے، چنانچہ اس نے حمیر کے ہاتھ سے یمن لے لیا۔''

عربی اور یونانی دونوں روایتوں سے متفقاً یہ ثابت ہے کہ یہ حملہ قیصر روم کے اشارہ سے ہوا تھا، اس حملہ کی غرض کیا تھی؟ عرب کہتے ہیں کہ صرف مذہبی غرض تھی، رومیوں کا ظاہری بیان یہ ہے کہ اس سے مقصود صرف تجارتی راستوں کی حفاظت تھی لیکن صلح کے شروط خود یہ بیان کرتے ہیں کہ ''تمام اکسومی عیسائی ہو جائیں گے'' اور حمیر کے آخری ابواب میں گزر چکا ہے کہ حمیر چوں کہ ایران کے طرف دار تھے، اس لیے بھی وہ رومیوں کی آنکھ میں کھٹکتے تھے، اسی لیے اہل حبش کے مقابل میں اہل ایران امداد کے لیے آمادہ نظر آتے ہیں۔

عرب مؤرخین کا بیان ہے کہ ذونواس شاہ یمن نے ان حملہ آوروں کا سواحل عدن وحضر موت میں استقبال کیا اور بقوت نہیں بلکہ بہ تدبیر وحیلہ ان کو اس قدر سخت شکست دی کہ مجبوراً ان کو حبش واپس لوٹ جانا پڑا، یونانی عیسائی کہتے ہیں کہ ''وہ حمیریوں کو سزا دے کر واپس پھر گئے'' ہمارے نزدیک یہ کوئی اختلاف بیان نہیں، ''فرار اور بہ مصلحت کامیاب واپسی'' عیسائی ڈکشنری میں اس انیسویں صدی میں بھی مرادف لفظ قرار دیے جاتے ہیں۔

اہل حبش جنگ کا ساز وسامان درست کر کے پھر دوبارہ اس زور وشور سے حملہ آور ہوئے کہ حمیر کے پاؤں اکھڑ گئے، ذونواس نے بھاگ کر گھوڑے کو دریا میں ڈال دیا لیکن ساحل تک سلامت نہ پہنچا، اس کا قائم مقام ذوجدن ہوا اور اس کا بھی یہی حال ہوا، ذوالیزن اٹھا لیکن افسردہ ہو کر رہ گیا، اہل حبش اب تنہا یمن کے مالک بن گئے اور اسی طرح ۷۲ ربرس تک یعنی ۵۲۵ء سے ۵۹۸ء تک یا آسانی کے لیے ۶۰۰ء تک کہو، قابض رہے۔

یمن کے فاتح اور پہلے حبشی گورنر کا نام عربوں میں ارباط مشہور ہے اور بعض ابرہہ

کہتے ہیں، اول مشکوک ہے اور ثانی بہ تحقیق غلط ہے[1]، یونانی مؤرخ اس فاتح کا نام ''اسمیفیوس'' اور اس عہد کے نجاشی کا نام ''الیباس'' بتاتے ہیں، قسطنطنیہ میں ''عثمانی دارالآثار'' میں یمن کے ایک کتبہ کا ٹکڑا ہے[2] جو ''رحمٰن اور کرستوس غلبان'' کے نام پر ختم ہوتا ہے، رحمٰن ہمارائے عرب میں خدا کا نام تھا، کرستوس یعنی کرایسٹ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یونانی نام) غلبان فاتح و غالب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صفت ہے، اس کتبہ میں ایک بادشاہ یمن ''سمیفع آشوع'' اور ''سملکان یلا اصبحہ شاہ حبشیات'' کا ذکر ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاہ حبش کا یونانی التلفظ نام ''الیباس'' درحقیقت ''یلا اصبحہ'' ہے جس کو عرب الاصبح کہتے ہیں اور ''اسمیفیوس'' کی اصل سمیفع ہے، عدن کے قریب حصن غراب میں ایک اور کتبہ ہے جس میں سمیفع نیز اس کے لڑکوں کا نام بہ وضوح تمام مذکور ہے، اصل ترجمہ یہ ہے:

> ''سمیفع اشوع اور اس کے لڑکے شرجیل یکمل اور معدی کربیان نے یہ یادگاری کتبہ حصن غراب میں لکھا کہ جب کہ انہوں نے اپنے قلعے اور شہر پناہیں درست کیں اور اس میں پناہ گزیں ہوئے اور حبش نے یمن فتح کیا اور باشندوں پر غالب آئے اور تجارت کی راہ کھولی اور بادشاہ حمیر کو قتل کیا، ماہ حجنن ۶۴۰ء''

---

[1] اصل یہ ہے کہ ابرہہ صحیح عربی و عیسائی روایت کی رو سے دوسرا گورنر ہے، تفصیل آگے ہے، ابرہہ آگے چل کر باغی ہو جاتا ہے، اس کے مقابلہ کے لیے ارباط آیا ہے اور ناکامیاب واپس گیا ہے، طبری کی ایک روایت یہ ہے کہ اول ارباط فتح یمن کے لیے آیا لیکن ناکامیاب گیا، پھر نجاشی نے ابرہہ کو بھیجا اور اس نے فتح کیا، اس کے بعد ابرہہ باغی ہو گیا، اس کے مقابلے میں حبش سے ارباط بھیجا گیا اور وہ دھوکے سے مارا گیا، یہ روایت صحیح نہیں ہے کیوں کہ ۵۲۵ء کا واقعہ ہے، اس کے بعد ۵۷۰ء میں واقعہ فیل پیش آیا جس میں متفقاً ابرہہ موجود تھا، اس کی مدت امارت ۴۵ برس قرار پاتی ہے، حالاں کہ ۲۳ برس سے زیادہ نہیں، اس لیے اور روایتیں صحیح ہیں جن میں ابرہہ ۵۴۵ء میں نجاشی کی اجازت سے نہیں بلکہ بزور یمن کا گورنر بلکہ بادشاہ بن جاتا ہے۔ [2] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، جلد ایک، مضمون ''عرب''، فصل ''تاریخ''۔

۶۴۰ یمنی تاریخ ہے، حسب تعدیل سابق (دیکھو حمیر کا زمانہ) یہ ۵۲۵ء کے مطابق ہوگا، جو عین فتح کی تاریخ ہے لیکن عجیب بات یہ ہے کہ اولاً تو کتبہ کی عبارت اگر وہ صحیح پڑھی گئی ہے تو فاتح ہونا نہیں ظاہر کرتی کہ فاتح کو پناہ گزینی کی کیا ضرورت ہے؟ ثانیہً ''سمیفع اشوع'' ''شرجیل یکمل'' اور ''معدی کربیان'' تینوں خالص سبائی حمیری نام ہیں، پھر ابرہہ کے کتبہ سد عرم میں معدی کرب بن سمیفع ایک ذوالیزنی امیر کا نام ملتا ہے، عثمانی دارالآثار کے کتبہ سے سمیفع کا عیسائی ہونا بھی ثابت ہوتا ہے، جو حمیر کا مذہب نہ تھا، ایک بات سمجھ میں آتی ہے، ممکن ہے کہ صحیح ہو، حسب روایت طبری ذوالیزن آخری شخص تھا جو حبش کے مقابلہ کے لیے اٹھا تھا لیکن چاروں طرف دیکھ کر مایوس ہوگیا، ابرہہ کے کتبہ عرم کے مطابق معدی کرب اور سمیفع اسی کے خاندان سے تھے، دارالآثار عثمانی کے کتبہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے عیسائیت قبول کر لی تھی، حصن غراب کے کتبہ میں ان کی عیسائیت ظاہر نہیں ہوتی لیکن خوف زدہ ہو کر قلعہ بند ہونا ثابت ہوتا ہے، اس لیے قیاس یہ ہے کہ اولاً یہ اہل حبش کے غلبہ سے ڈر کر حصن غراب میں بیٹھے پھر مجبور ہو کر عیسائی ہوگئے[1] اور یمن کو واپس دے کر حبش جیسا کہ کہتے ہیں پھر گئے، پھر دوسری بار حبش آئے اور خاص اپنی حکومت قائم کی، حبشی گورنروں نے اپنا پایہ تخت شہر صنعا کو قرار دیا، جو ریدان و ظفار کے پہلو میں تھا، یہ شہر اب تک باقی ہے اور امرائے یمن کا دارالامارت ہے، جو اہل عرب میں آب و ہوا کی خوش گواری، مناظر کی دل فریبی اور محاسن فطرت کی دل کشی میں ہمیشہ سے ضرب المثل ہے۔

عیسائیت و یہودیت کا تصادم: مسیحی فاتح یہودی حکمرانوں سے کچھ زیادہ بہتر نہیں ثابت ہوئے، مؤرخین عرب کا بیان ہے کہ مسیحی فاتحین نے یہودیوں کو سخت تکلیفیں پہنچائیں، اشاعت مذہب میں قتل وظلم وتعذیب وتعدی کسی فعل سے احتراز نہیں کیا گیا، عیسائی ان دردناک وقائع کے بیان سے خاموش ہیں لیکن ایک عجیب وغریب یہودی وعیسوی مناظرہ کا

---

[1] طبری کی روایت ہے کہ فاتح یمن (ابرہہ) نے ذوالیزن کی بیوی زبردستی چھین کر اپنے محل میں رکھ لی تھی، معدی کرب سیف بن ذوالیزن نے اسی کے گھر میں پرورش پائی۔ ۱۲

ذکر کرتے ہیں، حمیری یہودیوں نے عیسائیوں کو چیلنج دیا کہ باہمی مناظرہ سے صحت مذہب کا فیصلہ کیا جائے، چنانچہ عیسائیوں کی طرف سے جرتجبتیوس (جرتج) شہر ظفار (ظفار) کا بشپ اور یہودیوں کی جانب سے ہربانوس (حرب) وکیل مقرر ہوئے، تین دن تک بادشاہ کے حضور میں مجلس مناظرہ گرم رہی لیکن کوئی فیصلہ نہ ہوا۔

ہربانوس نے کہا کہ ''شہر ناصرہ کا یسوع اگر حقیقت میں زندہ ہے اور آسمان پر اپنے پرستاروں کی دعائیں سن رہا ہے تو کہو کہ اس وقت ہمارے سامنے آئے'' یہودی بھی چاروں طرف سے بیک آواز چلائے کہ ''ہاں اپنے یسوع کو دکھاؤ، ہم فوراً ایمان لائیں گے'' ناگاہ بجلی چمکی، آسمان پر کڑاکا ہوا اور یسوع جلال کی شعاعوں میں ارغوانی بادل کے اندر ہوا میں نمودار ہوا، ہاتھ میں تلوار تھی، سر پر گراں بہا تاج تھا، مجمع کے برابر کھڑے ہو کر بڑی آواز میں گویا ہوا ''ہاں دیکھو! میں تمہاری نگاہوں کے سامنے ہوں، مجھی کو تمہارے باپ داداؤں نے مارڈالا تھا'' عیسائیوں نے گڑگڑا کر کہا ''خداوند! اے خداوند! ہم پر رحمت ہو!'' تمام یہودی اندھے ہو گئے، پھر جب تک بپتسمہ نہ پایا آنکھیں نہ ملیں[1]۔

عربی روایتوں میں اس قصہ کا ذکر نہیں لیکن اسی کے مقابل میں یہ قصہ البتہ مذکور ہے کہ جب تبع ابوکرب نے یہودیت قبول کی تو یمنی ستارہ پرستوں نے اس مذہب کی صحت تسلیم نہ کی، آخر معاملہ اس پر محول ہوا کہ فلاں غار سے ایک آگ نکلتی ہے جو ناحق کو جلا دیتی ہے اور اہل حق کا بال بھی بیکا نہیں کرتی، چنانچہ یہودیوں کے احبار اور ستارہ پرستوں کے کاہن تورات اپنے ہاتھ میں لے کر گئے، وقت مقرر پر آگ نکلی، دنیا دھوئیں سے تاریک ہوگئی، جب روشنی پھیلی تو کاہن اور ان کے بت خاک کے ڈھیر تھے اور احبار صحیح و سالم غار کے دہانہ پر تورات پڑھتے ہوئے نظر آئے[2]۔

عجب نہیں کہ یہ دونوں قصے ایک ہی اصل کے دو عکس ہوں، ہر فریق نے اپنے

---

[1] سیل کا مقدمہ ترجمہ قرآن [2] تاریخ طبری۔

مطلب کے مطابق اس کو پھیلایا ہے۔

ابرہۃ الاشرم: بقول عرب ارباط نے یمن پر بیس برس حکم رانی کی، اس اثنا میں حبشی فوج نے بغاوت کی، ابرہہ ایک حبشی سرداراس باغی جماعت کا سرعسکر بن گیا، لفظ ابرہہ لفظ "ابراہیم" کا حبشی تلفظ ہے اور چوں کہ نک کٹا تھا اس لیے "اشرم" کہلاتا تھا، عرب اس کو حبش کے شاہی خاندان سے سمجھتے ہیں بہرحال ارباط اس فتنہ میں مارا گیا اور ابرہہ تنہا یمن کا بادشاہ بن بیٹھا، ارباط کے اختتام اور ابرہہ کے آغاز حکومت کی تاریخ نہیں معلوم لیکن ابرہہ کے ایک ابتدائی کتبہ پر سن ۶۵۷ یمنی جو مطابق ۵۴۳ء ہے، تاریخ ثبت ہے، اگر ہم اسی کو آغاز سال فرض کرلیں تو ارباط کی مدت حکومت ۱۸رسال ہے، جو ۵۲۵ء سے شروع ہو کر ۵۴۲ء پر ختم ہوتی ہے۔

۵۴۳ء میں ابرہہ نمودار ہوتا ہے، اسی زمانہ کے ایک عیسائی مصنف پروکوپیوس کا بیان اس کے متعلق حسب ذیل ہے:

"ابرہہ ایک رومی غلام تھا، جو زیلع[1] میں رہتا تھا، شاہ حبش یلا اصبحہ کے خلاف جس فوج نے بغاوت کی تھی، اس کا سردار بن گیا، سمیفع جو بادشاہ کی طرف سے یمن کا نائب تھا، اس کو قید کرلیا، اس کے مقابل جو فوج بھیجی گئی، اس کو شکست دی، اس اثنا میں بادشاہ مر گیا، اس کے جانشین نے ابرہہ سے صلح کرلی اور اپنی طرف سے اس کو یمن کا نائب بنایا[2]"

بجز ابرہہ کے رومی غلام ہونے کی عربی روایتیں حرف حرف اس کے مطابق ہیں، بلکہ اس سے کچھ زیادہ ہیں، ابرہہ کی بغاوت، ارباط نامی سردار کا آنا، ابرہہ کے غلام کے ہاتھ سے دھوکے سے اس کا قتل ہونا، نجاشی کا خاک یمن کی پامالی اور ابرہہ کی خوں ریزی کی قسم کھانا، ابرہہ کا ایک شیشی میں نشتر سے اپنا خون نکال کر اور یمن کی تھوڑی مٹی بادشاہ کے پاس بھیجنا کہ بادشاہ پاؤں تلے یہ مٹی رکھ کر ابرہہ کا خون بہائے اور قسم پوری کرلے، یہ تمام

[1] زیلع افریقی ساحل پر یمن کے مقابل ہے، اب اس کو اریٹریا کہتے ہیں اور اٹلی کے زیر حکومت ہے، عہد اسلام میں یہاں بہت سے مصنفین پیدا ہوئے۔ [2] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام لفظ "ابرہہ"۔

واقعات عربی تاریخوں میں مفصل مذکور ہیں۔

ابرہہ کو جب ادھر سے اطمینان ہوا تو تمام ملک میں عامل مقرر کیے، عیسائیت کی ترویج کی، بڑے بڑے شہروں میں کنیسے تعمیر کیے، سب سے بڑا کنیسہ صنعا میں تعمیر ہوا، جس کو عرب ''القلیس'' کہتے ہیں جو یونانی کلیسا کی تعریب ہے۔

ابرہہ کے زمانہ کا ایک بہت بڑا کتبہ سد عرم کی بقیہ دیوار پر ملا ہے، جس سے چار نہایت اہم واقعات معلوم ہوئے ہیں:

۱-۶۵۷ یمنی مطابق ۵۴۳ء میں ابرہہ کے خلاف اہل یمن نے بغاوت کی جس میں خود ولی عہد بھی شریک تھا۔

۲-اسی سنہ میں سد عرم آخری بار منہدم ہوا۔

۳-ابرہہ عیسائی تھا اور مارب میں ایک بہت بڑا گرجا اس نے تعمیر کیا تھا۔

۴-اسی سنہ میں نجاشی حبش، قیصر روم، منذر شاہ حیرہ اور حارث بن جبلہ شاہ غسان کے سفیر اس کے دربار میں آئے۔

اصل کتبہ کے اہم فقرے حسب ذیل ہیں:

(۱)

''رحمٰن الرحیم'' اور اس کے مسیح اور روح القدس کی مہربانی سے ابرہہ اکسومی حبشیوں کا رئیس اور ارامیس ذو بیان شاہ حبش کا محکوم، شاہ سبا و ذو ریدان وحضر موت و یمنات وتہامہ ونجد، یہ یادگار قائم کرتا ہے کہ اس نے اپنے عامل یزید بن کبشہ پر فتح پائی، جس کو اس نے کندہ اور روی پر حاکم بنایا تھا اور سپہ سالار مقرر کیا تھا اور روٴسائے سبا (اقیال سبا) اس کے ساتھ تھے اور وہ مرہ، ثمامہ، حبش، مرثد اور صف قلعہ دار (ذو) خلیل اور آل یزن روٴسائے (اقیال) معدی کرب ابن سمیفع اور ہفان اور اس کے ہم برادر فرزندان اسلم تھے، بادشاہ نے اس کے مقابلہ میں جراح قلعہ دار (ذو) زنبور کو بھیجا، یزید نے اس کو مار ڈالا اور قصر کدار کو ڈھا دیا اور کندہ حریب اور

حضر موت کے قبائل سے اس نے جمعیت اکٹھا کی، بادشاہ کو خبر ملی تو اپنی حمیری وحبشی فوج ہزاروں کی تعداد میں ماہ ذوالقیاظ ۶۵۷ یمنی (مطابق ۵۴۳ء) میں لے کر چلا، جب مارب (سبا) کی وادیوں میں پہنچا تو یزید خود آیا اور تمام سرداروں کے سامنے اس کی اطاعت قبول کر لی......۔"

(۲)

"اسی اثنا میں مارب کے بند (سد) کی دیوار، حوض اور دروازوں کے ٹوٹنے کی خبر ماہ ذوالمذرح ۶۵۷ یمنی (مطابق ۵۴۳ء) میں آئی، قبائل کو فرمان بھیجا کہ پتھر، لکڑی اور سیسہ بند کے درست کرنے کے لیے مہیا کریں، بادشاہ پہلے مارب گیا اور وہاں کے کنیسہ میں نماز ادا کی، پھر موقع پر گیا، نیو کھودی گئی اور تعمیر شروع ہوئی......۔"

(۳)

"بادشاہ حسب ذیل امرا (اقیال) سے معاہدہ کر کے واپس آیا، شہزادہ اکسوم قلعہ دار معاہر فرزند بادشاہ مرجزف، قلعہ دار ذرناح، عادل قلعہ دار فائش اور قلعہ داران شولمان شعبان، رعین اور ہمدان وغیرہ......۔"

(۴)

"رحمٰن کی عنایت سے نجاشی، قیصر روم، منذر (شاہ حیرہ) اور حارث بن حیلہ (شاہ غسان) اور دوسرے بادشاہوں کی طرف سے سفرا دوستی اور محبت کے لیے ماہ دوان ۶۵۷ یمنی (۵۴۳ء) میں آئے......۔"

واقعۂ فیل: ابرہہ کے زمانہ کا سب سے بڑا عظیم الشان واقعہ ۵۷۰ء میں مکہ پر فوج کشی ہے، اس مہم میں چوں کہ حبشی ہاتھی لے کر آئے تھے، اس لیے عرب اس مہم کو وقعۃ الفیل اور اس سال کو عام الفیل کہتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارک اسی سال اس واقعہ کے چالیس روز بعد ہوئی۔

عرب مؤرخین کی روایت کے مطابق اس مہم کا مقصد صرف تخریب کعبہ تھی،

یورپین مصنفین کہتے ہیں کہ یہ واقعہ ضمنی پیدا ہوگیا ہوگا، ورنہ اصل غرض روم وفارس کی باہمی جنگ میں صحرائے حجاز کو عبور کر کے باہم مذہب رومیوں کی اعانت تھی، ہم کو اصل وضمن سے بحث نہیں، تواتر نقل سے اتنا جانتے ہیں کہ یہ واقعہ ہوا اور بس!

ابرہہ کے کتبہ ارم کے جو فقرے ہم نے اوپر نقل کیے ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ یمن کے علاوہ تہامہ کا بھی جہاں کعبہ واقع ہے، اپنے کو بادشاہ سمجھتا ہے، کتبہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اس نے ایک گرجا مارب میں بنوایا تھا، اہل عرب کی روایت اس واقعہ کے متعلق یہ ہے اور جو قرب زمانہ کی وجہ سے یقیناً صحیح ہوگی، ابرہہ نے عیسائیت کی ترویج کی غرض سے صنعا میں ایک بڑا اور عظیم الشان کلیسا تعمیر کیا تھا اور اس کا نام کعبہ رکھا، غرض یہ تھی کہ عرب اصلی کعبہ کو چھوڑ کر ادھر جھکیں، عربوں میں کعبہ کی چوں کہ بڑی عظمت تھی اور عرب کے ہر فرقہ اور ہر مذہب کے لوگ اس کی برابر عزت کرتے تھے[1]، اس لیے اس سے ان میں برہمی پیدا ہوئی، ایک عرب نے رات کو چھپ کر اس کلیسا کو نجس کر دیا، ابرہہ اپنے مقدس معبد کی بے حرمتی دیکھ کر غصہ سے بے تاب ہوگیا، فوج جرار اور چند ہاتھی لے کر کعبہ ابراہیم کو ڈھانے نکلا، راہ میں عرب کے متعدد قبائل بڑھ بڑھ کر ابرہہ پر حملہ آور ہوئے لیکن ہزیمت اٹھا کر پسپا ہوگئے، جب یہ ہاتھیوں کا دل اور آدمیوں کا جنگل وادی مکہ کے قریب پہنچا، دفعۃً کسی سمت سے پرندوں کا غول در غول نمودار ہوا، ان کے منہ اور پنجہ میں کنکریاں تھیں، یہ کنکریاں جس پر گریں اس کا بدن پھوڑ کر نکل آئیں، اعضا سڑنے گلنے لگے، ہاتھی چنگاڑ مار مار کر پیچھے ہٹ گئے، چند منٹ میں تمام لشکر زیروزبر تھا، عرب میں چیچک کی بیماری اسی سال پیدا ہوئی[2]۔

واقعہ کے اخیر فقرہ سے مؤرخین یورپ نے یہ نتیجہ پیدا کیا ہے کہ اصل واقعہ اتنا ہے کہ ابرہہ رومیوں کی مدد کو فوج لے کر نکلا، راہ میں اس کی فوج چیچک کی وبا سے برباد ہو کر رہ

---

[1] اس کی دو دلیلیں ہیں، اول یہ کہ کعبہ میں ابراہیمؑ (یہود) مسیحؑ اور مریمؑ (عیسائی) کی تصویریں اور تمام قبائل کے بت تھے، ثانیاً یہ کہ نصرانی شعرائے جاہلیت کے کلام میں بھی مشاعر کعبہ اور ارکان حج کی عظمت مذکور ہے۔ [2] طبری وابن اسحٰق۔

گئی[1] حبش میں اسی زمانہ میں چیچک کی وبا کا پھیلنا غیر اسلامی روایت سے ثابت ہے، چنانچہ حبش کے ایک سیاح نے اپنے سفرنامہ میں اس واقعہ کا ذکر کیا ہے[2]، چیچک کی تاریخ پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں اس بیماری کا نشو و ترقی تقریباً اسی زمانہ سے ہے۔

قرآن مجید نے ان ہی واقعات کو سورۃ الفیل میں بیان کیا ہے:

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ (الفیل ۱۰۵:۱-۵)	تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے پروردگار نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا، کیا اس نے ان کی مخفی تدبیر کو بے کار نہیں کر دیا، اس نے ان پر جھنڈ کے جھنڈ پرندے بھیجے، وہ پرندے پتھر مارتے تھے، پھر خدا نے ان کو کھائے ہوئے بھس کی مانند کر دیا۔

جمہور کے نزدیک ان آیات کی تفسیر تو وہی ہے جو عام روایت کے مطابق ہے، پرندوں کا پتھر برسانا اور اس سے ایک فوج کا ہلاک ہو جانا تعجب انگیز واقعہ ہے لیکن محال نہیں ممکن ہے کہ ان کنکریوں میں چیچک کے وبائی جراثیم ہوں، اس واقعہ کی صحت کا سب سے بڑا ثبوت یہی ہے کہ یہ سورہ اس واقعہ کے تقریباً پچاس برس بعد نازل ہوئی، اس وقت بہت سے اشخاص حملہ حبش کے چشم دید گواہ موجود ہوں گے، بعض لوگ ایسے ہوں گے جنہوں نے اپنے بزرگوں سے اس واقعہ کو سنا ہوگا، تاہم کسی نے اس وحی الٰہی کی تکذیب نہ کی، سرسید نے اس سورہ کی جو تفسیر تہذیب الاخلاق میں لکھی تھی اور جس سے اس واقعہ کے اعجوبہ پن کو دور کرنے کی کوشش کی تھی، وہ سرتاپا لغو اور اغلاط سے مملو ہے، عربی زبان میں ''طیر'' کا لفظ ''بدفالی'' اور کنایۃً ''بلا'' کے معنی میں کبھی نہیں آئے، وہ ''طائر'' کا لفظ ہے اور اس سے مزعومات عرب کے مطابق ''فال بد'' مراد ہوتی ہے، ''فال بد'' کے معنی میں ارسال کے ساتھ بھی اس لفظ کا استعمال نہیں ہوا ہے۔

ان آیات کے ایک اور معنی نظام القرآن کے مصنف[3] نے اختیار کیے ہیں اور ممکن

---

[1] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ''اصحاب الفیل''۔ [2] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، لفظ ''اسمال پاکس''۔ [3] مولانا حمید الدین صاحب فراہی (مرحوم)۔

ہے کہ ایک حد تک صحیح ہوں، سب سے پہلے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ عربوں کا عام بیان یہ ہے کہ جب کوئی فوج گراں کسی طرف کا رخ کرتی ہے تو مردہ خور پرندوں کا غول ساتھ ساتھ ہوا میں اڑتا چلتا ہے، نابغہ کہتا ہے:

''ان کے پرچم کے ساتھ ساتھ پرندوں کا غول چلتا ہے۔''

ابونواس کا شعر ہے:

''ہمارے ممدوح کی فوج کے ساتھ پرندے ہیں کیوں کہ اس کے فاتح ہونے کا ان کو یقین ہے۔''

۳۶ھ ہجری میں بصرہ میں جنگ جمل واقع ہوئی تھی، حجاز میں اس لڑائی کا حال اسی دن معلوم ہو گیا تھا، کیوں کہ غول درغول پرندے کٹے ہوئے اعضا چنگلوں اور چونچوں میں لیے ہوئے ادھر ادھر اڑ رہے تھے[1]۔

دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ ''تَرْمِی'' کا فاعل طَیْر نہیں ہے بلکہ اَنْتَ ہے جو اَلَمْ تَرَ کا فاعل بھی ہے، اس تفسیر کی رو سے آیت کے معنی یہ ہوں گے:

''تو نے دیکھا کہ تیرے پروردگار نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا؟ کیا اس نے ان کی مخفی تدبیر کو بے کار نہیں کر دیا، اس نے ان پر جھنڈ کے جھنڈ پرندے بھیجے جو ان ہاتھی والوں کو پتھروں سے مارتا تھا، پھر خدا نے ان کو کھائے ہوئے بھس کی مانند کر دیا۔''

خدا اس سورۃ میں اپنے متعدد احسانات گناتا ہے، اول یہ کہ اس نے ان کی تدبیر بیکار کر دی، دوسرا یہ کہ اس نے ان کے ساتھ ساتھ پرندوں کے غول بھیجے کہ ان لاشوں کی نجاست سے صحن حرم کو پاک کر دیں، تیسرا یہ کہ اتنے بڑے لشکر کو صرف بدویانہ سنگ اندازی سے شکست دے دی۔

''تمّت''

---

[1] تاریخ طبری ذکر واقعہ جمل۔

فہرست مضامین

تاریخ ارض القرآن حصہ دوم

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
بنو ابراہیم	۷	بنو سارہ	۳۵
بنو قطورا	۹	بنو ادوم	۳۵
مدین	۹	عیسو	۳۵
مدین کی تاریخ	۱۰	مملکت ادوم	۳۶
مدین اور حضرت موسیٰ علیہ السلام	۱۱	شاہان ادوم	۳۶
مدین کی تباہی	۱۳	ادوم کی تاریخ	۳۷
حوباب یا شعیب علیہ السلام	۱۵	یوباب اور ایوب علیہ السلام	۳۸
حضرت شعیبؑ اور قرآن	۱۵	سفر ایوب اور ایوب علیہ السلام	۴۰
مدین اور قرآن	۱۷	حضرت ایوبؑ کا زمانہ اور وطن	۴۲
مدین کے متعلق ایک آیت کی تفسیر	۱۹	حضرت ایوبؑ کا قصہ	۴۳
تورات و قرآن کی مطابقت	۲۵	قرآن مجید اور حضرت ایوبؑ	۴۴
شہر مدین کی پچھلی تاریخ	۲۶	بنو ہاجرہ	۴۷
اصحاب الایکہ	۲۸	ہاجرہ	۴۷
اصحاب الایکہ کون تھے؟	۲۸	حضرت اسماعیل علیہ السلام	۴۹
ایکہ کی تحقیق	۲۹	ذبیح اسماعیل علیہ السلام تھے	۴۹
اصحاب الایکہ اور قرآن	۳۲	فاران کی بحث	۵۴

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
حضرت اسماعیلؑ کی اولادیں	۵۶	انباط کا رقبہ حکومت	٦۷
بنواسماعیل	۵٦	انباط کا دارالحکومت	٦۸
مبشام	۵۹	شاہان انباط	٦۹
ادبائیل	۵۹	تمدنی حالات	۷۰
مشماع	۵۹	سیاسی حالات	۷۳
مشا	٦۰	یونانیوں اور رومیوں سے تعلق	۷۵
حدر	٦۰	انباط اور یہود	۷۸
یطور	٦۰	انباط اور عہد اسلام	۸۱
نافیش	٦۱	اصحاب الحجر	۸۱
دوما	٦۱	انباط ہی اصحاب الحجر ہیں	۸۱
تیما	٦۱	قرآن اور اصحاب الحجر	۸۲
قیدماہ	٦۲	شہر حجر	۸۲
اصحاب الرس	٦۲	آل غسان	۸۵
اصحاب الرس اور قرآن	٦۳	آل غسان کا نسب	۸۵
نبایوط یا نابط	٦۳	غسانی نابتی ہیں	۸٦
اصحاب الحجر	٦۳	آل غسان کی تاریخ	۸۷
انباط اور روایات عرب	٦۴	الم غلبت الروم	۹۰
انباط، نبایوط اور نابط کا ترادف	٦۵	آل غسان اور اسلام	۹۰
انباط کا عہد حکومت	٦٦	اوس، خزرج یا انصار	۹۲

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
اوس خزرج نابتی ہیں	۹۲	قریش کی سیاسی خودمختاری	۱۰۸
اوس وخزرج کی شاخیں	۹۳	قصی کا زمانہ	۱۰۹
اوس	۹۳	کوہ صفا کا کتبہ	۱۱۰
خزرج	۹۴	قریش کا نظام سیاسی واجتماعی	۱۱۱
اوس وخزرج کی تاریخ	۹۴	مذہبی	۱۱۱
انصار	۹۴	عدالتی	۱۱۱
قیدار	۹۷	جنگی	۱۱۲
قیدار کا مسکن	۹۸	قریش کا تمدن	۱۱۲
قیدار کی تاریخ	۹۹	قریش اور قرآن مجید	۱۱۳
کتبات بابل میں	۹۹	حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم	۱۱۳
تورات میں	۱۰۰	حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۱۱۴
قیدار کی شاخیں	۱۰۱	ابولہب	۱۱۵
قریش	۱۰۳	تجارت العرب قبل الاسلام	۱۱۶
سلسلہ نسب	۱۰۳	ملک عرب کا موقع تجارتی	۱۱۷
لفظ قریش	۱۰۳	عرب کی شاہراہ تجارت	۱۱۸
قریش کی شاخیں	۱۰۴	اس کا ذکر قرآن میں	۱۱۸
شجرۂ قریش	۱۰۵	غیر ممالک سے تجارت	۱۲۰
قریش کی ایک اور تقسیم	۱۰۶	اندرون ملک کے تجارتی شہر	۱۲۰
قریش کا زمانہ	۱۰۷	راستوں کی مسافت	۱۲۰

مضمون	صفحہ
سامان تجارت	۱۲۱
تورات اور مؤرخین یونان وروم کے بیانات	۱۲۱
درآمد	۱۲۵
عرب کے بازار	۱۲۷
قریش کی تجارت	۱۲۹
تجارت قریش اور قرآن	۱۲۹
قریش کی تجارت اور اسلام	۱۳۳
السنۃ العرب قبل الاسلام	۱۳۵
عربی	۱۳۵
بابلی	۱۳۵
شامی	۱۳۶
سامی زبانیں	۱۳۶
امم بائدہ کی زبان	۱۳۷
ثمود کی زبان	۱۳۹
بنوقحطان اور اسماعیل کی زبانیں	۱۴۱
جنوبی یا قحطانی زبانیں	۱۴۲
جنوبی اور شمالی زبانوں میں فرق	۱۴۲
چوتھی صدی ہجری میں عرب کی زبانیں	۱۴۳

مضمون	صفحہ
شمالی یا اسماعیلی زبان	۱۴۵
شمالی قبائل کی زبانوں کا فرق	۱۴۸
لسان عربی مبین	۱۴۹
قرآن مجید کی زبان	۱۴۹
ادیان العرب قبل الاسلام	۱۵۲
بت پرستی کا آغاز	۱۵۲
ستارہ پرستی کا دور	۱۵۲
عاد کا مذہب	۱۵۳
ثمود کا مذہب	۱۵۳
امم سامیہ اولیٰ کا مذہب	۱۵۳
بابل میں سامی قوم کا مذہب	۱۵۶
مصر میں سامی قوم کا مذہب	۱۵۶
قرآن کا بیان	۱۵۶
امم سامیہ اولیٰ کے پیغمبر	۱۵۷
اہل معین کا مذہب	۱۶۲
بنوقحطان کا مذہب	۱۶۳
قوم سبا کا مذہب	۱۶۳
مستشرقین کے بیانات	۱۶۴
شمالی عربوں کے مذاہب	۱۶۵

مضمون	صفحہ
قرآن اور تورات کا بیان	۱۷۱
بنو ابراہیم یا شمالی عرب	۱۷۲
مدین کا مذہب اور قرآن	۱۷۵
اصحاب الایکہ کا مذہب اور قرآن	۱۷۶
حضرت ایوبؑ کی امت کا مذہب	۱۷۷
بنو اسماعیل کا مذہب	۱۷۷
اصحاب الرس اور اصحاب الحجر	۱۷۸
اوس وخزرج اور ان کے ہم نسل قبائل کا مذہب	۱۸۱
اصنام عرب جنوب	۱۸۲
بنو قیدار یا عدنانی قبائل کا مذہب	۱۸۲
اصنام عرب شمال	۱۸۳
چند اور بتوں کے نام	۱۸۵
عرب میں دیگر مذاہب کا وجود	۱۸۶
مجوسیت کا وجود	۱۸۶
عیسائیت کا وجود	۱۸۶
یہودیت کا وجود	۱۸۷
کعبہ اور ہبل	۱۸۸
قرآن مجید اور مذاہب عرب قبل الاسلام	۱۸۹

مضمون	صفحہ
قومی پرستی اور قرآن	۱۹۰
ستارہ پرستی اور قرآن	۱۹۱
عرب کے مستند مذاہب اور قرآن	۱۹۲
یہودیت اور قرآن	۱۹۴
عیسائیت اور قرآن	۱۹۴
عیسائیت کے مختلف فرقے اور قرآن	۱۹۴
عیسائیت سے قریش کا تنفر	۱۹۶
مجوسیت اور قرآن	۱۹۷
صائبیت	۱۹۸
صائبیت کا مختصر حال	۱۹۸
صائبیت کے متعلق مسلمانوں کے بیانات	۱۹۹
قدیم عیسائی بیان	۲۰۱
علمائے یورپ کا بیان	۲۰۲
صابئی عقائد	۲۰۲
تبصرہ	۲۰۶
قرآن مجید کی ایک صداقت	۲۰۷
صائبیت کی لغوی تشریح	۲۰۷
تنبیہ اہم	۲۰۸

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
مذہب صابئی اور قرآن مجید	۲۰۸	منات	۲۳۲
حنفیت	۲۱۳	ود	۲۳۳
لغوی تحقیق	۲۱۴	سواع	۲۳۳
قرآن مجید سے استدلال لغوی	۲۱۵	یعوق	۲۳۳
اعاظم پرستی اور قرآن	۲۱۵	یغوث	۲۳۳
حنفیت اور عرب	۲۱۵	نسر	۲۳۳
شرک	۲۲۰	بعل	۲۳۳
مشرکین عرب کے عقائد اور قرآن	۲۲۱	ان اصنام کی شکلیں	۲۳۴
دہریت اور قرآن	۲۲۶	ہبل	۲۳۴
بت پرستی اور قرآن	۲۲۷	عرب کے بت مونث تھے	۲۳۵
قرآن میں اصنام کا ذکر	۲۲۸	عرب کے بت ممالک یورپ میں	۲۳۵
ان کے پرستار قبائل	۲۲۹	لفظ رحمٰن	۲۳۵
ان کے ناموں کی لغوی و معنوی تحقیق	۲۲۹	قرآن مجید میں رحمٰن	۲۳۶
لات	۲۳۰	رحمٰن کی تحقیق	۲۳۶
اللہ	۲۳۱	بسم اللہ الرحمٰن الرحیم	۲۳۶
العزیٰ	۲۳۲	خاتمہ	۲۳۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللّٰہ رب العٰلمین والصلوٰۃ علیٰ سید المرسلین وعلیٰ الہ واصحابہ اجمعین

طبقۂ ثالثہ

سلسلۂ ابراہیمی

وآل ابراہیم

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تین بیویاں تھیں۔

سارہ کے بیٹے حضرت اسحٰق علیہ السلام تھے، ان کے دو بیٹے تھے، حضرت یعقوب علیہ السلام جو بنی اسرائیل کے باپ تھے اور عیسو جن کا لقب ادوم تھا، اس سلسلہ میں سے ادوم اپنے بھائی سے الگ ہوکر اپنے چچا اسماعیل علیہ السلام کے پاس عرب میں متوطن ہوئے، بقیہ سلسلے مصر وشام میں رہے۔

قطورا کے بطن کی تمام اولادوں کو جن میں ایک کا نام مدین تھا، عرب ہی میں ان کے باپ نے ان کو بسایا، ان میں سے بنو مدین اور ودان کے سوا اوروں کا حال نہیں معلوم۔

ہاجرہ کے بطن سے صرف ایک بیٹا ہوا، حضرت اسماعیل علیہ السلام، انہوں نے

بھی عرب ہی میں اپنے باپ کے حکم سے سکونت کی۔

ارض القرآن کا یہ حصہ صرف ان ہی خاندانوں کی تفصیل پر محدود ہے اوران میں سے بھی ان خاندانوں کا ذکر مفصل ہے جن کا نام قرآن مجید میں کسی حیثیت سے مذکور ہے۔

۱- بنوقطورا میں سے اہل مدین اوراہل ودان (اصحاب الایکہ)

۲- بنوسارہ میں سے ادوم (یعنی حضرت ایوب علیہ السلام اوران کی قوم)

۳- بنو ہاجرہ میں سے حضرت اسماعیل علیہ السلام، انباط (اصحاب الحجر) قیدار اورقریش۔

بنو قطورا

مدین

حضرت شعیب علیہ السلام

وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاھُمْ شُعَیْبًا

از ۲۰۰۰ رقبل مسیح تا ۱۰۰۰ ارقبل مسیح

اس اصول کا کئی بار بہ تکرار ذکر گزر چکا ہے کہ سامی قومیں عموماً اپنی آبادی اور قومیت کو اپنے بزرگان نسل کے نام سے موسوم کرتی ہیں، مدین جن کے حالات اس فصل میں بیان ہوں گے[1]، اپنے بانی و موسس خاندان مدین بن ابراہیم کی طرف منسوب ہیں۔

مدین نے اپنی آبادی اپنے ہی نام سے اپنے بھائی اسماعیل علیہ السلام کے پہلو میں قائم کی[2]، یہ ملک طولاً خلیج عقبہ (عیلانہ) کے سواحل پر دہانہ خلیج سے ساحل بحر احمر وارض ثمود و حجاز تک جہاں ثمود، جرہم و عرب اسماعیل آباد تھے، واقع تھا۔

---

1. چوں کہ ارض مدین حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دار الہجرۃ ہے اور اہل مدین و بنی اسرائیل میں ہمیشہ تعلقات جنگ و صلح رہے، اس لیے تورات میں مدین کے نہایت کثرت سے حالات مذکور ہیں، ہم ان ہی کا اقتباس کریں گے، تاریخ یونان وروم میں مدین کا ذکر نہیں، اس کا سبب یہ ہے کہ یونان وروم کے عہد میں اس پر نبط قابض تھے، جنہوں نے مدین کو چھوڑ کر رقیم وحجر کو آباد و مشہور کیا تھا۔

2. یوسیفوس قدامت الیہود، کتاب ۲، فصل ۱۱۔

مدین کی تاریخ: ہم مدین کا آغاز عہد ۲۰۰۰ر قبل مسیح فرض کرتے ہیں کہ پدر مدین حضرت ابراہیم علیہ السلام کا زمانہ ۲۱۰۰ر یا ۲۲۰۰ر قبل مسیح ہے، ایک خاندان کو قوم کی حیثیت پیدا کرنے کے لیے کم از کم سو دو سو برس کی ضرورت ہوگی، اسی لیے مدین تورات میں سب سے پہلے عہدِ یعقوب علیہ السلام میں (۲۰۰۰ر قبل مسیح) سوداگروں کے بھیس میں نظر آتے ہیں، حضرت یوسف علیہ السلام کو، جو کاروان تجارت کنعان مصر لے گیا تھا، وہ یہی اہل مدین اور اسماعیلی عرب تھے (تکوین ۳۷، ۲۷، ۲۸، ۳۶ و ۳۰-۱)، اس لیے قرآن مجید کی اس آیت پاک میں:

وَجَآءَتْ سَيَّارَةٌ فَأَرْسَلُوْا وَارِدَهُمْ	اتنے میں ایک کارواں آیا جس نے اپنے پانی
فَأَدْلٰى دَلْوَهٗ قَالَ يٰبُشْرٰى هٰذَا غُلٰمٌ	والے کو بھیجا، اس نے اپنا ڈول لٹکایا تو چلایا، اے
وَاَسَرُّوْهُ بِضَاعَةً وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِمَا يَعْمَلُوْنَ	خوش نصیبی! یہ ایک لڑکا ہے، کارواں والوں نے
وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ	ایک سرمایہ کی چیز سمجھ کر یوسف کو مخفی رکھا اور خدا
وَكَانُوْا فِيْهِ مِنَ الزَّاهِدِيْنَ (یوسف ۱۲:	ان کے کاموں سے آگاہ تھا، (مصر پہنچ کر) ان
۱۹-۲۰)	لوگوں نے معمولی قیمت پر چند درم میں بیچ ڈالا
	کیوں کہ وہ یوسف کی قدر نہیں جانتے تھے۔

کارواں سے ان ہی اہل مدین کو مراد لینا چاہیے اور مسلمان مفسرین نے بھی ایسا ہی سمجھا ہے[1]۔

یہ تجارت کی تاریخ کا سب سے پہلا صفحہ اور اسماعیلی اور مدیانی عربوں کی تجارت کا سب سے پہلا قافلہ اور مصر ان کے تاجرانہ سفر کی اولین منزل نظر آتی ہے، مسیح سے دو ہزار برس پہلے قدامت پرست عرب کے اس مدیانی اور اسماعیلی قافلہ کا سامان تجارت وہی تھا جو عربوں کی تجارت کا ہمیشہ سامان رہا ہے، یعنی خوشبودار چیزیں، بلساں، صنوبر، لوبان[2]۔

اس واقعہ کے بعد چار سو برس تک مدین کی تاریخ پر خاموشی چھا جاتی ہے، سبب یہ

---

[1] معالم تفسیر سورہ یوسف [2] تکوین: ۳۷-۲۶۔

ہے کہ مدین کے سوانح نگار بنی اسرائیل ہیں اور یہ زمانہ بنی اسرائیل کے قیام مصر کا ہے، ۴۰ر برس کے بعد جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ظہور ہوا اور دعوتِ حق اور حب قومی کے جرم میں ان کو مصر سے ہجرت کرنی پڑی تو اس کا ملجا اسی قافلہ کی سرزمین تھی جو ان کی قوم کو چار سو برس پہلے مصر پہنچا گئی تھی یعنی مدین[1]، مدین کی قوم عموماً اس وقت جس کاروبار میں نظر آتی ہے وہ وہی ہے جو تمام سامی قوموں کا ہمیشہ پیشہ رہا ہے، یعنی گلہ بانی، یہی وہ شغل ہے جو ابراہیم، اسحٰق اور یعقوب علیہم السلام کا پیشہ تھا اور جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مصر کی متمدن زندگی میں میسر نہ آتا، بنوسام کے عظیم الشان پیغمبر کے لیے ضرور تھا کہ وہ جہاں بانی سے پہلے گلہ بانی کا سبق لے، اس لیے قضائے الٰہی نے موسیٰ علیہ السلام کو مصر کے تمدن زار سے عرب کے بے تکلف اور سادہ ملک میں بھیج دیا، جہاں شرفائے سام نے اب تک اپنے آبائی عادات و اخلاق کو متروک نہیں کیا تھا۔

تاہم مدین کے قبائل ایک منتظم زندگی رکھتے تھے، شہر میں مذہبی رسوم وآداب کی تلقین ومحافظت کے لیے کاہن (مذہبی عہدہ دار) ہوتے تھے اور اکثر حالات میں یہی کاہن شہر کے قانونی حاکم بھی قرار پاتے تھے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں جو کاہن تھا اس کا نام تورات میں کہیں راعوئیل[2] کہیں یترو[3] اور کہیں حوباب[4] مذکور ہے لیکن مسلمان مفسرین کے نزدیک یہ شعیب علیہ السلام تھے، جو لفظاً ''حوباب'' سے بہت قریب ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام جب مصر سے ہجرت کر کے شہر مدین آئے تو ان ہی حوباب یا شعیب علیہ السلام کے یہاں مہمان ہوئے اور ان کے یہاں بکریاں چرانے کی خدمت قبول کی اور اس کے معاوضہ میں حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی ایک بیٹی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زوجیت میں دی[5]۔

قرآن پاک میں مدین کا ذکر دو سبب سے آتا ہے، اول حضرت شعیب علیہ السلام

---

[1] خروج:۲-۱۵، قرآن مجید [2] خروج:۲-۱۸ [3] خروج:۳-۱ [4] سفر العدد ۱۰، ۲۹ و سفر القضاۃ:۴-۱۱ [5] خروج:۱۶-۲۲۔

اور دوم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تعلق سے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تعلق کی حسب ذیل آیتیں ہیں:

فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ ثُمَّ جِئْتَ عَلٰى قَدَرٍ يّٰمُوْسٰى (طٰہٰ ۲۰:۴۰)	اہل مدین میں چند سال رہا پھر اے موسیٰ! تو ایک اندازہ پر آیا۔
وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ (القصص ۲۸:۲۲-۲۳)	جب موسیٰ (مصر سے) مدین کی طرف چلا، اس نے کہا، شاید میرا پروردگار مجھے راہ راست دکھائے اور جب وہ مدین کے کنویں پر پہنچا تو وہاں پر لوگوں کو پانی پلاتے ہوئے پایا۔
وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا وَلٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ (القصص ۲۸:۴۵)	(اے محمد) تو اہل مدین میں مقیم نہ تھا ان پر خدا کی آیتوں کو پڑھتے ہوئے لیکن ہم بھیجنے والے تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر جب مصر سے حدود عرب میں داخل ہوئے تو مدین کے کاہن نے ان کا استقبال کیا، بنی اسرائیل غلامی کے عہد سے ابھی نکلے تھے، نظام و ترتیب سے آگاہ نہ تھے، بھیڑ کی طرح روز و شب پیغمبر کو گھیرے رہتے تھے اور ذرا ذرا سی بات کے لیے ان ہی کے پاس دوڑے آتے تھے، مدین کے کاہن نے بتایا کہ ایک قوم پر کیوں کر حکومت کرنی چاہیے اور اس کی ترتیب و تنظیم کے کیا اصول ہیں، اول ہزار ہزار پر افسر ہوں، پھر ہر سو پر اور پھر دس پر، صرف افسروں کے اختلاف رائے کے موقع پر امیر (حضرت موسیٰ علیہ السلام) کی عدالت کی طرف رجوع کیا جائے[1]۔

اس واقعہ کے ذکر سے ہم کو یہ دکھانا ہے کہ اس وقت مدین کا تمدن کس حد تک ترقی کر چکا تھا، ۶۰۰ ریا ۷۰۰ ر قبل مسیح جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عہد ہے، مدین پانچ شیوخ قبائل

---

[1] خروج: ۱۸۔

یا تورات کی اصطلاح کے مطابق پانچ بادشاہوں کے ماتحت تھا،ان کے نام یہ تھے،عوی، رقیم،ضور،حوراور ربع ،یوسیفوس[۱] یہودی جو پہلی صدی مسیحی میں تھا،اس کا بیان ہے کہ شہر رقیم اسی مدیانی بادشاہ رقیم کے نام سے آباد ہے،عرب اب تک اس کو رقیم اور یونانی پٹرا[۲] کہتے ہیں،اس بنا پر بیسویں صدی کے ایک مشہور مصری عیسائی مؤرخ کی تحقیق کہ ''الرقیم'' اس شہر کے یونانی غیر مشہور نام ''ارکہ'' کی تعریب ہے کس قدر مضحکہ انگیز ہے[۳]،یوسیفوس خود اس عہد کا شخص ہے جب یہ رقیم یا پٹرا آباد تھا،اس لیے اس سے زیادہ موثق ذریعہ تحقیق اور کیا ہوسکتا ہے۔

بہر حال اس واقعہ سے اس نتیجہ تک پہنچتا ہے کہ اس عہد قدیم میں مدین کی شمالی حد کہاں تک وسیع تھی، پٹرا یا رقیم، ملک شام کے قریب بحرمیت اور خلیج عقبہ کے درمیان واقع ہے،اس لیے مدین کے حدود شمالی کو یہاں تک وسیع سمجھنا چاہیے۔

اس زمانہ کے تقریباً ڈیڑھ سو برس بعد شہر مدین کے چار اور بادشاہوں کا تورات میں ذکر آتا ہے،زاباح،صلمناع،عوریب[۴] اور ذیب،ایک وقت میں چند بادشاہوں کا وجود اس بات کی دلیل ہے کہ ملک متفرق قبائل یا ریاستوں پر منقسم تھا۔

مدین کی اخلاقی و مذہبی حالت اور بربادی: مدین اور مدین کے قریب مواب آباد تھا، مذہباً اور اخلاقاً دونوں قوموں کی بدترین حالت تھی،تمدن کے جراثیم جن امراض کو پیدا کرتے ہیں،وہ ایک ایک کر کے پیدا ہو چکے تھے،بتوں کی پرستش اوران کے لیے قربانی ان کا مذہب تھا،تمام بتوں کا سردار ''بعل فور'' دیوتا تھا[۵]،اخلاقی حالت اس درجہ پست تھی کہ شرفائے خاندان کی لڑکیاں انسانیت کا بدترین نمونہ تھیں[۶]،مردوں کا یہ حال تھا کہ ظلم وستم گری ان کی زندگی کا معمولی پیشہ تھا[۷]۔

---

[۱] سفر العدد:۸-۳۱ [۲] یوسیفوس،قدامۃ الیہود،کتاب ۴،فصل ۷ [۳] العرب قبل الاسلام جرجی زیدان [۴] سفر القضاۃ:۶-۲۵و۸-۵ [۵] سفر العدد:۲۵-۲-۳ [۶] ایضاً،۲۵-۱-۵ [۷] سفر القضاۃ:۶-۱۔

بنی اسرائیل مصر سے نکل کر مواب و مدین کے میدانوں میں خیمہ زن تھے، ان بدکاروں نے بنی اسرائیل کے لیے سازشوں کا دام پھیلانا شروع کیا، عورتوں نے نوجوانان بنی اسرائیل کو جو اصل میں اس فوج کے سپاہی تھے، اپنے قابو میں کر لیا، سردار سے باغی بنا دیا، بتوں کے سامنے ان کا سر جھکوایا، ''بعل فور'' کے لیے ان سے قربانیاں کرائیں[۱]، مردوں نے آس پاس کی قوموں سے ساز باز کیا کہ بنی اسرائیل کو نیست و نابود کر دیں، بنی عمان کے ملک سے وہاں کے پیغمبر ''بلعام'' کو بلوایا کہ وہ اسرائیل کے لیے بددعا کرے[۲]، اس وقت:

> ''خدا نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا اور فرمایا کہ بنی اسرائیل کے لیے اہل مدین سے انتقام لے اور اس وقت تو اپنی قوم میں مجتمع ہوگا۔'' (سفر العدد: ۳۱-۱)

حالات کی بنا پر بنی اسرائیل کو پھر اپنے قابو میں لانے کے لیے اور مدین کی گنہ گار آبادی کی سزا دہی کے لیے ضروری ہوا کہ حسب حکم الٰہی مدین اور معاونین مدین سے جہاد کیا جائے، مواب، عشبون اور مدین کی متفقہ قوت کے مقابلہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارہ ہزار آدمی بھیجے، دشمن اپنی کثرت اور سامان کے باوجود کامیاب نہ ہوئے، مدین کے پانچ سردار عوی، رقیم، صور، حور اور ربع مارے گئے، تمام مرد بچے اور عورتیں قتل ہوئیں، لڑکیاں قید ہوئیں اور ان کا سامان غنیمت میں ہاتھ آیا[۳]۔

قوم مدین کی اس تباہی کے بعد شہر مدین ہم اسماعیلی عربوں کے ہاتھ میں پاتے ہیں اور اب اس کے بعد جس اہل مدین کا تورات میں ذکر ہے وہ یہی اسماعیلی ہیں، قوم مدین کی تباہی کے تقریباً ۱۵۰ برس بعد عمالیق اور دیگر عرب قبائل اسماعیلی مدین کی سرکردگی میں بنی اسرائیل پر حملہ آور ہوئے، ہر سال جب غلہ پکنے کے قریب ہوتا، آندھی کی طرح بنی اسرائیل کے ملک میں آتے اور غلہ، گائے، بیل، گدھے جو کچھ پاتے سب لوٹ لیتے، فرزندان اسرائیل آبادی چھوڑ کر پہاڑوں اور غاروں میں روپوش ہو جاتے[۴]۔

---

[۱] سفر العدد: ۲۵-۲-۳ [۲] ایضاً ۲۲-۳-۴-۵ [۳] سفر العدد: ۳۱ باب [۴] سفر القضاۃ، باب ۶۔

آخر جدعون نامی ایک سرداران میں پیدا ہوا، جس نے بنی اسرائیل کی قوت کو مجتمع کیا اور صرف ۳۰۰ منتخب آدمیوں کو لے کر اس نے اہل مدین پر شب خون مارا، رات کی تاریکی میں دوست و دشمن[1] کی تمیز نہ ہوئی، ایک لاکھ بیس ہزار[2] اہل مدین خود اپنوں اور دشمنوں کے ہاتھ سے مارے گئے، عوریب اور ذیب مدین کے دو بادشاہ قید ہوئے، جن کو نہایت ذلت سے قتل کیا گیا[3] اور دو بادشاہ زاباح اور صلمناع ۱۵ ہزار آدمیوں کے ساتھ بھاگ نکلے لیکن ان کو پناہ نہ مل سکی۔

حوباب یا شعیبؑ: اوپر گزر چکا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خسر کا نام تورات میں یثرو اور حوباب مذکور ہے، تورات کے شروح عبرانی میں لکھا ہے کہ یثرو کے دس نام تھے، دس نام ہوں یا نہ ہوں دو نام تو خود تورات میں ہیں، ایک جرمن فاضل (Heinrich Ewald) کہتا ہے:

> ''اصل نام حوباب تھا اور یثرو ایک اعزازی لقب تھا جس کے لغوی معنی ''کامل'' کے ہیں جس طرح یہودیوں کے یہاں ''کاہن'' اور مسلمانوں کے ہاں ''امام'' کا لفظ ہے[4]۔''

دوسری جگہ لکھتا ہے:

> ''(حوباب) کا نام قرآن میں اور عموماً مسلمانوں میں شعیب ہے یہ نام حوباب کی تصحیف ہے۔''

مسلمان مفسرین بھی علی العموم یثرو، حوباب اور شعیب کو ایک ہی سمجھتے ہیں۔

حضرت شعیب علیہ السلام اور قرآن: مدین اور حضرت شعیب کا باہمی ذکر قرآن مجید کی تین صورتوں میں آیا ہے، اعراف، ہود اور عنکبوت:

وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا قَالَ یٰقَوْمِ	اور مدین کے پاس ان کے بھائی شعیب کو بھیجا،
اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ قَدْ	شعیب نے کہا، اے بھائیو! خدا کو پوجو اس کے سوا

---

[1] سفر القضاۃ: باب ۷-۲۲ [2] ایضاً، ۸-۱۱ [3] ایضاً، باب ۷-۲۵ [4] تاریخ بنی اسرائیل، ترجمہ انگریزی، ج ۱، ص ۲۵، حاشیہ مصنفہ ایوالڈ۔

جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا الْكَيْلَ
وَالْمِيْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا
تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ذٰلِكُمْ
خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ
صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَاذْكُرُوْٓا اِذْ
كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ
عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ وَاِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ
اٰمَنُوْا بِالَّذِیْٓ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَطَآئِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوْا
فَاصْبِرُوْا حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا وَهُوَ خَيْرُ
الْحٰكِمِيْنَ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ
قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِیْ مِلَّتِنَا قَالَ
اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا
اِنْ عُدْنَا فِیْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا
وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ
اللّٰهُ رَبُّنَا وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا عَلَى اللّٰهِ
تَوَكَّلْنَا رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ
وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ (الاعراف ۷:۸۵-۸۹)

کوئی اور خدا نہیں، خدا کی جانب سے گواہی آ چکی،
پیمانہ اور ترازو پوری کرو اور لوگوں کو ان کا حق کم نہ کرو
اور اصلاح کے بعد ملک میں فساد نہ مچاؤ، یہ تمہارے
لیے بہتر ہے اگر تم ایمان والے ہو اور ہر راستہ پر
دھمکانے کو نہ بیٹھا کرو اور جو لوگ ایمان لائے ہیں
ان کو مت روکو، جب تم تھوڑے تھے تو خدا نے تم کو
بڑھایا اور بغور دیکھو کہ مفسدین کا انجام کیا ہوا، تم میں
سے کچھ لوگ تو جو پیغام دے کر میں بھیجا گیا ہوں،
اس پر ایمان لا چکے ہیں اور بعض نہیں لائے تو اس
وقت تک صبر کرو کہ خدا ہمارے درمیان فیصلہ کردے
اور وہ بہتر فیصلہ کرنے والا ہے، سرداران قوم میں جو
مغرور تھے بولے کہ شعیب ہم تجھ کو اور جو تیرے
ساتھ ایمان لائے ہیں ان کو اپنی آبادی سے باہر نکال
دیں گے یا ہمارے آبائی مذہب کو پھر قبول کرلے،
شعیب نے کہا، کیا ہم نہ چاہیں تب بھی، اگر تمہارے
مذہب کو جس سے ہم کو خدا نے نجات دی، ہم پھر
قبول کرلیں تو ہم خدا پر جھوٹ افترا باندھتے ہیں، خدا
کی مشیت کے بغیر ہم کو پھر تمہارے مذہب میں جانا
سزاوار نہیں، ہمارا پروردگار اپنے علم سے ہر شے کو محیط
ہے، ہم نے اسی پر بھروسہ کیا ہے، ہمارے پروردگار
ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان سچائی کے ساتھ

فیصلہ کردے اور تو بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

وَ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِيْنَ (الاعراف ۷: ۹۰-۹۲)

کفر پیشہ سرداروں نے لوگوں سے خطاب کر کے کہا اگر شعیبؑ کی تم نے پیروی کی تو تم گھاٹے میں رہو گے، پس کپکپاہٹ نے آ کر ان کو پکڑ لیا، پھر تو وہ اپنی اپنی جگہ پر پڑے کے پڑے رہ گئے، شعیب کے جھٹلانے والے گویا کہ ان کے گھروں میں کبھی آباد ہی نہ تھے اور وہی گھاٹے والے رہے۔

فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ فَكَيْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ (الاعراف ۷: ۹۳)

شعیبؑ ان کو اسی حال میں چھوڑ کر ہٹا اور بولا میرے بھائیو! اپنے پروردگار کے پیغام کو میں پہنچا چکا اور اپنی خیر خواہی کا فرض بھی ادا کر چکا، اب کیوں کر کفر پیشہ قوم کی تباہی کا غم کھاؤں۔

اس سے زیادہ تفصیل سورۂ ہود میں ہے:

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ اِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ بِخَيْرٍ وَّاِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيْطٍ وَ يٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ قَالُوْا

مدین کی سمت ہم نے ان کے بھائی شعیب کو بھیجا، اس نے کہا، بھائیو! خدا کو پوجو، اس کے سوا کوئی لائق پرستش نہیں، پیمانہ اور ترازو کم نہ کرو، میں تم کو بھلائی کے ساتھ دیکھتا ہوں اور ایک گھیر لینے والے دن کے عذاب کو تم پر ڈرتا ہوں، بھائیو! پیمانہ اور ترازو انصاف کے ساتھ پوری رکھو، لوگوں کا حق کم نہ کرو اور ملک میں فساد نہ پھیلاتے پھرو، اگر باایمان ہو تو خدا نے جو باقی چھوڑا ہے، وہ تمہارے لیے بہتر ہے اور میں تم پر کوئی نگراں نہیں مقرر ہوا،

يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا
يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا
نَشٰٓؤُا اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ قَالَ
يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ
رَّبِّيْ وَرَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا وَمَآ اُرِيْدُ
اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ اَنْهٰكُمْ عَنْهُ اِنْ اُرِيْدُ
اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ
اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ وَ
يٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ
مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ
قَوْمَ صٰلِحٍ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ
وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ اِنَّ رَبِّيْ
رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ
كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَاِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا
وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْنَا
بِعَزِيْزٍ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ
اللّٰهِ وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَآءَكُمْ ظِهْرِيًّا اِنَّ رَبِّيْ
بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ وَ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى
مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ
يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ
وَارْتَقِبُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ رَقِيْبٌ وَلَمَّا جَآءَ

لوگوں نے جواب میں کہا شعیبؑ کیا یہ تمہاری نماز تم کو کہتی ہے کہ ہمارے اسلاف جس کو پوجتے تھے اس کو چھوڑ دیں یا ہم اپنے مال میں جو چاہیں نہ کریں، تم بھی بڑے عقل مند اور نیک ہو، شعیبؑ نے کہا بھائیو! اگر میں اپنے پروردگار کی بتائی ہوئی دلیل پر قائم رہوں اور جو کچھ اس نے حلال روزی دے رکھی ہے اس پر قانع رہوں تو تمہاری کیا رائے ہے؟ میں نہیں چاہتا کہ تمہاری مخالفت کر کے وہ کروں جس سے تم کو روکتا ہوں، میں تو اپنی طاقت بھر صرف اصلاح چاہتا ہوں، مجھ کو توفیق خدا ہی کے زور سے ہے، اسی پر بھروسہ ہے اور اسی کی جانب رجوع کرتا ہوں، بھائیو! صرف میری دشمنی اس کا باعث نہ ہو کہ جس طرح نوح اور ہود اور صالح کی قوموں پر عذاب پہنچا تم پر بھی پہنچے، لوط کی قوم تم سے دور نہیں، اپنے پروردگار سے مغفرت چاہو اور اس کے سامنے توبہ کرو، خدا رحمت اور محبت والا ہے، وہ بولے شعیب ہم تمہاری بہت سی باتیں نہیں سمجھتے اور ہم اپنے میں تم کو کمزور بھی پاتے ہیں، اگر تمہارے خاندان کا لحاظ نہیں ہوتا تو تم کو سنگ سار کر چکے ہوتے اور کچھ تم ہم پر غالب بھی نہیں، شعیبؑ نے جواب دیا، بھائیو! کیا

اَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ (ہود۱۱:۸۴-۹۵)

میرا خاندان خدا سے زیادہ تمہارے نزدیک لحاظ کے قابل ہے جو تم نے اس کو پس پشت ڈال دیا ہے، میرا پروردگار تمہارے ہر کام سے واقف ہے، بھائیو! تم اپنی جگہ پر کام کیے جاؤ، میں بھی اپنا کام کرتا ہوں، عن قریب معلوم ہوجائے گا کہ رسواکن عذاب کس پر آئے گا اور کون جھوٹا ہے، انتظار کرو، میں بھی منتظر ہوں، جب ہمارا حکم آگیا ہم نے شعیبؑ کو اور اس کے ساتھ ایمان لانے والوں کو اپنی رحمت سے نجات دی اور جو ظالم تھے ان کو چیخ نے آلیا اور وہ اپنے گھر میں پڑے رہ گئے گویا کہ ان میں کبھی رہے نہیں، ثمود کی طرح مدین کے لیے بھی ہلاکت ہوئی، مدین کے پاس شعیب کو ہم نے بھیجا، اس نے کہا، بھائیو! خدا کو پوجو اور روز آخرت کی توقع رکھو اور زمین میں فساد کرتے نہ پھرو، انہوں نے جھٹلایا تو کپکپاہٹ نے آلیا اور وہ اپنے گھروں میں پڑے کے پڑے رہ گئے۔

ان آیتوں میں مدین کے حالات کی طرف تلمیح و اشارہ ہے چوں کہ مدین کی تاریخ ہمارے مفسرین کے پیش نظر نہ تھی، اس لیے بہت سے عقدے ناکشودہ رہ گئے، سب سے اول یہ کہ وہ اہل مدین و بنی اسرائیل کے باہمی واقعات و منازعات سے بجز واقعہ قرابت حضرت موسیٰ و شعیب علیہما السلام ناواقف ہیں، اس بنا پر ان آیات کی تفسیر میں ان واقعات کا وہ کوئی تعلق نہیں ظاہر کرتے، حالاں کہ ہماری رائے میں یہ آیتیں تمام تر ان ہی

واقعات سے متعلق ہیں، پہلی آیت یہ ہے وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاھُمْ شُعَیْبًا (مدین کی طرف ان کے بھائی شعیبؑ کو بھیجا) اس آیت سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں، اول یہ کہ مدین سے قوم مدین مراد ہے، ثانیاً یہ کہ شعیبؑ مدین کے خاندان سے تھے۔

مخاطبت شعیبؑ و مدین کا پہلا فقرہ یہ ہے:

یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ (اعراف و ہود) اے قوم! خدا کی پرستش کرو، اس کے سوا تیرا کوئی دوسرا معبود نہیں، اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ وہ بعل فعور وغیرہ دیوتاؤں کی پوجا کرتے تھے۔

اس کے بعد ہے:

فَاَوْفُوا الْکَیْلَ وَالْمِیْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَهُمْ (الاعراف ۷:۸۵)	ناپ اور تول پورا پورا رکھو اور لوگوں کو ان کی چیز کم نہ دو۔
وَلَا تَنْقُصُوا الْمِکْیَالَ وَالْمِیْزَانَ اِنِّیْٓ اَرٰکُمْ بِخَیْرٍ وَّ اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْکُمْ عَذَابَ یَوْمٍ مُّحِیْطٍ وَ یٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِکْیَالَ وَالْمِیْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَهُمْ (ہود ۱۱:۸۴-۸۵)	اور پیمانہ اور ترازو کم نہ کرو، میں تم کو اچھی حالت میں دیکھتا ہوں اور ڈرتا ہوں کہ گھیر لینے والے عذاب کا دن تم پر نہ آئے، لوگو! پیمانہ اور ترازو انصاف کے ساتھ رکھو، لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دو۔

آغاز فصل میں معلوم ہو چکا کہ مدین ایک تاجر قوم تھی اور غالباً دنیا کی تاریخ میں اس پیشہ کی سب سے پہلی قوم ظاہر ہوتی ہے، اس بنا پر اس میں یہ مذموم صفت ہوگی، جو حالات کے لحاظ سے بالکل مناسب ہے، بنی اسرائیل جب مصر سے حدود عرب میں داخل ہوئے تو ان کے ساتھ رسد کا سامان نہ تھا، قرب و جوار کی قوموں سے بہ قیمت خریدتے تھے[1] یا بہ جبر چھین لیتے تھے، شاید مدین کی اس وصف تجارت کا بنی اسرائیل کے اس واقعہ سے بھی تعلق ہو لیکن حقیقت

[1] سفر تثنیۃ الاشتراع، ۲۰-۶-۲۷۔

یہ ہے کہ ان آیات سے مراد صرف خرید وفروخت کی کمی وبیشی نہیں ہے بلکہ سود، ہبہ اور دیگر اصناف تجارت ممنوعہ مراد ہیں، جن کے ذریعہ سے تاجر وصاحب معاملہ لوگوں کو ان کے حق جائز سے ہمیشہ کم مالیت دیتے ہیں، اسی بنا پر حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کا جواب ہے:

اَوْاَنْ تَفْعَلَ فِیْٓ اَمْوَالِنَا مَانَشٰٓؤُا (ہود) کیا اس سے بھی کہ اپنے مال میں جو چاہیں کریں، تمہاری نماز روکتی ہے۔

اس رائے کی تائید مفسرین کی بعض روایات سے بھی ہوتی ہے:

وقیل نهاهم عن قطع الدنا نیرو الدراهم وزعم انه محرم علیهم فقالوا او ان نفعل فی اموالنا مانشاء[1]	کہتے ہیں شعیبؑ نے ان کو درہم ودینار میں بٹہ لینے سے منع کیا تھا اور کہا کہ یہ حرام ہے، انہوں نے کہا کیا ہم اپنے مال میں اپنی مرضی کے موافق کام نہ کریں۔

محدث ابن جریر طبری تاریخ میں لکھتے ہیں:

عن زید بن اسلم فی قوله عز و جل "اصلوتك تامرك ان نترك ما یعبد أباؤنا او ان نفعل فی اموالنا ما نشاء" قال کان عما ینهاهم عنه حذف الدراهم او قال قطع الدراهم	زید بن اسلم سے اس آیت اصلوتک الخ کے ذیل میں مروی ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام ان کو (بٹہ) سے منع کرتے تھے۔
عن محمد بن کعب القرظی قال بلغنی ان قوم شعیب عذبوا فی قطع الدراهم وجدت ذلك فی القرآن اصلاتك تامرك ان نترك ما یعبد أباؤنا او ان نفعل فی اموالنا ما نشاء[2]	محمد بن کعب قرظی سے مروی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ مجھے یہ معلوم ہو چکا تھا کہ قوم شعیب کو بٹہ لینے کے باعث عذاب دیا گیا، پھر مجھے قرآن مجید میں یہ آیت ملی۔

---

[1] تفسیر معالم التنزیل، امام بغوی، سورہ ہود [2] تاریخ طبری، ج ۳، ص ۳۷۰، یورپ۔

اس کے بعد ارشاد ہے:

وَلَا تُفۡسِدُوۡا فِی الۡاَرۡضِ بَعۡدَ اِصۡلَاحِهَا ذٰلِكُمۡ خَيۡرٌ لَّكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ (الاعراف ۷:۸۵)

اصلاح کے بعد ملک میں فتنہ نہ برپا کرو، یہ تمہارے لیے بہتر ہے، اگر ایمان ہو۔

وَلَا تَعۡثَوۡا فِی الۡاَرۡضِ مُفۡسِدِيۡنَ (ہود ۱۱:۸۵)

ملک میں فتنہ وفساد نہ پھیلاؤ۔

عموماً مفسرین تا آنکہ امام رازی بھی فتنہ وفساد سے ''کفر'' اور ''اصلاح'' سے ''بعثت شعیب'' مراد لیتے ہیں حالاں کہ اس سے مقصود بعد صلح وامان بنی اسرائیل کے ساتھ مخالفت ومنازعت اور سازش وخوں ریزی ہے، اسی لیے اس کے بعد یہ الفاظ ہیں:

وَلَا تَعۡثَوۡا فِی الۡاَرۡضِ مُفۡسِدِيۡنَ بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيۡرٌ لَّكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ (ہود ۱۱:۸۵-۸۶)

ملک میں فساد نہ پھیلاتے پھرو، خدا نے جو باقی رکھا ہے وہی تمہارے لیے بہتر ہے، اگر ایمان والے ہو۔

''بقیہ'' کا مطلب ہمارے مفسرین یہ بیان فرماتے ہیں کہ ''حرام کے بعد جو حلال چیزیں باقی رہ گئی ہیں وہ تمہارے لیے کافی ہیں، حرام کی کیوں طلب کرتے ہو'' لیکن اس حالت میں اول آیت وآخر آیت سے تعلق کیا رہے گا؟ ''ملک میں فساد نہ کرو کہ باقی حلال چیزیں کافی ہیں'' ملک میں فساد اور حلال چیزوں پر قناعت دونوں بے ربط باتیں ہوجاتی ہیں۔

ہمارے نزدیک مدین کی تاریخ کو پیش نظر رکھنے سے مطلب نہایت واضح ہوجاتا ہے، مدین چاہتے تھے کہ بنی اسرائیل نے مصر سے آکر ملک کا جو حصہ لے لیا ہے، واپس لے لیں، حضرت شعیب علیہ السلام فرماتے ہیں کہ فتنہ وفساد سے فائدہ نہیں، خدا نے جو کچھ باقی رکھا ہے، اس پر قناعت کرو، اہل مدین ان کے جواب میں کہتے ہیں:

قَالُوۡا يٰشُعَيۡبُ اَصَلٰوتُكَ تَاۡمُرُكَ اَنۡ نَّتۡرُكَ مَا يَعۡبُدُ اٰبَآؤُنَاۤ اَوۡ اَنۡ نَّفۡعَلَ فِیۡۤ اَمۡوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا اِنَّكَ لَاَنۡتَ الۡحَلِيۡمُ الرَّشِيۡدُ (ہود ۱۱:۸۷)

شعیب! کیا یہ تمہاری نماز کہتی ہے کہ اسلاف کے طریقہ پرستش کو چھوڑ دیں یا ہم اپنے مال میں جو چاہیں وہ کرنا چھوڑ دیں، تم بھی بڑے عقل مند (یا

بردبار) اور نیک ہو۔

اس جنگ کی غرض صرف دو تھی، ایک یہ کہ اپنے دیوتا بعل فعور کی اہانت کا انتقام، اسرائیل کے خدا کا مقابلہ اور دوسرے یہ کہ جن طرق ممنوعہ کے ذریعہ سے بھی ہو بنی اسرائیل سے ملک و دولت کی واپسی، اہل مدین کہتے ہیں کہ کیا ہم ان دونوں چیزوں سے باز آجائیں؟ اور طعناً کہتے ہیں کہ تم بھی بڑے نیک اور بڑے عقل مند ہو یا یہ کہ بنی اسرائیل کے ہاتھ سے ملک وقوم کی مذہبی و مالی بربادی پر غصہ نہیں آتا، تم حقیقت میں بردبار اور نیک آدمی ہو، حضرت شعیب علیہ السلام جواب میں فرماتے ہیں:

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّىْ وَرَزَقَنِىْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ اَنْهٰكُمْ عَنْهُ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيْقِىْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ (ہود ۱۱:۸۸)

بھائیو! بتاؤ اگر میں اپنے رب کی دی ہوئی روشنی پر رہوں اور جو حلال روزی اس نے دے رکھی ہے اسی پر قانع رہوں، میں نہیں چاہتا کہ تم سے مخالفت کر کے میں وہ کروں جس سے تم کو روکتا ہوں، میں تو تا حد امکان صرف اصلاح چاہتا ہوں اور اس کی توفیق خدا کے وسیلہ سے ہے۔

اصلاح سے مقصود اصلاح روحانی بھی ہو لیکن مدین و بنی اسرائیل کے مابین اصلاح کی کوشش کی طرف اشارہ بھی ہو سکتا ہے۔

لیکن بایں ہمہ ارشاد و ہدایت مفسدین اپنے فساد و تباہ کاری سے باز نہ آئے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حکم سے قوم مدین کے تمام بچے اور منکوحہ عورتیں قتل کی گئیں اور ۳۲ ہزار کنواری لڑکیاں لونڈی بنائی گئیں[1]، قوم مدین کی زندگی کی یہ آخری تاریخ تھی:

فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِىْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ (الاعراف ۷:۷۸)

ان کو ایک کپکپی نے آلیا، پس وہ اپنی قیام گاہ میں پڑے رہ گئے۔

---

[1] عدد: ۲۱-۱۵،۱۶،۱۷،۳۵،۴۰،۴۶۔

وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِىْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ (ہود۱۱:۶۷)
جنہوں نے ظلم کیا ان کو چیخ نے آلیا، پس اپنی قیام گاہ میں پڑے رہ گئے۔

فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِىْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ (العنکبوت۲۹:۳۷)
ان کو ایک کپکپی نے آلیا، پس وہ اپنی قیام گاہ میں پڑے رہ گئے۔

کپکپی اور چیخ سے مطلق عذاب مراد ہے:

اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ (ہود۱۱:۹۵)
ہاں ہلاکت ہو مدین کے لیے جس طرح ہلاک ہوئے ثمود۔

ثمود کی خصوصیت اس لیے ہے کہ پہلے اس مقام پر وہ آباد تھے:

فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّىْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ فَكَيْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ (الاعراف۷:۹۳)
شعیبؑ اہل مدین سے علاحدہ ہوئے اور کہا لوگو میں اپنے خدا کا پیغام تم کو پہنچا چکا تھا اور تمہاری خیر خواہی بھی کر چکا تھا، پھر کس طرح میں کافر قوم پر غم کروں۔

وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا (ہود۱۱:۹۴)
جب ہمارا حکم آیا تو ہم نے شعیبؑ کو اور جو ان کے ساتھ ایمان لائے تھے ان کو اپنی رحمت سے نجات بخشی۔

حضرت شعیب علیہ السلام کے متبع کون تھے؟ صرف ان کے اعزہ اور ہم خاندان، اس لیے کافروں نے کہا:

وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ (ہود۱۱:۹۱)
اگر تمہارا خاندان نہ ہوتا تو ہم تجھ کو سنگسار کر دیتے۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا:

اَرَهْطِىْۤ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ (ہود۱۱:۹۲)
کیا میرا خاندان خدا سے زیادہ تمہارے نزدیک قوی ہے۔

ان آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت شعیبؑ کا خاندان حضرت شعیبؑ کا متبع تھا، اس لیے حضرت شعیبؑ کے ساتھ جن لوگوں نے نجات پائی وہ یہی لوگ تھے۔

مطابقت تورات وقرآن: مذکورہ بالا سطروں میں چند باتوں کا دعویٰ ہے، حضرت شعیب علیہ السلام اور ان کا خاندان اہل مدین سے الگ ہوگیا، انہوں نے عذاب سے نجات پائی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مدین کی پہلی جنگ کے بعد جب کنعان کی طرف کوچ کا ارادہ کیا، اس موقع کی گفتگو ہے:

''موسیٰ علیہ السلام نے حوباب بن راعویل مدیانی اپنے خسر سے کہا: ہم یہاں سے اس مقام کو کوچ کرنے والے ہیں جو خداوند ہم کو دینے والا ہے، ہمارے ساتھ آؤ کہ تمہارے ساتھ بھلائی کریں کیوں کہ خداوند نے اسرائیل سے نیکی کا وعدہ کیا ہے، حوباب نے جواب دیا کہ تمہارے ساتھ نہیں جاسکتا بلکہ اپنے ملک ومولد کو واپس جاؤں گا، موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ ہم کو نہ چھوڑ جاؤ، تم سے التجا کرتا ہوں کیوں کہ جیسا تم جانتے ہو کس ویرانہ میں خیمہ زن ہم ہیں، تم ہمارے لیے بجائے آنکھ کے ہو۔'' (عدد: ۱۰-۳۰)

دوسری جگہ ہے:

''موسیٰ علیہ السلام کے سسر قین کے بیٹے بنی یہودا کے ساتھ قریہ نخل سے چلے اور یہودا کے ساتھ جو تیمن کا تھا، اس کے حصہ کے میدانوں میں سکونت کی۔'' (قضاۃ: ۱-۱۶)

مدین کی جنگ سے ایک باب پہلے مذکور ہے:

''حابیر قینی اپنے دوسرے قینی بھائیوں سے جو موسیٰ علیہ السلام کے سسر حوباب کے بیٹے تھے، پہلے ہی علاحدہ ہوگیا تھا، اس نے اپنا خیمہ اس وادی میں کھڑا کیا جس کا نام ضعنیم ہے، قادس کے پاس۔'' (قضاۃ: ۴-۱۱)

تالمود بابل میں ہے:

''یثرو (شعیبؑ) نے اس کی مخالفت کی اور جب اس کی نصیحت رد کردی گئی تو اپنا

عہد چھوڑ دیا اور چل دیا، اسی لیے اس کی اولاد سنہڈرم[۱] کی رکن مقرر ہوئی[۲]۔"

یوسیفوس یہودی جس نے پہلی صدی مسیحی میں تاریخ یہود لکھی ہے، لکھتا ہے:

"انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کے خسر یثرو مدیانی کے خاندان کو بھی زمین دی جس نے اپنا ملک چھوڑ دیا تھا اور صحرا میں ان لوگوں کے ساتھ رہا[۳]۔"

قوم مدین کی تباہی عام جس کی قرآن نے خبر دی ہے، تورات سے اس کا ثبوت متعدد طور پر بہم پہنچا سکتا ہے، اولاً یہ کہ قوم مدین تباہی کے موقع کے تورات میں حسب ذیل الفاظ ہیں:

"بنی اسرائیل نے مدین سے جنگ کی اور ان پر غالب آئے اور تمام مردوں کو قتل کیا، تمام مرد بچے اور عورتیں قتل ہوئیں[۴]۔"

ثانیاً یہ کہ اس کے بعد مدین کی تباہی عبرانی صحیفوں میں ہمیشہ ضرب المثل رہی ہے، زبور داؤد[۵] علیہ السلام میں ہے:

"باشندگان (شہر) مدین، اسماعیلی، اہل مواب، ہاجری، عمون اور عمالیق خدایا ان کو (قوم) مدین کی طرح کردے۔"

اشعیا نبی کہتے ہیں:

"خدائے افواج اس پر ایک کوڑا بھیجے گا، مدین کی مار کی طرح اور ریب کی چٹان پر۔" (۱۰-۲۶)

شہر مدین کی پچھلی تاریخ: لیکن بایں ہمہ شہر مدین کا وجود باقی تھا، جس کا نشان تاریخی زمانہ اسلام تک ملتا ہے، حضرت داؤدؑ جن کا زمانہ تقریباً ۱۰۰۰ ق م قبل مسیح ہے، زبور (۸۳-۶) میں باشندگان مدین کا ذکر کرتے ہیں، حضرت سلیمانؑ کے عہد میں ایک ادومی شہزادہ ہداد بھاگ کر

---

۱ یہودیوں کی اعلیٰ مذہبی عدالت جس کا رئیس ان کا کاہن اعلیٰ ہوتا تھا اور اس کے علاوہ اور ستر ممبر ہوتے تھے۔ ۲ برٹن کی گولڈ مائنس آف مدین، ص ۱۸۸ ۳ قدامۃ الیہود، کتاب ۵، باب ۲ ۴ سفر العدد: ۳۱-۷-۷ ۵ سفر العدد: ۸۳-۶۔

مدین آیا تھا (سلاطین اول: ۱۱-۱۸)، اشعیا نبی جو تقریباً ۸۰۰ ر قبل مسیح میں تھے، مدین کی اونٹنیوں کا ذکر کرتے ہیں جو یروشلم تجارت کا مال لائیں گی (۶۰-۶)، حبقوق نبی ایک پر جلال پیغمبر کی آمد آمد کی خبر سناتے ہوئے کہتے ہیں کہ "زمین مدین کی کھال میں رعشہ پڑ جائے گا۔" (۳-۷)

یونانی ورومی مصنفین نے مدین کا ذکر نہیں کیا ہے بلکہ اس مقام کا نام وہ نباطیا (Nabatia) بتاتے ہیں سبب یہ ہے کہ اس عہد میں اس ملک میں نبط آباد تھے[1] اور یہ بالکل ہماری تھیوری کے مطابق ہے، حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ایک اولاد کا نام نبط تھا اور تورات کے حوالہ سے ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ قوم مدین کی تباہی کے بعد اسماعیلی عرب مدین کے مالک تھے، بطلیموس نے البتہ عرب کے ایک مقام کا نام موڈیانا (Modyana) لکھا ہے جس کو بعض لوگ مدین سمجھتے ہیں[2]۔

مسلمان جغرافیہ نویسوں نے عموماً مدین کا ذکر کیا ہے، ابوالفدا نے جغرافیہ میں لکھا ہے کہ یہاں قدیم آثار پائے جاتے ہیں، حاجی خلیفہ نے اپنے ترکی جغرافیہ جہاں نما میں بیان کیا ہے کہ یہاں جو آثار و عمارات ہیں ان پر کتبات ہیں جن پر بادشاہوں کے نام مرقوم ہیں۔

مکتشفین یورپ میں سے متعدد اشخاص نے خاص مدین کے آثار کا مشاہدہ کیا ہے، جن میں ایک شخص برٹن (Burton) خاص طور پر قابل ذکر ہے جس نے ایک بار مکہ معظمہ و مدینہ منورہ تک سفر کیا اور دوسری بار خدیو مصر اسماعیل پاشا کے حکم سے ۱۸۷۷ء میں سونے کی کان کی تلاش میں مدین تک گیا، یہاں بہت سے کتبات بھی ملے ہیں جن پر نبطی خط منقوش ہے، رومیوں کے عہد میں یہاں کے باشندوں نے عیسائیت قبول کر لی تھی، مسلمان شعرا کے قول سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے، کثیر کہتا ہے[3]:

رہبان مدین والذین عہدتہم ۔۔۔ یبکون من حذر العذاب قعودا

رہبان مدین لوراوک تنزلوا ۔۔۔ والعصم فی شغف الجبال الفارد

---

[1] فارسٹر، جلد دوم، صفحہ ۳۳۳ [2] برٹن کی گولڈ مائنس آف مدین، ص ۱۷۹ [3] دیکھو معجم البلدان یاقوت۔

ددان

اصحاب الایکہ

قرآن مجید میں عرب کی ایک قوم کا "اصحاب الایکہ" کے نام سے ذکر ہے، ایکہ کے لغوی معنی جنگل کے ہیں، اس قوم کے پیغمبر بھی حضرت شعیب علیہ السلام ہی تھے، جن کا ذکر مدین میں گزر چکا ہے، اس اتحاد سے بعض مفسرین نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ مدین اور اصحاب الایکہ ایک ہی چیز ہیں، ان کا قیاس ہے کہ ملک مدین کے پاس جنگل تھا، جہاں مدین کی قوم کبھی کبھی قیام کرتی تھی، اس لیے اس کو "اصحاب الایکہ" جنگل والوں کے نام[1] سے خطاب کیا گیا۔

مسلمان جغرافیہ نویس ان اطراف میں کسی جنگل کے ذکر سے خاموش ہیں، ان کی رائے ہے کہ شہر تبوک جو مدین کے مقابل مدین سے ۶/مرحلہ پر واقع ہے، اس کا قدیم نام ایکہ تھا اور خود اہل تبوک کو بھی اعتراف ہے کہ اسی کا قدیم نام "ایکہ" تھا[2]۔

قرآن کی رو سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مدین اور ایکہ دو چیزیں ہیں، کیوں کہ ان دونوں قوموں کا حضرت شعیب علیہ السلام سے سوال و جواب، طرز خطاب اور پھر آخراً بربادی اور طریقہ بربادی بالکل مختلف ہے، اس بنا پر کون دعویٰ کر سکتا ہے کہ مدین اور اصحاب الایکہ ایک ہی قوم کے دو نام ہیں؟

سب سے بڑے اشتباہ کی صورت یہ ہے کہ عام معلومات کے لحاظ سے ان اطراف

---

۱ معالم التنزیل بغوی، سورہ حجر، شعراء، ق، ص ۲ معجم البلدان، "ایکہ"۔

میں جنگل کا نشان نہیں، ورنہ اہل تفسیر وروایت اور اہل جغرافیہ عرب اس کا ذکر کرتے۔

اس دشوار گزار راہ کو اب ہم اپنی کوشش سے طے کرنا چاہتے ہیں۔

اتنا تو ظاہر ہے کہ مدین اور ایکہ میں کوئی شدید تعلق تھا اور ان کا زمانہ بھی باہم ایک تھا، جس کی بنا پر دونوں آبادیوں کے لیے ایک ہی پیغمبر کی بعثت ہوئی، نیز قرآن نے دونوں کے اخلاق کا نقشہ بھی ایک ہی کھینچا ہے۔

یہ معلوم ہو چکا ہے کہ مدین جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی قطورا کے بطن سے تھا، اس کے کئی اور بھائی تھے اور ان بھائیوں کی اولادیں تھیں، تورات میں ان کا ذکر ان الفاظ میں ہے:

''ابراہیم نے قطورا نام ایک دوسری بیوی کی، جو زمران یقشان، مدان، مدیان، یشبوق اور شوح کو جنی، یقشان نے شبا اور ددان کو پیدا کیا اور بنو ددان اشوریم لطوشیم اور لادیم تھی، مدیان کے بیٹے حافا، عوفیر، حنوخ، ابی داع اور دعا تھے، یہ لوگ بنو قطورا ہیں، ابراہیم نے جو کچھ تھا وہ اسحٰق کو دیا اور ان کنیز زادوں کو بھی کچھ دیا اور ان کو اپنے بیٹے اسحٰق سے الگ کر دیا ورابراہیم اس وقت پورب کی طرف پورب کے ملک میں تھا[1] (یعنی عرب)۔''

تورات نے قطورا کی متعدد اولاد در اولاد میں سے صرف دو کی تفصیل کی ہے، بنو مدین اور بنو ددان، بنو مدین کے متعلق بہ تحقیق معلوم ہے کہ بحر احمر پر خلیج عقبہ کے سامنے شہر مدین میں آباد تھے، اس لیے تسلیم کرنا چاہیے کہ بنو ددان بھی ان ہی سواحل پر مدین کے قریب آباد ہوں گے، تورات سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے کہ وہ ان ہی اطراف میں آباد تھے:

''تیماء، ددان، بوض، جوسر کے بال منڈاتے ہیں اور تمام عرب کے بادشاہ[2]۔''

تیما شمالی عرب میں حجاز سے شام کے راستہ پر واقع ہے، اسی کے قریب ددان کو

---

[1] سفر خروج، باب ۲۵ [2] ارمیاہ، ۲۵-۲۳۔

ہونا چاہیے، یمن سے سواحل بحراحمر کے کنارہ کنارہ حجاز و مدین سے گزر کر خلیج عقبہ کے کنارے سے نکل کر تیماء وغیرہ کو قطع کرتی ہوئی ایک نہایت قدیم ومشہور تجارتی سڑک واقع ہے، جو قدیم زمانہ میں ہندوستان، یمن اور مصر وشام کے کاروانوں کا تنہا راستہ تھا، اس راستہ کا ذکر تمام قدیم جغرافیوں میں موجود ہے، وادی القریٰ، ثمود کا مسکن، مدین، قوم شعیبؑ کی آبادی، سدوم، قوم لوط کا مقام اور نیز تبوک، تیما اور رقیم (یونانی پٹرا) اسی سڑک پر مابین حجاز وشام واقع ہیں، تورات کے لحاظ سے ددان بھی یہیں تھا اور قرآن کہتا ہے کہ ''اصحاب الایکہ'' بھی اسی سڑک پر ہیں، قوم لوط جو سدوم میں آباد تھی، اس کے ذکر کے بعد ارشاد ہے:

وَاِنْ كَانَ اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ لَظٰلِمِيْنَ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ ۘ وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ (الحجر۱۵:۷۸-۷۹)	اور جنگل والے یقیناً حد سے گزر جانے والے تھے، ہم نے ان سے انتقام لیا اور یہ (سدوم وایکہ والے) دونوں کھلے راستہ پر ہیں۔

یہ وہی راستہ ہے جس کا ہم نے ذکر کیا اور جس کو تاریخ قدیم میں نہایت اہمیت حاصل ہے۔

اس بیان سے قرآن وتورات دونوں کے رو سے ددان یا اصحاب الایکہ کا مسکن متعین ہو گیا، اب دوسرے مباحث کی طرف رخ کرنا چاہیے۔

قرآن نے ان کو اصحاب الایکہ ''جنگل والے'' کیوں کہا؟ کیا ان کا وطن جنگل میں تھا؟ ہاں جنگل میں تھا اور ۸۰۰ ربرس کے بعد بھی جنگل میں تھا، اشعیا نبی، بنوخذنصر (بخت نصر) کے خروج سے تمام اقوام کو متنبہ کر رہے ہیں، اس ضمن میں عرب کی طرف خطاب ہے۔

> ''عرب پر بار (مصیبت) ہے جب کہ جنگل میں ددان والوں کی راہ میں تم شام بسر کرو، اے تیمن کے باشندو! پیاسوں سے پانی لے کر ملو اور شکست کھانے والوں کے لیے روٹی لے کر نکلو'' (۲۱-۱۳)

مسیح سے سو برس اور اسلام سے سات سو برس پہلے بھی یہاں جنگل موجود تھا، ایک

یونانی جغرافیہ نویس، مدین اور خلیج عقبہ کے آس پاس کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے[1]:

"اس جگہ سے متصل وہ جگہ ہے جس کو لوگ نسا کہتے ہیں یا ناقۃ البحر کہ یہ جانور وہاں پائے جاتے ہیں یہ نسا کے قریب ایک راس (راس محمد خلیج عقبہ؟) کے واقع ہے جو بغایت پر از اشجار ہے، یہیں سے ایک سیدھی سڑک (شاید شمال کو) اس شہر کو جاتی ہے جس کا نام پٹرا (رقیم) ہے اور فلسطین (شام) کو جاتی ہے، جہاں اہل قریہ (یمامہ و بحرین) معین اور تمام عرب قریب میں رہتے ہیں اور بالائی ملک سے بخورات اور کہا گیا ہے کہ خوشبودار چیزوں کے بنڈل لاتے ہیں۔"

۸۸/ باب میں دوسری جگہ کہتا ہے:

"خلیج عیلانہ (عقبہ) کے پیچھے جس کے چاروں طرف نبطی عرب رہتے ہیں، (ارض مدین یہ ہے) بوتھیمانوس (بنوتیمن) کا ملک ہے جو وسیع اور مسطح ہے اور سیراب اور عمیق ہے، وہاں اشجار کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا، جو تابقد آدم ہوتے ہیں اور جن کی وجہ سے جنگلی اونٹ (؟) ہرنوں کے گلے، بارہ سنگھے رہتے ہیں اور نیز مویشی اور بھیڑ کے گلے لیکن ان مواہب قسمت کے ساتھ شیر اور بھیڑیوں کا وجود بھی ہے، جن سے یہاں کے باشندوں کی خوش قسمتی مبدل بہ بدقسمتی ہے۔"

جس تیمن کا اس جنگل کے پاس ذکر ہے، بعینہٖ اسی کا جغرافیہ یونانی میں بھی ہے، اس سے بڑھ کر توافق یہ ہے کہ "اصحاب الایکہ" (جنگل والوں) کے ملک کا ایک مشہور و واضح شاہراہ امام مبین پر ہونا قرآن مجید نے بیان کیا ہے، بعینہٖ یہی بیان ایک یونانی جغرافیہ میں بھی ہے:

"اس جگہ (خلیج عقبہ) سے متصل وہ مقام ہے، جس کو لوگ نسا کہتے ہیں، یہ ایک راس کے قریب ہے جو نہایت پر از اشجار ہے، یہیں سے ایک سیدھی سڑک رقیم اور فلسطین کو جاتی ہے[2]۔"

---

[1] برٹن کی گولڈ مائنس آف مدین، ص ۱۷۹-۱۸۰　[2] حوالہ اوپر گزر چکا ہے۔

یہ جغرافیہ قرآن سے ۷۰۰ ربرس پہلے لکھا گیا تھا، کیا اس سے بھی زیادہ قرآن کی صداقت کی کوئی دلیل مطلوب ہے؟ قرآن مجید میں اصحاب الایکہ کا ذکر چار سوروں میں ہے، حجر، شعرا، ص، ق، سب سے مفصل ذکر شعرا میں ہے:

كَذَّبَ اَصْحٰبُ لْئَيْكَةِ الْمُرْسَلِيْنَ اِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ اِنِّىْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِىَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِيْنَ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ وَاتَّقُوا الَّذِىْ خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ وَمَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَاِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ قَالَ رَبِّىْٓ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ

(الشعراء ۲۶: ۱۷۶–۱۹۰)

جنگل والوں نے پیغمبر کی تکذیب کی، جب کہ ان سے شعیبؑ نے کہا کہ کیا تم نہیں ڈرتے؟ میں تمہارا پیغمبر ہوں، خدا سے ڈرو اور میری بات مانو اور میں تم سے اس کی اجرت نہیں مانگتا، میری اجرت صرف خدائے پروردگار پر ہے، ناپ اور تول پورا کرو اور ٹوٹا دینے والوں میں سے نہ ہو اور ٹھیک ترازو سے تولو، لوگوں کے حق کو کم نہ کیا کرو اور زمین میں فساد نہ پھیلاؤ اور اس سے ڈرو جس نے تم کو اور پچھلی قوموں کو پیدا کیا، انہوں نے کہا تم پر تو جادو کیا گیا ہے، تم تو ہماری ہی طرح آدمی ہو، ہم تو تم کو جھوٹا سمجھتے ہیں، اگر سچے ہو تو آسمان سے ہم پر بادل کا ایک ٹکڑا گرادو، شعیبؑ نے کہا میرا پروردگار تمہارے اعمال سے واقف ہے، لوگوں نے اس کو جھٹلایا، پس سائبان کے دن کے عذاب نے ان کو آلیا، بے شک وہ ایک بڑے دن کا عذاب تھا، اس میں عبرت کی نشانی ہے، ان لوگوں میں اکثر مومن نہ تھے۔

ددان بھی مدین کی طرح ایک تاجر قوم تھی، حزقیال نبی، یروشلم کو خطاب کرتے

ہیں: (۲۷-۲۰-۲۱)

''ددان تیرے تاجر ہیں، بیٹھنے کے فرش لاتے ہیں اور عرب اور تمام رؤسائے قیدار تیرے تاجر ہیں، بھیڑ بکری......''

یہ بہت پیچھے کا ذکر ہے، اسی پر ددان اول کو بھی قیاس کرنا چاہیے، اس لیے ناپ تول کے درست رکھنے کا حکم ہوا۔

ہمارے مفسرین کا بیان ہے کہ بلا استثنا تمام اصحاب الایکہ ہلاک ہو گئے لیکن قرآن مجید میں اس قسم کا کوئی لفظ نہیں ہے اور نہ کوئی حدیث مرفوع وصحیح اس کی مثبت ہے اور نہ یہ تفصیل ہے کہ یہ عذاب مہلک تھا یا مکلّف، اس بنا پر مفسرین کی زیادت قابل تسلیم نہیں، اگر یہ صحیح ہوتا تو مدین وغیرہ کے ذکر میں جس طرح اس کی تشریح قرآن مجید نے کر دی ہے، یہاں بھی ضرور ہوتی۔

یہاں ایک نکتہ لحاظ کے قابل ہے، مدین کے موقع پر خدا نے فرمایا وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا اور یہاں فرمایا اِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ اس سے ظاہر ہوا کہ حضرت شعیب علیہ السلام مدین کے خاندان سے تھے، دوسرے بھائی ددان کے خاندان سے نہ تھے۔

زیادہ تبصرہ کے لیے اصحاب الایکہ کی تین اور آیتیں بھی پڑھو:

وَاِنْ كَانَ اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ لَظٰلِمِيْنَ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ (الحجر ۱۵: ۷۸-۷۹)	اور جنگل والے یقیناً حد سے گزر جانے والے تھے اور یہ دونوں مقام (سدوم وایکہ) کھلے راستے پر ہیں۔

یہ سورہ الحجر کی آیت ص اور ق میں اقوام ظالمین کی ضمن میں صرف نام ہے:

وَثَمُوْدُ وَقَوْمُ لُوْطٍ وَّاَصْحٰبُ لْئَيْكَةِ اُولٰٓئِكَ الْاَحْزَابُ اِنْ كُلٌّ اِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابِ (ص ۳۸: ۱۳-۱۴)	ثمود، قوم لوط، جنگل والے یہ بڑی جماعتیں ہیں، ان میں سے ہر ایک نے انبیا کی تکذیب کی، پس میرا عذاب حق ہوا۔

وَعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ وَاِخْوَانُ لُوْطٍ وَّاَصْحٰبُ	اور عاد اور فرعون اور برادران لوط اور جنگل والے
الْاَيْكَةِ وَقَوْمُ تُبَّعٍ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ	اور قوم تبع ہر ایک نے انبیا کی تکذیب کی، پس
وَعِيْدِ (ق ۵۰: ۱۳-۱۴)	میری وعید سچ ہوئی۔

ان آیات سے بھی عذاب ہلاک یا ہلاکِ کلی کا ثبوت نہیں ہوتا، اسی لیے ہم اس قوم کا ذکر ۶۰۰ر برس قبل مسیح میں بنو خذ نضر (بخت نصر) کے عہد تک پاتے ہیں، تا آنکہ اس کی تلوار نے دیگر اقوام کی طرح ان کو بھی محو کر دیا، جیسا کہ حزقیال نبی نے پیشین گوئی کی تھی:

> ''اسی لیے خداوند کہتا ہے کہ میں اپنا ہاتھ ادوم پر دراز کروں گا اور اس سے انسان وحیوان چھین لوں گا اور اس کو جنوب (تیمن) سے ویران کردوں گا اور اہل ددان تلوار سے گریں گے۔'' (۲۵-۱۴)

بنوسارہ، بنوادوم

حضرت ایوب علیہ السلام

ادوم جس خطہ ملک میں آباد ہوئے، یونان میں اب تک اس کو "ایدومیا" (Idumai) کہتے ہیں، بحرمیت (بحرالملح) اور خلیج عقبہ (عیلانہ) کے بیچ میں واقع ہے[۱]، اس کے شمال میں بحرمیت اور فلسطین، جنوب میں شمالی خلیج عقبہ اور مدین، مغرب میں جزیرہ نمائے سینا اور مشرق میں ارض مواب اور جوف عرب شمال ہے، شام و فلسطین کی جانب جنوبی ومغربی گوشہ میں مملکت عرب کی یہ آخری حد ہے، ملک میں کوہ سعیر یا کوہِ سراۃ طولاً شمال سے جنوب تک وسیع ہے، اسی لیے تورات میں ادوم کا مقام سعیر بتایا گیا ہے۔

عیسو معروف بہ ادوم: یہ پہلے بیان کیا جاچکا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام اور عیسو دونوں سگے بھائی تھے اور حضرت اسحٰق علیہ السلام کے بیٹے تھے[۲]، عیسو گو فرزند اول تھے لیکن پہلوٹے ہونے کی برکت حضرت یعقوب علیہ السلام نے بالطائف الحیل[۳] حاصل کی، عیسو روٹھ کر اپنے عم مکرم حضرت اسماعیل علیہ السلام کے پاس چلے گئے[۴] اور ان کی صاحب زادی سے جن کا نام باسمہ[۵] یا محلات[۶] تھا، شادی کر لی، پھر اور چند شادیاں کیں، جن سے متعدد اولادیں اور اولادوں کی اولادیں (جن میں عمالیق اور عوض مشہور ہیں) ہوئیں اور ان سب کو لے کر کوہ سعیر[۷] (سراۃ) میں اپنا مسکن بنایا جو ملک شام سے انتہائی یمن تک طولاً وسیع ہے،

---

۱ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، طبع یازدہم، ج ۱۴، ص ۲۹۰ و ج ۸، ص ۹۴۹ ۲ تکوین: ۲۵-۲۵ ۳ تکوین: ۲۷ ۴ تکوین: ۲۸-۹ ۵ تکوین: ۳۶-۳ ۶ تکوین: ۲۸-۹ ۷ تکوین: ۳۶-۹۔

عیسو کا نام عرف عام میں ادوم (سرخ) تھا[1]، اسی لیے اس خاندان اور اس ملک کا نام "ادوم" پڑ گیا، جدید تحقیق جو یقینی نہیں ہے، یہ ہے کہ ادوم کا نام ملک کی زمین کے سرخ رنگ ہونے کی وجہ سے رکھا گیا ہے[2]۔

مملکت ادوم: چند صدیوں کے بعد یہ خاندان ایک کثیر التعداد قوم بن گئی، جس نے ۷۰۰ ا ر قبل مسیح سے پہلے ایک عظیم الشان حکومت قائم کی، اسی عہد میں بنی اسرائیل جب مصر سے آئے ہیں تو ادوم کی حکومت سعیر میں قائم تھی[3]، ساؤل (طاؤت) جو بنی اسرائیل کے پہلے بادشاہ تھے اور جن کا زمانہ ۱۰۰۰ ا ر قبل مسیح ہے، ان سے پہلے ادوم میں متعدد بادشاہ یا شیخ گزر چکے تھے[4]، ان شیوخ یا بادشاہوں کی حکومت موروثی نہ تھی بلکہ انتخابی تھی، ان کا انتخاب ملک کی مختلف آبادیوں سے ہوتا تھا۔

تورات میں ادوم کی حسب ذیل مختلف آبادیوں کے نام مذکور ہیں، ونہابہ، بصریٰ، تیمان، عویث، شریقا، رحبوت اور فاعو (تکوین:۳۶-۳۱)، ادوم کے دارالحکومت کا نام بعد کو عبری میں سلاع ہے اور یونانی اس کو پٹرا کہتے ہیں (ان دونوں کے معنی پتھر کے ہیں) لیکن عرب اس کو "رقیم" کہتے ہیں، یہ اصل میں مدیانی شہر تھا، مدین کے بعد ادوم نے اس پر قبضہ کر لیا تھا، سلاطین ادوم کے نام یہ ہیں جو شاید پچھلے زمانہ کے ہیں اور غیر مرتب ہیں لیکن تورات نے ان کو بہ ترتیب و تسلسل ایک کے مرنے کے بعد دوسرے کو بادشاہ ظاہر کیا ہے: (تکوین:۳۶-۳۱)

نمبر شمار	نام	مقام
۱-	بالع بن باعور	ونہابہ
۲-	یوباب بن زارح	بصریٰ
۳-	حوشام	تیمان

[1] تکوین:۳۶-۱ [2] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا طبع یازدہم، ج ۱۴، ص ۲۹۰ [3] حدد:۲-۱۴ [4] تکوین ۳۶-۳۱۔

نمبر شمار	نام	مقام
۴-	ہداد بن بداد	عویث
۵-	کلا	شریقا
۶-	شاوٗل	رحبوت
۷-	بعل حنان بن عکبور	
۸-	ہداد	فاعو

ادوم کی تاریخ: ادوم کی سب سے پہلی تاریخ یہ ہے کہ ہداد شاہ ادوم نے باشندگان مدین سے جنگ کی اوران کو شکست دی، تیرہویں صدی قبل مسیح میں مینفیط اور عمیسس سوم فراعنہ مصر نے ادوم پر حملہ کیا، مصری کتبہ میں اس ملک کا نام ادومہ بتایا گیا ہے اورادوم کو شاسو کا ہم قبیلہ کہا گیا ہے[1]، شاوٗل شاہ اول اسرائیل نے جن کو قرآن مجید نے برعایت حالت جالوت، طالوت کہا ہے، سب سے پہلے ادوم پر حملہ کیا (سموال:۱۴-۴۷)، حضرت داوٗد علیہ السلام بادشاہ ثانی اسرائیل نے ادوم کو فتح کر کے مملکت اسرائیل میں شامل کرلیا (سموال:۸-۱۴)، ہداد جو ادوم کا شہزادہ تھا، بھاگ کر مدین آیا اور یہاں سے مصر چلا گیا (سلاطین:۱۱-۱۶)، حضرت داوٗد علیہ السلام کے مرنے کے بعد وہ اپنے ملک کو واپس آیا (سلاطین:۱۱-۲۲)، اس کے بعد مختلف سلاطین بنی اسرائیل کے عہد میں بنوادوم نے پرزور بغاوتیں کیں (۲ سلاطین:۸-۲۲)، نویں صدی قبل مسیح کے نصف اول میں وہ یہودیہ کے ماتحت تھے (سلاطین:۸-۲۰-۲۲)، موصیا شاہ یہودیہ نے بحرمیت کے ساحلی میدان میں ادوم پر ایک زبردست حملہ کیا، دس ہزار ادومی مارے گئے، ادومیوں کے پایہ تخت سلاع (پٹرا) پر شاہ یہودیہ نے قبضہ کرلیا اوراس کا نام بدل کر یقتائیل رکھا (۲ سلاطین:۱۴-۷)۔

اس کے بعد اسیریا کا دور شروع ہوتا ہے، تغلات پلاسر رابع شاہ اسیریا کے عہد

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ج ۸، ص ۹۴۹ و ج ۱۴، ص ۲۹۔

(۱۰۷ء قبل مسیح) میں اسیری کتبات میں ادومی حکومت کا بہ حیثیت خراج گزار ریاست کے ذکر ہے، اس وقت اس کے بادشاہ کا نام ''کوز ملک'' تھا، ساتویں قبل مسیح جو بادشاہ تھا اس کا نام کوز گیری تھا، ساتویں صدی قبل مسیح کے وسط میں مواب اور ادوم دونوں قبائل بادیہ کے نشانہ تھے، آخری تاریخ یہ ہے کہ بنوخذنصر شاہ اسیریا کے مقابلہ میں بغاوت کی (یرمیاہ: ۲۷-۳) اور ناکام رہے، بنوخذنصر نے دیگر اقوام کے ساتھ ان کو بھی پامال کر دیا۔

چھٹی صدی قبل مسیح میں اسیریا، میڈیا کے ہاتھ سے تباہ ہوا، اسی عہد میں موقع پا کر ان بدوی اسماعیلی عربوں نے اس پر قبضہ کر لیا، جن کا نام تاریخ میں نبط ہے، ادومی مجبور ہو کر بحر میت کے پار چلے گئے، یہی سبب ہے کہ یوسیفوس اور بطلیموس کی تصنیفات اور نیز تالمود میں ''ادومیا'' اسی قطعہ کا نام بتایا گیا ہے۔

یوباب اور ایوب علیہ السلام: ہم نے اوپر بیان کیا ہے کہ ادوم کی ایک نسل کا نام ''عوض'' تھا، حضرت ایوب علیہ السلام جن کا قرآن مجید اور اسفار یہود دونوں میں ذکر ہے اور جن کے نام سے ''سفر ایوب'' مجموعہ تورات کا ایک جز ہے، اسی عوض بنی ادوم کی نسل سے تھے (سفر ایوب: ۱-۱)، سفر ایوب عبری میں حضرت ایوب علیہ السلام کا نام ''اوب'' ہے لیکن عرب ان کو ایوب کہتے ہیں۔

ادوم کے شیوخ یا سلاطین کی جو فہرست اس سے پہلے نقل کی گئی ہے، اس میں تیسرا نام ''یوباب بن زارح'' ہے، قدیم وجدید، مسلم وغیر مسلم دونوں تحقیقات کا نتیجہ یہ ہے کہ ''یوباب'' اور ''اوب'' یا ''ایوب'' ایک ہی نام ہے اور یہ اختلاف محض تغیر لہجہ کا نتیجہ ہے۔

ایک قدیم مذہبی کتاب جس کی اصل زبان عبری عربی ہے، جو ادوم کی زبان ہونی چاہیے کیوں کہ وہ عبری عربی ممالک کے وسط میں رہتے تھے، اس کتاب کا ایک جرمن فاضل میخائیل (Michaill) نے لاطینی میں ترجمہ کیا ہے، اس کا عنوان یہ ہے[1] Colloquia لیکن

[1] حواشی بر تاریخ روم گبن شائع کردہ ایوری مینس لائبریری، ج ۵، ص ۲۴۰۔

اس کتاب کا ایک قدیم عربی ترجمہ بھی ہے، جس میں حسب ذیل عبارت ہے، جو قواعد عربی کی رو سے جا بجا غلط ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کسی غیر عرب نے اس کا ترجمہ کیا ہے:

وایوب کان ساکنًا فی ارض عوض	ایوب علیہ السلام عوض کی سرزمین میں ادوم کی
فی اتخم ادوم وعربیًا و من قبل اسمه	سرحد میں رہتے تھے، قوماً عرب تھے اور پہلے
یویاب وایوب کان ابن زارا ابن بنی	یوباب نام تھا، ایوب زارا کے بیٹے اور خاندان
عیسو وهوکان السادس من ابراهیم	عیسو سے تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی
والملوك الذی ملکوا فی ادوم الذی	چھٹی پشت میں تھے اور جو سلاطین پہلے ادوم پر
کان ملك علی تلك الارض من قبل	حکم راں ہوئے تھے وہ بالق بن باعور تھے اور
بالق بن باعور واسم مدینته دنابا و	ان کے پایہ تخت کا نام دنابہ تھا، ان کے بعد
من بعده یوباب هذاالذی یسمی ایوب	یوباب بادشاہ ہوئے جو ایوب علیہ السلام ہیں۔

ریورنڈ فارسٹر نے اس بحث پر کئی صفحے سیاہ کیے ہیں کہ ایوب عرب تھے اور نسل ادوم سے تھے، یہاں تک تو صحیح ہے، آگے وہ ثابت کرتے ہیں کہ ایوب کا شہر دنابا تھا اور یہ غلطی اس لیے ان کو ہوئی کہ عربی عبارت مذکورہ میں واسم مدینة دنابا میں مدینة کی ضمیر یوباب کی طرف راجع کی ہے، حالاں کہ اولاً تو یہ صریحاً غلط ہے، جس کو ہر عربی داں سمجھ سکتا ہے، ثانیاً یہ خود تورات کے مخالف ہے (تکوین: ۳۶-۲۳)، ایک دوسرے یورپین فاضل (شاید انگریز) Calmet نے ثابت کیا ہے کہ یوباب اور ایوب ایک ہی شخص ہیں[1]۔

مسٹر گبن (Gibbon) مصنف The Decline and Fall of Roman Empire عرب واسلام کی فصل میں جو ان کی کتاب کا چالیسواں باب ہے، قرآن مجید پر ایک غیر واقفانہ نقد کرتے ہوئے لکھتے ہیں[2]:

"اس عرب ناشر (قرآن یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے خیالات خدا کے متعلق گو

---

[1] عربی عبارت اور ان اقوال کے لیے دیکھو فارسٹر، ج ۲، ص ۶۳ [2] گبن، ج ۵، ص ۲۴۰۔

اعلیٰ ولطیف ہیں تاہم ان کا بلند سے بلند خیال سفر ایوب کی پرجلال سادگی کے مقابلہ میں کم ہے جو عہد قدیم میں اس ملک اور اسی زبان میں لکھی گئی ہے۔''

ہمارے ہاں تفسیروں میں جو روایات اسرائیلیہ ہیں وہ بھی اسی کی تصدیق کرتی ہیں کہ یوباب اور ایوب علیہ السلام ایک شخص ہیں:

کان ایوب رجل من الروم (ادوم) وھو ایوب بن اموص (خطا) بن زارح بن روم (ادوم) بن عیص (عیسو) بن اسحق بن ابراھیم وکانت له ابنیة من ارض الشام کلھا سھلھا وجبلھا وکان له فیھا اصناف المال کله من البقر والابل والغنم والخیل والحمر......	ایوب روم (ادوم) کا ایک آدمی تھا، ایوب بن امرص بن زارح بن عیص بن اسحٰق بن ابراہیم اس کے قبضہ میں شام کے تمام میدان اور کوہستان تھے اور اس میں ہر قسم کی دولت تھی، یعنی گائے، بیل، بھیڑ، بکری، گھوڑے، گدھے ......۔

ان تمام روایات میں ایک عجیب تصحیف لفظی ہے، ''ادوم'' کی جگہ ''روم'' بیان کیا گیا ہے، ادوم چوں کہ غیر معروف اور روم مشہور لفظ تھا اور تشابہ خط و لفظ بھی ہے، اس سبب سے راوی یا ناسخ نے ''ادوم'' کی جگہ ''روم'' کر دیا ہے، دوسری غلطی اس میں ایوب اور زارح کے درمیان ''اموص'' کے نام کی زیادت ہے، مؤرخ ابن واضح یعقوبی المتوفی ۲۸۰ھ ہجری کا بیان زیادہ صحیح ہے، ملوک شام کے ذکر میں لکھتا ہے:

یوباب ھو ایوب بن زارح الصدیق	یوباب وہی ایوب صدیق بن زارح ہیں۔

سفر ایوب اور ایوب علیہ السلام: یہ مسئلہ کہ حضرت ایوب علیہ السلام ادومی عرب تھے، خود سفر ایوب سے ثابت ہے:

''عوض کی سرزمین میں ایک مرد صالح، راست گو، خدا سے ڈرنے والا اور بدی سے دور تھا۔''

عوض تورات میں دو آدمیوں کا نام ہے، ایک تو نہایت قدیم عوض بن ارم بن سام بن نوح (تکوین:۱۰-۲۴) دوسرا عوض بن ویسان بن عیسو بن اسحٰق بن ابراہیم (تکوین: ۳۶-۲۹) باتفاق اہل کتاب اس سے عوض ثانی مراد ہے، عوض کے بنی ادومی عرب ہونے پر ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ سفر ایوب میں رفقائے ایوب علیہ السلام کے جو مسکن بتائے ہیں وہ تیمن، نعمتان اور شوحان ہیں (۱۱-۲)، اول کے متعلق تو اچھی طرح معلوم ہے کہ وہ مملکت ادوم کا ایک مشہور شہر تھا (تکوین:۳۶-۳۵)، اس سے پہلے حضرت ایوب علیہ السلام کی تعریف میں ہے:

''اس لیے وہ تمام فرزندان مشرق میں سب سے زیادہ بڑا تھا۔'' (ایوب:۱-۳)

اس کتاب کے جغرافیہ عرب میں معلوم ہو چکا ہے کہ اصطلاح یہود میں مشرق سے کیا مراد ہے؟ حضرت ایوب علیہ السلام کا بادشاہ یا شیخ قبیلہ ہونا بھی خود سفر ایوب سے ثابت ہے:

''اے وہ جیسا کہ میں گذشتہ مہینوں میں تھا، ان دنوں میں جب کہ خدا میری حفاظت کرتا تھا جب کہ اس کا چراغ میرے سر پر تھا اور میں تاریکی میں اس کی روشنی میں چلتا تھا، میں اپنی نوجوانی کے دنوں میں جب کہ اس وقت تک خدا کا راز میرے مسکن میں تھا، جب کہ قادر مطلق (خدا) میرے ساتھ تھا اور میرے بچے میرے قریب تھے۔''

''جب میں اپنا پاؤں مکھن سے دھوتا تھا اور جب چٹان میرے لیے تیل کے چشمے بہاتی تھی، جب میں شہر کے دروازہ پر جاتا یا جب بازار میں اپنی نشست تیار کرتا، نوجوان مجھ کو دیکھ کر ٹل جاتے اور بوڑھے میرے لیے کھڑے ہو جاتے، بڑے بڑے لوگ مجھ سے بات کرنے میں جھجکتے اور ہاتھ سے اپنا منھ بند کر لیتے، امرا اپنی آواز بند کر لیتے اور زبان تالو میں لگا لیتے۔''

''کیوں کہ جس کان نے مجھ کو سنا میری تعریف کی اور جس آنکھ نے مجھ کو دیکھا

میری گواہی دی، کیوں کہ جس مسکین نے بھی فریاد کی اور جو بھی بے یار و مددگار یتیم تھا، میں نے اس کی مدد کی، ہر قریب مرگ کی دعا مجھ کو ملی اور ہر بیوہ کے دل کو خوشی کا گانا مجھ سے نصیب ہوا۔''

''راستی میری پوشاک تھی، جو مجھ کو پہنائی گئی، میرا فیصلہ خلعت اور تاج ہوتا تھا، میں اندھوں کی آنکھ تھا، لنگڑوں کا پاؤں اور غریبوں کا باپ تھا اور وہ دلیل جس کو میں نہیں جانتا تھا لیکن میں جس کی تلاش میں تھا، میں نے شریروں کے دانت توڑ دیے اور ان کے دانتوں کے اندر سے غصب کی چیز چھینی۔''

''میری عظمت مجھ میں تازہ تھی اور میری کمان میرے ہاتھ میں نئی کی گئی تھی، میری بات کو لوگوں نے سنا اور خاموشی سے میری نصیحت کا انتظار کیا، میری گفتگو کے بعد وہ کچھ نہ بولے، میرے الفاظ کے قطرے ان پر ٹپکتے تھے اور وہ ان کا اس طرح انتظار کرتے تھے جیسے بارش کا اور وہ ان کے لیے اس طرح منہ کھولتے تھے جیسے پچھلے مینہ کے لیے۔''

''میں ان پر ہنسا لیکن انہوں نے یقین نہ کیا اور نہ میرے چہرے کی چمک زمین پر گری، میں نے ان کے لیے راستہ چن دیا اور میں سردار بن کر بیٹھا اور اس طرح رہا جس طرح بادشاہ اپنی فوج میں اس آدمی کی طرح جو غمزدوں کو تسلی دیتا ہے۔'' (سفر ایوب:۲۹)

اس پرجلال روحانی بیان کو سن کر کون انکار کرسکتا ہے کہ یہ کسی شاہانہ پیغمبر کی زبان نہیں۔

حضرت ایوب علیہ السلام کا زمانہ اور وطن: جب کہ ہم نے تسلیم کرلیا ہے کہ ''ایوب'' اور ''یوباب'' ایک ہی شخص ہیں تو ہم کو حضرت ایوب علیہ السلام کے مکان و مسکن کے متعلق زیادہ کاوش کی حاجت نہیں رہی، یوباب کا مسکن تورات میں مذکور ہے کہ وہ بصریٰ تھا، جو اب تک شمال عرب میں فلسطین کے قریب معروف شہر ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی سفر شام میں وہاں قیام کیا تھا، وہی شہر حضرت ایوب علیہ السلام کا بھی مسکن ہوگا، بصریٰ قدیم زمانہ میں ایک تجارتی شہر تھا، تورات میں اس کا ذکر متعدد مقامات میں ہے، اشعیا نبی

خذنصر کے خروج کی خبر دیتے ہیں، ''خداوند کی تلوار خون آلود ہے'' خداوند نے بصریٰ میں قربانی کی اور ادوم کے ملک میں قتل عام (۳۴-۶) ''وہ ادوم سے آرہا ہے، رنگے کپڑے کے ساتھ بصریٰ سے'' (۶۴-۶)، اس درس میں بصریٰ سے کسی آنے والے کی بشارت ہے۔

زمانہ کے متعلق بھی فیصلہ اس لیے آسان ہے کہ ''کلدان'' (ایوب:۱-۱۷) اور ''سبا'' (ایوب:۱۰-۱۵) کا اس میں ذکر معاصرت ہے، سبا کا عروج ۱۰۰۰ر قبل مسیح میں ہوا ہے اور کلدانیہ کا اختتام ۷۰۰ر قبل مسیح میں، ان دونوں کا مشترک عہد ۱۰۰۰ر قبل مسیح سے ۷۰۰ر قبل مسیح تک ہے، اس لیے ان دونوں زمانوں کے حدود میں کہیں حضرت ایوب علیہ السلام کا عہد قرار دینا چاہیے۔

حضرت ایوب علیہ السلام کا قصہ: قرآن مجید میں حضرت ایوب علیہ السلام کا ذکر ہے لیکن چند مجمل اشارات کے سوا کوئی تفصیل نہیں ہے، مفسرین نے جو تفصیل نقل کی ہے وہ وہب بن منبہ اور دیگر اسرائیلی مسلمانوں سے جو قرن اول میں موجود تھے، منقول ہے اور یہ اسرائیلی روایات تھوڑے تغیر اور اضافہ کے ساتھ تمام تر سفر ایوب سے ماخوذ ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے۔

حضرت ایوب علیہ السلام ایک مال دار، کثیر الاولاد، صاحب عزت اور تندرست آدمی تھے، خدا کی رضا کے ہمیشہ طالب اور ہر معصیت کے وقت صابر تھے، مساکین اور فقرا کی اعانت، یتیموں اور بیواؤں کی اور مظلوموں کی فریادرسی ان کی عادت تھی۔

آخر خدا نے ان کو ابتلا میں ڈالا اور (بروایت سفر) شیطان کو ان کی جان و مال پر استیلا دیا گیا، دولت جو اس عہد میں اونٹ، بھیڑ، بکری اور گدھوں سے عبارت تھی، کلدانی لوٹ کر لے گئے، غلاموں کے دستہ پر سبائی قابض ہو گئے، اولادیں ایک چھت کے نیچے دب کر رہ گئیں لیکن ان مصائب میں بھی کلمہ شکر و رضا کے سوا زبان مبارک سے کچھ نہ نکلا، آخر تندرستی بھی زائل ہو گئی اور تمام بدن خراب ہو گیا، عزیز و اقارب نے کنارہ کشی کر لی، ایک بیوی

رفیق حال تھی، اس نے بھی بالآخر صلاح دی کہ غیر خدا کے سامنے جھکو اور خدا کو برا کہو۔

اس حالت کی خبر حضرت کے تین دوستوں کو ہوئی اور یہ تینوں حضرت ایوب علیہ السلام کی تعزیت کو آئے، پورا صحیفہ حضرت ایوب علیہ السلام اور ان تین مومنین صادقین کے باہم مناظرہ ومکالمہ پر مشتمل ہے، یہ تمام مناظرہ لطیف تمثیل میں نہایت اعلیٰ فلسفیانہ اور شاعرانہ جذبات روحانی سے پر ہے، جن کا ماحصل یہ ہے کہ ان مومنین ثلاثہ کا دعویٰ ہے کہ ''انسان پر کوئی مصیبت بغیر گناہ کے نہیں آتی، اس لیے جو مبتلائے مصیبت ہے وہ گنہگار ہے اور اس کو اعتراف وتوبہ کرنا چاہیے'' حضرت ایوب علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ''میں نے کوئی معصیت نہیں کی ہے، جس کی یہ خدا کی طرف سے جزا ہے، بلکہ یہ عالم قدر وقضا ہے جس کے لیے کوئی سبب درکار نہیں، خدا کے اسرار ومصالح لامحدود ہیں اور ان کی معرفت سے انسان عاجز ہے، آخر وحی الٰہی نے فیصلہ کیا کہ ''ایوب! گو تو حق پر ہے تاہم بندہ کو کسی حال میں اپنے اعتراف ندامت میں قصور نہ کرنا چاہیے'' یہ سنتے ہیں حضرت ایوب علیہ السلام نے قربانی کی اور تندرست ہو گئے، تمام اعزہ واقارب بھی جمع ہو گئے، خدا نے ازسرنو دوسری دو چند دولت اور اولاد عطا کی۔

قرآن مجید اور حضرت ایوب علیہ السلام: قرآن مجید میں حضرت ایوب علیہ السلام کا نام چار سورتوں میں آیا ہے، نسا، انعام، انبیا اور ص، نسا اور انعام میں صرف نام ہے وعیسیٰ وایوب (نساء) وایوب و یوسف (انعام) سورہ انبیا اور سورہ ص میں کسی قدر تفصیل ہے:

وَاذْكُرْ عَبْدَنَا اَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا وَذِكْرٰى لِاُولِی الْاَلْبَابِ وَخُذْ	ہمارے بندے ایوب کو یاد کرو جب اس نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ مجھ کو شیطان نے تکلیف اور عذاب کے ساتھ چھوا، (اے ایوب) اپنا پاؤں مار، یہ غسل کرنے کی ٹھنڈی جگہ ہے اور پینے کا پانی ہے اور ہم نے اس کو اس کے

بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا نِعْمَ الْعَبْدُ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ (ص ۳۸:۴۱-۴۴)

دیے اوران ہی کے برابر اور اپنی رحمت سے اور اہل و عیال عقلمندوں کی یادگاری کے لیے (ایوب) اپنے ہاتھ میں تنکوں کا مٹھا لو اور اس سے مارو اور اپنی قسم نہ توڑو، ہم نے ایوب کو صابر پایا، کیا اچھا بندہ توبہ کرنے والا ہے۔

اس موقع پر شیطان سے کیا مراد ہے؟ دوسری آیت کریمہ نے اس کی تفصیل کر دی ہے:

وَاَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّىْ مَسَّنِىَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّ اٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ (الانبیاء ۲۱:۸۳-۸۴)

اور ایوب کو جب اس نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ مجھ کو بیماری نے چھوا اور تو مہربانوں میں بڑا مہربان ہے، ہم نے اس کی دعا قبول کی اور اس کی بیماری دور کی اور اس کو اس کے اہل وعیال دیے اور ان کے برابر ان کے ساتھ اپنی رحمت سے عبادت گزاروں کی یادگاری کے لیے۔

ان آیاتِ پاک کے متعلق تین امور قابل ذکر و بحث ہیں:

وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ (ص ۳۸:۴۴)

اپنے ہاتھ میں جھاڑو لو اور اس سے مارو اور قسم نہ توڑو۔

اس آیت میں اس کا ذکر نہیں کہ کس کو مارو؟ اہل تفسیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی نے جب خدا کی شان میں گستاخی کی تو انہوں نے غضب ناک ہو کر قسم کھائی تھی، کہا اگر اچھا ہوا تو تم کو سو لکڑی ماروں گا، بیوی صادق الایمان تھی اور یہ لغزش ایک وسوسہ شیطانی تھا، اس لیے معاف کی گئی اور قسم پوری کرنے کے لیے سو تنکوں یا تیلیوں کی جھاڑو سے ان کو ایک بار مار لینے کا حکم دیا گیا۔

سفر ایوب میں اس گستاخی اور کلمہ کفر کا ذکر ہے (سفر ایوب: ۲-۹) لیکن اس سزا اور اس سزا کی نوعیت کا بیان رہ گیا ہے اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ خدا کے نیک و صالح بندے اپنے اعزہ سے کلمہ کفر سن کر بے تاب کیوں کر نہ ہو جائیں اور کیوں کر سزا نہ دیں؟ اس نقص کی تکمیل قرآن نے کر دی جو دنیا میں صرف تکمیل ہی کے لیے آیا ہے:

أُرْكُضْ بِرِجْلِكَ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ (ص ۳۸: ۴۲)	اپنے پاؤں سے مارو، یہ نہانے کی ٹھنڈی جگہ ہے اور پینے کا پانی ہے۔

سفر ایوب میں یہ مذکور نہیں ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کس طرح اور کس علاج سے صحت یاب ہوئے، قرآن بتاتا ہے کہ خدا نے ان کو ایک چشمہ کا نشان بتایا، جس میں نہانے سے اور اس کے پانی کے پینے سے بیماری جاتی رہی، یہ طریقہ علاج بالکل مطابق فطرت ہے، طبعی چشمے جو طبقات ارضی یا پہاڑوں سے بعض اجزائے کیمیاوی کے مخزن سے گزر کر ابلتے ہیں، مخصوص خواص رکھتے ہیں اور دنیا کے اکثر ممالک و اکناف میں اب بھی خدا نے اپنا یہ چشمہ جاری کر رکھا ہے، جس سے اس کی ہزاروں مخلوق ہر موسم میں مستفید ہوتی ہے۔

بنو ہاجرہ

حضرت اسماعیل علیہ السلام

اصحاب الرس، اصحاب الحجر، اصحاب الایکہ، انصار اور قریش

ہاجرہ اصل میں عبرانی لفظ ''ہاغار'' ہے جس کے معنی بے گانہ اور اجنبی کے ہیں، اصل میں ان کا وطن مصر تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام اور سارہ جب مصر گئے تھے تو فرعون نے دیگر انعام واکرام کے ساتھ یہ لڑکی بھی ان کے ساتھ کردی تھی، اسی ہاجرہ سے اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے تھے اور سارہ سے حضرت اسحٰق علیہ السلام جن سے بنی اسرائیل کی نسل قائم ہوئی۔

ہاجرہ

بنی اسرائیل کہتے ہیں کہ ہاجرہ سارہ کی لونڈی تھیں، اس لیے بنی اسماعیل بنی اسرائیل کے برابر نہیں، اولاً تو یہ اصول خود غلط ہے، ثانیاً ہاجرہ کا لونڈی ہونا زیر بحث ہے، ناظرین کو اس وقت عرب سامیہ اولیٰ کی تاریخ کا پھر اعادہ کرنا چاہیے، اس سے معلوم ہوگا کہ اس وقت مصر میں حکمراں قوت عرب کی ایک سامی قوم تھی، جس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نہایت قریب نسبی تعلقات تھے، لفظ ''ہاجرہ'' کا عبرانی ہونا بھی اس دعویٰ کی ایک مستحکم دلیل ہے، اس بنا پر فرعون کا ہاجرہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں دینا خود اس بات کی قوی شہادت ہے کہ درحقیقت اس ازدواج سے نسبی تعلق کا استحکام مقصود تھا، اس

تاریخی قیاس کی یہودی روایات سے کما حقہ تصدیق ہوتی ہے[1]، سفر الیشار میں جو یہودیوں کی یک معتبر تاریخ ہے، مذکور ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں مصر کا بادشاہ حضرت کا ہم وطن تھا، ربی شلوم، تورات کا ایک مفسر تکوین (۱۶-۱) کی تفسیر میں لکھتا ہے:

''ہاجرہ فرعون کی بیٹی تھی، فرعون نے جب سارہ کی کرامت دیکھی تو کہا کہ اس کے گھر میں لونڈی بن کر رہنا دوسرے کے گھر میں بی بی بن کر رہنے سے بہتر ہے۔''

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بڑی بیوی ہونے کی حیثیت سے وہ سارہ کی خدمت گزار تھیں اور یہ خود ہماری حدیث کی کتابوں میں بھی مذکور ہے[2]۔

سارہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پہلی بیوی تھیں، مگر ان سے کوئی اولاد نہیں ہوتی تھی، الیعزر نام ایک دمشقی خانہ زاد گھر کا مالک تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرزند کے لیے خدا سے دعا مانگی، دعا مقبول ہوئی اور حضرت ہاجرہ حاملہ ہوئیں، سارہ کو دیکھ کر رشک ہوا اور وہ ہاجرہ کو ستانے لگیں، ہاجرہ نے گھر چھوڑ کر کہیں اور جانے کا ارادہ کیا، وہ ایک چشمہ تک جو شور کی راہ میں واقع ہے، آ کر ٹھہر گئیں، اس وقت ایک فرشتہ نے ہاجرہ کے سامنے آ کر کہا:

''ہاجرہ اپنی ''بی بی''[3] کے گھر واپس جا، میں تیری نسل کو اتنا بڑھاؤں گا کہ وہ کثرت سے گنی نہ جائے گی، تو حاملہ ہے، تو ایک بیٹا جنے گی، تو اس کا نام اسماعیل رکھنا کہ خدا نے تیرا دکھ سنا، وہ ایک وحشی (بدوی) آدمی ہوگا، اس کا ہاتھ سب کے خلاف اور سب کا ہاتھ اس کے خلاف ہوگا، وہ اپنے سب بھائیوں کے سامنے سکونت کرے گا۔'' (تکوین:۱۶)

یہ مقام جہاں کنواں واقع تھا، قادش اور بیر کے درمیان ہے، ہاجرہ نے اس کنوئیں کا نام ''زندہ نظر آنے والا کا کنواں'' رکھا، گھر واپس آ کر ہاجرہ کے بیٹا ہوا اور حسب تعلیم الٰہی اس کا نام اسماعیل رکھا گیا، اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر ۸۶ برس تھی۔

---

[1] اس موضوع پر مولانا عنایت رسول صاحب چڑیا کوٹی کا رسالہ ''النصوص الباهرة في حرية هاجرة'' دیکھنا چاہیے۔ [2] صحیح بخاری میں آنحضرت ﷺ سے مروی ہے وَأَخْدَمَهَا هَاجِرَة [3] یہ یہودیوں کا ترجمہ ہے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام

اسماعیل عبرانی میں ''شماع ایل'' ہے، شماع (سماع) سننا اور ایل (اللہ) لفظی معنی، خدا کا سننا، خدا نے چوں کہ ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور ہاجرہ کی فریاد سنی، اس لیے بچہ کا نام شماعیل پڑا، ۹۹ ربرس کی عمر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو سارہ کے بطن سے بھی ایک فرزند کے تولد کی بشارت ملی لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس بشارت سے کوئی خوشی نہ ہوئی، اس بشارت کے جواب میں انہوں نے خدا سے یہ دعا کی:

''اے کاش اسماعیل تیرے حضور زندہ رہے۔'' (تکوین:۱۸-۱۸)

خدا نے فرمایا:

''اسماعیل کے حق میں میں نے تیری سنی، دیکھ میں اسے برکت دوں گا اور اسے برومند کروں گا اور اس کو بہت بڑھاؤں گا اور اس سے بارہ سردار پیدا ہوں گے اور میں اس کو بڑی قوم بناؤں گا۔'' (تکوین:۱۸-۲۰)

تیرہ برس کے سن میں باپ نے بیٹے کا ختنہ کر دیا، اسی سال اسحٰق بھی پیدا ہوئے، آٹھویں دن ان کا ختنہ ہوا، اسحٰق جب کچھ بڑے ہوئے (۲۱-۸) تو سارہ نے اس ڈر سے کہ باپ کی جائیداد کا اسماعیل وارث نہ ہو (۲۱-۱۰) ابراہیم کو مجبور کیا کہ وہ اسماعیل اور ہاجرہ کو علاحدہ کر دیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس بات سے نہایت رنج ہوا (۲۱-۱۱) لیکن خدا نے فرمایا:

''ابراہیم غم نہ کر، سارہ کی بات مان لے، تیری نسل اسحٰق سے کہی جائے گی، تیرے بیٹے خادمہ زادہ (اسماعیل) کو بھی میں ایک قوم بناؤں گا کہ یہ بھی تیری ہی نسل ہے۔''

(۲۱-۱۳)

صبح اٹھ کر ابراہیم علیہ السلام نے روٹی اور پانی کا ایک مشکیزہ دے کر اور لڑکے کو حوالہ کر کے ہاجرہ کو رخصت کر دیا، اس سیاق عبارت سے ظاہر ہوگا کہ اسماعیل علیہ السلام کی اس وقت عمر ۱۵-۱۶ برس سے کم نہ ہوگی لیکن مسلمانوں میں عام طور سے مشہور ہے اور بخاری میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ وہ اس وقت شیر خوار بچہ تھے، اصل یہ ہے کہ خود توراۃ میں اس موقع پر جو فقرہ ہے وہ نہایت مشتبہ ہے، اصل فقرہ یہ ہے:

''ابراہیم صبح کو اٹھا اور روٹی لی اور پانی کا مشکیزہ اور ہاجرہ کو دیا اس کے کندھے پر رکھ کر اور اسماعیل کو۔'' (تکوین: ۲۱-۱۴)

''کندھے پر رکھ دینے'' کا لفظ ''مشکیزہ'' اور ''اسماعیل'' دونوں سے متعلق ہوسکتا ہے، مترجمین مختلف معنی سمجھتے ہیں، اگر اسماعیل سے متعلق سمجھا جائے تو ان کا شیر خوار ہونا لازم آئے گا لیکن توراۃ کے نص اور تمام گذشتہ سیاق کے خلاف ہوگا، قرآن مجید سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ اسماعیل علاحدگی سے پہلے سن تمیز کو پہنچ چکے تھے، حضرت ابراہیمؑ نے دعا کی کہ:

رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ (الصافات ۳۷: ۱۰۰-۱۰۲)	پروردگار مجھ کو نیک فرزند عطا کر، ہم نے اس کو ایک متحمل مزاج فرزند کے تولد کی بشارت دی، لڑکا جب اس سن کو پہنچا کہ باپ کے ساتھ دوڑے، باپ نے کہا فرزند من! میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں تم کو ذبح کر رہا ہوں، دیکھو تم کیا سمجھتے ہو، بیٹے نے کہا میرے باپ! جو حکم کیا گیا ہے کر گزرو، مجھے صابر پاؤ گے۔
وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلٰٓى اِسْحٰقَ (الصافات ۳۷: ۱۱۲-۱۱۳)	اور ابراہیم کو اسحٰق کی بشارت دی کہ پیغمبر ہوگا اور نیکوں میں سے۔

ان آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دو بیٹوں کی بشارت دی گئی ہے، پہلے بیٹے کا نام مذکور نہیں ہے، دوسرے کا نام اسحٰق مذکور ہے، اس لیے پہلی بشارت میں لامحالہ حضرت اسماعیل علیہ السلام مراد ہوں گے، اس بنا پر نص آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام باپ ہی کے زیر سایہ حضرت اسحٰق علیہ السلام سے بہت پہلے سن رشد کو پہنچ چکے تھے، دوسری جگہ قرآن میں (سورہ ابراہیم میں) جہاں وہ دعا مذکور ہے جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کو مکہ میں آباد کرتے ہوئے انہوں نے کی تھی رَبَّنَآ اِنِّیٓ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ

اس کے آخر میں ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَهَبَ لِیْ عَلَی الْكِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ (ابراہیم۱۴:۳۹)	شکر ہے خدا کا جس نے بڑھاپے میں اسماعیل اور اسحٰق مجھ کو بخشے۔

اس سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسماعیل کے مکہ آنے کے وقت اسحٰق پیدا ہو چکے تھے، تورات سے ثابت ہے کہ اسماعیل، اسحٰق سے تیرہ برس بڑے تھے، بخاری کی کتاب الرویا اور کتاب الانبیا میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی جو حدیث اسماعیل کی شیر خوارگی کے متعلق ہے، وہ مرفوع نہیں ہے یعنی اس کا سلسلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک نہیں پہنچتا (بجز چند خاص ضمنی فقروں کے)، اس لیے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اسرائیلیات میں سے ہے اور اس کا ثبوت آج بھی موجود ہے، بخاری میں اس کے متعلق جو طویل حدیث ہے، وہ بجز جرہم اور مکہ کے ذکر کے مدراش اور تالمود میں بعینہ حرف بہ حرف مذکور ہے، اصل عبارت آگے آتی ہے۔

صبح کا وقت تھا کہ ''ایک بوڑھے باپ نے جو تقدس اور نیکی سے بھرا ہوا تھا، اپنے ایک معصوم کم سن بچہ اور عزیز بیوی کو چند روٹی اور پانی کا مشکیزہ دے کر گھر سے نکال کر فاران کے بے آب و گیاہ بیابان میں چھوڑ دیا اور پھر کبھی اس کے دیکھنے کے لیے مضطرب نہ ہوا'' یہ

بظاہر موجودہ تورات کی تصویر ہے، اسلام کا بیان یہ ہے کہ ''ابراہیم علیہ السلام نے خدا کے حکم سے اپنے عزیز بیٹے کو خدا کے نام کے اولین عبادت گاہ کعبہ کی خدمت گزاری کے لیے شہر بکہ میں آکر بسایا جو عربہ (بیابان) میں واقع تھا'' تورات کی عبارت یہ ہے:

''وہ روانہ ہوئی اور بیرشبع کے میدان میں بھٹکتی رہی، مشکیزہ کا پانی چک گیا، بچہ کو ایک جھاڑی میں ڈال دیا اور بچہ سے تھوڑی دور ایک تیر کے برابر ہٹ کے غم زدہ بیٹھ گئی اور اس نے کہا کہ بچہ کو اپنی آنکھ سے مرتے نہیں دیکھوں گی اور الگ ہٹ کر گریہ وزاری کرنے لگی، خدا نے بچہ کی آواز سنی اور خدا کے فرشتہ نے آسمان سے ہاجرہ کو پکار کر کہا، ہاجرہ! ڈر نہیں، خدا نے بچہ کی آواز جہاں وہ پڑا ہے، سن لی، اٹھ اور بچے کو اٹھا اور اپنے ہاتھ سے اس کو سنبھال کہ میں اس کو ایک بڑی قوم بناؤں گا، خدا نے ہاجرہ کی آنکھ کھول دی، اس کو پانی کا ایک کنواں نظر آیا، وہ گئی اور مشکیزہ کو پانی سے بھر لیا اور بچہ کو پلایا۔

خدا اس بچہ کے ساتھ تھا، وہ بڑا ہوا، بیابان میں رہا اور ایک تیر انداز ہوا، وہ فاران کے بیابان میں رہا، اس کی ماں نے ملک مصر کی ایک بیوی اس کے لیے لی۔'' (تکوین:۲۱)

روایات اسلام میں صحیح تر روایت اس کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ہے جو غیر مرفوع طریقہ سے بخاری میں مذکور ہے:

''ابراہیم علیہ السلام اور ان کی بیوی (سارہ) کے درمیان جو واقع ہوا، اس کے بعد ابراہیم، اسماعیل اور اسماعیل کی ماں کو لے کر نکلے، ساتھ پانی کا مشکیزہ تھا، ام اسماعیل مشکیزہ سے پانی پیتی تھیں اور اس سے دودھ بچہ کے لیے ہوتا تھا، یہاں تک کہ ابراہیم علیہ السلام مکہ پہنچے اور ایک جھاڑی کے نیچے اس کو رکھ دیا، پھر ابراہیم علیہ السلام اپنے گھر واپس آنے لگے، ام اسماعیل ان کے پیچھے پیچھے کداء (مکہ کا ایک مقام) تک آئیں، ام اسماعیل نے پکار کر کہا، ابراہیم تم مجھے اس وادی میں جہاں نہ کوئی آدمی ہے اور نہ اور کوئی چیز ہے، چھوڑ کر کہاں جاتے ہو؟ (اختلاف روایت) کیا تم خدا کے حکم سے مجھے یہاں چھوڑتے ہو؟ ابراہیم نے کہا، ہاں،

ام اسماعیل نے کہا، تو پھر خدا ہم کو ضائع نہیں کرے گا، لوٹ کر آئیں اور مشکیزہ سے پانی پیتی رہیں اور بچہ کے لیے دودھ ہوتا رہا، یہاں تک کہ پانی چک گیا، دل میں کہا، جا کر دیکھوں، شاید کوئی نظر آ جائے، کوہ صفا پر چڑھیں، کوئی نظر نہ آیا، وادی میں پہنچیں تو دوڑ کر کوہِ مروہ پر آئیں، اسی طرح چند بار دوڑیں، پھر بولیں، چل کر بچہ کو دیکھوں، آ کر دیکھا تو قریب الموت پایا، مضطرب ہو کر پھر صفا پر چڑھیں کہ کوئی نظر آئے، کوئی نہ نظر آیا، یہاں تک کہ سات پھیرے ہو گئے، پھر دل میں آیا کہ دیکھوں کہ ناگاہ ایک آواز آئی، ام اسماعیل نے کہا، اگر نیکی تمہارے پاس ہو تو میری فریاد رسی کرو، ناگاہ جبرئیل تھے، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا کہ جبرئیل نے اپنی ایڑی کو زمین پر مارا، پانی بہنے لگا، ام اسماعیل متحیر ہو کر پانی جمع کرنے لگیں، ابن عباسؓ نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ام اسماعیل اگر پانی کو اپنے حال پر چھوڑ دیتیں تو پانی کھلا ہوتا، ام اسماعیل نے پانی پیا، پھر دودھ ہونے لگا۔

اتفاقاً جرہم کے کچھ آدمیوں کا ادھر سے گزر ہوا، پرندوں کو منڈلاتے دیکھ کر بولے کہ پانی یہاں ہے، ایک آدمی کو تحقیق کے لیے بھیجا تو پانی پایا، آ کر خبر کی، وہ لوگ بھی آئے اور ام اسماعیل سے یہاں رہنے کی اجازت چاہی، ام اسماعیل نے کہا، رہو لیکن پانی میں تمہارا کوئی حق نہیں، ابن عباسؓ نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ام اسماعیل کو یہ بات پسند آئی کہ وہ آبادی اور معیت چاہتی تھیں، وہ لوگ بھی رہنے لگے اور چند گھرانے وہاں ہو گئے، لڑکا جوان ہوا اور ان سے عربی زبان سیکھی، جب جوان ہوا تو ان لوگوں کو بہت پسند آیا، بالغ ہونے پر اپنی ایک لڑکی اسے بیاہ دی۔'' (بخاری، کتاب الانبیا)

تورات اور بخاری کی اس روایت میں صرف اجمال و تفصیل کا فرق ہے، بخاری میں جو تفصیل ہے وہ بالکل فطری ہے، تورات میں یہ مذکور نہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی ساتھ آئے تھے لیکن کون شقی ہوگا جو اپنے عزیز بچہ کو جس کی پیدائش کی اس نے خود دعا کی ہو، جس کے لیے زندگی اس نے خدا سے مانگی ہو، اس کو تنہا بے آب و گیاہ مقام میں ہمیشہ

کے لیے جانے دے، اس کے بعد دوسری تفصیلیں، رخصت کے وقت ابراہیم علیہ السلام کو بیتابی سے پکارنا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تسکین دینا، ہاجرہؑ کا مضطربانہ پانی کے لیے دوڑنا، یہ سب فطری باتیں ہیں اور ایسے وقت میں ہر شخص سے اسی طرح صادر ہوں گی، حضرت اسماعیل علیہ السلام کی بیوی کا جرہمی یا مصری ہونا کوئی بڑا اختلاف نہیں ہے، اس عہد میں یہی عرب مصر کے حکمراں قبائل تھے، اس بنا پر وہ عورت جرہمی بھی ہوسکتی ہے اور مصری بھی، نیز مسلمانوں (بخاری) اور یہودیوں (تالمود) کی روایت میں مذکور ہے کہ اسماعیل علیہ السلام نے دو بیویاں کی تھیں، ممکن ہے کہ ایک مصری اور ایک جرہمی ہو۔

ہاجرہ اور اسماعیل نے جس مقام کو اپنا مسکن قرار دیا، تورات میں اس کے متعلق یہ الفاظ ہیں:

> ''خدا اس بچہ کے ساتھ تھا، وہ بڑا ہوا، بیابان میں رہا اور ایک تیرانداز ہوا، وہ فاران کے بیابان میں رہا۔'' (تکوین: ۲۱-۲۰-۲۱)

قرآن مجید میں بھی اس مقام کا نام صرف وادغیر ذی زرع (بن کھیتی کی زمین) بتایا گیا ہے جو بیت اللہ (کعبہ) کے پاس واقع ہے، اس بنا پر اس سے وہ بیابان مراد ہوگا جو سلسلہ کوہ سعیر (یا سراۃ) کے ساتھ ساتھ بحر احمر کے کنارہ حدود شام سے حدود یمن تک وسیع ہے، جس کو بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ سے مدین کہتے ہیں اور عرب ایک مدت سے اس کو حجاز کہتے ہیں، فاران اور حجاز کے اتحاد پر مسلمان اور عیسائی مصنفین میں معرکۃ الآرا بحثیں ایک مدت سے جاری ہیں، عیسائی مصنفین کو حقیقی طور سے نہیں معلوم ہے کہ فاران کس مقام کا نام ہے، بعض مصنفین جزیرہ نمائے سینا کے مغرب میں مصر سے متصل فاران کا موقع قرار دیتے ہیں، بعض کوہ سینا کے دامن میں اس کو جگہ دیتے ہیں، بہرحال اجمائی طور سے ہمارے مخالفین کا منشا یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ سینا میں واقع ہے، اس رائے کی غلطی اور دعوائے اسلام کی صحت متعدد طرق سے واضح ہوتی ہے:

۱-سب سے اول یہ سمجھنا چاہیے کہ عرب، حجاز، مکہ، کعبہ یہ جتنے الفاظ و اسما ہیں، اس وقت تک پیدا ہی نہیں ہوئے تھے، لفظ عرب دسویں صدی قبل مسیح میں پیدا ہوا ہے (دیکھو جغرافیہ)، حجاز کا لفظ اس سے بھی زیادہ مستحدث ہے، مکہ کا نام دوسری صدی مسیحی میں بطلیموس کے یہاں سب سے پہلے مکاربا کی شکل میں نظر آتا ہے، اسی لیے تورات نے اس مقام کا نام اولاً صرف "مدبار" یعنی بادیہ بتایا ہے اور قرآن نے اس کو وادی غیر ذی زرع (بن کھیتی کی زمین) کہا کہ اس کے سوا اس کا اس وقت کوئی دوسرا نام نہ تھا، مدت کے بعد یہی لفظ بادیہ وصحرا اور وادی غیر ذی زرع اس ملک کا نام قرار پا گیا، لفظ عرب کے لغوی معنی بادیہ اور صحرا کے ہیں، مدبار (بادیہ) وادی غیر ذی زرع اور عرب ہم معنی لفظ ہیں اس لیے تورات کا یہ کہنا کہ اسماعیل علیہ السلام نے بادیہ میں سکونت کی اس کے بالکل یہ معنی ہیں کہ اس نے عرب میں سکونت کی۔

۲-ممالک عرب میں سے سب سے پہلا نام تورات میں مدیان (مدین) نظر آتا ہے (تکوین:۳۷-۲۸)، فاران کی طرح مدین غیر معروف نہیں ہے، شہر مدین تحقیقی اور یقینی طور سے حجاز میں ساحل بحر احمر وعقبہ کے سرے پر واقع تھا اور اب تک اسی نام سے وہیں موجود ہے، قدیم تاریخ میں جہاں کہیں بھی مدیانی لوگوں کا ذکر ہے، ساتھ ہی اتحاد نام کے ساتھ اسماعیلیوں کا ذکر ہے، بلکہ تورات نے اکثر دونوں کو ایک سمجھا ہے (تکوین:۳۷-۲۸-۳۶)، یہ اتحاد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک ہی پشت کے بعد تورات میں نظر آتا ہے:

"انہوں نے آنکھ اٹھا کر دیکھا کہ اسماعیلیوں کا ایک قافلہ جلعاد (شام) میں ایک پہاڑ کی طرف سے آیا، جو اونٹوں پر بخورات، بلسان اور مسالہ لا د کر مصر کو لے جا رہا تھا، ......انہوں نے کہا کہ یوسف کو ان اسماعیلیوں کے ہاتھ بیچ ڈالو،......اتنے میں مدیانی تاجروں کا قافلہ گزرا، جنہوں نے یوسف کو کنوئیں سے نکال لیا اور اسماعیلیوں کے ہاتھ بیچ ڈالا،......یہ اسماعیلی یوسف کو مصر لائے،......مدیانیوں نے یوسف کو مصر میں فروخت کیا، ......ایک مصری امیر نے یوسف کو اسماعیلیوں کے ہاتھ سے جو یوسف کو مصر لائے تھے، لے

لیا۔'' (تکوین: ۳۷-۳۹)

اس عبارت میں اسماعیلی اور مدیانی ناموں میں جو اختلاط اور تشابہ ہے، کیا اس کا حل بغیر اس کے ہوسکتا ہے کہ قافلہ کو نسلاً اسماعیلی اور وطناً مدیانی یعنی حجازی فرض کیا جائے، یہ واقعہ حضرت اسحٰق علیہ السلام کے بیٹے کے زمانہ کا ہے، اس بنا پر یہ اسماعیلی کارواں بھی حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بیٹے اور پوتے ہوں گے جن کو ابھی تک باپ کے مسکن کے چھوڑنے کی ضرورت نہیں ہوئی ہوگی، اس واقعہ کے پانچ سو برس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں بھی یہی اختلاط نظر آتا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام خود مدت تک مدین میں رہے تھے، تاہم خلفائے موسیٰ اسماعیلیوں میں اور اہل مدین میں کوئی فرق نہیں کرتے، اہل مدین نے بنی اسرائیل کے مقابلہ میں جب شکست پائی (غالباً ۱۳۰۰ ق م قبل مسیح میں) اور بنی اسرائیل کو بہت سامال غنیمت ہاتھ آیا تو بنی اسرائیل کا سردار جدعون کہتا ہے:

''میں تمہارے مال غنیمت میں صرف یہ سونے کے بالے مانگتا ہوں، کیوں کہ یہ لوگ مدیانی اسماعیلی ہیں۔'' (قضاۃ: ۸-۲۴)

ان آیات سے یہ بات بخوبی واضح ہوتی ہے کہ فاران سے مراد ملک حجاز ہی ہے، ان کے علاوہ اور بھی دلائل ہیں، جو ہندوستان کے مسلمان مناظرین کی کتابوں میں موجود ہیں، ہم نے ان سے تعرض نہیں کیا۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولادیں: حضرت اسماعیل علیہ السلام کی تیرہ اولادیں تھیں، بارہ بیٹے اور ایک بیٹی، خدا نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بشارت دی تھی:

''اور اسماعیل کے حق میں میں نے تیری سنی، دیکھ میں اسے برکت دوں گا اور اسے برومند کروں گا اور اس کو بہت بڑھاؤں گا، اس سے بارہ سردار پیدا ہوں گے اور میں اس کو بڑی قوم بناؤں گا۔'' (تکوین: ۱۷-۲۲)

آخر یہ بشارت استجابت کو پہنچی اور اسماعیل کا گھرانہ آباد ہوا، بیٹی کا نام تورات

میں ایک جگہ باسمہ[۱] اور دوسری جگہ محلاۃ[۲] لکھا ہے، خدا جانے ان میں سے صحیح کون ہے؟ یہ صاحبزادی اپنے عم زاد بھائی ادوم بن اسحٰق سے بیاہی گئی تھیں، ادوم اپنے باپ (اسحٰق) سے ناراض ہوکر اپنے چچا (اسماعیل) کے پاس چلے آئے تھے اور ان ہی کے ساتھ یہیں بادیہ میں رہتے تھے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارہ بیٹوں کے نام یہ تھے، نبایوط، قیدار، ادبائیل، مبشام، مشماع، دوما، مشا، حدر، تیما، یطور، نفیش، قیدماہ، یہ بارہوں بیٹے حسب بشارت ربانی اپنے خاندان کے بارہ رئیس[۳] تھے، ان میں سب سے بڑے نبایوط اور ان سے چھوٹے قیدار تھے اور یہی دونوں پچھلی تاریخ میں سب سے نمایاں نظر آتے ہیں، یہ تمام بھائی باپ کے زمانہ میں اور ایک عرصہ بعد تک حجاز ہی میں آباد رہے اور چچازاد بھائی کے بیٹوں یعنی فرزندان مدین کے ساتھ مل کر یمن وحجاز سے شام ومصر تک تجارتی قافلوں کے ساتھ سفر کیا کرتے تھے اور دیگر عرب تاجروں کی طرح خوشبودار چیزوں کی تجارت کرتے تھے[۴]۔

خوشبودار چیزیں یمن سے حجاز کی راہ سے مصر اور شام کو جاتی تھیں، شام اور یمن کے بیچ میں درمیانی منزل شہر مکہ تھا، اس لیے بنو اسماعیل بہت جلد تجارت میں فروغ حاصل کر سکے ہوں گے، بنو اسرائیل اسماعیلیوں کو کبھی اسماعیلی اور کبھی ماں کی نسبت سے ہاجری کہتے ہیں اور توارت میں ان ہی ناموں سے ان کا ذکر ہے، بنو اسماعیل کا توارت میں سب سے پہلے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے یعقوب کے زمانہ میں (تقریباً ۲۰۰۰ ق م قبل مسیح) تجارت کی حیثیت سے نام آتا ہے، حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام کو بھائیوں نے ایک کنویں میں ڈال دیا تھا، اتفاقاً ایک کارواں کا گزر ہوا، جس نے یوسف علیہ السلام کو کنویں سے نکالا اور مصر میں ایک امیر کے ہاتھ بیچ ڈالا، یہ کارواں اسماعیلی اور مدیانی تھا[۵]، تاریخ میں تجارت کا یہ سب سے پہلا قافلہ نظر آتا ہے۔

---

۱ تکوین:۳۶-۳ ۲ ایضاً:۲۸-۹ ۳ ایضاً:۲۵-۱۴-۱۵ ۴ ایضاً:۳۷-۲۶ ۵ ایضاً:۳۷۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں (تقریباً ۱۵۰۰ ق م قبل مسیح) بنو اسماعیل تمام حجاز میں یمن (حویلہ) سے شام (شور) تک پھیل گئے تھے[1]۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد قضاۃ بنی اسرائیل کے زمانہ میں (تقریباً ۱۳۰۰ ق م قبل مسیح) وہ عمالیق واہل مدین کے پہلو بہ پہلو سپاہیانہ جوہر کے ساتھ بنی اسرائیل پر چھاپہ مارتے ہوئے نظر آتے ہیں، سات برس تک متصل بنی اسرائیل اسماعیلیوں کے پنجہ میں گرفتار رہے، سال میں جب فصل تیار ہوتی، اسماعیلی برق و باد کی طرح آتے اور سب کاٹ کر لے جاتے، آٹھویں برس بنی اسرائیل میں جدعون نامی ایک پہلوان پیدا ہوا، اس نے اسماعیلیوں کو شکست فاش دی[2]۔ (تفصیل مدین میں گزر چکی۔)

اس زمانہ میں بنی اسماعیل کا نہایت دولت مند قوموں میں شمار تھا، کانوں میں مرد سونے کے زیور پہنتے تھے، اونٹوں کے گلے میں سونے کے قلاوے ڈالتے تھے، اس جنگ میں بنی اسرائیل کو جو مال غنیمت ہاتھ آیا اس میں صرف کان کے زیور کے سونے کا وزن سترہ سو مثقال تھا[3]۔

شاؤل (طالوت) کے عہد میں (غالباً ۱۰۵۰ ق م قبل مسیح میں) بنو اسماعیل حجاز سے نکل کر بادیہ شام اور بادیہ عراق تک پھیل گئے تھے، عموماً مؤرخین عرب کا بیان ہے کہ مکہ اور حجاز میں جب اسماعیل کی اولاد بہت زیادہ ہوگئی تو نجد و حدود عراق وغیرہ ممالک میں پھیل گئی[4]، اس کی تائید روایات یہود سے بھی ہوتی ہے، اسی زمانہ میں بنی اسرائیل کا ایک ٹکڑا ابھی نہر فرات کے قریب بادیہ عراق میں آکر آباد ہوگیا تھا، آخر بنو ہاجرہ سے سامنا ہوگیا، بنو اسرائیل نے لڑ کر بنو ہاجرہ کو نکال دیا اور ان کے خیموں میں جا کر خود آباد ہوگئے[5]۔

اس واقعہ کے چالیس برس کے بعد بنو اسماعیل و بنو ہاجرہ شمالی عرب و حدود شام کے قبائل سے متحد ہو کر حضرت داؤد علیہ السلام کے عہد میں (غالباً ۱۰۰۰ ق م قبل مسیح میں) بنی

---

[1] تکوین: ۲۵-۱۸ [2] قضاۃ: ۶، ۷، ۸ [3] قضاۃ: ۸-۲۶ [4] معارف ابن قتیبہ والاخبار الطوال دینوری، ص ۱۱، مصر و سیرت ابن ہشام، ذکر اصنام العرب [5] ایام: ۵-۱۰۔

اسرائیل پر حملہ کی تیاریاں اور مشورے کر رہے ہیں[۱]، ۷۰۰ رقبل مسیح میں جلعاد اور دیگر حدود شام میں جنگ آزمودہ اسرائیل دوبارہ بنو ہاجرہ سے برسر مقابلہ ہوتے ہیں اور ان کو شکست دیتے ہیں، مال غنیمت میں ان کو پچاس ہزار اونٹ، ڈھائی لاکھ بھیڑ، دو ہزار گدھے اور ایک لاکھ قیدی ہاتھ آئے[۲]، اس کے بعد ۶۰۰ رقبل مسیح میں وہ زمانہ آتا ہے جب بنو خدنصر (بخت نصر) آندھی کی طرح اسیریا سے اٹھتا ہے اور تمام شام و عرب کی خاک اڑا دیتا ہے اور پھر ہمیشہ کے لیے بنو اسرائیل اور آل اسماعیل کی مخاصمانہ حوصلہ مندیوں پر پردہ پڑ جاتا ہے، یہ بنو اسماعیل کی اجتماعی تاریخ تھی، اب تفرق و انتشار کے بعد ہر ایک اولاد اور نسل کی تاریخ کے متعلق ہم کو جو کچھ معلوم ہے، علاحدہ علاحدہ بہ ترتیب اہمیت و امتیاز لکھتے ہیں:

۱-مبشام

اس خاندان کے متعلق ہم کو کچھ نہیں معلوم۔

۲-ادبائیل

عرب مؤرخین کو اس کے متعلق کوئی واقفیت نہیں ہے، تورات میں اس کا کہیں ذکر نہیں ہے، فارسٹر کا بیان ہے کہ یہودی مؤرخ یوسیفوس نے لکھا ہے کہ ”یہ تقین اسماعیلی آبادیوں (یعنی نیل و فرات) کے درمیان یہ خاندان آباد تھا[۳]۔“

۳-مشماع

عرب مؤرخین نے بنو مسما نام ایک خاندان کا نجد میں سکونت پذیر ہونا بیان کیا ہے، یوسیفوس نے مساؤس اور بطلیموس نے مسی مانیس کے نام سے ان ہی اطراف میں ایک عرب قبیلہ کا ذکر کیا ہے[۴]۔

---

[۱] زبور: ۸۳-۶، ۵ [۲] ایام: ۵-۲۰، ۲۱ [۳] فارسٹر، ج ۱، ص ۶۸ [۴] ایضاً، ج ۱، ص ۲۷۴۔

۴-مشا

یونانی اور عرب جغرافیہ نویسوں کی شہادت کی بنا پر حدود عراق میں اس خاندان کے آثار نظر آتے ہیں، پلینی نے مسیا (Misaie) اور بطلیموس نے مسانی (Masani) کے نام سے ان اطراف میں بعض قبائل کا ذکر کیا ہے[۱]، عرب جغرافیہ نویسوں میں سے زکریا قزوینی، مشان نام ایک مختصر آبادی کا یہیں پتہ دیتا ہے[۲]، یاقوت حموی اسی مقام پر واسط و بصرہ کے مابین میسان نام ایک شہر کا ذکر کرتا ہے، یہودی اس شہر کا نہایت احترام کرتے ہیں اور اس کو حضرت عزیر علیہ السلام کا مدفن قرار دیتے ہیں، عہد اسلام میں بھی زیادہ تر یہاں یہودیوں کی آبادی تھی[۳]، سفر الایام نے جن بنو ہاجرہ کا بادیہ عراق میں ذکر کیا[۴] ہے شاید وہ یہی خاندان ہو۔

۵-حدر یا حدد

سفر تکوین میں اس کا املا حدر اور سفر ایام میں حدد ہے، حدد کے آثار عرب میں متعدد جگہ پائے جاتے ہیں، تیما کے پاس حدد نام ایک پہاڑی ہے، نجد میں بھی ایک قطعہ زمین کا نام حدد ہے[۵]، جوہری عرب کے ایک قبیلہ کا نام بھی حدد بتاتا ہے، نیوبھر انیسویں صدی کا ایک یورپین سیاح عرب شہر حدیدہ واقع یمن کو اسی حدد سے متعلق سمجھتا[۶] ہے لیکن مشرقی نگاہ میں حدد اور حدیدہ میں بہت بڑا فرق ہے۔

۶-یطور

یطور ساؤل کے زمانہ میں (۱۰۵۰ ق م قبل مسیح میں) حدود شام کے صوبہ حوران میں نظر آتے ہیں، بنی اسرائیل کی ایک جماعت سے برسر پیکار ہوتے ہیں اور شکست کھاتے ہیں[۷]

---

[۱] فارسٹر، ج ۱، ص ۲۸۵ [۲] آثار البلاد قزوینی، ص ۱۳۰۸، مطبوعہ یورپ [۳] معجم البلدان، ج ۸، ص ۲۲۴، مصر [۴] ایام: ۵-۱۲ [۵] معجم البلدان، ج ۳، ص ۲۳۲، مصر [۶] فارسٹر، ج ۱، ص ۲۸ [۷] سفر ایام، ۵-۱۲۔

لیکن یونانی جغرافیہ نویس اسٹرابو (۲۴ قبل مسیح) تک ان کی آبادی قائم رہتی ہے، لکھتا ہے:[۱]

"وہ تمام سلسلہ کوہ جو لبنان اور بصرہ کے درمیان نظر آتا ہے، عربوں سے اور یطوریوں سے آباد تھا۔"

یونانی میں یطور جطور ہوگیا ہے، اس بنا پر برکھارڈ ایک یورپین سیاح شام کے شہر جدور کو اسی جطور سے نسبت دیتا ہے[۲] یہ شہر مشرقی جغرافیہ نویسوں سے بھی مخفی نہیں[۳] لیکن اگر جدور ہی کو یطور کا مسکن قرار دینا ہے تو یہی نام ہم کو حجاز میں مدینہ سے چھ میل کی مسافت پر نظر آتا ہے[۴] لیکن عام فہم مشرقی بھی جانتا ہے کہ یطور کی شکل کسی صورت میں بھی جدور نہیں ہوسکتی۔

۷- نافیش

سفر ایام ثانی (۵-۱۲) سے ثابت ہوتا ہے کہ یطور کے ساتھ یہ خاندان بھی حوران ہی میں آباد تھا اور بنی اسرائیل کے مقابلہ میں اپنے بھائیوں کے ساتھ شریک جنگ تھا۔

۸- دوما

اس خاندان کا مسکن اب تک اسی نام سے مشہور ہے، دومۃ الجندل شمالی عرب میں مدینہ اور شام کے درمیان ایک مشہور مقام ہے، عرب جغرافیہ نویسوں نے تشریح کی ہے کہ دومۃ الجندل اسی دومہ کی طرف منسوب ہے، پچھلے زمانہ میں یہاں نصاریٰ آباد تھے[۵]۔

۹- تیما

حدود عرب وشام میں اس خاندان کے انتساب سے ایک قدیم آبادی ہے،

---

۱ سفر ایام: ۵-۱۲ ۲ فارسٹر، ج ۱، ص ۳۱۰ ۳ معجم البلدان یاقوت، ج ۳، ص ۲۶، مصر ۴ ایضاً

۵ ایضاً، ج ۱، ص ۱۰۶، مصر۔

حضرت ایوب علیہ السلام نبی کے زمانہ میں اس خاندان کو کسی قدر فوجی اہمیت بھی حاصل تھی، سفر ایوب (۶-۱۹) میں تیما کے سواروں کا ذکر ہے، اشعیا نبی نے بھی (۸۰۰ قبل مسیح میں) سرزمین تیما کا نام لیا ہے (۲۱-۱۴)، زمانہ اسلام میں یہاں یہود آباد تھے[1]۔

۱۰- قید ماہ

اصحاب الرس

فارسٹر صاحب نے قید ماہ کو کاظمہ (واقع خلیج فارس) کا مترادف سمجھا ہے اور اس لیے اس کو خلیج فارس پر جگہ دیتے ہیں، کاظمہ یقیناً انگریزی لب ولہجہ میں ''کیڈما'' ہوجائے گا لیکن ہر مشرقی لب ولہجہ کا واقف کار اس تحقیق پر ہنس دے گا کہ قید ماہ اور کاظمہ ایک چیز ہے، قرآن مجید میں ایک قبیلہ کا نام اصحاب الرس مذکور ہے، بعض مؤرخین کا بیان ہے کہ قید ماہ ہی کا نام اصحاب الرس تھا، ہمارے یہاں مفسرین اصحاب الرس کی تعیین میں نہایت مشکوک الرائے ہیں، امام طبری نے ارباب روایت کی تین روایتیں نقل کی ہیں:

۱- رس کنویں کو کہتے ہیں، ایک امت نے اپنے پیغمبر کو کنویں میں ڈال دیا تھا، اس لیے اس کو اصحاب الرس کہتے ہیں۔

۲- رس ملک آذربیجان کے پار ایک آبادی کا نام ہے۔ (شاید روس سے مقصد ہو)

۳- رس غار کو کہتے ہیں اور اس سے مراد اصحاب الاخدود ہیں۔

لیکن مؤرخ مسعودی بلا تزلزل رائے لکھتا ہے:

> ''اصحاب الرس، اسماعیل کی اولاد میں سے تھے، وہ دو قبیلے تھے، ایک کا نام قدمان تھا اور دوسرے کا یامین اور کہا گیا ہے کہ رعویل تھا اور یہ یمن میں تھے[2]۔''

---

[1] معجم البلدان، ج ۲، ص ۴۴۳، مصر [2] مروج الذہب، ص۔

قید مان قید ماہ کی بگڑی ہوئی صورت ہے، اصحاب الرس کا اس کے علاوہ کوئی اور حال نہیں معلوم، قرآن مجید نے اصحاب الرس کا دو مقام پر ذکر کیا ہے لیکن کوئی حال بیان نہیں کیا، بلکہ صرف گنہ گار قوموں کی فہرست کے ضمن میں اس کا نام لیا ہے:

وَّعَادًا وَّثَمُوْدَا۟ وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ (فرقان:۳۸)	عاد، ثمود اور اصحاب الرس کو۔
كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّاَصْحٰبُ الرَّسِّ وَثَمُوْدُ (ق:۱۲)	اس سے پہلے نوح کی قوم کو اصحاب الرس اور ثمود نے جھٹلایا۔

۱۱- نبایوط یا نابت یا نبط

اصحاب الحجر

نبایوط کو اہل عرب عموماً نابت کہتے ہیں، ان کی روایتوں کے مطابق خانہ کعبہ کی تولیت حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد سب سے بڑے بیٹے نابت کے حصہ میں آئی[1]، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نبایوط نے حجاز ہی میں قیام کیا لیکن بعض حوالوں سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ فرزندان نبایوط عراق میں موجود تھے لیکن اصل یہ ہے کہ بدویانہ زندگی کے ساتھ وہ حجاز سے عراق تک خانہ بدوشانہ پھیلے ہوئے ہوں گے۔

تحریری حیثیت سے نبایوط کا نام ساتویں صدی قبل مسیح میں نظر آتا ہے، حزقیال نبی پیشین گوئی کرتے ہیں کہ "نبایوط کی بھیڑیں نذر لی جائیں گی" (۶۰-۷)، اشور بانیال، اسیریا کا بادشاہ جس کا بھی تقریباً یہی زمانہ ہے، اپنے مفتوحین کی فہرست میں نباطی قوم کا نام لیتا ہے، یوسیفوس یہودی جو پہلی صدی مسیحی میں تھا، لکھتا ہے:

"ملک بحر احمر (حجاز) سے نہر فرات (عراق) تک اسماعیل کے بارہ بیٹوں کے

---

[1] اخبار الطوال، ابوحنیفہ دینوری، المتوفی ۲۸۱ ہجری، ص ۱۱، مصر۔

قبضہ میں ہے، جن کے سبب سے اس کا نام نباطینہ پڑ گیا ہے۔'' (حوالہ آتا ہے۔)

اسی زمانہ میں جب رومی شام پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں تو نبطی عربوں سے ان کی مڈبھیڑ ہوتی ہے اور شام و عرب کے حدود پر ان کی ایک عظیم الشان حکومت نظر آتی ہے، اہل عرب بھی ان نبطیوں سے واقف تھے، اسی لفظ ''نبط'' کی جمع عربی میں انباط ہے۔

انباط اور روایاتِ عرب: مؤرخین عرب فرزندان نبایوط یا انباط سے زیادہ واقف نہیں ہیں، وہ صرف انباط کے نام اور ان کے مسکن تخمینی سے البتہ واقف ہیں، ان کا نام کبھی نبط اور کبھی آرامی بتاتے ہیں اور ان کا مسکن شام و عراق ظاہر کرتے ہیں، ابن خلدون نے لکھا ہے:

واول الملك للعرب بالشام فيما علمناه للعمالقة ثم لبني ارم بن سام ويعرفون بالارمانيين (ج ۲، ص ۲۷۸)	جہاں تک ہم کو معلوم ہے عربوں کی پہلی حکومت شام میں عمالقہ کی تھی، پھر ارم بن سام کی جو ارمانی کے نام سے مشہور ہیں۔

اس عبارت کے ساتھ ہمزہ اصفہانی کی عبارت ضم کرو:

الارمانيون نبط الشام والاردوانيون نبط العراق	ارمانی شام کے نبطیوں کے نام ہیں اور اردونی عراق کے نبط کا۔

انباط نے چوں کہ ایک متمدن اور غیر بدوی زندگی اختیار کر لی تھی، اس لیے عربوں کے محاورہ میں:

اما النبط فكل من لم يكن راعيًا او جند يا عند العرب من ساكني الارضين (یاقوت ۲۳ عرب)	نبط عرب کے نزدیک ہر وہ شخص ہے جو چرواہا یا سپاہی نہ ہو۔

اہل عرب عموماً نبط کو قوماً و اصلاً غیر عرب سمجھتے ہیں، ان کے نزدیک عرب و عجم جس طرح دو متقابل نام ہیں، اسی طرح نبطی و عربی کو بھی باہم متقابل سمجھتے ہیں، اس کا سبب صرف معاشرت، طرز زندگی اور زبان کا اختلاف ہے، ورنہ درحقیقت نبط بھی اسماعیلی عرب

ہیں لیکن چوں کہ انہوں نے عموماً حدود عرب اور حدود عرب سے باہر غیر قوموں میں اپنا مسکن بنایا اس لیے وہ نسب محفوظ نہ رکھ سکے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

تعلموا النسب ولا تکونوا کنبط السواد اذاسئل احدھم عن اصلہ قال من قریۃ کذا (عقد الفرید، ج۳، ص۴۷)

نسب نامہ سیکھو، عراق کے نبط کی طرح نہ بن جاؤ کہ جب ان میں سے کسی سے پوچھا جائے کہ تم کس خاندان سے ہو تو جواب دیتے ہیں کہ ہم فلاں شہر کے ہیں۔

ہمارے مؤرخین کی معلومات انباط کے متعلق صرف اسی قدر ہیں لیکن انباط کی خود معاصر قوموں نے ان کے حالات کو سیاسی تعلقات کی بنا پر بہت کچھ محفوظ رکھا ہے اور اب اکتشافات اثریہ نے بھی ان معلومات میں کسی قدر اضافہ کر دیا ہے۔

انباط اور نبایوط و نابط کا ترادف: سب سے پہلا سوال یہ ہے کہ انباط جن کی تاریخ کا مفصل تذکرہ یونانی و رومی مؤرخین نے کیا ہے اور نبایوط پسر اسماعیل جن کا تورات میں ذکر ہے اور نابت بن اسماعیل جن سے عربوں کو ہم نسبی کا دعویٰ ہے، کیا درحقیقت ان مختلف الفاظ سے ایک ہی مفہوم مراد ہے؟ ہمارا جواب اثبات میں ہے، اہل عرب انباط کو عربوں سے الگ ایک بیرونی قوم سمجھتے ہیں لیکن یہ درحقیقت ایک مدت تک کے تباعد اور تفریق کا نتیجہ ہے، جن یونانی اور رومی مؤرخین نے انباط کا ذکر کیا ہے، انہوں نے متفقاً ان کو عرب لکھا ہے، سب سے بڑی معتبر شہادت یہودی مؤرخ یوسیفوس کی ہے جو انباط کا معاصر اور نسل و وطن کے لحاظ سے بھی ان سے قریب تھا، اس لیے یقین ہے کہ ان کے متعلق اس کی شہادت پایہ اعتبار سے ساقط نہ ہوگی، وہ بہ تصریح تمام لکھتا ہے کہ ''انباط اسماعیلی عرب از نسل نبایوط ہیں[1]''

مؤرخین اسلام بھی اس رائے کے ساتھ ہیں، مؤرخ طبری نے لکھا ہے:

و من نابت و قیدار نشر اللہ العرب (ج۱، ص۳۵۲، طبع یورپ)

عرب کو نابط اور قیدار کی نسل سے خدا نے پھیلایا۔

---

[1] حوالہ آتا ہے۔

یاقوت حموی نے (لفظ عربہ کے تحت میں) ایک نئی بات لکھی ہے کہ "عرب ہر اس قوم کو نبط کہتے ہیں جو گلہ بان اور سپاہی نہ ہو، دوسرے الفاظ میں اس کا مفہوم یہ ہے کہ جو غیر بدوی زندگی بسر کرتی ہو، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ چوں کہ نبط نے عراق کے تاثر سے متمدن زندگی اختیار کر لی تھی، اس لیے بادیہ نشینان عرب نے ہر غیر بدوی قوم کو نبط کا مرادف سمجھ لیا۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص سے اس کا نسب پوچھا تو اس نے کہا کہ "ہم کوثی (واقع عراق) کے نبط ہیں" اور یہ بالاتفاق معلوم ہے کہ وہ اسماعیلی قریشی عرب تھے، اس سے ثابت ہوگا کہ نبط اسماعیلی عرب ہیں جو عراق تک پھیلے تھے۔

نابت کی بقیہ اولادیں خود اندرون ملک میں بھی تھیں اور متعدد وجوہ سے ہماری یہ رائے ہے کہ عرب شمالی کی وہ اکثر قومیں جو غلطی سے قحطانی کہلاتی ہیں، وہ دراصل نابتی ہیں من جملہ دیگر قبائل کے غسان اور اوس وخزرج کے متعلق تو بتصریح ثابت ہے کہ وہ قحطانی نہیں بلکہ نابتی ہیں، تفصیل آتی ہے۔

انباط کا عہد حکومت: انباط ایک مدت تک دیگر عرب قبائل کی طرح بحر احمر سے بحر فرات تک مستقل وادیوں میں بدویانہ زندگی کے ساتھ آوارہ پھرتے رہے، اس بدویت کا زمانہ ۲۰۰۰ر قبل مسیح (عہد اسماعیل) سے ۷۰۰ر قبل مسیح تک قرار دیا جاسکتا ہے، تورات نے نبایوط کا فرزندان اسماعیل کے ضمن میں ۲۰۰۰ر قبل مسیح میں پہلی بار نام لیا ہے اور آخر اُحزقیال نبی نے جو کم وبیش ۷۰۰ر قبل مسیح میں تھے، نبایوط کا ذکر کیا ہے کہ "نبط، نبایوط کی بھیڑیں نذر لی جائیں گی" (۶۰-۷) کتبات میں نبط کا نام اشور بانیپال شاہ اسیریا کے کتبہ میں تقریباً اسی عہد یعنی[1] ۷۰۰ر قبل مسیح میں نظر آتا ہے، وہ اپنے مفتوحین کی فہرست میں ناتان شاہ نبط کا ذکر کرتا ہے، حزقیال کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ نبط اس وقت چوپانی کی بدوی زندگی بسر کر رہے تھے لیکن یہ اسیری کتبہ ایک

---

[1] تاریخ بابل راجرس امریکانی، ج ۲، ص ۲۷۶۔

نبطی حکومت کی اس عہد میں خبر دیتا ہے، ممکن ہے کہ بادشاہ سے مقصود ایک نبطی بدوی شیخ ہو، بہرحال نبطی حکومت کی تاریخ از روئے تاریخ یونانی و کتبات نبطی ۴۰۰ قبل مسیح سے پہلے روشن نظر نہیں آتی، آخری تاریخ ۱۰۶ قبل مسیح ہے جب کہ رومی حکومت ان کو اپنے اندر جذب کر لیتی ہے۔

انباط کا رقبہ حکومت: انباط کی حکومت کے حدود اولاً وہ قطعہ ملک تھا جس کو یونانی عرب سنگستان (عربیا پٹرا) کہتے ہیں اور عبرانی ادوم اور سعیر (سراۃ) یعنی خلیج عقبہ سے بحر میت تک، ڈائیڈروس (۸۰ قبل مسیح) بیان کرتا[۱] ہے کہ "انباط خلیج ایلہ (عقبہ) پر رہتے ہیں، اسٹرابو ۲۴ عیسوی ایک ضمنی تذکرہ میں کہتا[۲] ہے کہ "اہل ادوم انباط ہیں" لیکن ادوم سے آگے بڑھ کر اب وہ عرب آبادان پر بھی قابض ہو گئے تھے، مصنف مذکور لکھتا ہے "اور اہل ادوم وسبائی جو شام کے اوپر واقع ہیں پہلی قوم ہیں جنہوں نے عرب آبادان (عربیا فللکس) پر قبضہ کیا ہے" یوسیفوس جو پہلی صدی مسیحی میں تھا، بیان کرتا ہے کہ اس عہد میں وہ عرب ریگستان (عربیا ڈزرٹا) تک پھیل گئے تھے، اس کے خاص الفاظ یہ ہیں[۳]:

> "ملک بحر احمر سے نہر فرات تک اسماعیل کے بارہ بیٹوں کے قبضہ میں ہے، جن کے سبب سے اس ملک کا نام ملک نباطینہ Nabatena پڑ گیا ہے، اس کی سرحد (مغرب میں) مصر اور عرب سنگستان Petra سے مل گئی ہے اور بہت سے بیابانوں اور بلند و فراز زمینوں کو شامل ہے، جو مشرق کی طرف خلیج فارس تک منتہی ہوتی ہے، عموماً اس ملک کے باشندوں کا نام Nabayoth عرب ہے۔"

ان شہادتوں سے ظاہر ہوگا کہ انباط کا ملک مغرب میں بحر احمر اور مشرق میں خلیج فارس تک وسیع تھا اور اس کے درمیان کے تمام ممالک یعنی عرب سنگستان و عرب ریگستان و بعض قطعہ عرب آبادان پر قابض تھے لیکن اس طویل و عریض ملک میں انباط کی اصل آبادی خلیج عقبہ (ایلہ) کے اطراف میں تھی، ڈائیڈروس کا بیان ہے[۴]:

---

۱ گولڈ مائنس آف مدین، ص ۲۲۵ ۲ ایضاً ۳ اینٹی: ۱-۱۲ ۴ گولڈ مائنس آف مدین، ص ۱۸۲۔

''اوپر گزرتے ہوئے تم خلیج عقبہ (ایلہ) Laiarites Gulf میں داخل ہو گئے جس کے حدود پر ان عربوں کی بہت سی آبادیاں ہیں، جن کو لوگ نبط Nabataisi کہتے ہیں، یہ لوگ نہ صرف سواحل کے بڑے حصے پر قابض ہیں بلکہ وہ اندرون ملک میں بھی دور تک پھیل گئے ہیں، کیوں کہ زمین آباد اور نہایت سرسبز ہے۔''

تخصیص کے ساتھ ملک انباط کے شہروں کے نام یوسیفوس[1] میں مذکور ہیں لیکن یونانی تلفظ نے عربی رنگ و روغن ان کے چہروں سے اتار دیا ہے، وہ شہر یہ ہیں، میدابہ، بنالو، لیبیس، ثرابسہ، غالہ، اثون، صور، اوروں، مرسیہ، روہ، لوسۂ عروبہ، ان کے علاوہ رقیم (پٹرا) اور حجر مشہور شہر تھے۔

انباط کا دارالحکومت: انباط کا ملک جن حدود پر مشتمل تھا، وہ درحقیقت تین قدیم ممالک کا مجموعہ تھا، ملک ثمود (وادی القریٰ) جس کا دارالحکومت حجر تھا، ملک مدین جس کا پایہ تخت خود شہر مدین تھا اور ملک ادوم جس کی حکومت کا مرکزی شہر رقیم (پٹرا) تھا، انباط کا پایہ تخت پہلے شہر رقیم (پٹرا) تھا، جہاں ان کے آثار اب تک باقی ہیں لیکن پہلی صدی قبل مسیح میں جب رومیوں نے مصر و شام پر قبضہ کیا تو رفتہ رفتہ وہ پٹرا (رقیم) پر بھی قابض ہو گئے، اسٹرابو (۲۴ رعیسوی) بیان کرتا ہے کہ ''اب (۲۴ رعیسوی) انباط اور شامی دونوں رومیوں کی رعایا ہیں''[2] اس مفتوحی سے مقصود پٹرا یعنی رقیم کی مفتوحی ہے، ورنہ نفس حکومت تو ۱۰۶ رعیسوی تک باقی تھی، پٹرا (رقیم) سے ہٹ کر انباط نے اب حجر کو اپنا مرکز قرار دیا تھا جو ملک ثمود میں واقع تھا، اسی لیے قرآن مجید نے ان کو ''اصحاب الحجر'' کے نام سے یاد کیا ہے، تفصیل آگے آتی ہے۔

''حجر'' جس صوبہ ملک میں واقع ہے، عربوں کے ہاں اس کا نام وادی القریٰ ہے، اس کے لفظی معنی آبادیوں کی وادی ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ میدان عہد قدیم میں نہایت کثرت سے آباد تھا، اس کی تصدیق اب معاصر مؤرخین کی روایتوں سے بھی ہوتی

---

[1] اینٹی، کتاب ۱۴، باب ۱، بند ۴ [2] گولڈ مائنس آف مدین، ص ۳۲۵۔

ہے، ابھی ڈائیڈروس کا بیان گزر چکا ہے کہ حدود ایلہ پر انباط کی بہت سی آبادیاں ہیں اور وہ نہایت کثرت سے آباد ہیں، اسٹرابو بھی انباط کی نہایت گنجان آبادی کا ذکر کرتا ہے[1]۔

شاہان انباط: شوری کتبہ کی شہادت کی بنا پر گو شاہان نبط کا ابتدائی سلسلہ ۷۰۰ ر قبل مسیح سے شروع ہوتا ہے، جب کہ ''ناتان'' شاہ نبط بادشاہ اسیریا اشور بانیپال کی خدمت میں نذر پیش کرتا ہے[2] لیکن یونانی تاریخ اور موجودہ نبطی آثار اور سکے ۲۰۰ ر قبل مسیح سے پہلے کسی نبطی بادشاہ کا ذکر نہیں کرتے، اس کے اسباب بھی واضح ہیں، یونانیوں کو اس سے پہلے انباط سے سروکار نہ تھا، ورنہ خود انباط اس عہد سے پہلے متمدن زندگی بسر کرتے تھے، بہرحال تاریخ و آثار نے اب تک جو انکشاف حال کیا ہے، اس کی اعانت سے اب تک ڈوسے (Dussaud) ایک فرنچ مستشرق نے بادشاہوں کے ناموں کی ایک فہرست تیار کی ہے[3]، یہ فہرست ۱۶۹ ر قبل مسیح سے شروع ہو کر ۱۰۶ ر عیسوی پر ختم ہو جاتی ہے، اس میں ایک نام ''مالک اول'' کا اضافہ ہم خود یوسیفوس[4] کے حوالہ سے کرتے ہیں:

نام	مدت حکومت
حارث اول	۱۶۹ ر قبل مسیح
زید بابل	۱۴۶ ر قبل مسیح
مالک اول	ر قبل مسیح
حارث ثانی	۱۱۰ ر قبل مسیح - ۹۶ ر قبل مسیح
عبادہ اول	۹۰ ر قبل مسیح
ریبال اول بن عبادہ اول	۸۷ ر قبل مسیح
حارث ثالث بن ریبال	۸۷ ر قبل مسیح - ۶۲ ر قبل مسیح

[1] کتاب مذکور، ص ۱۸۴ [2] تاریخ بابل و اشور از راجرس امریکانی، ج ۲، ص ۲۷۶ [3] فرنچ ایشیاٹک سوسائٹی جرنل، ۱۹۰۴ء [4] قدامت یہود، کتاب ۱۳، باب ۵، بند۔

نام	مدت حکومت
عبادہ ثانی بن حارث ثالث	۶۱ر قبل مسیح - ۴۷ر قبل مسیح
مالک دوم بن عبادہ ثانی	۴۷ر قبل مسیح - ۳۰ر قبل مسیح
عبادہ ثالث بن مالک دوم	۳۰ر قبل مسیح - ۹ر قبل مسیح
حارث رابع بن مالک دوم	۹ر قبل مسیح - ۴۰ر عیسوی
خلدو (خالدہ) زوجہ حارث، شقیلہ زوجہ حارث	
مالک سوم بن حارث شقیلہ زوجہ مالک	۴۰ر عیسوی - ۷۵ر عیسوی
ربیال ثانی بن مالک ثانی جمیلہ زوجہ ربیال	۷۵ر عیسوی - ۱۰۱ر عیسوی
مالک چہارم	۱۰۱ عیسوری - ۱۰۹ر عیسوی

تمدنی حالات: ہر شائستگی کی ابتدا عہد بداوت ہے، انباط کی ابتدائی زندگی عام قبائل عرب کی سادہ و غیر مصنوع زندگی تھی، جن کی دولت کا تنہا خزانہ مواشی تھے (حزقیال: ۷۰-۶) لیکن جب مغربی قوموں نے انہیں اپنے تمدن و شائستگی کے بل پر شکست دینا چاہا تو ان کو بھی مجبوراً متمدن بننا پڑا، مؤرخین یونان میں سے ڈائیڈ روس (۸۰ر قبل مسیح) اور اسٹرابو (۲۴ر عیسوی) نے انباط کے آداب معیشت و تمدن کو سب سے بہتر بیان کیا ہے، ڈائیڈ روس کہتا ہے:

''وہ یعنی انباط کھلی ہوا میں زندگی بسر کرتے ہیں اور نا قابل سکونت ہوا میں رہتے ہیں، ان کے ملک میں نہ کوئی دریا ہے اور نہ چشمہ، جس سے حملہ آور دشمن فائدہ اٹھا سکیں، ان کا قومی آئین یہ ہے کہ وہ نہ غلہ کی زراعت کریں اور نہ درخت لگائیں، نہ شراب پئیں اور نہ گھر بنائیں، جو شخص اس کے خلاف کرتا ہے، اس کو سزائے موت دی جاتی ہے۔

بعض لوگ اونٹ کے گوشت پر گزر کرتے ہیں اور بعض بکری اور بھیڑ کے گوشت

قحطانی	غسانی	اسماعیلی نبطی
فرع ینہب	جفنہ	حارث اول
ذمرعلی بین	تعلبہ	زیدایل
الیشرح یحمل	حارث اول	حارث دوم
کرب ایل وتار	جبلہ اول ودوم	عبادہ اول
یاسر انعم	حارث دوم	حارث سوم
شمر یرعش	منذر	ربیال
مللیکرب یوہنعم	نعمان	عبادہ دوم
شرجیل یعفر	حارث سوم	مالک اول ودوم وسوم
ذونواس	حارث چہارم	حارث چہارم

آل غسان کی تاریخ: یہ معلوم ہو چکا ہے کہ دوسری صدی کے وسط میں غسانی تہامہ میں اقامت گزیں تھے، اس کے بعد وہ حدودِ شام میں منتقل ہوئے ہیں، ان اطراف میں غسانیوں کی انتہائے حکومت کا زمانہ ۶۳۳ءعیسوی (عہدِ فاروقی) ہے، ابتدائے عہد کی تاریخ نامعلوم ہے، اب قرائن سے اس کی تعیین کرنی چاہیے، عرب مؤرخین کی تفصیل کی بنا پر غسانیوں کی مدتِ حکومت میں اختلاف ہے، حمزہ اصفہانی نے چھ سو برس لکھی ہے، اس بنا پر ان کا ابتدائی زمانہ پہلی صدی مسیحی ہوگا لیکن یہ قطعاً غلط ہے کیوں کہ یہ قطعی طور سے معلوم ہے کہ انباط کی حکومت رومیوں کے زیرِ اقتدار ۱۰۶ءہجری تک باقی تھی، نیز بطلیموس کے عہد تک یعنی دوسری صدی عیسوی تک آلِ غسان تہامہ میں موجود تھے۔

ابوالفدا نے ان کی مدت ۴۰۰ءقرار دی ہے اور قرائن مذکورہ بالا کے لحاظ سے یہ تقریباً صحیح ہے، اس بنا پر ان کی حکومت کا ابتدائی زمانہ تیسری صدی مسیحی کا اوائل ہوگا، عرب مؤرخین کا بیان ہے کہ غسان سے پہلے یہاں مشہور عرب قبیلہ قضاعہ کی شاخ تنوخ اور سلیح (ضجعم)

برسر اقتدار تھی، اس بنا پر ان کا زمانہ ۱۰۶ (زوالِ انباط) سے ۲۰۰ (عروجِ غسان) تک ہوگا۔

عرب و شام کے درمیان جو حدود ہیں، ان کو حوران کہتے ہیں اور ان ہی کا اذرعات بھی نام ہے، یہ قدیم زمانہ میں موآب، عمان اور ادوم سے متعلق تھا اور اس عہد سے پہلے یہاں انباط کی حکومت تھی، اب گو یہ رومیوں کے زیرِ اقتدار تھا، تاہم اصلاً آلِ غسان کی حکومت تھی، تدمر، رقیم، عمان، معان وغیرہ شہر اس میں آباد تھے، مشہور شہر بصریٰ اس کا دار الحکومت تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبل بعثت اسی حکومت کے زمانہ میں بغرض تجارت شام اس شہر میں وارد ہوئے تھے، بحیرا راہب کا جو قصہ بیان کیا جاتا ہے وہ بھی یہیں کا واقعہ ہے۔

اس خاندان کے بادشاہوں کی تعداد حمزہ نے ۳۲ ر بیان کی ہے لیکن اس تعداد میں عموماً بعض معاصر حکمراں غسانی شہزادوں کو بھی شمار کرلیا گیا ہے، حقیقی اور مستقل بادشاہوں کی تعداد مسعودی نے ۱۹ ر اور ابن قتیبہ نے ۱۰ ر لکھی ہے لیکن چار سو برس کی مدت کے لیے یہ تعداد کم ہے۔

اسکندر کے بعد ایران میں ۳۲۴ ر ق م میں جو طوائف الملوکی پیدا ہوئی، اس کا خاتمہ ۲۲۶ ر ء میں اردشیر بن بابکان ساسانی کے ظہور پذیر پر ہوا، اسی نئی طاقت نے جو جوش سے بھری ہوئی تھی، عرب کے شمالی حدود پر رومیوں سے ٹکر کھائی اور تین صدیوں تک برابر باہم زور آزمارہی۔

یہی مواقع تھے جن میں ایران و روم دونوں عربوں کی اعانت کے طالب تھے، شاہان حیرہ (عراق) ان معرکوں میں ایرانیوں کی طرف تھے، غسانی جنہوں نے عموماً عیسائی مذہب اختیار کرلیا تھا، رومیوں کے ساتھ تھے، اس تعلق سے رومیوں کی تاریخ میں جن غسانی بادشاہوں کے نام آئے ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

۱-	جبلہ	۵۰۰ء	۵-	حارث اصغر بن حارث اکبر	۵۸۴-۶۱۴ء عمومی
۲-	حارث اکبر بن جبلہ	۵۶۹ء	۶-	حارث اعرج بن حارث اصغر	
۳-	ابوکرب منذر بن حارث اکبر	۵۸۲ء	۷-	نعمان بن حارث اصغر	
۴-	نعمان بن منذر		۸،۹-	عمرو بن حارث اصغر و حجر بن عمر	

۱۰-	جبلہ بن ایہم	۶۳۶ء			

آلِ غسان کی تاریخ تمام تر ایران و روم کی تاریخ کا خلاصہ ہے اور اسی تعلق سے غسان ہمیشہ حیرہ کے بادشاہوں سے لڑتے رہتے تھے، ایرانیوں کے مقابلہ میں رومیوں کو اگر کبھی کامیابی ہوئی تو وہ ہمیشہ غسانیوں کی امداد کا نتیجہ تھا اور خود رومی بھی شکرگزاری کے ساتھ اس نتیجہ کا احساس کرتے تھے۔

رومیوں کی تاریخ میں سب سے پہلے جبلہ کا نام آتا ہے، ۴۹۷ عیسوی کی ملکی بغاوت میں اس نے رومیوں کے بڑی مدد کی تھی، جبلہ کے بعد حارث بن جبلہ رومیوں کی نظر میں عرب کا سب سے بڑا ہیرو ہے، یہ نہایت مہیب، شجاع اور پردل بادشاہ تھا، ۵۲۸ عیسوی میں حیرہ کی اور ۵۳۱ عیسوی میں رومیوں کے ساتھ ایرانیوں کی لڑائی میں اس نے نہایت ناموری حاصل کی، ۵۶۳ عیسوی میں قیصر روم کی ملاقات کو قسطنطنیہ گیا، اسی کی وساطت سے کندہ کا شہزادہ اور عربی کا مشہور شاعر امرءالقیس قیصر تک پہنچا تھا، حارث نے ۵۶۹ عیسوی میں وفات پائی۔

حارث کے بعد منذر تخت نشین ہوا، بہادری اور رومیوں کی اعانت میں یہ بھی اپنے پیش رو سے کم ثابت نہ ہوا، ۵۸۰ عیسوی میں قسطنطنیہ گیا، رومیوں نے اس کے سر پر تاج رکھا، حارث کے بعد اور بھی ایک دو بادشاہ رومیوں کی تاریخ میں مذکور ہیں لیکن انہوں نے کوئی بڑی ناموری حاصل نہیں کی۔

چھٹی صدی کی ابتدا سے ربع صدی تک (۶۰۱ عیسوی سے ۶۲۵ عیسوی تک)

مشرق و مغرب میں یا مجوسیت یا عیسائیت میں جو زور آزمائیاں ہوئیں، ان سے غسانیوں کی یہ چھوٹی سلطنت بھی مستثنیٰ نہ تھی، خسرو پرویز کی اولوالعزمیوں نے پندرہ برس میں دامن فرات سے وادی نیل اور ساحل باسفورس تک ہر جگہ خاک اڑا دی، شام میں رومیوں کی شکست نے ۶۱۳ عیسوی میں غسانیوں کی بساط الٹ دی، قرآن مجید کی یہ پیشین گوئی جو سورۂ روم میں ہے، اسی موقع کے متعلق ہے۔

رومی اپنی شہنشاہی کا تمام مشرقی حصہ کھو چکے تھے، آرمینیہ، شام، مصر، ایشیائے کوچک ہر جگہ صلیبی علم کے بجائے درفش کاویانی لہرا رہا تھا، ایرانی قسطنطنیہ کا محاصرہ کیے ہوئے پڑے تھے، ہرقل (ہرکلیوس) قیصر روم قسطنطنیہ سے فرار کا سامان کر چکا تھا کہ مکہ کا پیغمبر نبوت کی پرجلال آواز میں مترنم ہوا:

الٓمّٓ غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ فِیْ بِضْعِ سِنِيْنَ (الروم ۳۰:۱-۴)

الم-رومی قریب کے ملک میں مغلوب ہوگئے، وہ مغلوبی کے بعد عن قریب چند سالوں کے اندر غلبہ پائیں گے۔

دفعۃً ہوا کا رخ بدل گیا، ۶۱۶ ؍عیسوی تک رومیوں نے ایک ایک کر کے اپنا ملک واپس لے لیا، غسانیوں نے سنبھالا لیا، حارث بن ابی شمر ایک پرزور شخص غسانیوں میں بادشاہ ہوا۔

لیکن اب خود اسلام کا نیر تاباں شعاع افگن تھا، ۷؍ہجری (۶۲۹ ؍عیسوی) میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہانِ عالم کے نام اسلام کی دعوت بھیجی، وحیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہرقل کے اور شجاع بن وہب اسدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جبلہ غسانی کے دربار میں پہنچے لیکن بدبختوں نے نہ صرف یہ سعادت قبول نہ کی بلکہ بعض دعاۃِ اسلام کو تکلیف دی یا قتل کر ڈالا اور گذشتہ فتوحات سے بدمست ہو کر اب خود مدینہ پر حملہ کی تیاری کرنے لگے[1]۔

انباط جواب رومیوں کی رعایا تھے، دونوں طرف کے جاسوس تھے، دم بہ دم مدینہ میں خبر پہنچتی تھی کہ غسانی گھوڑوں کی نعل بندی کرا رہے ہیں اور اب آتے ہیں[2]۔

آخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش قدمی مناسب سمجھ کر ۸؍ہجری (۶۳۰؍عیسوی) میں تین ہزار مسلمانوں کی جمعیت حدودِ شام کی طرف روانہ فرمائی، ادھر سے رومی بے شمار رومیوں اور عربوں کی فوج لے کر بڑھے، مقام موتہ میں دونوں کا تصادم ہوا اور ایک غیر منفصل جنگ کے بعد مسلمانوں نے مدینہ کی طرف مراجعت کی، ۹؍ہجری (۶۳۱ ؍عیسوی)

---

[1] بخاری، باب ایلاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم [2] بخاری، باب ایلاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

میں خبر پہنچی کہ ہرقل، غسان لخم، جذام، عاملہ وغیرہ عرب قبائل کو لے کر حملہ کی تیاریاں کر رہا ہے اور ایک سال کی پیشگی تنخواہ تمام سپاہیوں کو تقسیم کر چکا ہے، ناچار خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ نفس نفیس تیس ہزار جاں نثاروں کے ساتھ شام کا رخ کیا، تبوک کے مقام پر پہنچ کر بیس روز تک رومیوں اور غسانیوں کا انتظار کیا لیکن وہ مقابل نہ آئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حوران کے بعض زمین داروں سے صلح کر کے مراجعت فرمائی، سنہ ۱۰ ہجری (۶۳۲ عیسوی) میں اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیر قیادت ایک بڑی جمعیت شام کی طرف جانے کو تیار تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات فرمایا[1]۔

۱۴ ہجری (۶۳۶ عیسوی) میں جو فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دورِ خلافت تھا، مسلمانوں نے شام پر مسلسل حملے شروع کیے، غسانی شہزادہ جبلہ بن ایہم مطیعانہ اسلام لایا اور نہایت تزک و احتشام کے ساتھ مدینہ آیا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی بڑی عزت کی، اتفاق سے حج کا موسم پیش آیا، طواف میں اس کی چادر کا گوشہ ایک بدوی عرب کے پاؤں کے نیچے دب گیا، نومسلم شہزادہ نے غصہ سے اس کو ایک طمانچہ مارا، بدوی نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فریاد کی، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، تم کو اس کا قصاص دینا ہوگا، شہزادہ نے کہا کہ کیا ایک عامی شخص کے مقابلہ میں بادشاہ کی کوئی عزت نہیں ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، ہاں، اس بارگاہ میں شاہ و گدا کی کوئی تمیز نہیں ہے۔

جبلہ نے ایک شب کی مہلت طلب کی، رات کو چھپ کر شام چل دیا اور وہاں عیسائی بن کر قسطنطنیہ چلا گیا لیکن اب وہ نادم تھا اور جب تک جیتا رہا ندامت کے آنسو بہاتا رہا[2]۔

---

[1] یہ واقعات تمام سیرت کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ [2] اغانی، ذکر حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

اوس وخزرج

نابت بن اسماعیل کی ایک اور شاخ

انصار

وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا

اوس وخزرج عرب کے دومشہور قبیلوں کے نام ہیں، جواسلام کے پہلے سے مدینہ میں سکونت پذیر تھے، اسلام آیا تو وہ اس کے پرزوردست وبازو تھے اور انصار ان کا خطاب تھا۔

اوس وخزرج کا نسب: عام طور سے ان کو بھی قحطانی الاصل اور کہلان کے خاندان سے قرار دیا گیا ہے لیکن ہمارے نزدیک یہ رائے بھی صحت سے تہی مایہ ہے، زبان، مذہب اور اخلاقِ قومی کے علاوہ روایات سے بھی ان کے اسماعیلی ہونے پر مستحکم دلائل قائم ہیں۔

۱-بخاری میں روایت ہے کہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انصار کے ایک مجمع کو مخاطب کر کے حضرت ہاجرہ علیہا السلام کا قصہ سنایا، آخر میں کہا، تلك امکم یا بنی ماء السماء، اے پاک نسبو! یہ تھیں تمہاری ماں، محدثین کو اس حدیث کی تاویل میں نہایت دقتیں تھیں لیکن آج جدید تحقیق نے تاویل واشتباہ کا پردہ چاک کر دیا۔

۲-تمام علمائے انساب اس پر متفق ہیں کہ اوس وخزرج، غسان کے ہم نسب ہیں اور خود اوس وخزرج کا بھی بجائے خود یہی دعویٰ ہے، اس بنا پر اگر ہمارے دلائل غسان کے نابتی الاصل ہونے پر صحیح ہیں تو وہی بعینہٖ اوس وخزرج کے نابتی ہونے پر بھی ثبوت ہیں۔

۳-اوس وخزرج کے اسماعیلی ہونے پر ایک اور دلیل یہ ہے کہ قریش سے ان کے رشتے ناتے تھے، ہر سال پابندی کے ساتھ وہ حج کو آتے تھے۔

۴-منذر بن حرام (حضرت حسان بن ثابتؓ کا دادا) جو زمانہ جاہلیت میں اور خزرج کے قبیلہ سے تھا، اپنا نسب نابت بن اسماعیل تک پہنچاتا ہے اور اس پر فخر کرتا ہے:

ورثنا من البهلول عمرو بن عامر و حارثة الغطريف مجد امؤثلا

موارث من ابناء نبت بن مالك ونبت بن اسماعيل ما ان تحولا

عمرو بن عامر اور حارثہ دونوں غسانی اور اوس وخزرج کے پدر اعلیٰ تھے، غسان نے شام کا رخ کیا اور اوس وخزرج نے حجاز کے شہر یثرب (مدینہ) میں سکونت اختیار کی، یثرب نہایت قدیم شہر تھا، یونانیوں نے اس کا اتھرپا کے نام سے ذکر کیا ہے[1]، اسلام آیا تو طیبہ اور مدینۃ النبی (پیغمبر کا شہر) نام قرار پایا اور مختصر ہو کر صرف مدینہ رہ گیا، پہلے یہاں عرب سامیہ اولیٰ آباد تھے، ان کے بعد یہاں یہود آئے اور آخر میں اوس وخزرج کے قبیلے آکر بسے۔

اوس وخزرج کی شاخیں: توالد و مرور زمانہ سے یہ دو قبیلے متعدد فروع اور شاخوں میں تقسیم ہو گئے تھے:

۱-اوس

اوس کی صرف ایک اولاد تھی، مالک، جس کی اولادوں کی حسب ذیل شاخیں ہیں:

عمرو بن مالک، نبیت، عبدالاشہل، بنوظفر (کعب بن خزرج بن مالک بن اوس)

عوف بن مالک، بنوعمرو بن عوف (اہل قبا) بنوجحجبی، مرہ بن مالک (جعاردہ اور

---

[1] دیکھو، جلد اول میں جغرافیہ عرب، ص ۷۲۔

اوس اللہ بھی اسی کا نام ہے۔)

سالم بن مالک (بنو واقف)

سالم بن مالک قبیلہ سعد بن خثیمہ

عبداللہ بن مالک بنو خطمہ

۲۔ خزرج

جشم بن خزرج، بنو تزید، سلمہ بنو بیاضہ

عوف بن خزرج بنو الحبلی (قبیلہ عبداللہ بن ابی بن سلول راس المنافقین) بنو قوافل، بنو سالم۔

حارث بن خزرج

عمرو بن خزرج، بنو نجار (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نانہالی لوگ)

کعب بن خزرج، بنو ساعدہ (جن کا سقیفہ مشہور ہے، یہی سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قبیلہ ہے۔)

اوس وخزرج کی تاریخ: اوس وخزرج کی تاریخ، ان کے ہم وطن یہودیوں کے ساتھ مخلوط ہے، یہ مختلف فیہ مسئلہ ہے کہ مدینہ اور اطرافِ مدینہ کے یہود، اصلاً بنی اسرائیل تھے یا یہودی المذہب عرب تھے، تاہم شمالی عرب میں نہایت کثرت سے اصل یہود آباد تھے، مدینہ کے اطراف میں بنو قریظہ، بنو نضیر اور بنو قینقاع پرزور یہود خاندان آباد تھے، تجارت، زرگری، مہاجنی، لین دین، قرض دینا، رہن رکھنا، سود پر روپیہ لگانا، یہ ان کے پیشے تھے، بدوی عربوں سے حفاظت اور ملک میں سیاسی رعب پیدا کرنے کے لیے ہر تجارتی گودام پورا جنگی قلعہ تھا، جنوب میں مدینہ ان کی آخری سرحد تھی، مدینہ سے لے کر حدودِ شام تک خیبر، فدک، تبوک،

تیما، مدین، وادی القریٰ، حجر وغیرہ میں ان کے قلعے اور برابر برابر آبادیاں تھیں[۱]، مدینہ میں بنو قریظہ اور نضیر کے مضبوط و مستحکم قلعے تھے، اسلام آیا تو یہی ان کا مایۂ غرور تھا، قرآن نے ان ہی قلعوں کی نسبت کہا ہے:

وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ (الاحزاب ۳۳:۲۶)	خدا نے ان یہودیوں کو جنہوں نے کفار قریش کی مدد کی تھی، ان کے قلعوں سے اتارا۔
لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِيْعًا اِلَّا فِيْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ (الحشر ۵۹:۱۴)	اے مسلمانو! یہ یہود تم سے صرف قلعہ دار شہروں میں یا فصیلوں کے پیچھے ہو کر لڑیں گے۔

ان جنگی اسباب و تدابیر کے ساتھ ان کے مالی کاروبار کا جوجال تمام ملک میں پھیلا ہوا تھا، زنجیریں تھیں جو تمام باشندوں کے پاؤں میں انہوں نے ڈال رکھی تھیں[۲]۔

غرض یہ اسباب تھے کہ اوس وخزرج یہاں آکر ابھی ٹکے بھی نہ تھے کہ وہ ان کے ہاتھ میں گرفتار ہوگئے، اوس وخزرج گو بدویانہ زور و قوت میں ان سے زیادہ تھے لیکن سامان، دولت، ہنر اور دیگر قوائے معنوی میں ان سے فروتر تھے، اس بنا پر وہ یہودیوں سے نہایت متاثر ہونے لگے، یہاں تک کہ اس سے مذہبی اثر بھی پیدا ہونا شروع ہوگیا، اوس وخزرج نذر مانتے تھے کہ بچہ جیتا رہا تو یہودی بنادوں گا[۳]۔

بالآخر اوس وخزرج نے تنگ آکر بنو غسان سے جو ان کے ہم نسب تھے، مدد کے طالب ہوئے، غسانیوں نے آکر یہودیوں کا زور توڑا، تاہم مالی تعلقات ایسی چیزیں نہیں ہیں جو تلوار سے کاٹ دی جاسکیں، یہودی حقیقت میں جن اسلحہ سے لڑتے تھے، ان کا جواب فوجوں سے نہیں ہوسکتا تھا، اس لیے ظہورِ اسلام تک ان کی زبردستی قائم رہی، پھر بھی وہ پہلے سے اچھی حالت میں تھے۔

---

[۱] کتب جغرافیہ اور مغازی میں ان مقاماتِ مذکورہ کے حالات پڑھو۔ [۲] کتب حدیث میں کتاب الاستقراض، ابواب بیوع و تجارت و قتل کعب اشرف پڑھو۔ [۳] دیکھو تفسیر ''لا اکراہ فی الدین''۔

ادھر یہودیوں سے کسی قدر فراغت ملی تو خود آپس میں لڑنا شروع کیا، جس کا سلسلہ ایک مدت تک قائم رہا، ان کی مشہور لڑائیوں کے نام یہ ہیں: یوم الربیع، یوم البقیع، حرب قارع، یوم بعاث[1]، اس متواتر جنگ میں اوس وخزرج کے اکثر اہل ادعا[2] کام آئے، آخر فریقین نے تھک کر مصالحت کر لی اور قبیلۂ اوف بن خزرج کے سردار عبداللہ بن ابی بن سلول کو متفقاً اپنا بادشاہ اور یثرب کا ''تاج دار'' تسلیم کر لینا[3] چاہا کہ اس اثنا میں خورشیدِ اسلام طلوع ہوا، اوس وخزرج کے بارہ آدمیوں نے موسمِ حج میں داعیٔ اسلام کا وعظ سنا اور ایمان و بیعت سے مالا مال ہو کر گھر واپس آئے، دوسرے سال اسی موسم میں ستّر آدمی اور فروغِ اسلام سے منور ہو گئے اور آخر نبوت کے تیرہویں سال ۶۶۲ء عیسوی میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو یثرب کی شہنشاہی کے لیے لے آئے۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ آ کر سب سے پہلے یہودیوں سے چند شروط پر مصالحت کی، اوس وخزرج کے باہمی فتنوں کو سرد کیا، عبداللہ بن ابی جو بادشاہی کا دعویدار تھا، ڈر کر خاموش تھا، تاہم فتنہ پردازیوں سے باز نہ آتا تھا، اس کے ساتھ چند کمزوردل کے افراد بھی شامل تھے، یہی لوگ منافقین تھے اور عبداللہ ان کا سردار راس المنافقین تھا۔

اوس وخزرج نے انصار کے نام سے اسلام میں زندگی جاوید پائی، دنیا کے ہر گوشہ میں جہاں قرآن کا کوئی صفحہ اور مسلمانوں کا کوئی گھرانہ ہے، انصار کا نام زندہ ہے:

وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ (التوبہ۹:۷۴)	اور جن لوگوں نے اسلام کو پناہ دی اور نصرت کی وہی سچے مومن ہیں، ان کے لیے مغفرت اور اچھا رزق ہے۔

---

۱ کامل ابن اثیر، ج ا، ص ۳۰۲، ۱۳۱۳ء، مصر ۲ بخاری، کتاب الجاهلية ۳ بخاری، السلام على جماعة فيها المسلم والكافر۔

۱۲-قیدار

مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ

قیدار حضرت اسماعیل علیہ السلام کا دوسرا بیٹا تھا، شہرت اور اعزاز میں اپنے تمام بھائیوں سے زیادہ ممتاز تھا، لفظ ''قیدار'' کے عبری میں معنی سیاسی اور غم کے ہیں، عربی میں بھی لفظ ''کدر'' و ''کدورت'' ہے، شاید حضرت اسماعیل علیہ السلام نے یہ نام باپ سے جدائی اور صحرانوردی کے غم کی یادگار میں رکھا ہو، قیدار بر بنائے روایاتِ توراۃ و عرب، حجاز میں آباد تھا، فارسٹر صاحب جن کی موافقانہ شہادت نہایت مشکل سے میسر آسکتی ہے، وہ لکھتے ہیں:

> ''اشعیا نبی نے قیدار کے جس ملک کا ذکر کیا ہے، اس کو ہر شخص جو جغرفیہ عرب سے واقف ہے، فوراً کہہ دے گا کہ ''وہ عرب کے صوبہ حجاز کا صحیح نقشہ ہے'' جس میں مکہ اور مدینہ کے مشہور شہر واقع ہیں، عربوں کی قومی روایت بھی تاریخی رتبہ حاصل کر لیتی ہے، جب ایک طرف اس کی تصدیق کتب مقدسہ سے ملتی ہے جس سے قیدار کا اسی حصہ ملک میں ہونا ثابت ہوتا ہے اور دوسری طرف اریانوس، بطلیموس اور پلینی کے بیان سے ملتی ہے جو کیداری قوم کی اسی صوبہ میں موجودگی کی غیر مشتبہ شہادت دیتے ہیں۔''

قیدار کی اہمیت و عظمت کے لیے یہ دلائل کافی ہیں کہ اس کا نام تورات کے صفحات میں اسیریا کے کتبات میں اور یونان کے جغرافیہ میں ہر جگہ موجود ہے لیکن اس سے بھی عظیم الشان عزت اس کو یہ حاصل ہے کہ وہ نورِ الٰہی جو آدم علیہ السلام و ابراہیم علیہ السلام کو ودیعت ہوا تھا، وہ اسماعیل علیہ السلام کے بیٹے قیدار کی پشت سے دنیا میں جلوہ افروز ہوا، یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نسل قیدار کی شاخ عدنان سے پیدا ہوئے۔

ایک قوم ہونے کی حیثیت سے قیدار کا نام سب سے پہلے ۱۱۰۰ر قبل مسیح میں حضرت داؤد علیہ السلام کی زبور میں نظر آتا ہے، بنو قیدار اس زمانہ میں خیموں میں رہتے تھے، حضرت داؤد علیہ السلام بادشاہی سے پہلے بہت دنوں تک بنو قیدار کے خیموں میں رہے تھے (۵-۱۲)، ۱۰۰۰ر قبل مسیح میں حضرت سلیمان علیہ السلام بھی اپنی غزل میں قیدار کے خیموں کا ذکر کرتے ہیں کہ وہ کالے رنگ کے ہوتے ہیں اور میں قیدار کے خیموں کی مانند سیاہ ہوں، یہ سیاہ خیمے کالے کمبلوں کے ہوتے تھے، جواب تک بدوی عربوں کے لیے صحرا میں قصرو کاشانہ ہیں، خود مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے چند پشت پہلے صرف خیموں کا شہر تھا، کوئی پتھر یا مٹی کی عمارت موجود نہ تھی۔

تحریری حیثیت سے دوسو برس کے بعد پھر قیدار کا نام اسیریا کے کتبات میں ملتا ہے، ملک عرب کا نام ان کتبات میں ''عربی'' ہے، اول ''زبیبی'' اور ''سمسی'' دو شہزادیوں کا ذکر ہے، زبیبی کی اصل شاید زباء اور سمسی شمسیہ ہو، ذیل کی سطروں میں، ہم ان کتبات کا اقتباس ایک نہایت معتبر کتاب سے کرتے ہیں[1]:

> ''ملکہ زبیبی (یا زباء) قفلات پلاسر سوم، شاہ اسیریا (۷۴۵ر قبل مسیح تا ۷۲۳ر قبل مسیح) کی معاصر تھی، تغلات پلامہ پہلی بار ''زبیبی ملکہ عربی'' کو صرف مفتوحین اور باج گزاروں کی فہرست میں ذکر کرتا ہے (ص ۱۲۱)، اس کے بعد ''زبیبی ملکہ عربی'' کا ذکر آتا ہے، زبیبی نے ۷۳۸ر قبل مسیح میں خراج ادا کیا تھا، اس کے بعد سے پھر عرب سے خراج وصول نہیں ہوا، اب بجائے ''زبیبی'' کے ملکہ ''سمسی''، یعنی شمسیہ تخت نشین تھی، سمسی نے خراج دینے سے انکار کردیا اور اسیری سپاہ کو ناکامیاب واپس کردیا، ناچار وہ لڑنے پر مجبور کی گئی، اسیری غالب آئے اور سمسی کی ملکیت کے اونٹ اور بیل لوٹ لیے گئے، ایک اسیری سردار تحصیل خراج کے لیے متعین ہوا، اس فتح کا یہ اثر ہوا کہ سبا نے شاہ اسیریا کو نذریں پیش کیں۔'' (ص ۱۳۰-۱۳۱)

---

[1] تاریخ بابل واسیریا، ج ۲، مصنفہ راجرس امریکانی، صفحات کے حوالے جابجا دیے گئے ہیں۔

''۷۱۴ ق م میں سرجون ثانی شاہ اسیریا نے شمالی عرب پر فوج کشی کی، خیفہ ایک قبیلہ تھا، جس نے سرتابی کی تھی، ثمود عبادیدی (عباد) اور سینی (؟) خیفہ کے طرف دار تھے، خیفہ انتہائی شمال میں موجودہ شہر مدینہ کے متصل اور بقیہ قبائل کی طرف مکہ سے نیچے آباد تھے، پیغمبر سبا اور سمسی ملکہ عرب نے جس کا ملک انتہائے شمال میں واقع معلوم ہوتا ہے، نذریں پیش کیں۔'' (ص ۱۶۴)

''اشور بیناپال شاہ اسیریا کے عہد حکومت (۶۷۵ تا ۶۲۶ ق م) میں یوقع ابن ہزایل عربی کا بادشاہ تھا اور عادیہ بادشاہ بیگم تھی، یوقع نے اپنے حدود حکومت میں عرب، ادوم، بیرود، بیت عمون، حوران، مواب، سعیر داخل کر لیے تھے اور ان مقامات کے حدود میں عربوں کی چوکیاں مقرر کیں، یوقع نے بنی قیدار کی ایک فوج دو عرب شیخ ابی تبع اور اباموکے ماتحت روانہ کی، بنی قیدار کی یہ فوج بابل سے پیچھے ہٹادی گئی اور کم از کم ان میں سے ایک شیخ گرفتار کر لیا گیا، عرب جو اسیریا میں آباد تھے، جبراً اس فوج کی شرکت سے باز رکھے گئے تھے، اس لیے متوقع کمک عربوں کو نہیں پہنچ سکی۔''

''یوقع نبطیوں (نابتیوں) کی چھوٹی سی ریاست میں پناہ گزیں ہوا، یویط (Uiata) یوقع کا بھتیجا تخت پر قابض ہو گیا اور بہادری کے ساتھ اسیری قوت کی مدافعت کرتا رہا، آخر اہل اسیریا کے ہاتھ میں گرفتار ہو گیا اور پابہ زنجیر اسیریا لایا گیا اور دروازہ پر نگہبان کتے کی طرح پاسبانی کی خدمت اس کے لیے مقرر کی گئی، اسی سلسلہ میں قیدار کا ایک اور سردار عم العدی بھی قابل مواخذہ سمجھا گیا، وہ فلسطین جا کر پناہ گزیں ہوا لیکن وہاں بھی اس کو امان نہ ملی، فلسطین فتح کر لیا گیا اور وہ قید ہو گیا، ملکہ عادیہ بھی گرفتار ہوئی اور اب ابی یثع عربی کا بادشاہ ہوا، ابی یثع کی مدت حکومت بہت کم معلوم ہوتی ہے اور یکا یک تخت عویط بن بیرودا کو دے کر تاریخ سے غائب ہو جاتا ہے اور پھر ایک زمانہ کے بعد ''شیخ بنی قیدار'' کی صورت میں نظر آتا ہے، اب نتنو (ناتان) رئیس انباط یوئتی، رئیس عربی اور ابی یثع شیخ قیدار متفقاً اسیریا کے مقابلہ میں اٹھتے ہیں لیکن سوئے

قسمت سے ناتان گرفتار ہو جاتا ہے اور سب بچ کر نکل جاتے ہیں۔" (ص ۵۷۵-۵۷۶)

کتبات مذکورہ کے بیانات سے یہ صاف صاف نہیں واضح ہوتا کہ زبیبی اور سمسی بنی قیدار سے تھیں یا نہیں، بلکہ آخری فقروں سے قیاس غالب یہ ہوتا ہے کہ یہ خاندان قیدار ہی تھا، ان کتبات سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ نابت اور قیدار کی اولادیں اس وقت الگ الگ ہو گئی تھیں اور شمالی عرب کے مختلف گوشوں میں ان کی متفرق ریاستیں قائم ہو چکی تھیں۔

اشعیا نبی جو تقریباً اسی زمانہ میں تھے، یعنی آٹھویں صدی قبل مسیح میں، وہ بیان کرتے ہیں کہ "قیدار ایک شان دار اور بہادر قوم ہے (۲۱-۱۶) گاؤں میں ان کی بہت سی آبادیاں ہیں (۴۲-۱۱) بھیڑ بکری ان کی دولت ہے، اسی کی وہ تجارت کرتے ہیں (۶۰-۷)۔"

قیدار کے متفرق رؤسا میں سے عربوں کے نزدیک سب سے زیادہ مشہور عدنان ہے، قیدار کی نسل کی تمام شاخیں شجرہ انساب میں اسی عدنان تک منتہی ہوتی ہیں، چھٹی صدی قبل مسیح میں بنوخذنذر (۶۰۵-۵۶۲ قبل مسیح) جس کو عرب بخت نصر کہتے ہیں، اسیریا کے تخت پر جلوہ نما ہوتا ہے اور عراق سے لے کر شام، مصر اور عرب تک کی خاک اڑا دیتا ہے، اہل عرب کا بیان ہے کہ اس وقت عربوں کا رئیس کل معد بن عدنان تھا۔

اشعیا (۷۵۰ قبل مسیح) حزقیال (۵۹۷ قبل مسیح) اور یرمیاہ (۵۸۶ قبل مسیح) نبیوں نے خانوادہ قیدار کو اس خوں خوار اور سفاک بادشاہ کے خروج سے ہوشیار کیا ہے، سب سے پہلے اشعیا نبی کہتے ہیں (۲۱، ۱۶، ۱۷):

"قیدار کا تمام جاہ وجلال مٹ جائے گا، تیر انداز اور بہادر فرزندان قیدار کی تعداد گھٹ جائے گی۔"

باب ۴۲ درس ۱۱ میں ہے:

"ان دیہاتوں میں آواز دو جن میں قیدار رہتے ہیں۔"

باب ۶۰ درس ۷ میں ہے:

''قیدار کے گلے اور نبایوط کی بھیڑیں اکٹھی کی جائیں گی۔''

یرمیاہ نبی نے کہا (۴۹-۲۸):

''قیدار پر اور حضور کی حکومتوں پر افسوس ہے، جن کو بابل کا بادشاہ بنوخذ نذر تباہ کرے گا، اسی طرح خدا کہتا ہے، اٹھو اور قیدار کے پاس جاؤ اور اہل مشرق کو برباد کردو۔''

اہل عرب کی روایت ہے کہ بنوخذ نذر حملہ کرتا ہوا حجاز تک پہنچ گیا تھا، معد بن عدنان برسر مقابلہ ہوا اور ایک غیر منفصل جنگ کے بعد دونوں ایک دوسرے سے علاحدہ ہو گئے، بعض روایتوں میں ہے کہ یرمیاہ نبی نے معد کو بچالیا اور شاید اس شکست سے بنوقیدار کو کچھ زیادہ صدمہ نہیں پہنچا، حزقیال نبی جو بنوخذ نذر کی ان جہاں سوزیوں کے زمانہ میں موجود تھے اور فلسطین سے قیدار ہو کر (۵۹۷ قبل مسیح ؟ میں) بابل گئے تھے، قیدار کے شہزادوں کا ذکر کرتے ہیں:

''عرب اور قیدار کے تمام شہزادوں نے بھیڑ بکری کا تجھ سے بیوپار کیا۔'' (۲۷-۲۱)

ان انبیا کی معاصرانہ شہادتوں سے بنوقیدار کی معاشرت یہ ظاہر ہوتی ہے کہ وہ خیموں اور گاؤں میں آباد تھے، بہادر اور شجاع تھے، قبائل کے سردار تھے، بدویانہ جاہ وجلال اور شان وشکوہ ان کو حاصل تھا، تجارت ان کا پیشہ تھا اور بعینہ یہی نقشہ ان کا زمانہ اسلام تک موجود تھا۔

معد کے دو بیٹے تھے، ایک کا نام نزار تھا، نزار کے پانچ بیٹے تھے یا نزار کی پانچ مشہور شاخیں ہیں، انمار، ایاد، ربیعہ، قضاعہ، مضر، عرب کے تمام قیداری قبائل ان ہی کی فروع ہیں، میلاد مسیح سے پس وپیش زمانہ میں طول میں یہ یمن سے شام تک اور عرض میں حجاز ونجد سے بحرین عراق تک پھیلے ہوئے تھے اور زمانہ اسلام تک ان کا یہی نقشہ باقی تھا۔

یہ پانچوں شاخیں پھر چھوٹے چھوٹے مختلف خاندانوں پر منقسم ہیں، ان کا مجموعی نام مورث اول کے انتساب سے عدنان، معد اور نزار ہے، حیرہ کے بادشاہ امراء القیس بن عمرو

المتوفی ۳۲۸ء عیسوی کی قبر کی لوح شام کے حدود میں ملی ہے، جس کا ترجمہ حسب ذیل ہے:

''یہ امراء القیس بن عمرو بادشاہ عرب صاحب تاج کی قبر ہے، جو اسد اور نزار اور ان کے بادشاہوں کا بادشاہ تھا، اس نے معد پر بادشاہی کی اور اپنے بیٹوں کو تمام قبائل کے درمیان اتارا[1]''

اس کتبہ سے معد اور نزار کی شخصیت کا تاریخی ثبوت اس قدر قدیم عہد میں ثابت ہوتا ہے، نزار کے پانچ خاندانوں میں سے انمار اور ایاد نے کوئی بڑی وقعت حاصل نہیں کی، ربیعہ، قضاعہ اور مضر نے کثرت تعداد، دنیاوی اعزاز اور سیاسی اقتدار میں بڑی ناموری حاصل کی اور حجاز و نجد و عراق میں ان کی عظیم الشان حکومتیں اور چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم ہوئیں، بنو عبدالقیس بحرین میں، بکر و تغلب اور کندہ[2] کی نجد میں اور آل منذر کی عراق و حیرہ میں۔

---

[1] انسائیکلوپیڈیا، مضمون ''عرب'' [2] علمائے انساب نے کندہ کو عموماً حمیر کی شاخ بتایا ہے لیکن ہمارے نزدیک حکومت کے لحاظ سے تو بے شک کندہ حمیر کے ماتحت تھا لیکن نسباً وہ عدنانی اور قبائل معد میں تھا، اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ کندہ کا آخری شہزادہ امراء القیس جو عرب کا بہترین شاعر شمار ہوتا ہے، اس کے کلام کا مجموعہ اب تک محفوظ ہے، اس میں حمیریت کا شائبہ تک نہیں، وہ فصیح عدنانی عربی زبان ہے، اس سے بڑھ کر یہ کہ امراء القیس خود مدعی ہے کہ اس کا نسب خاندان معد سے جا کر ملتا ہے، اپنے باپ کے مرثیہ میں کہتا ہے:

خیر معد حسبا ونائلا ۔۔۔ وخیرهم قد علموا شمائلا

دوسری جگہ اپنی مدح میں کہتا ہے:

واناالذی عرفت معد فضله

حمیر کا بھی متعدد اشعار میں اس نے ذکر کیا ہے، مگر کہیں ہم نسبی ظاہر نہیں کرتا ہے:

ولوشاء كان الغز ومن ارض حمير ۔۔۔ ولكنـه عمد االى الـدوم انفرا

تبصر خليلى هل تدى ضوء بارق ۔۔۔ يضئى الدجىٰ بالليل عن سرو حميرا

پر، صحرا میں بہت سے قبائل رہتے ہیں لیکن دولت میں انباط سب سے زیادہ ہیں اور اپنے ہمسایوں میں ان کو امتیاز حاصل ہے، گو کہ ان کی تعداد دس ہزار آدمی سے زیادہ نہیں ہے، ان کا ملک پانی سے خالی ہے، اپنے لیے پہاڑوں میں بڑے بڑے حوض کھود کر بناتے ہیں، جن کا منھ باہر تنگ اور اندر چوڑا رہتا ہے اور ان کی لمبائی ۲۵۰ رفٹ تقریباً ہوتی ہے، ان حوضوں میں بارش کا پانی جمع کر کے ان کو چھپا دیتے ہیں اور ان پر کوئی نشانی بنا دیتے ہیں، جب سفر کرنا چاہتے ہیں تو اپنے جانوروں کو تین روز کا پانی پلاتے ہیں، انباط گوشت، دودھ اور بعض جنگلی سبزی کھاتے ہیں، جنگلی شہد (من) بھی ان کو ملتا ہے، جس کو پانی میں گھول کر پیتے ہیں، ان میں عرب کے غیر نبطی قبائل بھی شامل ہیں، جن میں سے بعض شامیوں کے ساتھ گھروں میں رہنے کے علاوہ اور تمام عادات میں مماثل ہیں[1]۔''

یہی مصنف لکھتا ہے:

''آگے بڑھ کر ہم خلیج ایلانہ (عقبہ) میں داخل ہوگے، جو ان عربوں کے بہت سے گاؤں سے محدود ہے، جن کو لوگ ''نباطینہ'' کہتے ہیں، یہ لوگ نہ صرف ساحلی مقامات کے بڑے حصے پر قابض ہیں بلکہ وہ اندرون ملک میں بھی دور تک پھیلے ہیں، کیوں کہ یہ زمین آباد اور نہایت شاداب ہے، زمانہ سابق میں اپنے قوانین انصاف کے مطابق اپنے گلوں اور جانوروں پر مطمئن رہ کر زندگی بسر کرتے تھے لیکن جب اسکندریہ (مصر) کے (یونانی) بادشاہوں نے خلیج کو تجارت کے لیے جہاز رانی کے قابل بنایا تو ان نبطیوں نے شکستہ جہازوں کے ملاحوں کو جمع کیا اور چھوٹی کشتیوں میں بیٹھ کر بحری ڈاکہ زنی کرنے لگے، آخر کار ان پر حملہ کیا گیا اور ان کے استحقاق کے مطابق ان کو سزا ملی[2]۔''

اسٹرابو (۲۴ رعیسوی) جو ڈائیڈروس کی طرح انباط کا معاصر تھا، ان کے متعلق دلچسپ واقعات بیان کرتا ہے:

---

[1] فارسٹر، ج ۱، ص ۲۲۶　[2] گولڈ مائنس آف مدین، ص ۱۸۳۔

"(شہر) پٹرا (رقیم) جو عمدہ قوانین رکھتا ہے، اس پر شاہی خاندان میں سے ہمیشہ ایک بادشاہ حکومت کرتا ہے، وزیر ہمیشہ اس بادشاہ کے ساتھیوں میں سے ایک ہوتا ہے، اسی لیے اس کو 'بھائی' کہہ کر پکارتے ہیں، انباط کفایت شعارانہ ذخیرہ ملکیت کے شائق ہیں، جماعت ان پر جرمانہ کرتی ہے جو اپنی دولت ضائع کرتے ہیں اور جو اپنی دولت بڑھاتا ہے اس کو انعام دیتی ہے، انباط کے پاس غلام کم ہیں، اکثر ان کی خدمت ان کے متعلقین کرتے ہیں یا ایک دوسرے کی خدمت کرتے ہیں یا ہر شخص اپنا نوکر آپ ہوتا ہے، یہ طریقہ بادشاہوں تک میں جاری ہے، جو جمہور کی رضامندی کے اس قدر آرزومند ہیں کہ وہ اپنی رعایا کی خدمت کرتے ہیں، بادشاہ کو انتظام ملکی کے متعلق بیانات لوگوں کو دینے ہوتے ہیں اور وہ اکثر اپنے بادشاہ کے ذاتی حالات و عادات بھی دریافت کرتے رہتے ہیں۔

لوگ غیر سرکاری صحبتوں میں تیرہ تیرہ آدمی مل کر کھاتے ہیں، بادشاہ بھی لوگوں کو بڑی بڑی عمارتوں میں عام دعوت جشن دیتا ہے، مہمانوں کی ہر جماعت میں دو مغنی رہتے ہیں، ہر مہمان کو گیارہ جام سے زیادہ شراب پینی ہوتی ہے، یہ جام سونے کے ہوتے ہیں۔

جبہ (یا کرتہ) پہننا یہ لوگ نہیں جانتے، کمر میں تہبند لپیٹتے ہیں اور پاؤں میں چپل پہن کر چلتے ہیں، شاہی پوشاک بھی اسی قسم کی ہوتی ہے۔

مکانات عالی شان اور سنگین ہیں آبادیوں میں شہر پناہیں نہیں ہوتیں، ملک کا بڑا حصہ سرسبز ہے، تاہم وہاں زیتون نہیں، (جانوروں کی پیداوار کا بیان ہے) گھوڑے نہیں ہوتے، ان کے بجائے اونٹ مصرف میں آتے ہیں، بعض اشیائے تجارت کی درآمد بھی یہاں ہے اور بعض چیزیں خود ملک میں ہوتی ہیں جیسے سونا، چاندی اور بہت سے خوشبو، مسالے لیکن لوہا، تانبا، ارغوانی کپڑے، زعفران، عود، قسط، سنگ تراشی اور تصویروں کی چیزیں مجسمے ملک میں نہیں پائے جاتے، انباط مردوں کی لاش کھاد کے لیے بہتر سمجھتے ہیں، اسی لیے وہ بادشاہوں تک کی لاشوں کو بھی زمین میں دفن کرتے ہیں،، مذہباً یہ سبائی دیوتا "آفتاب" کی پوجا کرتے ہیں اور

اس دیوتا کا ہیکل یا قربان گاہ مکانات کی چھتوں پر بناتے ہیں اور اس پر شراب چڑھاتے ہیں اور اندر ہر روز بخور جلاتے ہیں[1]‘‘

سیاسی حالات: انباط ہم کو سب سے پہلے ۷۰۰ ق م قبل مسیح میں سیاسی میدان میں نظر آتے ہیں، اسیریا اور بنی قیدار (برادران انباط) کے مابین اس عہد میں جنگ برپا ہوتی ہے، بنی قیدار کا شیخ شکست کھا کر ’’انباط کی چھوٹی سی ریاست‘‘ میں پناہ لیتا ہے، پھر بنی قیدار اور انباط کی متحدہ فوج اسیریا کے مقابلے میں آتی ہے لیکن سوئے قسمت سے ناتاں شاہ انباط گرفتار ہو جاتا ہے[2]۔

بابل کے بعد ایران و یونان کی قوت دنیا کی تاریخ میں جلوہ گر ہوتی ہے، انباط جہاں آباد تھے یہ وہ مقامات تھے جو اہل فارس اور یونان کی دائمی جنگ کے طبعی راستے تھے، اس بنا پر ہر دو فریق ان نبطی عربوں کی دوستی و ہمدردی کے طالب تھے، جنگی اعانت کے بغیر ان خشک و بے آب ریگستانوں کو طے کرنا ناممکن تھا۔

سکندر سے پہلے جو چوتھی صدی قبل مسیح کے اواسط میں تھا، عموماً اہل فارس کا پلہ یونانیوں سے بھاری تھا، اس بنا پر شمالی عرب (جو اس عہد بنی لحیان میں تھے) میدان جنگ میں اہل فارس کے دوش بدوش تھے۔

۳۳۲ ق م قبل مسیح میں سکندر نے ایرانیوں کو شکست فاش دی اور عراق سے لے کر مصر و شام تک اس کی فتوحات کا جولان گاہ بن گیا، ہندوستان سے واپس آکر عرب کی فتح کا عزم تھا کہ وہ خود موت کے ہاتھ مفتوح تھا، سکندر کے بعد ممالک مفتوحہ سکندر کے مختلف سرداروں میں منقسم ہو گئے، بطلیموس نے مصر و شام پر قبضہ کیا، انٹی گونس نے ایشیائے کوچک لیا، سیلوکوس نے بابل و فارس و ترکستان پر استیلا حاصل کیا، یہ تینوں بادشاہیاں بیچ میں حدود عرب پر آ کر ملتی تھیں، انٹی گونس ایک بلند حوصلہ بہادر تھا، اس سے اپنی قسمت پر قناعت نہ

---

[1] گولڈ مائنس آف مدین، ص ۲۲۸ [2] تاریخ بابل، ج ۲، ص ۲۷۶، از راجرس۔

ہو سکی، سب سے زرخیز اور قریب تر شام کا ملک تھا، اس نے شام پر حملہ کرنا چاہا لیکن درمیان میں نبطی عرب حائل تھے، ان کو اپنا شریک بنانا ضرور تھا، وہ بطلیموس کے طرف دار پہلے ہی بن چکے تھے، نتیجہ جنگ ومحاربہ تک پہنچ گیا۔

انٹی گونس نے ۳۱۲ ؁ قبل مسیح میں اپنے ایک سردار اتھینیاؤس (Athenaeus) کی سرکردگی میں ایک مہم روانہ کی، جس نے گو بے خبری میں رقیم (پٹرا) کو برباد کردیا لیکن اس کا ایک سپاہی بھی دشمنوں کے ہاتھ سے بچ کر واپس نہ آیا، ناچار انٹی گونس نے خود اپنے بیٹے ڈیمیٹر یوس (Demmetrius) کے زیر قیادت ایک دوسری جمعیت روانہ کی، بے سروسامان نبطی عرب میدان میں مقابلہ نہ کرسکے اور قلعہ بند ہوگئے، یونانیوں نے قلعہ کا محاصرہ کرلیا، اس قید سے تنگ آکر ایک دن ایک نبطی عرب نے ڈیمیٹر یوس کو ان الفاظ میں مخاطب کیا:

"اے بادشاہ ڈیمیٹر یوس! تم کس غرض سے اور کس کے حکم سے مجھ سے لڑتے ہو؟ ہم صحرا میں رہتے ہیں، جہاں پانی ہے نہ غلہ ہے، نہ شراب ہے نہ اور ضرورت کی کوئی چیز ہے، ہم نے صرف اپنی آزادی کی خاطر اس صحرا کی سکونت اختیار کی ہے اور تمام آسائش کی چیزیں دوسروں کے لیے چھوڑ دی ہیں اور ہم نے اس حیوانی زندگی پر قناعت کی ہے، تمہیں ہم نے ستایا نہیں، تم ہمیں کیوں ستاتے ہو؟

ہمیں اپنا دوست سمجھو، ورنہ یاد رکھو کہ تم اس طرح یہاں زیادہ دن تک نہیں ٹھہر سکتے، تم کو پانی اور دوسری چیزوں کی ضرورت ہوگی اور تم ہم کو اپنے طرز زندگی کے بدلنے پر مجبور نہیں کرسکتے، اگر تم نے قلعہ پر قبضہ بھی پالیا تو تڑپتی لاشوں اور چند غم زدہ قیدیوں کے سوا جو کبھی دوسروں کے سامنے سر نہیں جھکا سکتے، تم کچھ نہیں پاؤ گے۔"

ڈیمیٹر یوس اس گفتگو سے بے حد متاثر ہوا اور صلح قبول کرلی، اس اچانک حملہ نے ان نبطی عربوں کو ایک منتظم سیاسی جمعیت کے قالب میں بدل جانے پر مجبور کردیا، چنانچہ اس انقلاب نے اس بدوی قوم کو وہ اہمیت بخشی کہ یونان عظمیٰ، رومۃ الکبریٰ اور خاندان اسرائیل

کی گردنیں بھی اس کے آگے کبھی کبھی جھک جاتی تھیں۔

آگے کے واقعات سمجھنے کے لیے یونان وروم اور یہود کی تاریخ کے بھی چند فقرے پڑھ لینے چاہئیں، انٹی گونس کی حوصلہ مندی کو اس شکست سے کوئی صدمہ نہیں پہنچا، اس نے رفتہ رفتہ بطلیموس سے شام اور سلوکیوس سے بابل (عراق) لڑ کر چھین لیا، ناچار سلوکیوس اور بطلیموس دونوں نے متحدہ طاقت سے ۳۰۱ر قبل مسیح میں انٹی گونس کی مملکت مقبوضہ کے حصے بخرے کر کے آپس میں بانٹ لیے، اس تقسیم کی رو سے شام سلوکیوس کو اور مصر وقبرص بطلیموس کو ملا، مؤرخین عرب خاندان سلوکیوس کو ''سلوقیین'' اور خانوادہ بطلیموس کو بطالسہ یا بطالمہ (جمع بطلیموس) کہتے ہیں، سلوقیین اور بطالمہ نے ان ممالک پر ایک مدت تک حکومت کی۔

شام میں بنی اسرائیل کی پہلی حکومت کو شاہان بابل نے برباد کیا، بابل پر فارس کی حکومت نے جب غلبہ حاصل کیا تو ان کو ۵۵۰ر قبل مسیح میں پھر آزادی نصیب ہوئی اور فارس کے زیر اقتدار بنی اسرائیل کے ایک خاندان یہود نے جن سے یہودیہ کی بنیاد پڑتی ہے، ایک نیم آزاد حکومت پھر قائم کی لیکن ۳۳۳ر قبل مسیح میں اسکندر نے اس کا بھی خاتمہ کر دیا، اس کے بعد مملکت یہودیہ (یروشلم یعنی بیت المقدس) بطلیموس، انٹی گونس اور آخرا سلوقیین کے ماتحت ہو کر فنا ہوگئی، دوسری صدی قبل مسیح میں جب یونانیوں کی پیر سال قوتیں نو جوان رومی خون سے ہر جگہ شکست کھا کر اس کے لیے جگہ خالی کر رہی تھیں، یہود کی ابدی الموت زندگی نے آخری بار بدن کو جنبش دی اور مکابیین کے نام سے رومیوں کے بل پر ۱۶۸ر قبل مسیح میں ایک حکومت یہودیہ میں قائم ہوئی۔

مکابین اولاً مذہبی کاہن کی حیثیت رکھتے تھے لیکن آخراً بادشاہ بن بیٹھے، حصول تخت کے لیے ہمیشہ اس خاندان کے ارکان باہم نبرد آزما رہے، رومی آہستہ آہستہ ان کی آزادی سلب کرتے جاتے تھے، پہلے یہود سے ادوم میں حکومت منتقل کر دی اور اس کے بعد

پامپی رومی نے ۶۴ء عیسوی میں ہمیشہ کے لیے اس تماشا گاہ پر پردہ ڈال دیا[1]۔

یہ تاریخ تمام تر نبطی عربوں سے گونا گوں تعلق رکھتی ہے، ملک یہودیہ نباطیہ سے ہم سرحد تھا، دونوں صوبوں میں تقریباً ایک ہی قسم کے سیاسی حالات رونما ہوتے تھے۔

سلوقی خاندان[2] ابھی صرف سو برس شام پر حکومت کرنے پایا تھا کہ ۱۶۶ء قبل مسیح میں یہودا مکابی بانی خاندان یہود نے بغاوت کی، یہود خود عرب گئے اور نبطی عربوں سے شرکت واعانت کی درخواست کی کہ ہم لوگ متحدہ طاقت سے ان بیرونی قوموں کو نکال دیں (قد، ج ۲، کتاب ۲۲، باب ۸، فقرہ ۳) سلوقیوں نے جب یہ دیکھا تو انہوں نے بھی ان عربوں کی طرف ہاتھ پھیلایا (فقرہ ۴) اس وقت غالباً حارث اول انباط کا بادشاہ تھا، جس کا زمانہ ۱۶۹ء قبل مسیح ہے۔

زید بابل نبطی کے عہد میں سکندر سلوقی اور ڈیمتریوس سلوقی کے مابین دعوائے تخت کی بنا پر منازعت پیدا ہوئی، ڈیمتریوس کے طرف دار نبط تھے اور یہود سکندر کے حامی تھے، سکندر نے شکست فاش کھائی، اس وقت عرب کی آزاد زمین کے سوا اس کو کوئی مامن نظر نہ آیا لیکن درحقیقت اس کی روح اس وقت حقیقی مامن کی تلاش میں نکلی تھی، زید بابل نے سکندر کا سر کاٹ کر بطلیموس کے پاس بھیج دیا۔ (قد، ج ۲، ۱۳۷، ۴، ۸)

---

[1] مکابین اور بنوادوم میں سے حسب ذیل اشخاص یہودیہ کی ریاست پر ممتاز ہوئے، ۱- یہودا مکابی، بانی خاندان، ۲- یاناتان مکابی، ۳- سمول مکابی، ۴- یحیی ہرکینوس مکابی، ۵- مکندر مکابی اول، ۶- ارسٹوبولوس مکابی، اسکندر مکابی دوم، ۷- ہرکینوس دوم، اس کے بعد رومیوں نے انٹی پیٹرادومی کو یہ ریاست عطا کی، اس کے بعد ہیراڈواِدومی رئیس یہودیہ مقرر ہوا، بعدازیں ریاست کو تین ٹکڑے کر کے اگرپا ادومی کو رئیس اعظم بنایا گیا، اگرپا کے بعد یہ مستقل رومی صوبہ بن گیا۔ [2] یہ تمام واقعات تاریخ یوسیفوس سے التقاط کیے گئے ہیں، ہر واقعہ کا کتاب، باب، فقرہ کی تقسیم سے حوالہ دیا گیا ہے، یوسیفوس کی تاریخ اسی ترتیب پر منقسم ہے۔ (قدامت یہود) کے حصہ کی طرف اشارہ ہے۔

زید بابل کے بعد مالک اول تخت نشین ہوا، سکندر کا سلوقی بیٹا، انطیاخوس اسی معرکہ میں انباط کے ہاں قید ہو کر پرورش پا رہا تھا، یونانیوں نے جو سکندر کے طرف دار تھے، مالک سے درخواست کی کہ انطیاخوس کو باپ کی جگہ حکومت کے لیے آزاد کیا جائے، شدید اصرار کے بعد مالک نے یہ درخواست قبول کی۔ (قد، ج ۲، ۱۳، ۵، ۱)

یونانیوں کی اس خانگی منازعت نے یہود وانباط میں کشمکش پیدا کردی، یاناتاں مکابی رئیس یہودیہ جس کی قوت یونانیوں کے ضعف سے نشوونما پا رہی تھی، اس نے اچانک نبطیوں پر حملہ کیا اور ان کو نقصان پہنچایا۔ (قد، ج ۲، ۵، ۱)

حارث دوم کے زمانہ میں یونانیوں نے غزہ کے یہودیوں پر حملہ کیا، حارث جو اس وقت انباط کی قوت کا مالک تھا، اپنے عہد کا ممتاز بادشاہ تھا، اس نے یونانیوں سے اعانت کا وعدہ کیا لیکن اس سے پہلے کہ عربوں کی کمک پہنچے یونانی خود خانگی منازعت میں مبتلا ہو گئے۔ (قد، ج ۲، ۱۳، ۱۳، ۳)

حارث دوم کے بعد عبادہ اول مملکت انباط پر تخت نشین ہوا، اس کے عہد میں اسکندر مکابی جو یہودیہ کا ایک مجنون رئیس تھا، انباط پر حملہ آور ہوا اور گو جنگ میں نبطیوں کے ہاتھ سے بہ مشکل جاں بر ہو سکا، تاہم صوبہ ہواب اور جلعاد کے بارہ شہران سے چھین لے گیا (۱۳، ۱۳، ۵، نیز ۱۴، ۱، ۴) لیکن یہود اس فتح سے خوش نہ ہوئے اور انہوں نے سکندر کو مجبور کیا کہ وہ مواب وجلعاد کے صوبے عربوں کو واپس کر دے کہ وہ دشمنوں کے شریک نہ بن سکیں۔ (۱۳، ۱۴، ۲)

حارث سوم (۸۷ تا ۶۲ ق م قبل مسیح) حکومت انباط کا سلطان اعظم ہے، انطیاخوس ڈیانیسیوس سلوقی اس وقت ملک عرب پر حملہ آور تھا، حارث کی فوج خالص عرب شجاعت کے ساتھ یونانیوں کے مقابل تھی، پہلے حملہ میں وہ پسپا ہو رہی تھی کہ دفعۃً حارث دس ہزار سواروں کے ساتھ میدان جنگ میں نمودار ہوا، انطیاخوس بہادری سے لڑتا رہا اور عین اس وقت جب کہ جلوہ فتح اس کے سامنے تھا، لڑائی میں کام آیا، اس کے مرنے کے بعد فوج کے

پاؤں اکھڑ گئے، حارث کے لیے اب یہاں سے دمشق تک جو سلوقین کا پایہ تخت تھا، کوئی روک نہ تھی اور خود بطلیموس وسلوقی خاندان باہم خانہ جنگی میں مبتلا تھے، چنانچہ خود اہل دمشق کی دعوت پر حارث دمشق پہنچا اور سکندر اعظم کے جانشینوں (سلوکیوس) کا تخت اس کے پاؤں کے نیچے تھا۔ (۱۳، ۱۵، ۱،۱)

پہلی صدی قبل مسیح کے اواسط میں اسکندر مکابی کے دو بیٹوں میں تخت یہودیہ کے لیے منازعت ہوئی، ایک نے بھاگ کر حارث کے دامن میں پناہ لی اور وعدہ کیا کہ اگر وہ تخت نشین کر دیا گیا تو جن بارہ نبطی شہروں پر اس کا باپ قابض ہو گیا تھا، وہ واپس کر دے گا[1]، حارث پچاس ہزار سپاہ کے ساتھ رقیم (پٹرا) سے نکلا، یہودیوں نے میدان میں شکست کھائی اور یروشلم میں قلعہ بند ہو گئے، حارث یروشلم کا محاصرہ کیے ہوئے پڑا تھا کہ نوشباب رومیوں کی فوج نمودار ہوئی، جس نے ۳۰۰/ ٹالنٹ (۲۵/ لاکھ روپے) پر یہودیوں سے یہ جنگ خرید لی، ناچار حارث کو پیچھے ہٹ آنا پڑا[2] لیکن رومیوں نے پیچھا نہ چھوڑا، خود پامپی اور اس کے سپہ سالار سکاروس (Seaurus) نے پہلی صدی قبل مسیح کے اواسط میں بار بار رقیم (پٹرا) پر حملہ کیا لیکن راستہ کی دشوار گزاری ہمیشہ انباط کے لیے قلعہ ثابت ہوتی رہی، ناچار سکاروس نے ادھر ادھر شہروں کو جلانا اور برباد کرنا شروع کر دیا، آخر ۴۰۰/ ٹلنٹ یعنی تقریباً ۲۰/ لاکھ روپے ایک ادومی سردار انٹی پیٹر کی دلالی سے اپنے وحشیانہ اعمال کی قیمت لے کر واپس پھر گیا[3]۔

یہ واپسی رومیوں کے تخیل میں عظیم الشان فتح تھی، اس کی یادگار میں ایک سکہ جاری کیا گیا، جس میں دکھایا گیا کہ حارث سرنگوں ایک ہاتھ میں اونٹ کی مہار اور دوسرے میں ایک خوشبودار درخت کی ٹہنی (جو ملک عرب سے شاید عبارت ہے) لیے کھڑا ہے[4]، سکاروس کے بعد گلبیوس (Galbieus) اس کی جگہ پر آیا، اس نے یہودیہ رومیوں کی خیر خواہی

---

[1] قد، ج ۲-۱۴، ۱،۴۰۱ [2] بحوالہ سابق، باب ۲، فقرہ ۱۱، ۱۲ [3] قد، کتاب ۱۴، باب ۳، فقرہ ۴۸

[4] قد، کتاب ۱۴، باب ۵، فقرہ اور محاربات، کتاب ۱، باب ۵، فقرہ ۱۰۔

کے معاوضہ میں انٹی پٹرادومی کے حوالہ کیا اور خود انباط کی فتح کے ارادہ سے نکلا اور کہتے ہیں کہ میدان میں غالب آیا[1]۔

عبادہ ثانی کے عہد کا کوئی واقعہ نہیں معلوم۔

مالک ثانی (۴۷ تا ۳۰ قبل مسیح) کا زمانہ بعض حیرت انگیز واقعات کا سلسلہ ہے، انٹی پیٹر مر چکا تھا اور اس کے بجائے ہیرود یہودیہ کا رئیس تھا، روم میں سیزر اعظم (قیصر) کے قتل کا واقعہ پیش تھا اور انٹونی اپنے حریف (قاتلین قیصر) پر غالب آرہا تھا، مصر میں خاندان بطلیموسی کی آخری شہزادی کلیوپٹرا تخت نشین تھی، ہیروڈ روپیوں کی تھیلی دے کر رومیوں سے ''بادشاہ یہود'' کا لقب خریدنا چاہتا تھا اور اسی ضرورت سے مالک کے پاس جانا چاہا کہ اس سے کچھ رقم بطور قرض یا دوستانہ حاصل کرے لیکن مالک نے ملاقات سے انکار کر دیا کہ فارس کی ہمسایہ حکومت اس تعلق کو پسند نہیں کرتی، ہیروڈ رنجیدہ ہو کر روم چلا گیا[2] لیکن عرب جن کی ضرورت ہر قدم پر ہمسایہ حکومتوں کو ہوتی تھی، ان سے کب تک اعراض ہو سکتا تھا، چنانچہ چند ہی روز کے بعد ایک فوج کشی میں پانی کے لیے نبطی عربوں کی اعانت کی حاجت محسوس ہوئی[3]، روم سے چل کر انٹونی اب مصر و شام کا فرماں روا تھا، عرب گو میدان میں مفتوح نہیں ہوئے تھے، تاہم رومیوں کی سیاسی فوقیت کو تسلیم کرتے تھے، انٹونی سب کچھ جو اس کا تھا کلیوپٹرا کو نذر کر چکا تھا، وہی ان ممالک سے خراج وصول کرتی تھی، یہودیہ اس کے لیے تیار تھا لیکن عرب نبط اس محکومی کے لیے تیار نہ تھے، شاہ یہود کے توسط کے بعد بھی مالک خراج دینے پر آمادہ نہ ہوا، آخر الامر یہود نے رومیوں کی محبت اور کلیوپٹرا کی ناز برداری میں عربوں پر حملہ شروع کیا، بڑی بڑی لڑائیاں ہوئیں جن میں طرفین سے ہزاروں آدمی کام آئے اور یہودی مؤرخ یوسیفوس کے بیان کے مطابق اکثر عربوں کو شکست ہوتی رہی[4]۔

---

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا طبع یازدہم، ج ۲۴، ص ۳۰۵ [2] قد، ۱۴-۱۴ اور محاربات، ۱، ۱۴، ۱ [3] قد، ۱۵، باب ۴، ۵، ۶ [4] قد، ۱۵، باب ۴، ۵، ۶۔

عبادہ ثالث (۳۰ تا ۹ قبل مسیح) گو ایک سست طبع اور ناکارہ تھا لیکن اس کا وزیر نہایت ہوش مند اور چالاک تھا، یونانی تلفظ میں اس کا نام سالیوس (Sylleus) مذکور ہے (اصل شاید سائل یا سہیل ہو)، سالیوس ہمیشہ اپنی دانش مندانہ سازشوں سے یہودیوں اور رومیوں دونوں کو زک دیتا رہا[1]، ۱۸ قبل مسیح میں رومیوں کو جو فتح عرب کے خواب دیکھ رہے تھے، عرب کے بے آب صحرا میں جس طرح ان کی ہمت کو شکست دے کر واپس چھڑا لیا، وہ اب تک ہر آدمی اور یورپین مؤرخ کے قلم کے لیے سرمایہ غم وندامت ہے، واقعہ کی تفصیل "حمیر" کے ذکر میں اس سے پہلے گزر چکی ہے۔

حارث رابع ۹ قبل مسیح تا ۴۰ عیسوی) حضرت یحییٰ بن زکریا اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کا معاصر تھا، اس کا پہلا نام انیس تھا، عبادہ کی وفات کے بعد جب یہ بادشاہ ہوا تو اپنے لیے شاہی نام حارث اختیار کیا۔

ہیروڈ شاہ یہودیہ حارث کا داماد تھا، یہ شخص نہایت بدکار اور ستم دوست تھا، اپنے بھائی کے مرنے پر اس نے اپنی بھاوج سے جو اس کی علاتی بھتیجی تھی، دوسری شادی کرلی، حضرت یحییٰ ان دنوں پند وموعظت کے پیغمبرانہ اثر سے قلوب کو مسخر کر رہے تھے، ان کی محبوبیت یہودیہ میں جتنی ترقی کرتی جاتی تھی، ہیروڈ اسی قدر کانپتا جاتا تھا، حضرت یحییٰ نے ہیروڈ کو اس شادی پر ملامت کی، خون آشام بادشاہ سے ضبط نہ ہوسکا، حضرت یحییٰ کا سر کاٹ کر دوسری بیوی کے نذر کیا۔

ہیروڈ کی پہلی بیوی باپ کے پاس عرب چلی گئی، حارث اپنی اس خاندانی اہانت پر غصہ سے بیتاب ہوگیا، فوراً یہودیہ پر فوج کشی کی تیاری کردی اور اس زور وشور سے حملہ آور ہوا کہ ہیروڈ تاب نہ لا سکا اور سخت ہزیمت اٹھا کر واپس آیا، یہودی معتقد تھے کہ شکست حضرت یحییٰ کے قتل کا پاداش عمل تھا[2]، حارث سیدھا دمشق پر قابض ہوگیا، رومی ہیروڈ کی مدد کے لیے آئے

---

[1] قد، ۱۶-۷، ۱۶، باب ۹ محاربات ۱، ۲۴، ۶ [2] حارث و ہیروڈ کے تمام واقعات کے لیے قد ۱۸، ۵ پڑھو۔

لیکن اتفاقاً اس اثنا میں (۳۷ء عیسوی) میں خود قیصر مر گیا، حارث کئی برس تک دمشق پر قابض رہا، پولوس (سینٹ پال) موجودہ عیسائیت کا بانی اسی حارث کے ہاتھ میں قید ہوا تھا، آخر ڈوری لٹکا کر اس کے سہارے قید خانہ سے نکل کر بھاگا۔[1]

حارث کے بعد دولت انباط رومی اقتدار کے پردے میں بالکل چھپ گئی، گویا حارث کا وجود اس چراغ کا آخری سنبھالا تھا، گو بجھنے کے بعد بھی چراغ کا دھواں ۱۰۶ء عیسوی تک نظر آتا رہا۔

انباط کے مٹنے کے بعد بہت سے عرب قبائل اندرون ملک سے خالی جگہ کو بھرنے کے لیے نکل آئے جن میں زیادہ مشہور آل غسان ہیں، جو انباط کے ہم نسب تھے۔

تقریباً ۵۳۰ برس کے بعد جب اسلام آیا تب بھی انباط دنیا سے معدوم نہ تھے، ملک شام میں ان کا پیشہ غلہ اور روغن فروشی رہ گیا تھا،[2] اوپر کے شہر تدمر، معان، بصریٰ وغیرہ آل غسان کے ہاتھ میں اور حجر، تیما، خیبر وغیرہ جو نبطیوں کے گھر اور قلعے تھے، ان سب پر یہود قابض تھے[3] نبطیوں کی بقیہ آبادی قومی حیثیت کھو کر یہودیوں، یونانیوں اور رومیوں میں اس طرح گھل مل گئی تھی کہ عہد اسلام میں ان اطراف میں جب عرب پھیلے تو کوئی ایک دوسرے کو پہچان نہ سکا، عربوں نے ہمیشہ ان کو ایک اجنبی قوم سمجھا اور یہ خود بھی اپنے کو نبطی کہتے تھے، ان ہی میں سے حسان نبطی ہے جو ہشام بن عبدالملک کا ایک درباری تھا۔[4]

اصحاب الحجر: اس عظیم الشان قوم کا عروج وزوال، حیات وموت، زندگی وفنا ہم قوم عرب کے لیے کس درجہ سبق آموز ہوسکتی تھی، تعجب ہوتا اگر قرآن مجید اس عبرتناک تاریخ سے خالی ہوتا۔

تم نے اوپر پڑھا ہے کہ انباط کے مرکز حکومت دو تھے، رقیم (پٹرا) متصل شام اور حجر (اجرا) اندرون عرب، قرآن مجید نے ان کو اسی قریب تر شہر کے مالک کہہ کر ان کو پکارا ہے:

---

[1] نامہ پال ۲ بنام قرنیتون ۱۲، ۳۲ [2] زرقانی بر مواہب لدنیہ، ج ۱، صحیح بخاری، غزوۂ تبوک [3] معجم البلدان یاقوت میں ان شہروں کے حالات پڑھو۔ [4] ابن خلکان، ذکر خالد القسری۔

وَلَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ	اہل حجر نے پیغمبروں کو جھٹلایا (یعنی گذشتہ اور
وَاٰتَيْنٰهُمْ اٰيٰتِنَا فَكَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ	معاصر پیغمبروں کی ہدایات قبول نہ کیں) ہم
وَكَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا	نے ان کو اپنی نشانیاں دیں، ان سے منہ پھیر لیا،
اٰمِنِيْنَ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِيْنَ	یہ پہاڑوں کو کاٹ کر مکان بناتے تھے جن میں
فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ	امن وآرام کے ساتھ رہتے تھے، ان کو عذاب
(الحجر۱۵:۸۰-۸۴)	نے صبح کرتے ہوئے لے لیا، پھر ان کے
	کارناموں نے ان کو کوئی فائدہ نہ بخشا۔

تمام مفسرین نے ''اصحاب الحجر'' سے ثمود مراد لیا ہے، اس میں شک نہیں کہ ثمود کا دارالحکومت بھی کبھی یہی شہر تھا لیکن قرآن مجید کا عام طرز ادا بتاتا ہے کہ اصحاب الحجر سے ثمود کے علاوہ ان کے بعد کی آبادی مراد ہے، قرآن مجید نے ثمود کا ۲۶ جگہ ذکر کیا ہے لیکن ہر جگہ ان کا نام لیا ہے، اس اجمال کے ساتھ یعنی ''حجر والے'' کہہ کر کہیں نہیں بیان کیا ہے، ایک اور بات بھی قابل ذکر ہے، ثمود کی تعمیر وسنگ تراشی کا قرآن مجید میں جہاں ذکر ہے وہاں مقام کا نام بھی بتادیا ہے، یعنی وادی القریٰ وَثَمُوْدَ الَّذِيْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ثمود جنہوں نے وادی القریٰ میں پتھر تراشے، یہاں ''حجر والے'' کہہ کر ان کی تعمیر وسنگ تراشی کا ذکر کیا ہے، اس سے اشارہ یہ ہے کہ ان کی سنگی عمارتیں حجر میں واقع تھیں، ان کے نشان اور آثار اب تک موجود ہیں، ان پر جو کتبات منقوش ہیں ان میں بانی اپنا نام ''نبطیو'' بتاتے ہیں، جس کو ہر نبطی خط وزبان کا عالم ہر وقت پڑھ کر تصدیق کر سکتا ہے، اس سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ اصحاب الحجر ان ہی انباط کا لقب تھا، صحیح بخاری اور احادیث وسیر کی دوسری کتابوں میں مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تبوک کو تشریف لے جاتے ہوئے مقام حجر سے گزرے تھے، اس موقع پر بھی اکثر روایتوں میں ثمود کا نام نہیں، یہ فقرہ مذکور ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا تدخلوا مساکن الذین ظلموا انفسھم الا ان تکونوا باکین ان

یصیبکم مثل ما اصابھم ان اپنی جان پر آپ ظلم کرنے والوں کے گھروں میں روتے ہوئے چلو، ایسا نہ ہو کہ جو مصیبت ان پر آئی ہے، تم پر بھی آئے، یہ روایت امام بخاری نے باب غزوہ تبوک تفسیر سورہ حجر اور ثمود کے ذکر میں درج کی ہے، اس میں ثمود کا مطلق نام نہیں، ایک روایت میں یہی حدیث بزیادت الفاظ اس طرح مروی ہے ان الناس مع رسول اللہ نزلوا ارض ثمود الحجر اس سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ حجر ثمود کا ملک بھی تھا اور اس سے ہم کو انکار نہیں۔

اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ کم از کم ۱۶۰ر قبل مسیح سے ۱۰۶ر عیسوی تک انباط ان مقامات پر قابض تھے، اب ڈائیڈروس اور پلینی کی شہادتوں کو باہم پیش نظر رکھو، ڈائیڈروس ۸۰ر قبل مسیح کہتا ہے:

"اوپر گزرتے ہوئے تم خلیج ایلہ (عقبہ) میں داخل ہو گے، جس کے حدود پر ان عربوں کی بہت سی آبادیاں ہیں، جن کو لوگ "نبط" کہتے ہیں، نہ صرف سواحل کے بڑے حصہ پر بلکہ اندرون ملک میں بھی دور تک پھیل گئے ہیں[1]۔"

مورخ پلینی (۷۹ر عیسوی) اسی خلیج ایلہ کے ذکر میں کہتا ہے:

"خلیج کے اندرونی گوشہ میں ایلانی لوگ بستے ہیں، جن کے سبب اس خلیج کا نام ایلہ ہوا (یہ تحقیق بالکل غلط ہے، واقعہ برعکس ہے، یعنی خلیج ایلہ کی سکونت کے سبب سے ان کو ایلی کہتے ہیں) اور جوا گرا (حجر) اپنے شاہی شہر میں بھی رہتے ہیں[2]۔"

ان دونوں شہادتوں کی تطبیق سے تاریخی طور سے بھی ظاہر ہوگا کہ "حجر" کے باشندے اس عہد میں انباط تھے اور قرآن مجید کی نسق عبارت سے جس طرح یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ایک شاہی دار الحکومت ہوگا، یونانی تاریخ جو خود انباط کے عہد وجود میں لکھی گئی ہے، اس کی تصدیق کرتی ہے۔

---

[1] دیکھو فصل "انباط کا رقبہ حکومت" [2] طلائے مدین یعنی گولڈ مائنس آف مدین، ص ۱۲۔

قرآن مجید نے ان کی سنگی عمارتوں کا ذکر کیا ہے، گوان کے آثار اب تک رقیم، حجر، تیما اور علا وغیرہ میں موجود ہیں لیکن انباط کی معاصر تاریخ بھی اس کے ثبوت سے خالی نہیں، اسٹرابولکھتا ہے،

''ان کے مکانات عالی شان اور پتھر کے ہوتے ہیں[1]۔''

مسلمان جغرافیہ نویسوں نے ان عمارتوں کو تیسری چوتھی صدی میں دیکھا تھا، اصطخری بیان کرتا ہے:

الحجر قرية صغيرة قليل السكان و هومن وادی القرىٰ علی یوم بین جبال و بها كانت منازل ثمود و رأیت تلك المساكن مثل بیوتنا فی اضعاف جبال (یاقوت ''الحجر'')	حجر وادی القریٰ سے ایک دن کی راہ پر پہاڑوں کے بیچ میں ایک کم آباد گاؤں ہے، یہیں ثمود کے گھر تھے، ہم نے اپنے گھروں کے برابر ان گھروں کو پہاڑوں کے سلسلوں میں دیکھا۔

حجر میں اب تک یہ عمارتیں موجود ہیں، ان میں اکثر مقبرے ہیں جو پہاڑوں کو کاٹ کر بنائے گئے ہیں، ان عمارتوں پر نبطی خط اور آرامی زبان میں مذہبی کتبے ہیں، ان میں انباط کے بتوں کے نام بھی مذکور ہیں، جن میں قیس، ذوالشریٰ، مناۃ مشہور دیوتا ہیں، موجودہ عمارات میں ایک عمارت ''قصر البنت'' کے نام سے مشہور ہے[2]۔

---

[1] طلائے مدین، صفحہ ۲۲۸ [2] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، مضمون ''عرب''۔

آلِ غسان

نابت بن اسماعیلؑ کی ایک اور شاخ

غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ

انباط کے مٹنے کے بعد حدود شام میں ایک اور عرب خاندان نے ظہور کیا جس کو عموماً آل غسان یا غساسنہ اور کبھی بانی خاندان کے نام سے آل جفنہ کہتے ہیں۔

آل غسان کا نسب: عام علمائے انساب کی تشریح کی بنا پر آل غسان قحطانی سبا کے خاندان کہلان سے تھے، کہلان کے سالار خاندان عمر مزیقیا کو پہلے سے معلوم ہو چکا تھا کہ سدعرم ٹوٹے گا اور سبا برباد ہو جائیں گے، اس لیے وہ یمن سے نکل کر حجاز کی راہ سے شام آیا، بعض حجاز و تہامہ میں رہ گئے اور وہ اوس وخزرج وغیرہ ہیں اور بقیہ حصہ شام وعراق چلا گیا لیکن اصول تحقیق کی رو سے یہ تمام تر افسانہ ہے، گذشتہ ابواب میں قحطانی واسماعیلی خاندان کی تشخیص وتمیز کی اتنی علامتیں بیان کی جا چکی ہیں کہ ان کے ذریعہ سے بہ آسانی دونوں سلسلوں میں امتیاز کیا جاسکتا ہے، جس سے کلبی اور ابن ہشام (علمائے انساب) کے اکاذیب کا انبار دفعۃً جل کر خاکستر ہو جاتا ہے۔

۱- سبا وحمیر کے بیان میں قحطانی اور انباط کی فہرست میں اسماعیلی ناموں کی طویل فہرست گزر چکی ہے، آل غسان کے ناموں کو دونوں کے درمیان رکھ کر دیکھ لو، تم فوراً کہہ دو گے کہ یہ یقیناً اسماعیلی تھے اور اسماعیلیوں میں بھی نابتی۔

۲- آل غسان کی زبان اور خط تحریر دونوں اسماعیلی ہیں، زبان شمالی عربی زبان

ہے اور خط تحریر نبطی ہے، اگر یہ قحطانی خاندان ہوتا تو زبان وخط دونوں حمیری ہوتے۔

۳- خود عرب مؤرخین کی شہادت ہے کہ آل جفنہ پہلے تہامہ میں نہر غسان کے پاس آباد تھے اور اسی لیے ان کو غسانی کہتے ہیں اور یہ معلوم ہے کہ تہامہ خاص اسماعیلی عربوں کا مرکز تھا، عربوں کے علاوہ یونانیوں نے بھی دوسری صدی عیسوی کے وسط میں تہامہ اور سواحل بحراحمر پر ان کی سکونت بیان کی ہے۔

۴- یہ وہ دلائل ہیں جو مستشرقین یورپ اس موضوع کے متعلق پیش کرتے ہیں لیکن ہم اس سے بھی زیادہ واضح دلیل پیش کرتے ہیں، ابوطاہر مقدسی مصنف کتاب البدء والاخبار جو ایک قدیم مصنف ہے، ایک موقع پر لکھتا ہے:

وقال المنذر بن حرام جد حسان بن ثابت بن المنذر فی الجاهلیة العمیاء یذکر نسبهم الی غسان ثم الی نابت ابن مالك ثم الیٰ نابت بن اسماعیل بن ابراهیم	حسان بن ثابت کا دادا منذر بن حرام جو خالص زمانہ جاہلیت میں تھا، ان کا (اوس وخزرج کا) نسب غسان تک اور غسان سے نابت بن مالک تک اور نابت بن مالک سے نابت بن اسماعیل ابن ابراہیم (علیہما السلام) تک پہنچاتا ہے۔

ورثنا من البهاول عمرو بن عامر — وحارثة الغطریف مجد امؤثلا

موارث من انباء نبت بن مالك — و نبت بن اسماعیل ما ان تحولا

شاعر خود غسانیوں کا ہم نسب ہونا ظاہر کرتا ہے اور خود غسانیوں کے زمانہ وجود میں یہ قصیدہ لکھا گیا، اس بنا پر آل غسان کے متعلق اس سے موثوق تر شہادت نہیں مل سکتی، اگر یہ شعر غلط بھی ہوں تب بھی کم از کم اتنا تو بے شبہ ہوگا کہ ابتدائی صدیوں میں غسانیوں کا نابت بن اسماعیل کی نسل سے ہونا زیر بحث تھا۔

آخری فیصلہ کے لیے ہم قحطانی حمیری اور اسماعیلی نبطی بادشاہوں کے نام غسانیوں کے پہلو بہ پہلو لکھتے ہیں، اس مقابلہ سے قومیت کا راز خود بہ خود فاش ہو جاتا ہے:

قریش

مضر بن نزار بن عدنان بن قیدار بن اسماعیل کا ایک خاندان

سلسلۂ نسب

مضر کی شاخ متعدد وسیع خاندانوں میں منقسم ہوگئی، جن میں سے ایک قریش کا خاندان ہے، بانی خاندان کا نام فہر تھا، عدنان تک اس کا سلسلہ نسب یہ ہے: فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔

عدنان تک سلسلہ نسب حرف بہ حرف صحیح اور نا قابل شک ہے، صحیح روایات سے ثابت ہے، احادیث میں مروی ہے، اشعار عرب میں مذکور ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سلسلہ نسب بھی ان ہی واسطوں سے عدنان تک پہنچتا ہے۔

لفظ قریش

فہر کا لقب قریش تھا، اس بنا پر اس کی نسل نے "قریش" اپنا خاندانی علم قرار دیا، لفظ قریش کے عربی میں متعدد معنی ہیں، اس کا ایک ماخذ تقریش و تقرش ہے جس کے معنی "اکتساب و تحصیل" ہیں، خیال ہے کہ چوں کہ اس خاندان کا اصلی پیشہ تجارت تھا، اس لیے

قریش کے نام سے موسوم ہے، قریش ایک دریائی درندہ جانور کا بھی نام ہے، جو دریائی جانوروں کا شکار کرتا ہے، فہر نے اپنے استیلا وقوت کے اظہار کے لیے یہ لقب اختیار کیا، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اسی دوسری تاویل کو اختیار کیا ہے۔

مستشرقین یورپ جن کو ہماری تاریخ سے خودغرضانہ محبت ہے، وہ بھی دوسری رائے کو پسند کرتے ہیں لیکن اس لیے نہیں کہ وہ روایۃً صحیح تر ہے، بلکہ اس لیے کہ ٹوٹزم کے ثبوت کے لیے ایک سند ہاتھ آتی ہے[1]، حالاں کہ اس کی تردید کے لیے اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ اس خاندان میں قریش کے نام کی نہ پوجا ہوتی تھی اور نہ اس نام کا دیوتا پوجا جاتا تھا۔

قریش کی شاخیں

قریش بھی کوئی ایک قبیلہ نہ تھا، چھوٹے چھوٹے دس مختلف خاندانوں پر منقسم تھا، ہاشم، امیہ، نوفل، عبدالدار، اسد، تیم، مخزوم، عدی، جمح، سہم، ان کا باہمی سلسلہ نسب اس شجرہ سے جو صفحہ ۱۰۷ پر ہے، واضح ہوگا۔

---

[1] لائف آف محمد صلی اللہ علیہ وسلم، مارگیولیوتھ۔

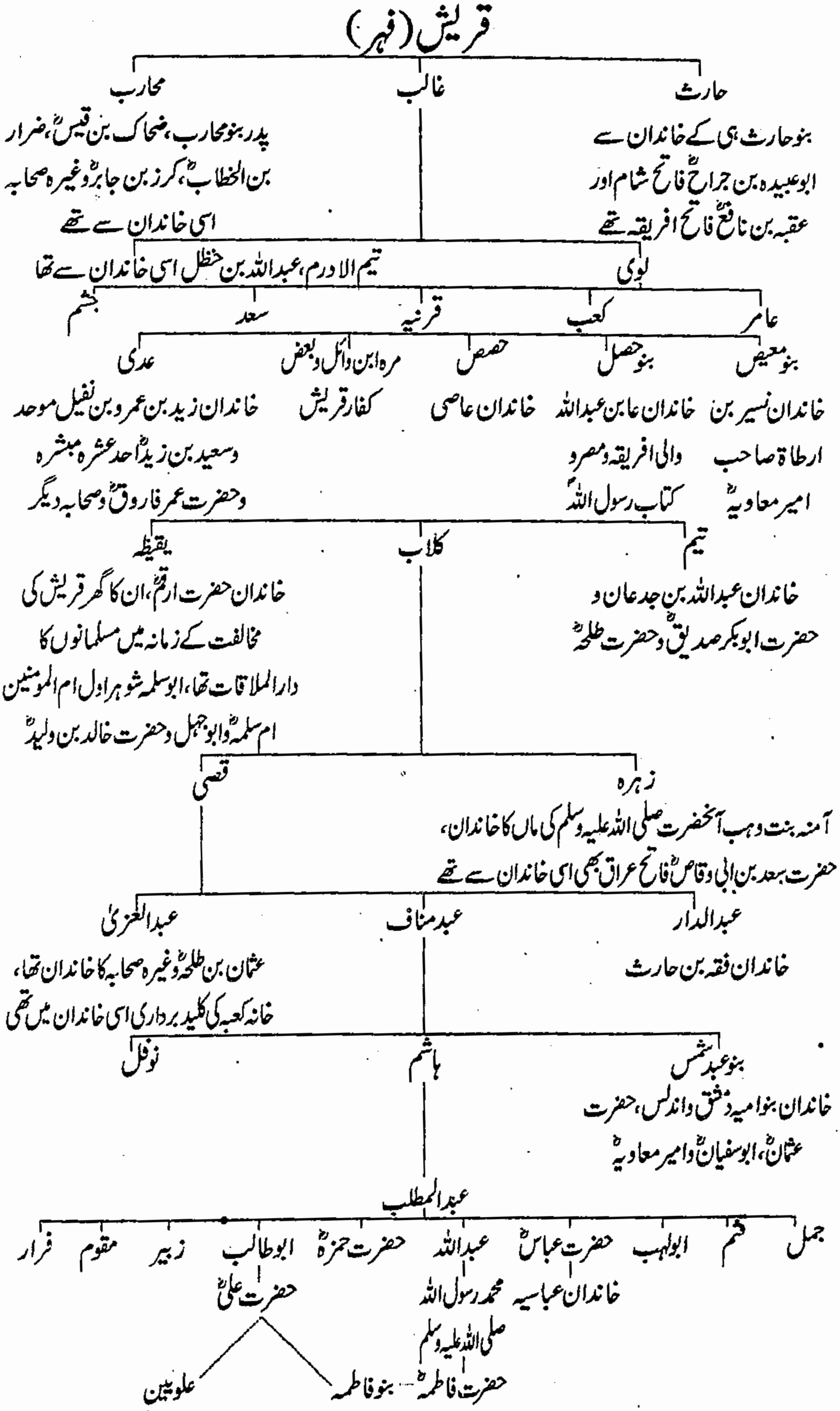
قریش (فہر)
حارث
بنو حارث ہی کے خاندان سے
ابوعبیدہ بن جراحؓ فاتح شام اور
عقبہ بن نافعؓ فاتح افریقہ تھے
غالب
محارب
پدر بنو محارب، ضحاک بن قیسؓ، ضرار
بن الخطابؓ، کرز بن جابرؓ وغیرہ صحابہ
اسی خاندان سے تھے
لوی
تیم الادرم، عبداللہ بن خنظل اسی خاندان سے تھا
عامر
کعب
قرنیہ
سعد
جشم
بنو معیص
خاندان نسیر بن
ارطاۃ صاحب
امیر معاویہؓ
بنو جصل
خاندان عابن عبداللہ
والی افریقہ ومصر و
کتاب رسول اللہؐ
حصص
خاندان عاصی
مرہ ابن وائل وبعض
کفار قریش
عدی
خاندان زید بن عمرو بن نفیل موحد
وسعید بن زیدؓ احد عشرہ مبشرہ
وحضرت عمر فاروقؓ وصحابہ دیگر
تیم
خاندان عبداللہ بن جدعان و
حضرت ابوبکر صدیقؓ وحضرت طلحہؓ
کلاب
یقیظہ
خاندان حضرت ارقمؓ، ان کا گھر قریش کی
مخالفت کے زمانہ میں مسلمانوں کا
دار الملاقات تھا، ابوسلمہ شوہر اول ام المومنین
ام سلمہؓ وابوجہل وحضرت خالد بن ولیدؓ
زہرہ
آمنہ بنت وہب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ماں کا خاندان،
حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فاتح عراق بھی اسی خاندان سے تھے
قصی
عبدالدار
خاندان فقہ بن حارث
عبد مناف
عبدالعزیٰ
عثمان بن طلحہؓ وغیرہ صحابہ کا خاندان تھا،
خانہ کعبہ کی کلید برداری اسی خاندان میں تھی
بنو عبد شمس
خاندان بنوامیہ دمشق واندلس، حضرت
عثمانؓ، ابوسفیانؓ وامیر معاویہؓ
ہاشم
نوفل
عبدالمطلب
جمل
قثم
ابولہب
حضرت عباسؓ
خاندان عباسیہ
عبداللہ
محمد رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم
حضرت فاطمہؓ
حضرت حمزہؓ
ابوطالب
حضرت علیؓ
بنو فاطمہ
علویین
زبیر
مقوم
فرار

قریش کی ایک اور تقسیم

قریش کی جن شاخوں کا اوپر ذکر ہوا، وہ طرز زندگی کے لحاظ سے دو جماعتوں میں منقسم تھے، قریش الظواہر، قریش البطائح، قریش ظواہر دیگر بادیہ نشین قبائل کی طرح مکہ کے آس پاس صحرا میں خانہ بدوشانہ زندگی بسر کرتے تھے، قریش البطائح شہری زندگی کے عادی تھے اور چوں کہ ان کا خاص پیشہ تجارت تھا، اطراف کے متمدن ممالک میں ان کا گزر رہتا تھا، اس لیے ایک منتظم آبادی کی حیثیت انہوں نے پیدا کرلی تھی، ذیل کی فہرست سے قریش کے ان خاندانوں کی تقسیم ظاہر ہوگی:

قریش الظواہر	قریش البطائح
۱- بنومحارب	۱- بنوقصی بن کلاب
۲- بنوتیم الادرم	۲- بنوکعب بن لوی
۳- خزیمہ بن لوی	
۴- سعد بن لوی	
۵- جشم بن لوی	
۶- بنوحارث	

ابن خلدون نے لکھا ہے کہ بنوقصی اور بنوکعب بن لوی کے سوا قریش کی اور تمام شاخیں قریش ظواہر تھیں، اصل یہ ہے کہ تمام تاریخیں اس بات پر متفق ہیں کہ قریش کی سیاسی عظمت وجلال کا بانی قصی تھا، قصی سے پہلے قریش میں کسی قسم کا نظام قومی نہ تھا، مکہ ایک مرکز تھا اور اس کے دائرہ میں قریش کے تمام خاندان چکر لگاتے تھے، قصی سب سے پہلا شخص

ہے جس نے قریش میں قومی ہیرو کی حیثیت پیدا کی۔

قریش کا زمانہ

قریش دنیا کی تاریخ میں کب ظاہر ہوئے اور اس خاص خاندان کی کب بنا پڑی، تاریخوں میں اس کا ذکر نہیں، اس قدر معلوم ہے کہ عبدالمطلب چھٹی صدی عیسوی کے اواسط میں موجود تھے، عبدالمطلب سے فہر تک دس پشتیں ہوئیں، ایک پشت کے لیے ۲۵ر برس کا زمانہ اگر فرض کیا جائے تو ڈھائی سو برس کی مدت قرار پاتی ہے، اس بنا پر قریش کے اعاظم رجال کے لیے حسب ذیل تقریبی سنین ہم متعین کر سکتے ہیں:

نام	سنہ وجود تقریباً	نام	سنہ وجود تقریباً
۱-فہر و قریش	۳۲۵ء	۶-کلاب	۴۵۰ء
۲-غالب	۳۵۰ء	۷-قصی	۴۷۵ء
۳-لوی	۳۷۵ء	۸-عبدمناف	۵۰۰ء
۴-کعب	۴۰۰ء	۹-ہاشم	۵۲۵ء
۵-مرہ	۴۲۵ء	۱۰-عبدالمطلب	۵۵۰ء

قصی کا نسب بعض ارباب تاریخ نے لکھا ہے، وہ منذر بن نعمان شاہ حیرہ (۴۳۱ء-۴۷۳ء) کا معاصر تھا[1]، قیاس بالا کی رو سے بھی یہی تاریخ ظاہر ہوتی ہے۔

---

[1] معجم یاقوت لفظ ''مکہ''۔

قریش کا استقلال سیاسی

حجاز کا صوبہ جو قریش کا وطن تھا گو ہمیشہ بیگانہ اقتدار سے محفوظ رہا لیکن اس میں شک نہیں کہ ہمسایہ حکومتوں کو اس کی مفتوحی کی ہمیشہ آرزو رہی، یمن کی حمیری و حبشی حکومت، حکومت ایران کی شہنشاہی اور رومیوں کی دولت عظمیٰ نے عرب کے اس حصہ پر مختلف اوقات میں فوج کشیاں کیں، ہمیشہ ان کا اختتام ناکامیوں پر ہوا۔

اندرون ملک کے عربوں کو ایرانیوں اور رومیوں کے مقابل یمن کی وطنی حکومت کی طرف فطرتاً زیادہ کشش ہو سکتی تھی، شاہان حیرہ بھی گو ایرانیوں کے زیر اقتدار تھے لیکن نسباً قریش کے قریب تر تھے کہ دونوں عدنانی النسل تھے، اس بنا پر ان دونوں حکومتوں کو حجاز کی فرماں روائی کا دعویٰ تھا، امراء القیس بن عمرو (۳۲۸-۳۸۸عیسوی) شاہ حیرہ کے ایک کتبہ کی عبارت پہلے لکھی جا چکی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ''تاج دار'' حیرہ کو اسد نزار اور عرب کی بادشاہی کا دعویٰ تھا۔

شاہان یمن نے رؤسائے کندہ کو حجاز کے قبائل معد پر حکمراں مقرر کیا تھا، حجر بن عمرو اس خاندان کا پہلا رئیس تھا، عمرو بن حجر دوسرا اور حارث بن عمرو تیسرا، حارث نے اپنی ریاست کے حدود اپنے بیٹوں پر تقسیم کر دیے، یہ نظام کچھ زیادہ دنوں تک نہ چل سکا، حبشیوں نے حیرہ کا خاتمہ کر دیا، جس کے ساتھ گویا کندہ کا خاتمہ ہو گیا، شاہان حیرہ کی رقیبانہ جنگ اور قبائل معد کی سرکشی نے کندہ کو بے نشان کر دیا، جن حبشیوں نے یمن کو فتح کیا تھا وراثۃً حجاز و تہامہ کو بھی اپنا مملوکہ قرار دیا، چنانچہ ابرہہ کا جو کتبہ سد مارب پر منقوش ہے، اس میں وہ اپنا نام ان الفاظ کے ساتھ لکھتا ہے:

''ابرہہ......سبا، ریدان، حضرموت، یمن اور اعراب نجد و تہامہ کا بادشاہ۔''

عجب نہیں کہ ابرہہ کے ارادہ فتح مکہ کا ایک سبب اس دعائے غیر واقع کو عملاً ثابت کرنا بھی ہو، قیاصرہ روم کو بھی اس غیر مفتوح خطہ کی حکومت کی کچھ کم ہوس نہ تھی، ابوالبحتری خانوادہ عبدالعزیٰ کا رئیس تھا، وہ قیصر کی طرف سے یہاں کی حکومت پر مامور ہوا، قریش نے تسلیم نہ کیا اور اس کو شام واپس جانا پڑا، وہاں پہنچ کر شام میں جس قدر قریش تھے، سب کو قید کر دیا، آخر قریش نے غسانیوں کی اعانت سے اس کو زہر دلوا دیا۔

ان ہمسایہ حکومتوں سے ان خاندانوں میں سب سے پہلے قبیلہ بکر بن وائل نے استقلال حاصل کیا، کلیب سب سے پہلا شخص ہے جس نے حمیرہ و کندہ کے مقابلہ میں آزادی کا علم بلند کیا، اسی کے بعد ہی قریش کے خاندان میں قصی نام کا ایک دوسرا نام ور پیدا ہوا، جس نے قریش کی ایک مستقل ہستی پیدا کر دی۔

بچپن ہی میں باپ کے سایہ عاطفت سے محروم ہو گیا تھا، ماں نے بنی عذرہ کے قبیلہ میں اپنا دوسرا نکاح کر لیا، بنو عذرہ شمالی عرب کے حدود میں شام کے پاس آباد تھے، قصی نے بھی ماں کی آغوش میں یہیں پرورش پائی، جوان ہو کر نسل و وطن کی جستجو کی تو حجاز میں سراغ پایا، بچپن ہی سے عالی حوصلہ اور بلند نظر تھا، مکہ میں دوسرے قبائل نے قریش کو دبا لیا تھا، اس نے مکہ آ کر قریش کے منتشر اجزا کو فراہم کیا اور چھوٹی چھوٹی چند لڑائیوں کے بعد مکہ کی سرزمین میں قریش کی ایک مختصر سی حکومت کی بنیاد پڑ گئی۔

مؤرخین کو اتفاق ہے کہ یہ پہلا موقع تھا کہ قریش نے حجاز کی سرزمین میں سیاسی اہمیت حاصل کی، قصی کے وجود کی جو تخمینی تاریخ مقرر کی گئی ہے، گر وہ صحیح ہے تو قریش کے ظہور سیاسی کی تاریخ غالباً ۴۰۵ءعیسوی ہے، یعنی اسلام سے سوا سو برس پیش تر۔

قصی کا زمانہ: تاریخ حمزہ اصفہانی میں قاضی وکیع سے مروی ہے:

کان قصی بن کلاب فی زمن فیروز بن یزد جرد (ص۱۱۷)	قصی بن کلاب فیروز بن یزدگرد (شاہ ایران) کے زمانہ میں تھا۔

قدیم مؤرخ ابوطاہر مقدسی کتاب البدء والتاریخ میں راوی ہے:

قصی اول من اصاب ملکامن العرب من قریش من بعد ولد اسماعیل فی زمن المنذرمن النعمان علی الحیرة والملك بهرام حورفی الفرس فقطع مكة رباعًا و بنی بها دارالندوة (ص۱۲۶)	قصی عرب قریشیوں میں پہلا شخص جو فرزندان اسماعیل کے بعد بادشاہ ہوا، اس وقت منذر بن نعمان حیرہ میں اور شاہ بہرام گور ایران میں بادشاہ تھا، قصی نے مکہ منقسم کیا اور وہاں دارالندوہ بنایا۔

حمزہ نے قصی کو فیروز بن یزدگرد کا اور مقدسی نے منذر بن نعمان اور بہرام گور کا معاصر ٹھہرایا ہے لیکن یہ کوئی حقیقی اختلاف نہیں ہے، بہرام گور کا زمانہ ۴۲۰ سے ۴۳۸ عیسوی تک ہے اور اس کے بعد یزدگرد دوم ۴۵۷ عیسوی تک حکومت کرتا ہے، اس کے بعد فیروز بن یزدگرد ۴۸۴ عیسوی تک حکمراں رہتا ہے، منذر کا زمانہ ۴۳۲ عیسوی سے ۴۷۳ عیسوی تک ہے، اس بنا پر یہ سمجھنا چاہیے کہ حمزہ نے قصی کا ابتدائی زمانہ اور مقدسی نے انتہائی زمانہ مقرر کیا ہے اور اس کی دلیل منذر کی معاصرت سے ملتی ہے، جو ۴۳۱ سے ۴۷۳ عیسوی تک قائم رہتی ہے، اس بنا پر تقریباً قصی کا جو زمانہ ہم نے متعین کیا ہے وہ بالکل ٹھیک ہے، یعنی پانچویں صدی عیسوی کا عہد اواسط۔

کوہ صفا: یہ اوپر لکھا جا چکا ہے کہ قصی نے حدود شام میں تربیت پائی تھی، قریشی عرب اس وقت تک بدوی تھے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قصی نے تہذیب زندگی، نظم حکومت اور تاسیس قومیت کے اصول شام ہی کے ملک میں سیکھے اور جوانی کے بعد حجاز آ کر اسی اصول پر قریش کے منتشر اجزا کو یکجا کیا اور ان میں سے ایک چھوٹی سی جمہوری ریاست کی بنیاد ڈالی۔

حدود شام میں صفا ایک پہاڑی ہے، مستشرقین یورپ نے اس پہاڑ کی سنگی لوحوں پر عربی زبان کے چند کتبات پائے ہیں، گو ان کتبات سے کسی نئے تاریخی باب کا افتتاح نہیں ہوتا، تاہم ان میں اشخاص کے جو نام پڑھے گئے ہیں، مثلاً قصی، مالک، روح، ان

سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کا بانی کوئی عدنانی قبیلہ تھا، کیا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس یادگار کا بانی قصی رئیس قریش ہے! سوچنے کی بات ہے۔

قریش کا نظام سیاسی واجتماعی: قصی نے مکہ میں جو چھوٹی سی ریاست قائم کی تھی اس کی حیثیت ایک شہری جمہوریت کی تھی، یونان کے شہر ایتھنز اور اسپارٹا کے طرز حکومت کا ایک دھندلا سا خاکہ قریش کی سرزمین میں نظر آتا تھا۔ اس شہری حکومت میں کل چودہ عہدے تھے، جو دس عہدہ داروں پر منقسم تھے، دس عہدہ دار قریش کے دس قبائل سے منتخب ہوتے تھے، ظہور اسلام کے وقت ان عہدوں کی حسب ذیل تقسیم تھی:

مذہبی

شمار	عہدہ	توضیح خدمات	نام قبیلہ	عہدہ دار
۱-	سقایہ	حاجیوں کے کھانے پینے کا سامان	بنو ہاشم	عباسؓ بن عبد المطلب
۲-	عمارہ	خانہ کعبہ کا انتظام	بنو ہاشم	عباسؓ بن عبد المطلب
۳-	رفادہ	حاجیوں کی مالی اعانت کا انتظام	بنو نوفل	حارث بن عامر
۴-	سدانہ	خانہ کعبہ کی دربانی وکلید برداری	بنو عبد الدار	عثمانؓ بن طلحہ
۵-	ایسار	بتوں سے استخارہ کی خدمت	بنو جمح	صفوان
۶-	اموال محجرہ	بتوں کے نذرانوں اور جائیدادوں کا انتظام	بنو سہم	حارث بن قیس

عدالتی

شمار	عہدہ	توضیح خدمات	نام قبیلہ	عہدہ دار
۱-	ندوہ	عدالت خانہ اور مشورہ گاہ کا انتظام	بنو عبد الدار	عثمان بن طلحہؓ
۲-	مشورہ	امور مہمہ میں مشورہ لینا	بنو اسد	یزید بن زمعہ
۳-	اشناق	خوں بہا، جرمانہ اور مالی تاوان کا انتظام	بنو تیم	ابوبکر صدیقؓ

۴-	حکومۃ	مقدمات کا فیصلہ	بنوسہم	حارث بن قیس

جنگی

شمار	عہدہ	توضیح خدمات	نام قبیلہ	عہدہ دار
۱-	عقاب	نشان قومی کی علم برداری	بنوامیہ	ابوسفیانؓ
۲-	قبہ	فوجی معسکر (کیمپ) کا نظم	بنومخزوم	خالد بن ولیدؓ
۳-	اصفہ	سواروں کے رسالہ کی سپہ سالاری	بنومخزوم	خالد بن ولیدؓ
۴-	سفارت	سفارت	بنوعدی	عمر بن خطابؓ

اس چھوٹی سی شہری جمہوریت کا ایوان حکومت دارالندوہ کے نام سے موسوم تھا، اس کا بانی قصی تھا، ہر قسم کے اجتماعی، تجارتی، عدالتی اور سیاسی احکام اور فیصلے قریش اسی عمارت میں بیٹھ کر صادر کرتے تھے، یہاں تک کہ شادی بیاہ، بلوغ کے مراسم، قافلوں کی روانگی وداخلہ وغیرہ جملہ امور یہیں انجام پاتے تھے[1]، قریش نے داعی اسلام کے قتل کا مجرمانہ فیصلہ بھی اسی ایوان عدالت میں بیٹھ کر صادر کیا تھا۔

قریش کا تمدن: عرب کے قبائل کی دو قسمیں تھیں، ایک وہ جو کسی مقام پر متعین بود و باش رکھتے تھے اور مکانات بنا کر کوئی متصل آبادی قائم کر لیتے تھے، ان قبائل کو لوگ حضری کہتے تھے، عرب کے بڑے بڑے شہر مکہ، یثرب، طائف، صنعا، یمامہ، عدن وغیرہ ان قبائل کے وطن تھے، ان کے علاوہ عرب کے اکثر قبائل بدوی تھے، یعنی خانہ بدوشانہ زندگی رکھتے تھے، خیموں میں رہتے تھے، مویشی کے لیے جہاں عمدہ چراگاہ نظر آتی تھی وہاں اتر پڑتے تھے، پھر کسی اور مقام پر جا کر ڈیرے ڈالتے تھے، یہی قبائل جرائم پیشہ بھی تھے۔

قریش حضری تھے، مکہ ان کا وطن تھا، بدوی قبائل کی طرح پر یا دوسرے قبائل کے

---

[1] ابن سعد، جلد اول، ص ۳۹ میں ان تمام مراسم اور امور کی تفصیل ہے۔

مال و دولت کی چھین جھپٹ پر ان کا گزارہ نہ تھا، بلکہ پورا قبیلہ تجارتی کاروبار پر زندگی بسر کرتا تھا، عرب سے نکل کر حبشہ، عراق، ایران، شام بلکہ ایشیائے کوچک تک ان کے تاجر گزرتے تھے، غیر ملکی تاجر جو ان کے شہر میں داخل ہوتے تھے، ان سے یہ عشر[1] لیتے تھے۔

قریش اور قرآن مجید: قریش کے تلمیحی اور ایہامی اشاروں سے اگرچہ تمام قرآن بھرا ہوا ہے لیکن نام کے ساتھ ان کا ذکر ایک ہی دفعہ قرآن میں آیا ہے اور وہ سورہ ایلاف میں، جس کو سورہ قریش بھی کہتے ہیں:

لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ	تعجب ہے کہ قریش کو اپنے جاڑے اور گرمی کے
وَالصَّیْفِ فَلْیَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَیْتِ	سفر سے کس قدر الفت ہے، ان کو چاہیے کہ اس خانہ
الَّذِیْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ	کعبہ کے مالک کو پوجیں جس نے ان کو بھوک سے
خَوْفٍ (قریش ۱۰۶: ۱-۴)	بچا کر کھانا دیا اور خوف سے بچا کر دامن امان بخشا۔

اس سورہ کی تفسیر اور قریش کی تاجرانہ اولوالعزمیوں کی تفصیل آئندہ باب میں آتی ہے۔

قریش کے افراد اور اشخاص کے ایہامی تذکرے بھی قرآن میں کثرت سے ہیں لیکن نام کے ساتھ قریش اور موالی قریش میں صرف تین اشخاص کا ذکر ہے، ایک تو خود ذات رسالت مآب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور تیسرا ابولہب، اسم نبوی تو وحی الٰہی کا اصل مخاطب ہے، اس لیے یہ اسم گرامی چار موقعوں پر قرآن میں مذکور ہوا ہے:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ	محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے مردوں میں کسی
وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ (الاحزاب ۳۳: ۴۰)	کے باپ نہیں لیکن خدا کے رسول ہیں۔

یہ اس موقع کی آیت ہے کہ لوگ حضرت زید بن حارثہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیٹا کہتے تھے تو خدا نے اس کی ممانعت کی، اس آیت سے یہ پیشین گوئی بھی سمجھی جاتی ہے کہ

---

[1] ابن سعد، جلد اول، ذکر قریش۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی لڑکا پیدا نہ ہوگا، دوسری آیت یہ ہے:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ (الفتح ۴۸:۲۹) محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے پیغمبر۔

تیسری آیت:

اٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ (محمد ۴۷:۲) محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جو کچھ اترا اس پر ایمان لاؤ۔

چوتھی آیت:

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ (آل عمران ۳:۱۴۴) محمد صلی اللہ علیہ وسلم صرف خدا کے رسول ہیں۔

دوسرا نام زید بن حارثہؓ کا ہے، زید قریشی النسل نہ تھے، وہ کلب کے قبیلہ سے تھے، لڑکپن میں چند ڈاکو ان کو چرا کر عکاظ کے بازار میں لائے اور غلام بنا کر ان کو بیچا، حضرت حکیم بن حزامؓ ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ماموں نے خریدا اور اپنی بھانجی کی خدمت گزاری میں دیا، حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا، آپؐ نے آزاد فرما کر اپنی تربیت میں لیا اور اس درجہ ان سے محبت کرنے لگے کہ لوگ ان کو زید بن محمد کہتے تھے، جب قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی:

اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ (الاحزاب ۳۳:۵) ان کو ان کے باپ کی نسبت سے پکارو۔

تو لوگ ان کو زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنے لگے۔

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک لاکھ صحابہ میں صرف وہی ایک خوش قسمت ہیں جن کا اسم گرامی ناموس اکبر کی زبان سے ادا ہو کر قرآن کے صفحات میں زندگی جاوید حاصل کر سکا، ان کے علاوہ کسی دوسرے صحابی کا نام قرآن میں مذکور نہیں ہوا:

فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا (الاحزاب ۳۳:۳۷) جب زید نے اس کو طلاق دے دی۔

حضرت زیدؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پالا تھا، اس لیے وہ خاندان کے ایک ممبر ہو گئے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ان کو بیاہ دیا تھا لیکن میاں بیوی میں نباہ نہ ہو سکا، حضرت زیدؓ نے ان

کو طلاق دے دی، اسی سلسلہ کلام میں حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام قرآن میں آگیا۔

تیسرا نام ابولہب ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حقیقی چچا اور عبد المطلب کا بیٹا تھا، چچا نے بھتیجے کی نبوت پر گواہی نہ دی، بھتیجے نے وحی آسمانی کی زبان سے اس کے دائمی خسران و ہلاکت کا اس کو پیغام سنایا:

تَبَّتْ يَدَآ اَبِىْ لَهَبٍ وَّتَبَّ مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ (لہب ۱۱۱:۱-۳)	ابولہب کے دونوں ہاتھوں کی ہلاکت ہو اور وہ ہلاک ہو بھی گیا، اس کے مال و دولت نے کچھ فائدہ نہ پہنچایا، وہ آتش دوزخ میں بیٹھے گا۔

ابولہب کا اصلی نام عبد العزیٰ تھا ابولہب کنیت تھی، ابولہب کے معنی ''آگ والے'' کے ہیں، اس سے لوگوں نے یہ قیاس کیا ہے کہ مسلمانوں نے ضد سے اس کا نام آگ والا یعنی دوزخی رکھا تھا لیکن اصل یہ ہے کہ عربی میں آگ والے سے مراد صاحب حسن و جمال ہے، چوں کہ یہ خوب صورت تھا اس لیے قریش نے اس کو ابولہب کا خطاب دیا تھا، یہ دوسری بات ہے کہ اس خطاب نے جو اسلام سے پہلے مل چکا تھا، دوسرے معنی میں ایہاماً اسلام کے بعد اس کی تقدیر کا سرنوشت ہو گیا۔

یہ قریش کا سردار تھا اور اسلام کا سخت دشمن، ہجرت کے بعد قریش کے حملہ آورانہ ارادوں کا آلہ تحریک ایک یہ بھی تھا، ۲ ؍ ہجری میں مکہ میں غزوۂ بدر کے بعد اس نے انتقال کیا۔

اس آیت میں ابولہب کی ہلاکت سے اس کی ذاتی ہلاکت نہیں بلکہ اس کی قومی ہلاکت مراد ہے، جو غزوہ بدر میں واقع ہوئی، جس طرح دیگر انبیا کے زمانہ میں ہمیشہ ایک طاغی اور سرکش ان کا مقابل رہا ہے اور جس نے اپنی گمراہی سے قوم کو ہلاک کیا ہے، مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں نمرود، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں فرعون، اسی طریقہ سے اس امت محمدیہ کا نمرود یا فرعون ابولہب تھا اور قرآن نے اسی حیثیت سے تمام رؤسائے قریش کو چھوڑ کر صرف اسی کا نام لیا۔

تجارت العرب قبل الاسلام

یعنی

اسلام سے پہلے عربوں کی تجارت

رِحلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيفِ

ملک کی دولت کا دارومدار دو چیزوں پر ہے، زراعت اور تجارت، سرسبز اور شاداب ملک پیداوار کو پیدا کرتے ہیں اور سنگستانی اور ساحلی ممالک ان کا بیوپار کرتے ہیں اور ایک ملک سے دوسرے ملک میں پہنچاتے ہیں۔

ملک عرب کا زیادہ تر حصہ غیر آباد اور سنگستانی ہے، اس لیے طبعاً وہاں زراعت سے زیادہ تجارت کے کاروبار کو فروغ ہونا چاہیے، اس کے آباد حصے تمام تر ملک کے تین طرف بحری سواحل پر واقع ہیں، مغرب سے چلیے بحرین اور عمان خلیج فارس پر، شمال میں حضرموت اور یمن بحر عرب پر اور مشرق میں حجاز و مدین بحر احمر پر واقع ہیں۔

اندرون ملک میں عرب کا جو حصہ زرخیز ہے، مثلاً یمامہ، نجد اور یثرب وخیبر وغیرہ یہاں کاشت کاری ہوتی تھی۔

عرب کے یہ ساحلی صوبے دنیا کے بڑے بڑے ممالک کے آمنے سامنے واقع ہیں، عمان و بحرین ایران وعراق سے متعلق ہیں، یمن اور حضرموت کو افریقہ اور ہندوستان سے تعلق ہے، حجاز کے سامنے مصر ہے اور شام کا ملک اس کے بازو پر واقع ہے، اس جغرافی

تحدید سے یہ واضح ہوتا ہے کہ طبعی سہولتوں کے لحاظ سے عرب کے کس صوبہ کو دنیا کے کس زرخیز خطہ سے تجارتی تعلقات حاصل ہو سکتے تھے، چنانچہ تاریخی سندوں سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ عرب کے ان تجارتی صوبوں کو اپنے ان ہی ہمسایہ ملکوں سے زیادہ تر تعلق تھا، گو کبھی کبھی کسی ضرورت کی بنا پر ان کو آگے پیچھے بھی ہٹ جانا پڑتا تھا۔

بحرین کے پاس کچھ عرب تاجروں نے انتقال مکان کر کے بحر روم (بحر ابیض و بحر متوسط) کے سواحل پر جو شام و کنعان کے بحری مقامات تھے، سکونت اختیار کر لی تھی، بنی اسرائیل ان کو آرامی اور کنعانی اور اہل یونان ان کو فنیقین (فنیشین) کہتے تھے، ان فینیقی عربوں نے یورپ اور افریقہ کے انتہائی ملکوں تک اپنے تجارتی سلسلے پھیلا رکھے تھے، یونان میں تہذیب و تمدن کا آغاز ان ہی بیوپاریوں کے ذریعہ سے ہوا اور رفتہ رفتہ یہ چنگاریاں دور دور تک اپنی روشنی کی شعاعیں ڈالتی چلی گئیں۔

یمن اور حضر موت کے عرب ایک طرف تو بحر افریقہ کو عبور کر کے ملک حبش میں اپنی نوآبادی قائم کرنے میں کامیاب ہوئے اور دوسری طرف ہندوستان کے ساحلی صوبوں تک وہ دھاوا مارتے ہوئے چلے آئے، وہ جو کچھ ان ممالک میں پاتے وہ کشتیوں پر لاد کر اپنے وطن لاتے اور وہاں سے اپنی سرحدوں کو عبور کر کے حجازی عربوں کے سپرد کر آتے اور یہ اس کو شام اور مصر کی منڈیوں تک پہنچا آتے۔

عربوں کے تجارتی حالات کسی قدر توراۃ کے صفحوں سے اور زیادہ تر یونانی تاریخوں سے واضح ہوتے ہیں، ان بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ عرب تاجر دو ہزار برس قبل مسیح سے برابر ان خدمات کو ادا کر رہے ہیں اور مشرق و مغرب کے تجارتی تعلقات میں بیچ کی لڑی ہمیشہ یہی رہے ہیں، افریقہ اور ہندوستان سے سامان تجارت بحری راستوں سے آ کر یمن اور حضر موت کے سواحل پر اترتا اور یہاں خشکی کے راستہ سے بحر احمر کے کنارے کنارے حجاز و مدین اور وادی القریٰ کو قطع کر کے شام پہنچتا اور وہاں سے بحر روم ہو کر یورپ کو چلا جاتا یا شام

کی سرحد سے مصر پہنچتا اور وہاں سے اسکندریہ کی بندرگاہ سے یورپ کو روانہ ہو جاتا۔

عرب کی شاہراہ تجارت یا امام مبین: ہم نے کئی دفعہ لکھا ہے کہ یہ تجارتی شاہراہ جو حجاز ہو کر یمن سے شام کو جاتی تھی، قرآن مجید نے اسی راستہ کو امام مبین (ظاہر راستہ) کہا ہے اور عرب کی تمام بڑی بڑی آبادیاں اسی کے دائیں بائیں واقع تھیں، اصحاب الایکہ اور موتفکہ یعنی حضرت لوط علیہ السلام کا گاؤں جو بحر میت کے قریب تھا، اسی راستہ پر آباد تھے، قرآن کہتا ہے:

وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِیْنٍ (الحجر۱۵:۷۹)	یہ دونوں گاؤں کھلے راستہ پر ہیں۔

سبا کے تجارتی قافلوں کے ذکر میں ہے:

وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَّقَدَّرْنَا فِیْهَا السَّیْرَ سِیْرُوْا فِیْهَا لَیَالِیَ وَاَیَّامًا اٰمِنِیْنَ (سبا ۳۴:۱۸)	ہم نے ان کے ملک اور بابرکت آبادیوں (شام) کے درمیان بہت سی کھلی آبادیاں قائم کردی تھیں اور ان میں سفر کی منزلیں مقرر کردی تھیں کہ ان میں دن رات بے خوف وخطر چلیں۔

یہ ان ہی آبادیوں کی طرف اشارہ ہے، حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ میں ایک قافلہ تجارت کے جس راہ سے گزرنے کا ذکر ہے وہ یہی راستہ ہے، تورات کے الفاظ یہ ہیں:

> ''ناگاہ (یوسفؑ کے بھائیوں نے) دیکھا کہ اسماعیلیوں کا قافلہ جلعاد کی طرف سے آرہا ہے اور مصر کو جارہا ہے۔'' (تکوین:۳۷-۲۵)

قرآن میں یہ الفاظ ہیں:

وَجَآءَتْ سَیَّارَةٌ (یوسف ۱۲:۱۹)	ایک قافلہ آیا۔

یہ قافلہ جو تجارت کا مال عرب سے مصر لیے جاتا تھا، اسی شاہ راہ سے گزر رہا تھا، اصحاب الایکہ یعنی ددان کا قرآن نے اسی راستہ پر ہونا بیان کیا ہے، تورات بھی اس کی تائید سے خالی نہیں ہے:

''جب کہ جنگل میں ددان والوں کی راہ میں تم شام بسر کرو۔'' (اشعیا:۲۱-۳۱)

یونانیوں کی تاریخ میں بھی اس راستہ کا ذکر ہے، ایک یونانی مورخ لکھتا ہے:

''یہیں سے ایک سیدھی سڑک اس شہر کو جاتی ہے جس کا نام پٹرا (رقیم) ہے اور فلسطین (شام) کو جاتی ہے، جہاں اہل قریہ (یمامہ و بحرین) معین اور تمام عرب قریب میں رہتے ہیں[1]۔''

قدیم مؤرخ آرٹی میڈروس جو ۱۰۰ ق م قبل مسیح میں موجود تھا، بیان کرتا ہے:

''سبا قرب وجوار کے قبیلوں سے تجارتی اسباب خریدتے ہیں اور اپنے ہمسایوں کو دیتے ہیں اور اسی طرح دست بدست وہ شام اور جزیرہ تک پہنچتے ہیں۔''

یونان کے اکثر مؤرخوں نے اس راستہ کا ذکر کیا ہے، مصر پر جب یونانی بطلیموسیوں نے قبضہ کیا، انہوں نے تجارت کو براہ راست اپنے ہاتھ میں لینا چاہا، یمن سے مصر تک خشکی کا راستہ ان کے لیے پر امن نہ تھا، اس لیے ہندوستان سے مصر تک انھوں نے براہ راست بحری سفر اختیار کیا، اس طریق سفر نے عربوں کی بحری تجارت کو بالکل ڈبو دیا[2]۔

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا طبع گیارہ کا مضمون نگار ''عرب'' لکھتا ہے:

''جنوبی مغربی عرب (حضر موت اور یمن) کے خیر و برکت کا سب سے بڑا سبب اس زمانہ میں یہ تھا کہ مصر اور ہندوستان کے درمیان کا تجارتی سامان پہلے سمندر کی راہ سے یہاں آتا تھا اور خشکی کے راستہ سے مغربی ساحل پر جاتا تھا، یہ تجارت اب اس عہد میں مسدود ہوگئی، کیوں کہ مصر کے بطلیموس بادشاہوں نے ہندوستان سے اسکندریہ تک براہ راست ایک راستہ بنالیا[3]۔''

اسی کتاب میں ''سبا'' کے تحت میں ایک دوسرا مضمون نگار لکھتا ہے:

---

[1] برٹن کی گولڈ مائنس آف مدین، ص ۱۷۹، ۱۸۰ [2] یہ حالات بہ تفصیل تمام ارض القرآن جلد اول میں گزر چکے ہیں۔ [3] برٹن کی گولڈ مائنس آف مدین، ج ۲، ص ۲۶۴۔

''خشکی کی تجارت جب زوال پذیر ہوگئی اور ساحلی آبادیوں کے درمیان جو تجارتی سفر ہوتے تھے جب وہ جاتے رہے اور ان کی جگہ بحری راستہ اختیار کیا گیا تو ناچار یہ آبادیاں نیست و نابود ہوگئیں[۱]۔''

آرٹی میڈروس (۱۰۰ ارقبل مسیح) کہتا ہے:

''سبائی یہ چیزیں مقابل کے حبشی سواحل سے لاتے ہیں جہاں یہ لوگ چمڑے کی کشتی پر بیٹھ کر چلے جاتے ہیں[۲]۔''

اشعیا نبی بابل کے ذکر میں کہتے ہیں:

''ہرگز عرب لوگ اب وہاں خیمے ایستادہ نہ کریں گے۔'' (باب:۱۳-۲۰)

غیر ممالک سے تجارت: الغرض ان بیانات سے واضح ہوتا ہے کہ عربوں کے خارجی تجارتی تعلقات ہندوستان، حبش، ایران، بابل (عراق) شام، مصر اور یونان سے تھے، یہ تمام ممالک عرب کے چاروں طرف اس طرح واقع ہیں کہ عرب اس دائرہ کا نقطہ بن گیا ہے، اندرون ملک میں جو شہر اور مقامات تجارت کے مرکز تھے، یونانی اور اسرائیلی بیانات کے مطابق وہ حسب ذیل تھے۔

اندرون ملک کے تجارتی شہر: قریہ یعنی بحرین یا یمامہ، حضرموت، شبوہ حضرموت کا پایہ تخت، قانہ، حضرموت کا بندرگاہ مآرب۔ سبا کا پایہ تخت معین، عدن اوزال، اوفر، مدین، ایلہ یعنی عقبہ کا نقشہ دیکھو تو معلوم ہوگا کہ یہ تمام آبادیاں ملک عرب کے کنارے کنارے خلیج فارس سے لے کر خلیج عقبہ تک ساحلی مقامات ہیں ان کے نام یہودی اسفار اور یونانی تاریخوں کے حوالے سے اسی مضمون کے اثنائے کلام میں آئیں گے۔

راستوں کی مسافت: ایک یونانی مؤرخ نے ان میں سے بعض مقامات کے درمیان سفروں اور راستوں کے دن بھی مقرر کر دیے ہیں، کہتا ہے:

---

[۱] برٹن کی گولڈ مائنس آف مدین، ج ۲۳، ص ۹۵۶ [۲] ڈنکر کی تاریخ قدیم، ج ۱، ص ۳۱۰-۳۱۲۔

''حضرموت سے سبا کے ملک تک ۴۰/روز کا راستہ ہے اور معین سے ۷۰/دن میں سوداگر ایلہ (عقبہ) پہنچتے ہیں[۱]''

گویا حضرموت سے لے کر عقبہ تک تقریباً ۱۱۰/دن کا سفر تھا، مسلمان جغرافیہ نویسوں میں ابن الحائک الہمدانی نے اپنی کتاب صفتہ جزیرۃ العرب میں عرب کے تمام راستوں کی تفصیل لکھی ہے اور میلوں کی تعداد میں اس کی حد مقرر کی ہے[۲]، ابو الفدا نے تقویم البلدان میں لکھا ہے کہ کل ملک کے چاروں طرف پھرنے میں ۷/مہینے ۱۱/دن لگیں گے۔

سامانِ تجارت: سب سے اہم اور اقدم سوال یہ ہے کہ عرب کا ملک ایک بنجر اور بے آب و گیاہ زمین ہے، وہاں تجارت کا کیا سامان ہاتھ آتا ہوگا، وہاں کس چیز کی پیداوار ہوتی تھی اور کیا کیا چیزیں عرب سوداگر کا سرمایہ تجارت تھیں، خود عربوں کے پاس تو معلومات کا مسالہ کچھ نہیں ہے لیکن جن قوموں کے ہاتھ وہ ان چیزوں کو فروخت کرتے تھے، انہوں نے ان کے تحفوں کی ایک ایک چیز یاد رکھی ہے۔

اس تجارت کا سرمایہ عموماً تین چیزیں ہوتی تھیں:

۱- کھانے کا مسالہ اور خوش بودار چیزیں۔

۲- سونا، جواہرات اور لوہا۔

۳- چمڑا، کھال، زین پوش، بھیڑ، بکری۔

دو ہزار قبل مسیح میں جو عرب تاجر بارہا مصر کو جاتے دکھائی دیے ہیں، ان کا سامان تجارت یہ تھا، بلسان، صنوبر، لوبان اور دیگر خوشبودار چیزیں[۳]۔ حضرت داؤد علیہ السلام ایک ہزار قبل مسیح میں سبا کا سونا مانگتے ہیں[۴]، ۹۵۰/قبل مسیح میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں ملکہ سبا جو تحفہ لائی تھی وہ یہ تھا، خوشبو کی چیزیں، بہت سا سونا، بیش قیمت جواہر[۵]۔ حضرت

---

[۱] ڈنکر کی قدیم تاریخ ص ۳۱۰-۳۱۲، انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا طبع ۱۱، جلد ۲۳، صفحہ ۹۵۵ [۲] صفتہ جزیرۃ العرب، صفحہ ۱۸۵-۱۹۰، طبع لیڈن [۳] تکوین: ۳۷-۲۶ [۴] زبور: ۷۲ [۵] ۲: ایام: ۹-۹۔

سلیمان علیہ السلام کی کشتیاں یمن کی بندرگاہ اوفر سے سونا لاتی تھیں[۱]، اوفر کے سونے کا اسفار یہود میں بکثرت ذکر ہے، ان کے حوالے ارض القرآن جلد اول صفحہ ۲۲۷ میں گزر چکے ہیں۔

اشعیا نبی کے وقت میں (۷۰۰ ق مسیح) اوزال سے جو صنعا کا قدیم نام ہے فولاد، تیزپات اور مسالہ ملک شام کو جاتا تھا[۲]، اسی زمانہ میں سبا یعنی شہر مآرب سے یہ چیزیں بھی شام کو آتی تھیں، عمدہ خوشبو، جواہر اور سونا، حاران، قانہ اور عدن کی راہ سے یہ چیزیں آتی تھیں[۳]، مدین اور عیفا کی اونٹنیاں سبا کے ملک سے سونا اور لوبان لے کر آتی تھیں[۴]، شام کے ہیکلوں میں عرب ہی سے آیا لوبان جلتا تھا، دوان یعنی اصحاب الایکہ بیٹھنے کے فرش یا زین پوش، بدوی عرب اور دیگر شیوخ قیدار جانور بیچنے کو یروشلم لاتے تھے[۵]، حزقیال نبی کے ستائیسویں باب سے عرب کی تجارت کے متعلق بہت سے مفید معلومات حاصل ہوتے ہیں، یروشلم کو خطاب کر کے کہتے ہیں:

> ''دوان اور یادان اوزال سے تیرے بازار میں آتے تھے، آبدار فولاد، تیزپات اور خالہ تیرے بازار میں بیچتے تھے، دوان تیرا سوداگر تھا کہ سواری کے چار جامے تیرے ہاتھ بیچتا تھا، عرب اور قیدار کے رؤسا تیرے تاجر ہیں، وہ بکری اور مینڈھے لے کر تیرے ساتھ تجارت کرتے تھے، سبا اور رعما کے سوداگر تیرے ساتھ سوداگری کرتے تھے، وہ ہر قسم کے نفیس وخوشبودار مسالے اور ہر طرح کے قیمتی پتھر اور سونا تیرے بازار میں لاتے تھے، حاران اور قانہ اور عدن اور سبا کے سوداگر تیرے ساتھ سوداگری کرتے تھے۔'' (۲۷، ۱۹، ۲۴)

یونانی مؤرخین کا بیان اس سے زیادہ مفصل نہیں ہے، وہ بھی زیادہ تر ان ہی چیزوں کی سوداگری کا ذکر کرتے ہیں یعنی سونا اور خوشبودار مسالہ اور جلانے کی خوشبودار لکڑیاں، یہ بیانات اس کتاب کی پہلی جلد کے صفحات پر موجود ہیں، ان شہادتوں پر یہاں صرف ایک سند کا اور اضافہ کرتے ہیں، جو کتاب کی اس دوسری جلد میں اصحاب الایکہ کے ذکر میں گزر چکی ہے:

---

[۱] ملوک: ۹-۲۷ [۲] اشعیا: ۲۷-۱۹ [۳] اشعیا: ۲۷-۱۴ [۴] اشعیا: ۶۰-۶ [۵] برمیا: ۶-۲۰۔

"یہ سڑک فلسطین کو جاتی ہے، جہاں اہل قریہ (یمامہ یا بحرین) اور معین اور تمام عرب قریب میں رہتے ہیں اور بالائی ملک سے بخورات، کہا گیا ہے کہ خوشبودار چیزوں کا بنڈل لاتے ہیں[1]۔"

ایک اور اہم سوال یہ ہے کہ عرب میں یہ خوشبودار مسالہ، سونا، لوہا، جواہرات اور موتی وغیرہ کہاں سے آتے تھے؟ کیا یہ خود عرب کی پیداوار تھیں؟ یا سب مال باہر سے لایا جاتا تھا، اس سوال کا جواب یہودیوں سے نہیں مل سکتا، یونانی تحریروں سے واضح ہوتا ہے کہ اکثر خوشبودار چیزوں کی خود یمن میں کاشت ہوتی تھی یا ان کے وہاں باغ موجود تھے، اگاتھرشیدس (۱۴۵ قبل مسیح) بیان کرتا ہے:

"سمندر سے متصل زمین میں بلسان اور نہایت خوبصورت درخت ہیں، اندرون ملک میں بخورات یعنی جلانے کی خوشبوئیں، دارچینی، چھوہارے وغیرہ کے نہایت بلند درختوں کے گنجان جنگل ہیں، سبا میں تمام دنیا میں سب سے زیادہ دولت مند لوگ ہیں، چاندی اور سونا بکثرت ہر طرف سے لایا جاتا ہے۔"

تھیوفراسٹیس بیان کرتا ہے کہ لوبان اور عود وغیرہ بخورات سبا اور حضر موت کے عرب اضلاع میں پیدا ہوتے ہیں۔ (یونانی بیانات کے لیے ارض القرآن جلد اول دیکھو)

اسی قسم کا بیان آرٹی میڈروس کا ہے لیکن اس کے ساتھ وہ یہ بھی بیان کرتا ہے کہ "یہ مسالے مقابل کے حبشی سواحل سے لائے جاتے ہیں" اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان میں سے بعض چیزیں خود ملک میں پیدا ہوتی تھیں، چنانچہ ہمدانی نے نہایت تفصیل سے ان بیانات اور درختوں کا حال لکھا ہے، لوبان اور زعفران کی نسبت لکھا ہے کہ "یہیں سے تمام دنیا میں جاتا ہے، قسم قسم کے پھول اور نباتات یمن اور نجد میں پیدا ہوتے ہیں لیکن مسالہ یعنی لونگ، سیاہ مرچ، الائچی، ڈلی اور چینی ناریل، املی وغیرہ ہمارے نزدیک یہ چیزیں جنوبی ہند

---

[1] گولڈ مائنس آف مدین، ص ۱۷۹-۱۸۰۔

اور جزائر ہند کے سواحل سے عرب آتی تھیں، علاوہ گذشتہ تاریخی بیانات کے خود آج تک یہ چیزیں یہیں سے تمام دنیا میں جاتی ہیں اور ایک بڑا ثبوت اس دعوے کا یہ ہے کہ مسالہ اور خوشبو کی اکثر چیزوں کے نام عربی میں سنسکرت سے آئے ہیں، مثلاً مشک، فلفل، کافور، زنجبیل، صندل، نارجیل، قرقل، بعض چیزوں کے نام میں ''ہندی'' کا لفظ نام کا جزو ہو گیا ہے، مثلاً عود ہندی، قسط ہندی، تمر ہندی، لوہے کی تلواریں ہندوستان ہی سے بن کر جاتی تھیں، اسی لیے عربی میں ہندی اور مہند تلوار کے وصف کے طور پر آتا ہے، خوشبودار مسالوں میں لونگ، الائچی، سیاہ مرچ، دارچینی، ہلدی سب داخل ہیں، یہ سب جنوبی اور جزائر ہند کی پیداوار ہیں۔

موتی تو خاص سواحل عرب کی چیز ہے، بحرین عمان کے دریاؤں میں موتی کے خزانے ہیں اور اب تک بمبئی وغیرہ میں موتی کے بڑے بڑے تاجر خاص عرب ہیں، قرآن مجید میں ہے:

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ (الرحمٰن ۵۵: ۱۹-۲۲)

خدا نے ان دو دریاؤں کو ملایا کہ وہ مل گئے اور (پھر) ان کے بیچ میں پردہ ہے کہ وہ حد سے آگے نہیں بڑھ سکتے، تم اپنے پروردگار کی کن کن باتوں کا انکار کرو گے، ان دونوں سے موتی اور مونگا نکلتے ہیں۔

سب سے زیادہ حیرت لوگوں کو اس بات سے ہوگی کہ غریب اور مفلس عرب کے جس سونے کی یروشلم اور اسکندریہ کے بازاروں میں شہرت تھی وہ خاص عرب کی کانوں سے نکلتا تھا، عرب میں سونے کی بہت بڑی بڑی کانیں ہیں، ہمدانی نے صفۃ جزیرۃ العرب میں ایک ایک کان کا نام لکھا ہے، صرف یمامہ اور نجد میں سونے کی چھ کانوں کا پتہ دیا ہے (صفحہ ۱۵۴)، سونے کے علاوہ چاندی، تانبا اور عقیق کی کانیں بھی بتائی ہیں، درعدن اور عقیق یمن کی

شہرت غالباً یہیں سے ہے، کل کتاب میں ۷ا کانوں کا ذکر ہے، مدین کے سونے کی کانیں انگریزوں کو بھی عرب کھینچ کر لے گئیں اور خدیو مصر کے حکم سے برٹن ایک انگریز اس کی تحقیقات کے لیے بھیجا گیا، اس نے گولڈ مائنس آف مدین نام ایک کتاب لکھی۔

عرب کی کھالیں بھی سامان تجارت میں نظر آتی ہیں، یمن کی کھال پہلے بہت مشہور تھی، یہاں تک کہ فارسی شعرا کے کلام میں بھی اس کی تلمیحات ملتی ہیں اور سبب اس کا یہ بیان کرتے ہیں کہ ستارہ سہیل جو یمن کے مقابل طلوع ہوتا ہے، اس کی روشنی میں کھال کی دباغت بہت عمدہ ہوتی ہے، طائف میں بھی یہ فن بہت کمال کو پہنچ گیا تھا، چنانچہ اس کا نام ہی ''بلدالدباغ'' پڑ گیا ہے (ہمدانی، صفحہ ۱۲۰)، مسلمانوں نے مکہ سے بھاگ کر جب حبش میں پناہ لی تھی اور قریش نے ایک شخص کو کچھ نذر تحفہ دے کر نجاشی کے پاس بھیجا تھا کہ مسلمانوں کو وہ اپنے ملک سے نکال دے، اس وقت بھی قریش کا شاہانہ تحفہ یہی کھال تھی[۱]، اسلام سے بہت پہلے طرفہ کہتا ہے:

کسبت الیمانی قدہ لم یحرد — یمن کی کھال ہے جس کی کاٹ ٹیڑھی نہیں۔

درآمد: بہرحال اس بحث کو ختم کر کے اب ہم اس مسئلہ پر آتے ہیں کہ عرب سوداگران چیزوں کو اپنے ملک سے باہر لے جا کر فروخت کرتے تھے لیکن ان ملکوں سے خود اپنے اہل وطن کے لیے کیا تحفے لے کر واپس آتے تھے؟ تاریخ کے ہزاروں صفحات الٹنے کے بعد ہم جس نتیجہ پر پہنچے ہیں وہ یہ ہے کہ غیر ملکوں سے وہ حسب ذیل چیزیں لاتے تھے، کپڑا، غلہ، شراب، ہتھیار اور آئینہ وغیرہ آرائش کی چیزیں، کپڑے گو یمن میں بھی بنے جاتے تھے، ''بردیمانی'' یمنی چادریں تو بہت مشہور ہیں، امراء القیس جو اسلام سے چالیس پچاس برس پہلے گزرا ہے، کہتا ہے:

والقی بصحراء العبیط بعاعہ	نزول الیمانی ذی العباب المجمل
ابر نے عبیط کے میدان میں اپنا بوجھ اس طرح ڈال دیا تھا	جس طرح یمنی سوداگر اپنے کپڑے کی گٹھریاں پھیلاتا ہے

۱۔ مسند احمد، مسند اہل البیت و سیرت ابن ہشام ذکر ہجرت حبش۔

مارب جو سبا کا پایہ تخت تھا، روئی اور کپڑے کا کاروبار وہاں زمانہ اسلام تک تھا، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں کے باشندوں پر نقد جزیہ کے بجائے کپڑا ہی مقرر کیا تھا۔[1]

یمن کا کاروبار زیادہ تر ہندوستان کے ساتھ تھا، اس لیے بہ تحقیق یہ نہیں کہا جاسکتا کہ کپڑے یمن ہی میں سب بنتے تھے یا ہندوستان سے آتے تھے، عربی میں بعض کپڑوں کے نام ہندی الاصل ہیں، مثلاً شاس (ململ) فوطہ (چارخانہ دار تہبند) اس سے قیاس ہوتا کہ شاید کچھ کپڑے ہندوستان سے آتے ہوں، آغاز اسلام میں کپڑوں کی آمد شام سے تھی، یہودی تاجر مدینہ میں کپڑا لے کر آتے تھے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کپڑا خریدا ہے[2]، مسلمان سوداگر بھی شام ہی سے کپڑا لاتے تھے۔[3]

غلہ یمن سے آسکتا تھا لیکن زیادہ تر شام ہی سے آتا ہے اور اسی لیے لوگ غلہ کے بیوپاریوں کی آمد کے بے حد منتظر رہتے تھے، سورہ جمعہ کی آیتوں میں جس واقعہ کا ذکر ہے یعنی یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے کہ ان بیوپاریوں کی آمد کا شور ہوا اور لوگ اٹھ کر چلے گئے، وہ اسی شام کے غلہ کے بیوپاری آئے تھے:

وَاِذَا رَاَوۡا تِجَارَةً اَوۡ لَهۡوَا ۨانۡفَضُّوۡۤا اِلَيۡهَا وَتَرَكُوۡكَ قَآئِمًا قُلۡ مَا عِنۡدَ اللّٰهِ خَيۡرٌ مِّنَ اللَّهۡوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ (الجمعہ ۶۲:۱۱)	جب یہ لوگ کسی تجارت یا کھیل تماشہ کو دیکھ پاتے ہیں تو اس کی طرف دوڑ پڑتے ہیں اور تم کو کھڑا تنہا چھوڑ دیتے ہیں، کہہ دے کہ جو خدا کے پاس ہے وہ کھیل تماشہ یا تجارت سے زیادہ بہتر ہے۔

شراب زیادہ شام سے آتی تھی، عمرو بن کلثوم کہتا ہے:

---

[1] ابوداؤد، کتاب الخراج، اخذ الجزیہ [2] ترمذی، ص ۱۵۵، مطبع العلوم، دہلی [3] فتح الباری، ج ۸، ص ۲۰۹، بحوالہ مسند احمد۔

الاهبی بصحنك فاصبحينا ولا تبقی خمور الاندرينا

ہاں اٹھ اور صبح کی شراب پلا ''اندرین'' کی شراب کچھ چھوڑنا نہیں

اندرین شام میں ہے۔

کاغذ بھی ملک شام سے آتا تھا، طرفہ کہتا ہے:

وخد كقرطاس الشامی گال شامی تاجر کے کاغذ کی طرح

عرب کے بازار: اہل عرب کو جو تجارت کا شوق تھا اس کا اندازہ اس سے ہوگا کہ حیرہ کے بادشاہ عکاظ کے سالانہ میلہ میں اپنا تجارتی سامان بھیجا کرتے تھے، اس کو لطیمہ کہتے تھے، قریش میں حرب فجار کے نام سے جو آخری جنگ ہوئی، جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شریک تھے، اسی لطیمہ کے لٹ جانے پر برپا ہوئی تھی۔

خود عرب میں بڑے بڑے بازار تھے، جہاں سال میں ایک دفعہ میلہ لگا کرتا تھا اور دور دور سے سوداگر یہاں اسباب لاتے تھے اور فروخت کرتے تھے، عرب کے نقشہ کو غور سے دیکھو تو نجد کے سوا تمام آبادی عرب کے کنارے کنارے دریا سے متصل ہے، یہ میلہ شام کے پاس دولۃ الجندل سے شروع ہو کر عراق کے حدود بحرین اور عمان سے ہوتا ہوا بحر ہند کے مقابل حضر موت و یمن سے گزرتا ہوا حج کا زمانہ مکہ میں گزار کر حجاز سے ہو کر پھر شام میں آکر ختم ہو جاتا تھا۔

عرب کے ان بازاروں کے حالات بہت سے مؤرخین نے قلم بند کیے ہیں، یعقوبی نے اپنی تاریخ کے خاتمہ میں ایک پورا باب اس پر لکھا ہے لیکن ان کے متعلق سب سے کار آمد اور مفصل حالات امام مزروقی نے کتاب الامکنہ میں لکھے ہیں، ہم ان کا خلاصہ یہاں نقل کرتے ہیں۔

عرب کے تیرہ مقامات میں بڑے بڑے میلے لگتے تھے، دومۃ الجندل، مشقر، صحار، دبا، شجرہ، عدن، صنعا، حضر موت، عکاظ، ذوالمجاز، منیٰ، خیبر، یمامہ، سب سے پہلے

دومۃ الجندل میں میلہ لگتا تھا، دومۃ الجندل شام کے پاس حجاز کے آخری سرحد پر واقع ہے، یکم ربیع الاول سے ۱۵ ر تک تو بڑا جمگھٹا رہتا تھا، ۱۵ ر کے بعد سے گھٹنا شروع ہوتا تھا، کلب اور جدیلہ دو قبیلے اس کے پڑوس میں آباد تھے، ان میں سے جن کا رئیس قابو پاتا، اس بازار کا حاکم ہو جاتا، عرب کے علاوہ عراق اور شام کے تاجر بھی اسی کی اجازت سے اپنے بازار لگاتے تھے، رئیس خود بھی تجارت کرتا تھا اور جب تک اس کا مال نہ بک جاتا کسی اور خرید و فروخت کی اجازت نہ تھی، یہاں خرید و فروخت اس طرح ہوتی تھی کہ جس کو جو مال پسند آتا اس پر ایک کنکر ڈال دیتا۔

دومۃ الجندل سے میلہ اکھڑ کر مشقر و بحرین میں آکر جمتا تھا، جمادی الاولیٰ بھر پورے ایک مہینہ رہتا تھا، یہ ایران کے قریب تھا، اس لیے یہاں ایران کے تاجر بھی آتے تھے، عبدالقیس اور تمیم یہاں کے باشندے تھے، تمیم کا رئیس بازار کا حاکم ہوتا تھا، یہاں تمام ملک عرب سے لوگ آتے تھے، یہاں خرید و فروخت کا طریقہ یہ تھا کہ بائع و مشتری دونوں خاموش رہتے اور صرف اشاروں سے بات چیت ہوتی۔

اکیسویں رجب سے صحار (عمان) میں سوداگر جمع ہونا شروع ہوتے، اگلے بازاروں میں جو لوگ نہیں آسکتے تھے، وہ اس میں آتے تھے، یہاں خرید و فروخت کا طریقہ یہ تھا کہ سامان قرینہ سے لگا ہوتا، گاہک پتھر پھینکتے، جس پر جا پڑتا اٹھا لیتے، یہاں سے ہٹ کر رجب کی آخری تاریخ کو عمان کی بندرگاہ دبا میں جہاں ملک ملک کے سوداگر آتے تھے، لوگوں کا میلہ لگتا تھا، یہاں ہندوستان سے، سندھ سے، چین سے اور افریقہ سے سوداگر آتے تھے، عرب کی چیزیں اور دریا کی چیزیں یہاں بکتی تھیں، یہاں سے اٹھ کر تمام سوداگر شحر میں جمع ہوتے تھے، جو بحر عرب کے ساحل پر حضر موت اور عمان کے بیچ میں واقع ہے، نصف شعبان سے یہاں میلہ شروع ہوتا تھا، چمڑا، کپڑا اور دیگر عام ضرورت کی چیزیں یہاں بکتی تھیں اور کچھ نباتاتی دوائیں لوگ یہاں سے خرید کر لے جاتے تھے۔

شحر سے چل کر عدن میں ان کے ڈیرے لگتے تھے، یہاں دریائی سوداگر زیادہ تر جمع ہوتے تھے، یکم سے دس رمضان تک میلہ رہتا تھا، جو کچھ بچا کھچا مال رہتا تھا، وہ یہاں فروخت ہوتا تھا، سلاطین یمن نہایت خوش اسلوبی سے یہاں کا انتظام کرتے تھے، یہاں قسم قسم کے عطر اور خوشبو کی چیزیں فروخت ہوتی تھیں، عربوں کا دعویٰ تھا کہ اس کے سواد نیا میں خوشبو بنانا کوئی نہیں جانتا، براہ دریا ہندوستان اور سندھ تک اور براہ خشکی ایران اور روم تک یہیں سے یہ چیزیں جاتی تھیں۔

عدن کے بعد صنعا کے میلہ کا زمانہ آتا تھا، صنعا یمن کا پایہ تخت ہے، یہاں روئی، زعفران اور رنگوں کی تجارت ہوتی تھی، کپڑا اور لوہا خرید کر یہاں سے لوگ لے جاتے تھے، ۱۵ر سے ۲۰ر رمضان تک یہاں چہل پہل رہتی تھی، یہاں سے کچھ لوگ لوٹ کر حضر موت چلے جاتے تھے، وہاں بھی میلہ لگتا تھا اور زیادہ تر لوگ عکاظ آتے تھے، عکاظ کا میلہ نجد اور عرفات کے بیچ میں لگتا تھا، دونوں مقامات میں ایک ہی وقت میلہ شروع ہوتا تھا، یعنی ۱۵ر ذی قعدہ سے۔

عکاظ ایام جاہلیت کا سب سے بڑا بازار تھا، یہاں قریش، ہوازن، غطفان، خزاعہ حارث، ابن عبد مناۃ، عقل، مصطلق وغیرہ جمع ہوتے تھے، شعرا یہاں اپنے قصائد سناتے تھے، خطبا تقریریں کرتے تھے، حکام اپنے فیصلے سناتے تھے، شیوخ معاہدے کے دفعات طے کرتے تھے، ذی الحجہ کا چاند دیکھ کر یہ میلہ چھٹ جاتا تھا اور سب لوگ ذوالمجاز کے بازار میں اٹھ کر آتے تھے اور ۹ر تاریخ تک جمتے تھے، بعد ازیں حج کر کے لوگ اپنے گھروں کو روانہ ہو جاتے تھے، پھر نئے سال سے نیا پھیرا شروع ہوتا تھا[1]۔

قریش کی تجارت: قدیم عرب کی تجارت کی تاریخ لکھنے کے بعد اب مخصوص قریش کی تجارت پر ہم کو روشنی ڈالنا ہے، یہ مسلم امر ہے کہ قریش ایک تاجر قبیلہ تھا، نہ صرف اسی قدر بلکہ زراعت اور کاشت کاری ان کے نزدیک ذلیل ترین پیشہ تھا، چنانچہ اہل مدینہ جو کاشت کار

---

[1] کتاب الامکنہ والازمنہ، جلد ۲، صفحہ ۱۶۱، حیدرآباد۔

تھے، قریش ان کو اسی لیے آنکھ نہیں لگاتے تھے[1]۔

یہ معلوم ہو چکا ہے کہ تجارت اور سوداگری عرب کا قدیم پیشہ ہے لیکن چوں کہ اسلام سے سوا سو برس پہلے سے یمن اور شام کے ملک میں سیاسی انقلابات پے در پے ہو رہے تھے، اس لیے قریش کے خاندان میں جب قصی اور ہاشم پیدا ہوئے تو انہوں نے قریش کے کاروان تجارت کو منظم کیا، اہل حبش یمن پر قابض ہو گئے تھے، شام بہت پہلے سے رومیوں کے ہاتھ میں تھا، ہاشم نے نجاشی اور قیصر سے فرمان حاصل کیے تھے کہ قریش کو ان ملکوں میں بے روک ٹوک آمد و رفت کی اجازت رہے، سال کی دو فصلیں مقرر کیں، جاڑا اور گرمی، جاڑوں میں یمن اور گرمیوں میں شام بلکہ ایشیائے کوچک تک قریشی سوداگر جاتے تھے۔

یہ تعجب انگیز امر ہے کہ ملک عرب میں جو عام بدامنی اور لوٹ مار جاری تھی، اس کے باوجود قریش کا کاروان تجارت بے خطر آیا جایا کرتا تھا، حالاں کہ اوپر گزر چکا ہے کہ بادشاہوں کا تجارتی مال بھی عام خطرہ سے خالی نہیں رہتا تھا، اصل یہ ہے کہ چوں کہ قریش کا وطن مکہ تھا، جہاں کعبہ تھا، کعبہ کی جو عام عظمت اہل عرب کے دل میں تھی، اس کی بنا پر وہ ''جیران اللہ'' خدا کے پڑوسی سمجھے جاتے تھے اور لوگ ان کو نہیں ستاتے تھے، ان کا خیال اور لحاظ کرتے تھے، اس لیے قریش کے تجارتی قافلے بے دھڑک ادھر ادھر پھرا کرتے تھے، اسی لیے خدائے پاک نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے دو بار فرمایا:

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ (آل عمران۳:۱۹۶) — ان کافروں کا ملک ملک پھرنا تم کو دھوکا نہ دے۔

فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ (المومن۴۰:۴) — ان کا ملک ملک پھرنا تم کو دھوکا نہ دے۔

اس تفصیل کے بعد سورہ قریش کی آیتوں پر نظر ڈالیے:

---

[1] صحیح بخاری، جلد۲، ذکر قتل ابو جہل۔

لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ (قریش ۱۰۶: ۱-۴)

قریش کو جاڑے اور گرمی کے سفر میں اپنے تجارتی عہد و پیمان کے لیے چاہیے کہ اس خانہ کعبہ کے مالک کو پوجیں جس نے ان کو بھوک سے بچا کر کھانا دیا اور خوف سے بچا کر امن و امان بخشا۔

قریش کو چوں کہ خشک اور بنجر زمین میں کھانے کی چیز اور نعمت ملتی ہے اور اس عام بے امنی کے زمانہ میں بھی ان کو امن حاصل ہے، شہر کے اندر بھی کہ حرم میں کوئی قتل اور خوں ریزی جائز نہ تھی اور حرم کے باہر وہ خدا کے پڑوسی تھے لیکن یہ تمام نعمتیں صرف اس انتساب کی بنا پر ان کو حاصل تھیں جو ان کو خانہ کعبہ سے تھا، اس لیے رب کعبہ یعنی خداوند تعالیٰ کا شکریہ ان پر واجب ہے۔

یہ قافلے ذی قعدہ میں لوٹ[1] آتے تھے، شاید اسی لیے اس مہینہ کا نام ''ذی قعدہ'' رکھا تھا یعنی بیٹھنے کا مہینہ، اس کے بعد ذی الحجہ آتا تھا، جس میں ان کا موجود رہنا ضرور تھا۔

اس امن و امان کے معاوضہ میں قریش ان قبائل کے ساتھ یہ سلوک کرتے تھے کہ ان کی ضرورت کی چیزیں لے کر وہ خود ان کے پاس جاتے تھے اور خرید و فروخت کرتے تھے، درحقیقت یہ بھی قریش کی تجارت کے فروغ کا ایک سبب تھا، قریش کی تاجرانہ ترقی کی انتہا یہ تھی کہ بیوہ اور لاچار عورتیں تک اپنا سرمایہ اس میں لگاتی تھیں اور دوسروں کو اپنا روپیہ دیتی تھیں کہ وہ اس سے تجارت کریں اور نفع میں شریک ہوں، چنانچہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو قریش کی ایک بیوہ خاتون تھیں، اسی طریقہ سے تجارت کرتی تھیں، ان کا سامان تجارت ہر سال شام کو جایا کرتا تھا۔

ابوطالب، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد بھی تاجر تھے اور بڑے بڑے امرائے قریش مثلاً ابوجہل، ابوسفیان وغیرہ بھی تجارت پیشہ تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] اسباب النزول، سیوطی، صفحہ ۶۴، مصر۔

بھی نبوت سے پہلے تجارت کرتے تھے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مال لے کر کئی دفعہ بصریٰ تشریف لے گئے جو شام کی سرحد پر واقع ہے، محدثین نے تصریح کی ہے کہ آپؐ یمن کے بازار جرش میں بھی دوبار تشریف لے گئے، بحرین بھی آپؐ کا جانا ثابت ہے، جب اسلام کا ظہور ہوا اور ناچار مسلمانوں کو اپنا وطن چھوڑ کر مدینہ جانا پڑا تو مسلمانوں نے قریش کو عاجز کرنے کے لیے اس سے بہتر صورت نہ دیکھی کہ ان کے شامی قافلہ کے راستوں کو پر خطر کر دیا جائے، چنانچہ غزوہ بدر اسی چھیڑ چھاڑ کا نتیجہ ہے، قرآن مجید میں ہے:

وَاِذْ یَعِدُکُمُ اللّٰهُ اِحْدَی الطَّآئِفَتَیْنِ اَنَّهَا لَکُمْ (الانفال ۸:۷) — خدا وعدہ کرتا ہے کہ دو جماعتوں یعنی فوج اور کاروان تجارت میں سے ایک تم کو ملے گا۔

اسی کارواں کے متعلق ہے:

وَالرَّکْبُ اَسْفَلَ مِنْکُمْ (الانفال ۸:۴۲) — کارواں تم سے ادھر تھا۔

اس غزوہ بدر کے قافلہ میں قریش کی ایک ایک بڑھیا تک کا سرمایہ تھا[۱]، قریش نے جب مسلمانوں کو حج کرنے سے روک دیا تھا تو انہوں نے سب سے موثر دھمکی ان کو یہ دی کہ ہم تمہاری شام کی تجارت کا قافلہ روک[۲] دیں گے، آخر اسی سے دب کر ۶ رہجری میں انہوں نے مقام حدیبیہ میں صلح کر لی، اس صلح کے زمانہ میں قریش کا قافلہ بدستور شام اور ایشیائے کوچک تک پہنچنے لگا، چنانچہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہان عالم کے نام دعوت اسلام کے خطوط روانہ کیے ہیں، ان میں ایک خط قیصر روم کے نام بھی تھا، جب مسلمان قاصد خط لے کر ایلیا (بیت المقدس) پہنچا ہے تو وہاں قریش کے سوداگر موجود تھے[۳]۔

اہل عرب کے سامان تجارت کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے، قریش بھی غالباً ان ہی چیزوں کی تجارت کرتے ہوں گے، مگر بعض تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ چمڑا اور چاندی کی تجارت زیادہ کرتے تھے، چنانچہ اوپر گزر چکا ہے کہ قریش نے حبش کے نومسلموں کو پکڑنے

---

۱ ابن سعد، غزوہ بدر ۲ صحیح بخاری، جلد ۲، اول مغازی ۳ صحیح بخاری، کتاب الایمان۔

کے لیے تحفہ تحائف دے کر نجاشی کے پاس جو وفد بھیجا تھا، اس کا سرمایہ یہی چمڑا تھا، طبری میں ہے کہ وکان اعظم تجارتهم الفضة قریش کی تجارت کا بڑا حصہ چاندی کا سامان تھا۔[1]

اسلام کے بعد بھی قریش کی تجارتی سرگرمی افسردہ نہ ہوئی بلکہ اور زیادہ تیز ہوگئی اور وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ (الجمعہ ۶۲:۱۰) کے حکم نے تو اس کو واجب کا درجہ دے دیا، حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کپڑے کی تجارت کرتے تھے، مدینہ میں بھی مقام سلخ میں ان کے کپڑے کا کارخانہ تھا،[2] کبھی خود بہ نفس نفیس اسلام کے بعد بصریٰ سوداگری کا مال لے کر جاتے تھے،[3] حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تاجر[4] تھے اور شاید ان کی تجارت کا سلسلہ ایران تک پھیلا ہوا تھا،[5] حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بنوقینقاع کے بازار میں کھجوروں کی خرید و فروخت کرتے تھے،[6] عبدالرحمٰن بن عوفؓ پنیر[7] بیچتے تھے، حضرت زبیرؓ بھی کپڑے کے تاجر تھے اور شام سے ان کا بیوپار تھا،[8] دیگر عام مہاجرین بھی مدینہ میں تجارتی زندگی بسر کرتے تھے۔[9]

انصار زراعت پیشہ تھے،[10] اس لیے یہاں تجارتی کاروبار تمام تر یہودیوں کے ہاتھ میں تھا، مدینہ سے شام تک ان کی بہت سی گڑھیاں تھیں جن کو گودام سمجھنا چاہیے، ابن ابی الحقیق ایک یہودی تھا، جس کو لوگ ''تاجر الحجاز''[11] کہا کرتے تھے لیکن آخر کار مسلمانوں نے ان کی جگہ لینی شروع کردی اور آخر ۷ ہجری میں ملک کو ان کے پنجہ سے آزاد کیا۔

عرب میں جو بڑے بڑے تجارتی میلے لگتے تھے، قریش ان سے زیادہ عکاظ اور ذوالمجاز میں شریک ہوتے تھے، عکاظ کے بعد ذوالمجاز کے میلے کے دن آتے تھے، یہ میلہ عین مکہ میں آکر لگتا تھا اور حج تک قائم رہتا تھا۔[12]

---

۱ طبری، واقعہ بدر ۲ ابن سعد، ج ۳، ص ۱۳۰ ۳ ابن ماجہ، باب المزاح ۴ مسند احمد، ج ۱، ص ۶۲
۵ مسند ابن حنبل، ج ۳، ص ۳۴۷ ۶ مسند احمد، ج ۴، ص ۴۰۰ ۷ صحیح بخاری، باب الاخاء بین المہاجرین والانصار ۸ کتب السیرۃ، ذکر ہجرت ۹ صحیح بخاری، ماجاء فی الفرس ۱۰ صحیح بخاری، باب ماجاء فی الفرس وابواب الزراعہ ۱۱ صحیح بخاری، واقعہ قتل ابن ابی الحقیق ۱۲ یعقوبی، ج ۱، ص ۳۱۴۔

اسلام آیا تو لوگوں نے ان میلوں میں شرکت اور ایام حج میں خرید وفروخت کو برا جانا، اس پر یہ آیت اتری[1]:

لَيۡسَ عَلَيۡكُمۡ جُنَاحٌ اَنۡ تَبۡتَغُوۡا فَضۡلًا مِّنۡ رَّبِّكُمۡ (البقرہ۲:۱۹۸)

تمہارے لیے کوئی حرج نہیں اگر (حج کے زمانہ میں) اپنے پروردگار کی مہربانی تلاش کرو۔

اس کے بعد ان میلوں میں پھر وہی رونق اور تجارتی دھوم دھام شروع ہوگئی اور تقریباً سوا سو برس تک یہ زمانہ اسلام میں قائم رہے، سب سے پہلے عکاظ کا بازار سرد ہوا، ۱۲۹ھ ہجری میں خارجیوں کی لوٹ مار کے خوف سے بند ہوگیا[2]، اس کے بعد اور بازار بھی کچھ دنوں تک چلتے رہے، بصریٰ اور اذرعات میں بنوامیہ کے اہتمام سے بڑا بازار لگتا تھا[3]۔

---

۱ صحیح بخاری، کتاب الحج، التجارۃ فی ایام المواسم ۲ فتح الباری، ج ۳، ص ۴۷۳ ۳ حوالہ سابق۔

السنۃ العرب قبل الاسلام

یعنی

اسلام سے پہلے عرب کی زبانیں

لِسَانٌ عَرَبِیٌّ مُّبِیْنٌ

ہمارے ناظرین کو یہ معلوم ہو چکا ہے کہ یہ کتاب نسل آدم کے جس خانوادہ کی تاریخ ہے، اس کا نام بنوسام یا امم سامیہ ہے، اس لیے ملک عرب کی زبان بھی شجرہ السنہ سامیہ کی ایک شاخ ہے، وہ تمام قطع زمین جو بنوسام کی آبادی کہلاتی ہے اور حبش سے لے کر یمن، نجد اور حجاز کو طے کرتی ہوئی بابل اور شام کے کناروں پر جا کر ختم ہو جاتی ہے، عرب اس کے بیچ میں ہے، یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ حبش کوئی مستقل آبادی نہیں بلکہ وہ یمن کا ایک ٹکڑا ہے، اس بنا پر جغرافی حیثیت سے سامی زبانیں تین مرکزوں پر منقسم ہوتی ہیں، عربی، بابلی اور شامی، ان میں ہر ایک کی متعدد شاخیں ہیں۔

۱- عربی

آرامی، ثمودی، مدیانی، نبطی، عدیانی، سبائی، حمیری، حبشی وغیرہ۔

۲- بابلی

آرمی، کلدانی، سریانی۔

۳-شامی

آرامی، فینیقی، عبرانی، تدمری۔

جس زمانہ میں یہ تمام قومیں صرف ایک خاندان یا قبیلہ تھا، ظاہر ہے کہ ان کی کوئی مشترک زبان ہوگی، جس کا نام ہم سامی رکھتے ہیں، سیکڑوں ہزاروں برس کے بعد جب یہ ایک خاندان سیکڑوں قبائل اور یہ قبائل مختلف قوموں میں منقسم ہوگئے تو آب وہوا، خصائص و عادات، رسوم، عواید، مذاہب، اخلاق اور دیگر ضروریات کے اختلاف سے بنوسام کی مادری زبان چند بچوں کی ماں بن گئی، لغویین کا اختلاف ہے کہ ان بچوں میں پہلوٹا کون ہے۔

ہم نے امم سامیہ کی حقیقت اوران کے اصل مسکن کی نسبت پہلی جلد میں جو بحثیں کی ہیں، ان سے یہ بہ خوبی ثابت ہوگیا کہ بنوسام کا اصل مسکن عرب تھا، اس لیے اصل زبان سامی کا جو کچھ نام بھی ہو لیکن جغرافی اور ملکی حیثیت سے اس کا نام عربی ہی ہوگا[1]، اس کے بعد یہ بحث بھی فیصل ہو چکی ہے کہ سامی قبائل میں سب سے پہلا نام ور اور ممتاز قبیلہ بنوارم پیدا ہوا، جس کا سراغ عرب، عراق (بابل) اور شام[2] میں ہر جگہ ملتا ہے، اس بنا پر عربی زبان کی پہلی شاخ آرامی ہوگی[3]، آرامی قبائل جس جس ملک میں جا جا کر رہ گئے، اس کے انتساب سے بعد کو ان کا الگ الگ نام پڑ گیا۔

اس بیان کے مطابق آل سام کی قدیم ترین زبان کو ملکی حیثیت سے عربی اور قومی حیثیت سے آرامی کہنا چاہیے، اکثر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ عبرانی زبان سب سے قدیم زبان ہے اور یہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبان تھی لیکن یہ بالکل غلط ہے، حضرت ابراہیم علیہ

---

۱ یہاں ایک شبہ واقع ہوتا ہے، اس کو دور کر لینا چاہیے، عربی زبان سے وہ بعینہ زبان مراد نہیں ہے جو ظہور اسلام کے وقت بولی جاتی تھی اور جواب تک محفوظ ہے۔ ۲ دیکھو ارض القرآن، جلد اول، ص ۱۲۶-۱۲۷

۳ اس سے مراد وہ آرامی زبان نہیں ہے جس میں یہودیوں کی تالمود لکھی گئی ہے، وہ تو بعد کی زبان ہے۔

السلام کی زبان آرامی عربی تھی، چنانچہ ایک عیسائی فاضل قس جبرائیل قرواحی نائب پٹریارک و پروفیسر عربی وسریانی مدرسہ مارونیہ، واقع رومیہ، اپنی کتاب متعلقہ سریانی میں لکھتا ہے[1]:

''علمائے سریانی نے آرامی زبان کی قدامت میں بہت مبالغہ کیا ہے، یہاں تک کہ ان کا بیان ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی زبان یہی تھی لیکن اہل تحقیق اس سے زیادہ تسلیم نہیں کرتے کہ یہ عبرانیوں کے پدراعلیٰ ابراہیم علیہ السلام کی زبان ہے۔''

اس بنا پر حضرت اسماعیل علیہ السلام کی زبان عبرانی نہیں بلکہ آرامی عربی تھی، جرہم جن میں آکر وہ عرب میں بسے، ان کی زبان بھی وہ عربی نہ تھی، جو ظہور اسلام کے وقت قریش بولتے تھے، اس لیے نسل اسماعیل کو ''مستعربہ'' کہنے کی یہ وجہ کہ عربی ان کی اصلی زبان نہ تھی، بلکہ جرہم کے ساتھ رہ کر انہوں نے سیکھی تھی، صحیح نہیں ہے، مؤرخین نے عرب کی تمام قوموں کو تین طبقوں پر منقسم کیا ہے، بائدہ جن کو ہم نے امم سامیہ اولیٰ کا لقب دیا ہے، عرب عربا یعنی بنوقحطان اور عرب مستعربہ یعنی بنواسماعیل، عرب کے یہ تینوں طبقے جو تین مستقل خاندانوں سے تعلق رکھتے ہیں، الگ الگ تین زبانیں بولتے تھے، یہ تینوں زبانیں گویا اپنی اصلیت کے رو سے ایک ہی ماں سے پیدا ہوئی تھیں لیکن چوں کہ مختلف خاندانوں میں ان کی پرورش اور نشوونما ہوئی تھی، اس لیے ان میں باہم خاص امتیازات پیدا ہو گئے تھے۔

امم بائدہ کی زبان: آرامی: جلد اول میں امم بائدہ کے حالات بہ تفصیل گزر چکے ہیں اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ان کے لیے امم سامیہ اولیٰ کی اصطلاح مناسب تر ہے، یہ بھی اسی مقام میں طے ہو چکا ہے کہ امم سامیہ اولیٰ کی سب سے طاقت ور اور نام ور قومیت بنوارم کی تھی، تورات سے یہ بھی ثابت کیا جا چکا ہے کہ بابل (عراق) اور شام یہ دونوں ملک قدیم زمانہ میں آرامی تھے، قرآن مجید اور عرب کے بیانات اور اشعار سے یہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ عربوں کی پہلی آبادی بنوارم کی تھی، اس لیے عادارم کو عاد اور ثمود ارم کو ثمود کہتے تھے، یہ بھی وہیں گزر چکا ہے کہ

---

[1] الہلال، مصر، ۲۴ رصفر ۱۳۲۰ ہجری۔

بنوارم کی حکومت ابتدائی زمانہ میں تمام عرب، عراق، شام اور مصر میں پھیلی تھی، اس بنا پر یہ نتیجہ لازمی ہے کہ ان ممالک کی زبان قدیم آرامی ہو، جس کو اس بنا پر کہ ان کا اصلی وطن عرب تھا، عربی بھی کہنا چاہیے۔

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا (طبع ۱۱) نے آرامی زبان کی حسب ذیل تفصیل کی ہے:

"آرامی زبانیں زبانوں کی ایک صنف کا نام ہے، جس کو آرامی اس لیے کہتے ہیں کہ وہ آرام کی طرف منسوب ہے، آرم ایک جغرافی اصطلاح ہے، جو توراۃ کے محاورہ میں تقریباً اسی مقام پر اطلاق پاتا ہے، جس پر یونانی لفظ سیریا (شام) اطلاق پاتا ہے، اس میں فلسطین شامل نہیں ہے،[1] بحالیکہ میسوپٹیمیا (عبرانی دو دریاؤں کا آرم) یعنی وہ مقام جس کو یونانی اکثر سیریا خاص سے الگ کرتے ہیں، اس بنا پر آرامی زبانوں کی جغرافی حیثیت سے اسی طرح تحدید کی جاسکتی ہے کہ وہ سامی بولیاں ہیں، جو اصلاً میسوپٹیمیا اور فرات کے جنوبی مغربی مقامات سے فلسطین تک جاری ہوئی[2]۔"

غلطی سے اس جغرافی تحدید میں مضمون نگار نے ان مقامات کو نہیں لیا ہے جو عرب میں واقع تھے اور جو بنوارم کا خاص مولد و منشا تھا، اسی بنا پر "السنہ سامیہ" کے مضمون میں یورپ کے سرمایہ ناز محقق تھیوڈر نولڈیکی کو حیرت سے کہنا پڑا:

"آرامی زبان کے اصلی وطن کے متعلق یقینی طور سے کوئی بات نہیں معلوم ہے، توراۃ میں "ارم" قدیم زمانے میں، ارم و دمشق وغیرہ شام کے کئی مقامات کو کہا گیا ہے، نیز عراق کو ارم مابین النہرین کہا ہے[3]۔"

اس کے بعد پورے مضمون میں نولڈیکی نے تفصیل کی ہے کہ "یہ زبان عراق، شام، اور عراق عرب میں بولی جاتی تھی بلکہ مصر اور ایران کی زبانوں میں بھی اس کے آثار ملتے ہیں، ہم

---

[1] ارض القرآن، اسی لیے عرب اس کو مابین النہرین کہتے ہیں۔ [2] جلد ۲، صفحہ ۳۱۷ [3] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، جلد ۲۴، صفحہ ۶۲۳۔

اس بیان کی تشریح اپنے نظریہ امم سامیہ اولیٰ کی بنا پر جن کی عراق، شام، مصر اور ایران وغیرہ میں حکومتیں ثابت کی جا چکی ہیں[1]، یہ کرتے ہیں کہ حکومت کے سایہ میں یہ زبان بھی ان ممالک میں پھیلتی چلی گئی۔

ثمود کی زبان: اس تشریح کے بعد یہ دعویٰ قابل قبول ہونا چاہیے کہ عاد و ثمود وغیرہ امم بائدہ کی زبان عربی آرامی تھی، ثمود کے متعلق ایک اور بات بھی غور کے لائق ہے، شمالی عرب کے جن مقامات میں ثمود کی سکونت ثابت ہوتی ہے، وہاں ایک خاص خط کے بہت سے کتبات پائے گئے ہیں، جن کی زبان آرامی عربی ہے، العلا کے کتبات اسی قسم کے ہیں، اس خط کا نام پہلے "پروٹو عربک" (ابتدائی عربی) تھا، بعض لوگ اس کو لحیانی کہتے ہیں کہ یہاں کے چند کتبات میں لحیانی نامی ایک قبیلہ کا ذکر ہے لیکن زیادہ تر لوگ اس کو ثمودی کہتے ہیں، تھیوڈر نولڈیکی ان کتبات کو ثمودی کہنا پسند نہیں کرتا، کہتا ہے:

> "بہت قدیم زمانہ میں شمالی عرب اپنی زبان کو قید تحریر میں لائے کیوں کہ سیاحوں نے ابھی کچھ دن ہوئے شمالی حجاز علا میں ایسے کتبات جو ایک مجہول خط میں جو سبائی سے ماخوذ معلوم ہوتا تھا، پائے، جس کا زمانہ بظاہر سنہ عیسوی سے پیشتر معلوم ہوتا ہے، ان کتبات کا نام ثمودی ہے، کیوں کہ وہ ثمود کے مقاماتؐ میں پائے گئے ہیں لیکن یہ وصف بہ مشکل مناسب معلوم ہوتا ہے کیوں کہ جس زمانہ میں ثمود پوری ترقی پر تھے اور وہ مکانات جن کو قرآن نے بیان کیا ہے کہ پہاڑوں کو کاٹ کر بنا رہے تھے، اس ملک کی زبان نبطی تھی[2]۔"

اس کی دلیل غالباً نولڈیکی کے پاس یہ ہوگی کہ حجر جو عام طور پر ثمود کا دار الحکومت سمجھا جاتا ہے، وہاں کے عمارات کے کتبات کی زبان نبطی ہے، اس سے وہ نتیجہ نکالتا ہے کہ علا کے کتبات اگر ثمودی ہوتے تو حجر کی طرح نبطی ہوتے، کیوں کہ حجر ہی کی زبان ثمود کی زبان ہوتی لیکن اس خیال کی غلطی ہم انباط کے ذکر میں بہ تفصیل بیان کر چکے ہیں، ہم نے

---

[1] ارض القرآن، جلد اول [2] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، جلد ۲۴، صفحہ ۶۲۴۔

اس کو تسلیم نہیں کیا ہے کہ حجر کے کتبات جو نبطی ہیں وہ ثمود کے ہو سکتے ہیں جیسا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے اور نولڈیکی نے سمجھنا چاہا ہے بلکہ ہم نے بیان کیا ہے کہ وہ انباط کی یادگار ہیں، اس کو کون صاحب عقل تسلیم کر سکتا ہے کہ ایک طاقت ور قوم اپنے شباب اور ترقی کے عہد میں اپنی یادگاروں کے لیے غیر قومی زبان اختیار کرے گی، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ''ثمود جب اپنی پوری ترقی پر تھے تو ملک کی زبان نباطی نہ تھی۔''

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں (Achoade) نے ''عربی زبان'' پر جو مضمون لکھا ہے اس میں وہ ان کتبات کے متعلق لکھتا ہے:

> ''ایک بظاہر بعد کے نمونہ کا خط ان کتبات میں پایا گیا ہے، جن کا نام پہلے ''پروٹو عربک'' تھا اور اب ثمودی کہلاتا ہے، یہ کتبات اول یوٹنگ نے اسی مقام پر پائے، جہاں لحیاتی کتبات ملے ہیں، یہ کتبات ایک حد تک اور شمال کی جانب میں ہیں، برٹن (ارض مدین، ج ۲، ص ۱۵۸) نے اسی خط کے چند کتبات مدین میں پائے ہیں اور راقم ہذا نے اس کی کچھ تعداد تبوک کے شمال مغرب میں قریہ کے معدنی مقام میں دریافت کیے، کتبات کی کثیر تعداد (تنہا یوٹنگ نے ۹۲ کتبات جمع کیے ہیں) کے مقابلہ میں واقعات کا بہت کم پتہ لگتا ہے اور ان کے زمانہ کی تعیین تیقن کے ساتھ نہیں کی جا سکتی۔''

اس محقق کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ تو اس خط کو لحیانی کہا جا سکتا ہے اور نہ اس خط کو ثمودی سمجھنا خلاف قیاس ہے۔

اہل عرب نے ان قوموں کی زبان کا نام مسند رکھا ہے، معجم یاقوت میں ہے:

فاهل المسند عاد وثمود والعماليق و جرهم وعبد بن الضخم وطسم و جديس واميم فهم اول من تكلم بالعربية بعد البلبلة ولسانهم المسند	مسند زبان والے عاد، ثمود، عمالیق، جرہم، عبد ابن ضخم، طسم، جدیس، امیم ہیں، یہ لوگ وہ ہیں جو سب سے پہلے عربی بولے، ان کی زبان مسند اور ان کا خط مسند ہے۔

وکتابھم المسند (لفظ عرب)

اس بیان سے یہ تو ثابت ہوتا ہے کہ ان قوموں کی زبان خاص قسم کی عربی تھی لیکن اس کو مسند کہنا خلاف تحقیق ہے، محققین عرب کے نزدیک مسند زبان کا نہیں، خط کا نام ہے[۱]، جو اہل یمن کے استعمال میں تھا، اس خط کے ہزاروں کتبے یمن میں موجود ہیں۔

شمالی اور جنوبی زبانیں بنو قحطان اور اسماعیل: طبقہ اول یعنی امم سامیہ اولیٰ کے بعد طبقہ دوم (بنو قحطان) اور طبقہ سوم (بنو اسماعیل) کی زبانوں پر ایک نظر ڈالنا ہے، اتنا محقق طور سے ثابت ہے اور کئی بار اس کا اعادہ بھی ہو چکا ہے کہ عرب کی دو بڑی تقسیمیں ہیں، ان میں باہم متعدد امور میں باہم امتیاز و تفریق ہے، اہل عرب اس کی قومی تقسیم کرتے ہیں یعنی بنو قحطان اور بنو اسماعیل اور علمائے یورپ نے اس کی جغرافی حد بندی کی ہے، یعنی جنوبی اور شمالی، بنو قحطان جنوبی عرب کے باشندے ہیں اور بنو اسماعیل کا مسکن شمالی عرب ہے، عربی زبان بھی ان دو شاخوں میں منقسم نظر آتی ہے، شمالی (اسماعیلی) اور جنوبی (قحطانی) عربی زبانوں میں متعدد حیثیتوں سے اختلاف ہے، پھر یہ دو شاخیں بھی چند اور چھوٹے چھوٹے شعبوں میں منقسم ہیں۔

اہل عرب کا بیان ہے کہ عربی زبان مختلف قوموں میں اس طرح منقسم تھی:

قوم	زبان	قوم	زبان
قحطان	عربی	جرہم	زبور
یقطن بن عامر	زقزقہ	مدین بن ابراہیم	حویل
یافش بن ابراہیم	رشق	اسماعیل بن ابراہیم	مبین

لیکن خود صاحب کتاب[۲] نے ان زبانوں کی نسبت درست کی ہے اور وہ ایک حد تک صحیح ہے:

---

[۱] شمس العلوم ابن سعید حمیری، لفظ مسند موجودہ کتب خانہ بانکی پور، صفہ جزیرۃ العرب، ہمدانی [۲] معجم یاقوت لفظ عرب۔

قوم	زبان	قوم	زبان
حمیر	مسند	اہل جند	رشق
حضرموت	زبور	اہل عدن	رشق
اہل مہرۃ	حویل	اشعر	زقزقہ
معد	مبین		

آج کل کتبات کی مدد سے ان زبانوں کے متعلق کسی قدر مزید تحقیق ہوئی ہے، اس کے بیان کے لیے سب سے پہلے عربی زبانوں کی دونوں جلی تقسیموں کو الگ الگ کر دینا چاہیے۔

جنوبی یا قحطانی زبانیں: جنوبی عربی کی حسب ذیل قسمیں ہیں، سبائی، حمیری، حضرموتی، مہری، حبشی، سبائی قوم سبا کی، حمیری اصحاب الاخدود کی، حبشی اصحاب الفیل کی زبان تھی، سبائی زبان تو بہت پہلے مردہ ہو چکی تھی، بقیہ زبانیں ظہور اسلام تک بولی جاتی تھیں، قرآن مجید کے اثر نے گو بعد کو تمام عرب میں صرف اپنی زبان رائج کر دی تاہم ان صوبوں میں اپنی اصلی زبانوں کا اثر ہمدانی کے زمانہ تک موجود تھا اور موجودہ سیاح بیان کرتے ہیں کہ اب بھی ہے، حبشی تغیر زمانہ کے بعد ایک مستقل زبان بن گئی، سبائی اور حمیری میں بہت کم فرق ہے، جنوبی اور شمالی زبانوں میں موٹے موٹے فرق حسب ذیل ہیں:

۱- الفاظ کا فرق: بہت سے ایسے الفاظ ہیں جو جنوبی زبانوں میں مستعمل ہیں وہ شمالی میں نہیں، مثلاً المقہ، چاند، عرم، بند، مزندن، لوح۔

۲- معانی کا فرق: لفظ ایک ہے لیکن معانی میں تخصیص، تعمیم یا کسی اور قسم کا فرق ہے، مثلاً:

لفظ	جنوبی	شمالی
ذو	بادشاہ	والا (جیسے روپے والا)
بیت	قلعہ	گھر

حَضَر	شہر	مستقل آبادی

۳۔قواعد کا فرق: مثلاً شمالی عربی میں علامت جمع ''ن'' ہے جنوبی میں ''م''، شمالی عربی میں حرف تعریف ''الف'' ہے، جنوبی میں ''میم''، فرق کے زیادہ واضح کرنے کے لیے جنوبی عربی کا ایک کتبہ ہم اصل زبان میں نقل کرتے ہیں:

وهبم واخهو بنو كلبت هقينو المقه ذمرن ذن

مزندن حجن وقههمو بمسالهو نوفيهو وسعدهمو نعمتم

شمالی عربی

وهب واخوه بنو كلبه اقنو المقه ذامران ذا

اللوح لانه وقاهم بماسالوه ووفاهم واسعدهم منه

ان زبانوں میں سے ہر ایک کے قواعد، صرف ونحو ولغت پر جرمن اور فرنچ میں متعدد کتابیں لکھی گئی ہیں لیکن افسوس کہ ہماری وہاں تک رسائی نہیں، اہل عرب نے دو تین باتیں یادرکھی ہیں مثلاً یہ کہ شمالی عرب کے ''س'' کو جنوبی عرب میں[1] ''ت'' اور ''ک'' کو ''ش'' کردیتے ہیں، جیسے ''ناس'' کو ''نات'' اور ''عليك'' کو ''عليش'' الف لام تعریف کی جگہ الف میم، طاب الهوا کے موقع پر طاب امهوا، حرف کو کم کردینا، مثلاً ماشاء الله کو ''مشاء الله''[2]، چنانچہ کتبہ بالا میں بماسالوه کی جگہ بمسالهو ہے۔

قرآن مجید میں سبائی حمیری زبان کا ایک لفظ ''عرم'' سبا کے قصہ میں آیا ہے، حبشی کے کئی لفظ جو عرب کے عیسائیوں میں اس سبب سے مستعمل تھے کہ جنوب عرب میں عیسائیت وہیں سے آئی تھی، اس لیے قرآن مجید کی مذہبی زبان میں بھی وہی الفاظ چلے آئے، مثلاً:

نفاق، صحف، برهان، جبت، مرج، مائده، مشكوة، سورة، حوارى، تبع،

---

[1] مزہر سیوطی، صفحہ ۱۰۹، مصر [2] مزہر سیوطی، صفحہ ۱۱۰، مصر۔

استبرق، ورق۔

ابن الحائک الہمدانی جو چوتھی صدی کے اوائل میں یمن میں موجود تھا اور حمیری زبان کا عالم تھا، وہ اپنے زمانہ کے قبائل کی زبان کی حالت حسب ذیل لکھتا ہے، اس سے معلوم ہوگا کہ گو عرب میں قرآن مجید کی اشاعت کو ساڑھے تین سو برس گزر چکے تھے تاہم جنوبی عربی زبان بے نشان نہیں ہوگئی تھی، کہتا ہے:

''شجر اور اسعا کے باشندے فصیح اللسان نہیں ہیں، مہرہ کے باشندوں میں عجمیت ہے، اہل حضر موت بھی اچھی زبان نہیں بولتے، کبھی کبھی کوئی زبان داں ان میں نکل آتا ہے، ان میں نسبتاً زیادہ زبان داں کندہ، ہمدان اور کسی قدر صرف کے لوگ ہیں، مذحج، مارب، بیحان اور قریب والے فصیح اللسان ہیں، غیر فصیح آدمی ان میں کم ہیں، حمیر اور جعدہ زبان داں نہیں، ان کے کلام میں کسی قدر حمیریت ہے، بعض حرفوں کو کھینچتے ہیں، بعض کو حذف کر کے بولتے ہیں مثلاً یاابن العم کو یابن معم، اسمع کو سمع، لحج، ابین اور دثینہ کی زبان اچھی ہے، عدن کی زبان نہایت خراب ہے، مجید، واقد اور اشعر کی زبان قابل اعتراض نہیں، معافر کے نشیب کی زبان خراب اور فراز کی زبان اچھی ہے۔

کلاع کی زبان خاصی ہے، گو حمیریت کی آمیزش ہے، کلاں جیشان، زاخ، حضر صہیب اور بدر کی زبان حمیر کے قریب قریب ہے، قتاب سے لے کر ذماء تک خالص غیر مفہوم حمیری بولی جاتی ہے، مدحج کے بلند و پست مقامات کی زبان مثلاً نہ بہت اچھی نہ بہت خراب ہے، ان میں کہیں کہیں حمیریت زیادہ ہے، خصوصاً حضری قبائل میں شعرا علیک اور حکم بن سند جو تہامہ میں ہیں، ان کی زبان قابل اعتراض نہیں لیکن ہاں جو دیہاتوں میں آباد ہیں، ہمدان کی زبان عربی اور حمیری ملی ہے، خیوان فصیح اللسان ہیں لیکن ان میں حمیریت بہت ہے، سفیان بن ارجب فصیح ہیں لیکن لام کو میم بولتے ہیں، مثلاً الرجل کے بجائے امرجل، زبر کو الف بولتے ہیں مثلاً قید بعیرك کو قید بعیراك، اسمائے ستہ کو حالت نصب میں واؤ کے

ساتھ بولتے ہیں، مثلاً رائیت اخاك کی جگہ رائت اخواك اشعرعك، اہل تہامہ میں حکم اور حذر، مطرۃ نہم، مرہبہ، ذبیان اور بلحارث جو رحبہ میں رہتے ہیں، فصیح ہیں، بنو حرب امالہ کرتے ہیں، بنوسعد کی زبان نہایت عمدہ، اہل صنعا میں خالص عربیت کسی قدر حمیریت کی آمیزش کے ساتھ ہے، اس کے علاوہ یہاں ہر قسم کی زبانیں اور بولیاں ہیں، ہر ٹکڑے میں نئی بولی ہے، شبام، مصانع اور تخلی میں خالص حمیری زبان ہے۔"

فصاحت اور زبان کی خوبی، مقامی ترتیب کے ساتھ ان قبائل میں ہے:

"وادعہ، جنب، یام، زبید، بنی الحارث، نجران کا وہ حصہ جو بنی شاکر کے مسکن سے متصل ہے، یام کی سرزمین تک پھر سخان، پھر نہد اور بنی اسامہ، پھر عتر، خثعم، ہلال، عامر بن ربیعہ، حجر کا نشیبی علاقہ دوس،، غامد، یشکر، فہم، ثقیف، بجیلہ، بنو علی۔

عروض کے صوبہ میں گاؤں کے علاوہ اور مقامات میں فصاحت ہے، حجاز اور نجد زیریں سے شام اور دیار مضر و دیار ربیعہ (عراق) تک ایک حال ہے[1]۔"

اس تفصیل سے لغوی شہادت کے ذریعہ سے نہایت عمدگی کے ساتھ یہ بات بھی پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے، جس کی ہم نے اس کتاب میں بار بار تکرار کی ہے کہ عرب کا ملک جنوبی اور شمالی دو حصوں میں منقسم ہے اور یہ نہ صرف جغرافی بلکہ نسلی اور قومی تقسیم بھی ہے، جو قبائل حقیقت میں قحطانی النسل ہیں، یمن چھوڑنے کے بعد بھی ان میں حمیریت کا شائبہ موجود ہے، اس نکتہ کو بھی فراموش نہ کرنا چاہیے کہ ہمدانی حمیری اور عربی کا دو حریف زبانوں کی حیثیت سے نام لیتا ہے۔

شمالی یا اسماعیلی زبانیں: شمالی زبانوں کے حدود تدمر (شام کے قریب) اور حیرہ (عراق) کے قریب سے شروع ہوتے ہیں، ان کی حسب ذیل شاخیں ہیں، تدمری، نبطی، حجازی، ان میں بھی الفاظ، حروف، معانی اور قواعد کا باہم فرق ہے، دو پہلی زبانوں میں آرامی کا اثر زیادہ

---

[1] صفۃ جزیرۃ العرب، صفحہ ۱۳۵-۱۳۶، لیڈن۔

نمایاں ہے، تدمری قرآن کی عربی زبان سے الفاظ میں بہت مغائر ہے بلکہ عبرانی کے قریب قریب ہے، چنانچہ حسب ذیل تدمری کتبہ سے یہ فرق نمایاں ہوگا:

صلمت	صفطيما	بت	رباى	نهيرنا	وزدقتا
		بنت			صديقه
ملكتا	سقطيموا	زبدا	رب	حيلا	ربا
ملكته			ربّ		

وزباىٔ	رب حيلادى	تدمور	قرطظر	اقيم
لمرتهون	بيرح	اب	ربى	شنه ۵۸۲
				سنة

نبطی جو اصحاب الحجر کی زبان تھی وہ قرآن کی عربی سے بہت قریب ہے، نبطی خط بھی قدیم عربی خط بلکہ کوفی خط سے مشابہ ہے، زبان یہ ہے:

''تى نـفـس مرالقيس برعمر وملك العرب مذحجوزواسر التاج ملـك والاسـدين ونزر وملوكهم وعرب مذحجو علدى وجاء يزجونى حبج نـجران مدينة شمر وملك معد ونزل بنيه الشعوب ووكله لفرس ولروم فلم يبلغ ملك مبلغه ،عكدى هلك سنه ۲۲۳ بلسلول بلسعه ذوولده''

عربی زبان

''فى نـفـس امـرء القيس بن عمر وملك العرب مذحج الذى لبس التـاج وملك الاسـديـن ونـزاروملـوكهـم وعـرب مذحج حتى اليوم، وجاء يـزجـونى سورفجران-مدينة شمر وملك معداً ونزل بنيه الشعوب ووكلهم للفرس وللروم فد يبلغ ملك مبلغه،اليوم هلك سنه ۲۲۳ اسعد الذى ولده''

شمالی عرب کے مختلف قبائل میں لہجہ، تلفظ اور الفاظ کی حرکات میں اختلاف تھا، چنانچہ اوائل عہد اسلام تک یہ اختلافات موجود تھے، اس وقت بھی شعرائے عرب کے وہ قصائد اور اشعار موجود ہیں جو اسلام سے پہلے سو برس کے اندر لکھے گئے، قرآن کی زبان میں جو قرآن میں مستعمل ہوئی ہے، نیز اس عہد کے شعرا کے کلام میں مستعمل ہے اور اگلے قدیم شعرائے جاہلیت کی زبان میں زمین و آسمان کا فرق ہے، ہم قرآن کے ایک ایک لفظ کا ترجمہ بلا پس و پیش کر سکتے ہیں، شعرائے جاہلیت کے کلام کے حل کرنے کے لیے قدم قدم پر لغت کی ضرورت پیش آتی ہے۔

عربی لغات میں لاکھوں الفاظ ہیں، ۱۴۰۰ / برس سے کبھی استعمال میں نہیں آئے اور نہ قرآن و حدیث میں مستعمل ہوئے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مختلف قبائل کی زبانوں کے الفاظ کا ایک مخلوط مجموعہ ہے، جو قرآن کی عربی کے ماورا ہے۔

افسوس ہے کہ اہل لغت اور مصنفین صرف و نحو نے ان اختلافات کو بہت کم محفوظ رکھا، کتاب سیبویہ، خصائص ابن جنی، اوضح المسالک، مزہر سیوطی میں مختلف استثنائی قواعد اور شعرا کے اشعار خلاف قواعد مشہورہ لکھے ہیں، وہ درحقیقت قرآن کی عربی کے قواعد کے خلاف ہوں تو ہوں لیکن اپنی اصلی عربی زبان کے وہ خلاف نہ ہوں گے، عام نحو کی کتابوں میں صرف دو کے متعلق یہ بیان باقی رہ گیا ہے کہ وہ لغت طی میں الذی کے معنی میں ہے، چنانچہ آرامی زبان میں ''ذو'' اسی معنی میں شائع تھا، اس کے علاوہ بعض اور باتیں بھی محفوظ رہ گئی ہیں، مثلاً یہ کہ:

۱- بنو تمیم ہمزہ ابتدا کو ''ع'' کر دیتے تھے، جیسے ''اسلم'' کو ''عسلم''۔

۲- بنو ہذیل ''ح'' کو ''ع'' کر دیتے تھے، جیسے ''حرب'' کو ''عرب''۔

۳- بنو قضاعہ ''ی'' کو ''ج'' کر دیتے تھے، جیسے ''تمیمی'' کو ''تمیج''۔

۴- بنو سعد ''ع'' کو ''ن'' کہتے تھے، جیسے ''اعطی'' کو ''انطی''۔

۵- عام عربی میں حرف ''گ'' نہیں، بنو تمیم ''گ'' بولتے تھے۔

۶-قریش واسد کی زبان میں یائے مضارع کو فتحہ یا ضمہ ہوتا ہے، ان کے علاوہ دیگر قبائل کسرہ کر دیتے تھے "یَفعل" کو "یِفعل" کہتے تھے۔

۷-ربیعہ اور مضر مؤنث میں کاف خطاب کے بعد "ش" بڑھا دیتے تھے، جیسے "علیك" کی جگہ "علیکش"۔

۸-"ج" کو "گ" بولتے تھے، جیسے جبعه کو گبعه۔

ان اختلافات کے علاوہ شاذ، منکر منفرد لغات جو عربی فلسفہ لغت کی کتابوں میں لکھے گئے ہیں وہ بھی ان ہی زبانوں کے بقایا ہیں، ان ہی وجوہ سے لغویین عرب کا قول ہے:

ان لغة العرب لم تنتته الینا بکلیتها وان الذی جاء ناعن العرب قلیل عن کثیر وان کثیر امن الکلام ذهب بذهاب اهله (مزہر سیوطی: ص۲۳، مصر)	عربوں کی تمام زبان بتمامہ ہم تک نہیں پہنچی، جو عربی الفاظ ہمارے پاس محفوظ ہیں وہ غیر محفوظ کے مقابلہ میں کم ہیں، بہت سے الفاظ ان کے بولنے والوں کے مرجانے سے مرگئے۔

یہ زبان تمام شمالی عرب میں یعنی حدود یمن سے لے کر شام و عراق تک بولی جاتی تھی لیکن حجاز اور نجد کی زبان سب سے بہتر تھی اور ان میں بھی قبیلہ سعد اور قریش کی زبان، اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو قبیلوں کے انتساب پر فخر کیا ہے، آپ قریش میں پیدا ہوئے تھے اور بنو سعد میں پرورش پائی تھی۔

قرآن مجید میں ہے:

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا (یوسف۱۲:۲)	ہم نے اتارا اس کو عربی زبان میں۔
اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا (الرعد۱۳:۳۷)	ہم نے اتارا اس کو عربی حکم۔
اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا (طٰہٰ۲۰:۱۱۳)	ہم نے اتارا اس کو عربی قرآن۔
قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ (الزمر۳۹:۲۸)	عربی قرآن، ٹیڑھا نہیں۔
كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا (حٰم سجدہ۴۱:۳)	کتاب جس کی آیتیں مفصل ہیں، عربی قرآن۔

أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا (الشوریٰ ۴۲:۷) عربی قرآن کو تیری طرف وحی کیا۔

إِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا (الزخرف ۴۳:۳) ہم نے اتارا اس کو عربی قرآن۔

وَهٰذَا كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِيًّا (الاحقاف ۴۶:۱۲) یہ کتاب ہے جو تصدیق کرتی ہے عربی زبان میں

دو موقع پر لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ کہا گیا ہے:

وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ (النحل ۱۶:۱۰۳) یہ عربی مبین زبان ہے۔

بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ (الشعراء ۲۶:۱۹۵) یہ عربی مبین زبان میں ہے۔

مبین کے لغوی معنی ہیں ظاہر کرنے والا، واضح کرنے والا، کھولنے والا، اکثر مفسرین نے ان آیتوں میں ''مبین'' کے یہی لغوی معنی مراد لیے ہیں یعنی قرآن ایسی زبان میں اتارا گیا جو نہایت فصیح ہے، مطالب کھل جاتے ہیں، معانی واضح ہو جاتے ہیں، سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں پیش آتی، ارض القرآن جلد اولی کے اثنائے تحریر میں خیال آیا کہ مبین سے یہاں مراد اس کے لغوی معنی نہیں بلکہ یہ لفظ بطور علم کے ہے، اوپر گزر چکا ہے کہ ظہور اسلام کے وقت بھی عربی مختلف بولیوں اور لہجوں میں منقسم تھی، ان میں جو فصیح ترین اور شیریں ترین زبان تھی اس کا نام لسان عربی مبین تھا، مثلاً اردو زبان کا اطلاق لاہور، دلی، لکھنؤ، بنارس، پٹنہ، کلکتہ، ڈھاکہ، حیدرآباد، بمبئی اور مدراس کی تمام اردو زبانوں پر ہوتا ہے، حالاں کہ مختلف اسباب سے ان زبانوں میں ذخیرہ الفاظ، لب ولہجہ، تذکیر و تانیث اور بیسیوں قواعد کا اختلاف ہے، تاہم ان سب پر اردو ہی زبان کا اطلاق ہوتا ہے لیکن ان میں سے بہترین اور فصیح ترین زبان کو ہم ''اردوئے معلّٰی'' کہتے ہیں جو قلعہ دہلی میں بولی جاتی تھی یا جواب ہمارے قلم اور شاعری کی زبان ہے، اسی طریقہ سے باوجود اختلافات کے عربی زبان میں ایک خاص مستند اور ٹکسالی زبان تھی، جس میں مختلف قبائل کے شعرا اپنے مافی الضمیر کو ظاہر کرتے اور باہم قبائل ایک دوسرے سے گفتگو کرتے تھے اور یہی لسان مبین تھی۔

یہ خیال ایک نظریہ کے طور پر میرے ذہن میں آیا تھا لیکن اثنائے مطالعہ میں

ایسے شواہد بہم پہنچے جن سے معلوم ہوا کہ بعض اور علمائے کبار بھی یہی سمجھتے تھے:

روی الحاکم فی المستدرك وصححه والبیهقی فی شعب الایمان عن بریده رضی اللہ عنه فی قوله تعالیٰ بلسان عربی مبین قال بلسان جرهم (مزہر: ص ۱۸)	محدث حاکم نے مستدرک میں روایت کی ہے اور اس کو صحیح کہا ہے اور بیہقی نے شعب الایمان میں بیان کیا ہے کہ حضرت بریدہؓ سے مروی ہے کہ لسان عربی مبین سے مراد لسان جرہم ہے۔

جرہم قریش کے ننہالی مورث اول کا نام ہے جس کے خاندان میں حضرت اسماعیل علیہ السلام نے شادی کی تھی، یہ روایت اگر صحیح نہ بھی ہو تو بھی اپنے زمانہ کے رواۃ کے خیال کی مترجم ہے، یاقوت نے معجم میں (تحت لفظ عرب) ہشام کلبی کی روایت سے لکھا ہے:

واللسان السادس ممن انطقه الله فی عربة بلسان لم یکن قبلهم اسمٰعیل بن ابراهیم نطقوا بالمبین وهو السادس ممن تکلم بالعربیة هووبنوه ولسانهم المبین وکتابهم المبین وهوالغالب علی العرب الیوم	چھٹی زبان جو عربوں میں اللہ تعالیٰ نے بلوائی اور جو ان سے پہلے نہ تھی، وہ اسماعیلؑ کو بلوائی، بنو اسماعیل مبین زبان بولے اور یہ چھٹے بزرگ ہیں جو (اس چھٹی) عربی میں بولے، ان کی زبان اور تحریر مبین ہے اور یہی زبان آج تمام عربوں کی زبان پر غالب ہے۔

پھر کہتا ہے کہ المبین لمعد بن عدنان ''مبین معد بن عدنان کی زبان ہے''

احادیث صحیحہ میں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عہد میں جب قرآن کی نقلیں کرائیں تو کاتبوں کو حکم دیا کہ جس لغت کے تلفظ اور قرأت میں تمہارے درمیان اختلاف ہو اس کو قریش کے لغت میں لکھو، نزل بلغة قریش کہ قرآن قریش کی زبان میں اترا ہے۔

قریش کی زبان کی خوبی اور فصاحت کے دو سبب ائمہ لغت نے بیان کیے ہیں، جو بالکل صحیح ہیں، عموماً یہ خیال کیا جاتا ہے کہ جو قوم دوسری قوموں سے الگ تھلگ رہتی ہے اور ملتی جلتی نہیں اس کی زبان خالص اور بے میل رہتی ہے، یہ خیال ایک حد تک صحیح ہے لیکن

قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ (ہود ۱۱: ۵۰)　　بھائیو! خدا کو پوجو، اس کے سوا کوئی خدا نہیں۔

اب ہم کو یہ پتہ لگانا چاہیے کہ اگر عرب میں نہیں تو دوسرے ملکوں میں ان کے مذاہب کے متعلق کوئی تفصیل مذکور ہے؟ عرب سے باہر بابل، شام اور مصر میں جو مذہبی مراسم ان قوموں کے جاری تھے ان ہی پر ان کی عرب آبادی کو بھی قیاس کرنا چاہیے، ممالک مذکور کے متعلق قدیم کتبات اور تحریروں کی چھان بین سے یہ نظر آتا ہے کہ اس زمانہ میں یہ قاعدہ تھا کہ قومیں مختلف آبادیوں پر منقسم ہوتی تھیں، ہر آبادی میں دو بڑی عمارتیں ہوتی تھیں، ایک بیت الحکومہ اور ایک ہیکل، آبادی کا حاکم بیت الحکومۃ میں رہتا تھا اور ہیکل آبادی کے کاہن کا مسکن ہوتا تھا اور ان ہی دونوں کی شرکت سے آبادی پر دنیاوی اور مذہبی حکمرانی کی جاتی تھی اور جس طرح ہر آبادی کا الگ شیخ یا حاکم ہوتا تھا، اسی طرح ہر ہیکل میں ایک نیابت جو اس گاؤں کا محافظ خیال کیا جاتا تھا، جب دو آبادیوں کے رہنے والوں میں جنگ ہوتی تو گویا ان دونوں آبادیوں کے دیوتاؤں میں جنگ ہوتی، فاتح مفتوح کے دیوتا اٹھالے جاتا، مفتوح اس وقت تک دم نہیں لیتے تھے جب تک لڑ کر یا منت سماجت کر کے اپنا دیوتا واپس نہیں لیتے تھے، چنانچہ ان قوموں کے قدیم کتبات میں اس قسم کے یادگاری پتھر بکثرت ملتے ہیں۔

ہم نے آغاز باب میں لکھا ہے کہ جب انسانوں میں کسی قدر تہذیب وتمدن پیدا ہوا تو مخلوقات ارضی سے ہٹ کر دیکھا تو آسمانوں کے بلند اور روشن ستارے ان کو خداوندی کے بہترین مستحق نظر آئے، چنانچہ ان کی پرستش شروع ہوئی، مشہور عرب مؤرخ مسعودی نے لکھا ہے کہ چوں کہ یہ ستارے نکلتے اور ڈوبتے رہتے تھے، اس لیے ان کی متخیل شبیہیں بنا کر لوگوں نے ان کو پوجنا شروع کیا اور اس طرح بت پرستی کی ابتدا ہوئی، یہ نظریہ بظاہر غلط نہیں معلوم ہوتا، اس لیے لائق قبول ہے۔

ہماری کتاب کے ناظرین کو معلوم ہوگا کہ ستارہ شناسی کا آغاز ان ہی بدوی سامیوں

سے ہوا ہے، آب و ہوا اور جغرافی خصوصیات کی بنا پر ان مقامات کی فضائے آسمانی ابر اور گرد و غبار سے عموماً صاف رہتی ہے، بدوی سامی راتوں کو اپنے بھیڑ، بکری اور مویشی کے گلوں کو لے کر آسمانی خیموں کے سایہ میں رات بسر کرتے تھے، جب کبھی آنکھ کھلتی سامنے صحیفہ آسمانی کھلا نظر آتا۔

پہلی جلد میں یہ تفصیل دکھایا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جس زمانہ میں پیدا ہوئے ہیں، بابل اور مصر پر بھی قدیم سامی قومیں حکم راں تھیں، جن کو ہم عاد و ثمود کہتے ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدا شناسی کا جو تدریجی تخیل قرآن نے بیان کیا ہے اس کو ہمارے بیان کردہ نظریہ سے کلی تطابق ہے، پہلے ان آیتوں کو پڑھیے:

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ	ابراہیمؑ نے اپنے باپ آزر سے کہا کہ بتوں کو آپ
اَصْنَامًا اٰلِهَةً اِنِّيْٓ اَرٰكَ وَقَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ	خدا ٹھہراتے ہیں، آپ کو اور آپ کی قوم کو کھلی گمراہی
مُّبِيْنٍ وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ	میں دیکھتا ہوں، ہم اسی طرح ابراہیم کو آسمانوں کی
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ	اور زمین کی بادشاہی دکھاتے تھے کہ وہ ایمان والوں
الْمُوْقِنِيْنَ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا	میں ہو، جب رات نے اس پر پردہ ڈالا، ستارہ
قَالَ هٰذَا رَبِّيْ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ	دیکھا، بولا یہ میرا خدا ہے، جب وہ چھپ گیا تو اس
الْاٰفِلِيْنَ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا	نے کہا کہ میں چھپ جانے والے کو نہیں پیار کرتا،
رَبِّيْ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ	جب چاند کو دیکھا کہا یہ میرا خدا ہے، جب وہ بھی
لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ فَلَمَّا رَاَ	ڈوب گیا بولا اگر میرا پروردگار ہدایت نہ کرتا تو میں
الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ	گمراہوں میں ہوتا، جب آفتاب پر نظر پڑی بول
فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا	اٹھا، یہی میرا پروردگار ہے، یہ سب سے بڑا ہے،
تُشْرِكُوْنَ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ	جب وہ بھی ڈوب گیا، کہا اے بھائیو! میں اس سے
فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا	برأت کرتا ہوں جس کو تم خدا کا شریک کہتے ہو، میں

مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (الانعام ۶:۷۴-۷۹) اپنا منہ اس کی طرف کرتا ہوں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، میں مشرکوں میں سے نہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان ستاروں میں سے جوان کی قوم کے دیوتا تھے، ہر ایک حالت پر غور کیا، ان میں سے کوئی ان کو خدائی کا مستحق نظر نہ آیا اور آخر اپنی قوم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ میں ان کے آگے نہیں بلکہ ان کے پیدا کرنے والے کے آگے سر جھکا تا ہوں، دوسری دفعہ جب ان کو ایک مذہبی تہوار میں اپنے دیوتاؤں کے حضور آنے کی دعوت دی جاتی ہے تو اس وقت بھی قرآن کہتا ہے:

فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُوْمِ فَقَالَ اِنِّيْ سَقِيْمٌ (الصّافات ۳۷:۸۸-۸۹) ایک نظر پھر کر ستاروں کو دیکھا اور کہا میں بیمار ہوں۔

مفسرین اس امر میں مضطرب البیان ہیں کہ یہ ستاروں کے دیکھنے کا کون سا موقع تھا؟ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ یہ اس لیے تھا کہ ان کے رشتہ داروں اور ہم وطنوں کو یہ نظر آئے کہ ان کے دیوتاؤں سے مشورہ لے رہے ہیں اور وہ ان کو کسی قابل سمجھتے ہیں، ایک اور نکتہ یہ ہے کہ جب انسان کے سامنے کچھ چیزیں پیش ہوتی ہیں اور وہ متردد ہوتا ہے کہ ان میں سے کس کو قبول کرے تو اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اپنے فیصلہ سے پہلے ان چیزوں پر ایک آخری نگاہ ڈال لیتا ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آخری فیصلہ سے پہلے ان ستاروں کی حقیقت[۱] پر ایک نظر اور ڈال لی، یہ آخری فیصلہ کا موقع اس لیے تھا کہ اس عظیم الشان تہوار میں عدم شرکت گویا ان کا اپنی قوم کو اعلان جنگ دینا تھا، قرآن مجید کہتا ہے کہ ستارہ پرستی کے ساتھ بت پرستی بھی اس قوم کا شیوہ تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبانی مذکور ہے:

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً (الانعام ۶:۷۴) جب ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے کہا کہ آپ بتوں کو اپنا خدا بناتے ہیں۔

---

۱ عربی نظر فیہ کے معنی بغور دیکھنے کے ہیں، مطلق دیکھنے کے نہیں ہیں۔

سورہ انبیاء میں ہے:

اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ (الانبیاء۲۱:۵۲)

جب ابراہیم نے اپنے باپ اور اپنی قوم کے لوگوں سے کہا، یہ کیا مورتیں ہیں جن کو آپ گھیرے رہے۔

سورہ عنکبوت میں ہے:

اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا وَّتَخْلُقُوْنَ اِفْكًا (العنکبوت۲۹:۱۷)

خدا کو چھوڑ کر بتوں کو پوجتے ہو، جھوٹ گھڑ کر۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پڑپوتے حضرت یوسف علیہ السلام عاد کی اس جماعت کو جو مصر پر حکمراں تھی، خطاب فرماتے ہیں:

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ (یوسف۱۲:۳۹-۴۰)

یاران زندان! یہ جدا جدا معبود اچھے یا ایک زبردست خدا، تم چند (بے معنی) ناموں کی پرستش کرتے ہو، جن کو تم نے اور تمہارے باپ داداؤں نے گھڑ لیا۔

اصول مذکورہ کے مطابق یہ بت ان ہی کواکب کی شبیہ ہوں گے۔

مجموعہ تورات سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ قوم بت پرست تھی، سفر یوشع میں ہے:

> ''تمہارے باپ دادے، تارح ابراہیم کا باپ اور ناحور (ابراہیم علیہ السلام کے دادا) قدیم زمانہ میں نہر (فرات) کے پار رہتے تھے اور غیر معبودوں کی بندگی کرتے تھے۔''
>
> (۲۰-۲۴)

حضرت یعقوب علیہ السلام (حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے) کنعان سے حران اپنے خاندان میں ماموں کی لڑکی سے شادی کرنے گئے تھے، صاحب زادی جب باپ سے رخصت ہونے لگیں تو باپ کے قیمتی بت چرا لائیں (تکوین:۳۱-۳۴)، باپ کو

ایک دوسری نظر سے یہ نظریہ بہت کچھ قابل ترمیم ہے، عموماً دیکھا گیا ہے کہ جو قومیں دوسروں سے الگ اور محفوظ ہیں ان کی زبان محدود اور مفلس ہوتی ہے، یہی سبب ہے کہ وحشی قوموں کی زبانیں ہمیشہ عمدہ اور وسیع خیال کے ادا کرنے سے قاصر رہتی ہیں، دیہات کی زبان اسی اصول کی بنا پر عدم اختلاط کے باعث دوسری زبانوں کی اثر پذیری سے گو محفوظ رہتی ہے لیکن اسی کے ساتھ لطیف و نازک جذبات اور بلند و عالی خیالات کی تعبیر سے قاصر رہتی ہے، اسلام کے سو دو سو برس پہلے سے تمام قبائل عرب میں صرف قریش کا قبیلہ اس لحاظ سے ممتاز تھا کہ اس کا گزر تجارتی ذرائع سے نہ صرف عرب کے گوشہ گوشہ میں بلکہ آس پاس کے ممالک میں بھی ہوتا تھا، اس بنا پر اس کی زبان میں دوسری زبانوں کے اعتبار سے زیادہ وسعت اور زیادہ ہمہ گیری پیدا ہوگئی ہوگی، مذہبی خیالات کے ادا کرنے کے لیے جن کا عربی زبان میں اس وقت وجود نہ تھا، ایک ایسی ہی زبان کی ضرورت تھی، جس میں ان خیالات کے ادا کرنے کے لیے الفاظ ہوں اور دیگر قدیم المذاہب زبانوں سے اس کا رابطہ اور ارتباط ہو، جس کی بنا پر ان سے الفاظ عاریۃً حاصل کیے جاسکیں، تمام عرب میں ایسی زبان صرف قریش کی ہوسکتی تھی۔

دوسرا سبب یہ ہے کہ گو تمام عرب میں مقامی بت خانے تھے جہاں مراسم حج ادا ہوتے تھے، مقامی میلے بھی لگتے تھے لیکن تمام ملک کا سالانہ مجمع صرف مکہ ہی کی سرزمین میں اکٹھا ہوتا تھا، ملک کے ہر گوشہ سے لوگ یہاں یکجا ہوتے تھے، عکاظ کا میلہ عرب کی اکاڈیمی تھی، اس بنا پر شہر مکہ کی زبان ایک ایسی زبان ہوگی جو عرب کی تمام زبانوں کا خلاصہ اور عطر ہوگی، شعرائے عرب بھی اس موقع پر جب کہ عرب کے تمام گوشوں سے لوگ سمٹ کر ایک نقطہ پر جمع ہوجاتے تھے، اپنی شاعری کے لیے ایسی زبان اختیار کرتے ہوں گے جو عرب کی عام اور مشترک زبان ہوگی اور جس کو عرب کا بچہ بچہ سمجھ سکتا ہوگا اور وہ تقریباً مکہ ہی کی زبان ہوسکتی ہے، یہی سبب ہے کہ شعرائے عرب کے قصائد کی زبانوں میں اختلافات کے باوجود ایک قسم کی ہم رنگی اور ہمواری پائی جاتی ہے، تمام عرب کو مخاطب کرنے کے لیے وحی الٰہی کو اسی قسم کی زبان درکار تھی۔

ادیان العرب قبل الاسلام
یعنی
اسلام سے پہلے عرب کے مذاہب

مغرور انسان کی اندرونی حالت یہ ہے کہ وہ قدم قدم پر اپنے عجز اور بے چارگی کے اعتراف پر مجبور ہے اور اس کا یہی اعتراف ایسی طاقتوں کی تلاش پر آمادہ کرتا ہے جو اس کے عجز و بے چارگی کی تلافی کر سکے، انسان آغاز تخلیق میں اپنے سوا ہر شے سے جھجکتا تھا اور ڈرتا تھا اور اس لیے ہر شے سے وہ اپنی مدد کا طالب تھا، گھنا درخت، اونچا پہاڑ، پرشور دریا، خوفناک جانور، ان میں سے ہر چیز اس کا خدا تھی۔

وہ ایک مدت کے بعد جب ان سے آشنا ہوا اور ان قوتوں کو اچھی طرح آزما چکا تو زمین سے اوپر آسمان کی طرف اس کی نظر اٹھی، یہاں ہر ستارہ اس کو اپنا معبود نظر آیا، سب سے بڑے ان میں سات سیارے دکھائی دیے، یہ ساتوں آسمان و زمین کے تمام مہمات کے کارکن سمجھے گئے، انسان کی مختلف ضرورتوں کا ایک ایک قادر علی الاطلاق مانا گیا، کوئی حسن کی دیوی تھی، کوئی لڑائی کا دیوتا تھا، کوئی زندگی اور موت کا خزینہ دار تھا، کوئی علم و کمال کا خدا تھا، آفتاب کا جاہ و جلال اور چاند کا حسن و جمال خداوند اعظم ہونے کا بہترین استحقاق تھا، یہ سورج، چاند اور مختلف الاشکال ستاروں کے جھرمٹ اس کی نگاہوں سے اتنی دور تھے کہ انسان ان کو پیار نہیں کر سکتا تھا اور نہ ان کی خدمت گزاری کا فرض ادا کر سکتا تھا، اس لیے ان کی خیالی مورتیں بنا کر اپنے بت خانوں کی اس نے بنیاد ڈالی۔

ان ستاروں کی کمزوری کا راز بھی جب افشا ہوا تو غیر محسوس روحوں کا تسلط شروع ہوا اور چوں کہ وہ بھی آنکھوں سے اوجھل تھے، متخیلہ نے جن اشکال میں چاہا ان کی تصویر کھینچ کر سامنے رکھی، ان کی عظمت و اقتدار کے لحاظ سے مٹی، پتھر، چاندی، سونے اور جوہرات کے ان کے مجسمے تیار کیے، ان کے جوش کو ٹھنڈا کرنے کے لیے ان پر خون کے چھینٹے دیے گئے، ان کو خوش رکھنے کے لیے ان کو بیش قیمت نذرانے پیش کیے گئے۔

اس اثنا میں انسان کی مختلف آبادیوں میں اس کے مرتبہ، فہم اور درجہ ترقی کے مناسب تعلیمات لے کر انبیا اللہ تعالیٰ کی طرف سے دنیا میں آتے رہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے اپنے وقت میں فرزندان سام میں مبعوث ہوتے رہے، کچھ لوگوں نے ان کو مانا اور ان کی الگ الگ امتیں بنیں، کچھ ایسے مغرور انسان بھی ہمیشہ رہے ہیں جو اپنے زعم باطل میں اپنی ہستی سے بڑی کوئی دوسری چیز نہیں مانتے، یہ ملحد اور دہریہ ہیں۔

عرب کی سرزمین عجب سرزمین تھی، انسان کے مذہبی ارتقا کے ہر درجہ کی مجسم تاریخ موجود تھی، اجسام پرست، ستارہ پرست، بت پرست، ارواح پرست نیز ابراہیمی، موسوی، عیسوی اور ملحد و دہریہ فرقہ کے لوگ موجود تھے لیکن استقصا سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا عام قومی مذہب ستاروں اور روحوں کے خیالی مجسموں کی پرستش تھی۔

ہم نے عرب کی تمام قوموں کو مخصوص اور واضح باہمی امتیازات کی بنا پر تین طبقوں پر منقسم کیا ہے، امم سامیہ اولیٰ یا عرب بائدہ، امم قحطانیہ یا عرب عربا اور بنو ابراہیم یا عرب مستعربہ، من جملہ اور امتیازات اور تفریقوں کے ان تینوں طبقوں میں ایک مذہبی امتیاز اور تفریق بھی ہے۔

امم سامیہ اولیٰ کا مذہب: امم سامیہ اولیٰ میں عاد، ثمود، جرہم وغیرہ قبائل داخل ہیں، ان کی آبادی بتائی جا چکی ہے کہ عرب سے لے کر عراق و شام و مصر تک پھیلی ہوئی تھی، اس بنا پر

ان قوموں کا مذہب وہی ہوسکتا ہے جو ان ممالک کے اندر اس عہد میں رائج تھا، عربی تاریخوں سے صرف اس قدر پتہ چلتا ہے کہ یہ قومیں بت پرست تھیں لیکن کن بتوں کی پرستش کرتی تھیں اور ان کی بت پرستی کے اصول و مراسم کیا تھے، اس کی تفصیل نہیں ملتی، صرف قبیلہ جدیس کی نسبت معلوم ہے کہ وہ ''کثریٰ'' نامی ایک بت کو پوجتا تھا[1]، قرآن مجید نے عاد اور ثمود کے ذکر میں حضرت ہود علیہ السلام اور حضرت صالح علیہ السلام کی زبانی صرف اس قدر کہا ہے کہ وہ خدائے برحق کو چھوڑ کر اور بہت سے خداؤں کو پوجتے تھے اور ان کے الگ الگ نام رکھ لیتے تھے، حضرت ہود علیہ السلام اپنی قوم عاد کو سمجھاتے ہیں:

اَتُجَادِلُوْنَنِیْ فِیْٓ اَسْمَآءٍ سَمَّیْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ (الاعراف ۷:۷۱)	کیا تم مجھ سے ان ناموں میں جھگڑتے ہو، جن کو تم نے اور تمہارے اسلاف نے رکھ لیا اور خدا نے ان کو کوئی دلیل نہیں اتاری۔

ان کی قوم کہتی ہے:

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا (الاعراف ۷:۷۰)	کیا تم اس لیے میرے پاس آئے ہو کہ ایک خدا کو پوجیں اور جن کو ہمارے باپ دادا پوجتے تھے ان کو چھوڑ دیں۔

اس سوال و جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ عاد خدا کے ساتھ ساتھ اور خداؤں کو بھی پوجتے تھے، ثمود کا بھی یہی حال تھا، وہ اپنے پیغمبر کو کہتے ہیں:

قَالُوْا يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ اَتَنْهٰنَآ اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا (ہود ۱۱:۶۲)	اے صالح! تم سے تو پہلے بڑی توقعات تھیں، کیا تم اس سے روکتے ہو کہ جس کو ہمارے باپ دادا پوجتے تھے ان کو ہم بھی پوجیں۔

حضرت صالح علیہ السلام فرماتے ہیں:

---

[1] یعقوبی، جلد اول، ادیان العرب، قاموس فیروز آبادی، ''لفظ کثریٰ''۔

عرب کے دیوتا بھی ان کے معبودوں کی فہرست میں شامل تھے، جن میں سے کتبات میں حسب ذیل بتوں کے نام ملے ہیں[1]:

عشتار یہ وہی دیوی ہے جو بابل میں اشتار تھا، یعنی ستارہ زہرہ۔

ودّ محبت کا دیوتا (عربی لفظ ودّ: محبت)

نکرہ نفرت وعداوت کا دیوتا (عربی لفظ کرہ: ناپسندیدگی)

شمس آفتاب، یہی بابل میں شمش تھا۔

ان میں عشتار بڑا دیوتا تھا، شمالی عرب میں معین کا جو کتبہ ملا ہے، اس میں کتبہ نگار اپنے آقا کی بخیریت جنگ سے واپسی پر عشتار دیوتا کا شکریہ ادا کرتا ہے[2]۔

بنو قحطان یا جنوبی عرب: جنوبی عرب یعنی یمن وحضرموت میں جو عاد وغیرہ قبائل کا اصل مسکن تھا اور بابل کے ملک میں جہاں وہ کسی زمانہ میں حکمراں تھے، بابل تعلقات کے متعدد دلائل جلد اول میں گزر چکے ہیں، ان میں سے ایک دلیل یہ بھی تھی کہ ان دونوں ملکوں کے مذہبی تخیل میں نہایت شدید تشابہ ہے، اس اجمال کی تفصیل کا اب موقع ہاتھ آیا ہے۔

بنو قحطان، جو امم سامیہ اولیٰ کے بعد جنوبی عرب میں برسر اقتدار ہو گئے تھے، واقعات تاریخی اور آثار عتیقہ دونوں کی بنا پر ستارہ پرست تھے، مختلف قبائل میں مختلف ستاروں کی پرستش ہوتی تھی، ان ستاروں کے نام سے ہیکل قائم تھے اور وہاں ان کی خیالی مورتیں بنا کر رکھی گئی تھیں، ہیکلوں کے پاسبان اور عہدہ دار جن کو کاہن کہتے ہیں، متعین تھے، ان ہیکلوں میں لوبان اور خوش بودار لکڑیاں جلائی جاتی تھیں۔

بنو قحطان میں سب سے پہلے ہماری ملاقات قوم سبا سے ہوتی ہے، اس قوم میں زیادہ تر آفتاب کی پوجا ہوتی تھی، قرآن مجید ہدہد کی زبان سے ملکہ سبا کے تذکرہ میں کہتا ہے:

---

[1] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ج ۱، ص ۳۷۹ وانسائیکلوپیڈیا برٹانیکا طبع ۱۱، جلد ۲۳، صفحہ ۹۵۷ [2] اصول الانسانیت (ہیومن اوریجن) مصنف سموال لے اینگ فصل ''عرب''۔

وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (النمل ۲۷:۲۴)

میں نے سبا کی ملکہ اوراس کی قوم کو پایا کہ خدا کو چھوڑ کر آفتاب کو سجدہ کرتے ہیں۔

یہودیوں کی نیمیم میں جہاں سبا کا ذکر ہے، ان کی آفتاب پرستی کا تذکرہ نہیں لیکن ترگوم میں یہ تفصیل موجود ہے، چنانچہ ہدہد کے قصہ میں ہے کہ:

''جب کہ ملکہ آفتاب کی عبادت کو جارہی تھی۔'' (جیوئش انسائیکلوپیڈیا، ج ۱۱، ص ۲۳۶)

یونانی موٗرخ تھیوفرستینس جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ۳۱۲ ربرس پہلے اور اسلام سے تقریباً ۹۰۰ ربرس پیشتر اور سبا کا معاصر تھا، بخورات کے ذکر میں لکھتا ہے:

''یہ ملک سبا سے متعلق ہے، جو بخورات کی بڑی حفاظت کرتے ہیں، ان بخورات کا ڈھیر آفتاب کے ہیکل میں لایا جاتا ہے، جو اس ملک میں نہایت مقدس سمجھا جاتا ہے[۱]۔''

عرب کے علمائے انساب متفقاً بیان کرتے ہیں کہ قوم سبا کے مورث اعلیٰ کا نام عبدشمس تھا، جس کے معنی ''پرستار آفتاب'' کے ہیں، علمائے اسلام نے دوسری یا تیسری صدی میں یمن کے ایک کتبہ میں یہ فقرہ پڑھا تھا:

هذامابنى شمرير عش لسيدة الشمس[۲] شمر یرعش بادشاہ نے یہ سورج دیبی کے لیے بنایا۔

آج کل یمن کے آثار قدیمہ کی جو تحقیقات ہوئی ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آفتاب کے علاوہ اور ستاروں کی بھی یہاں پرستش ہوتی تھی، کتبوں میں جابہ جا ان معبودوں کے نام ہیں اوران کے نام سے برکت اوراعانت کی درخواست کی گئی ہے یا ان کا شکریہ ادا کیا گیا ہے، ڈیوڈ ہنرخ مولر (D.H.Muler) جس نے برٹانیکا طبع یازدہم میں قوم سبا (Sabaians) پر مضمون لکھا ہے، بیان کرتا ہے:

''اجرام سماویہ کی پرستش یمن میں نہایت شائع تھی، اس کی شہادت عربوں کی تحریروں سے بھی ملتی ہے، آفتاب پرستی سبا کی قوم میں اور ہمدانیوں[۳] میں مخصوص طور سے ہوتی

---

[۱] ہیرن کی ہسٹاریکل ریسرچ، ج ۱، ص ۳۵۱ [۲] حمزہ اصفہانی، صفحہ ۱۱۰، کلکتہ [۳] یمن کا ایک قبیلہ۔

ہے، (یونانی مؤرخ) پلینی کے بیان میں سبوتا کا ''ساق'' اگر درحقیقت سورج دیوی شمس تھا تو اس کی تشریح سبائی اثر و اقتدار سے کی جاسکتی ہے (یعنی سبا والوں کے اثر سے وہاں آفتاب پرستی پھیلی) قوم سبا کی شمس دیوی تھی[1]، حالاں کہ اہل معین کا خاص دیوتا عشتار مذکر تھا، جس کی مختلف ناموں سے پوجا کی جاتی تھی، سب سے عام نام عشتار شرقی اور عشتار ذوکبد ہے، ود اور نکرہ محبت اور نفرت کے دیوتا بھی ممکن ہے کہ اسی عشتار کی دوسری شکلیں ہوں۔''

''اہل سبا بھی عشتار کو مانتے تھے لیکن اس کے ساتھ ایک اور دیوتا المقہ بھی ان کے یہاں ہے، المقہ ہمدانی کے بیان کے مطابق ستارہ زہرہ کا نام ہے، اس بنا پر المقہ اور عشتار کو باہم ایک سمجھا جاتا ہے، چاند دیوتا (جو بابل میں) سن تھا، شبوہ (واقع حضرموت) کے ایک کتبہ میں نظر آتا ہے لیکن ہمدانی[2] کا بیان ہے کہ ''ہوبس'' (ستارہ) قوم سبا کا چاند دیوتا تھا، شبوہ کے کتبہ میں عشتار سن (چاند) کا باپ بتایا گیا ہے، یہ قابل توجہ ہے کہ یہ دونوں دیوتا بابل کے افسانہ میں بھی باہم قریبی رشتہ دار ظاہر کیے گئے ہیں، یہ افسانہ ''اشتار'' کی اولاد بادس کا ہے جس میں اشتار (زہرہ) کو سن یعنی چاند کی بیٹی کہا گیا ہے، ایک اور کتبہ میں عشتار کی ماں آفتاب کو کہا گیا ہے۔

کتبہ کے تین بتوں کے نام قرآن میں بھی ہیں، یعنی ودّ، یغوث اور نسر، تغلب ایک دیوتا کا نام ہونا درخت پرستی کو ان میں ظاہر کرتا ہے، چھوٹے چھوٹے دیوتاؤں کے نام چھوڑ دینا چاہیے لیکن اہل سبا کے حرم ریام کا ذکر ضروری ہے، جہاں چاند اور سورج کی مورتیں رہتی تھیں، ''قدیم سامی[3]'' رواج کے مطابق مختلف موسموں میں مختلف دیوتاؤں کے جاترا کو لوگ جاتے تھے، سبا والوں کی جاترے کے مہینہ کا نام ذوحجتان تھا جو شمالی عرب میں ذوالحجہ ہے، اس وقت بھی اس قسم کے ہیکلوں کے خاکے اور آثار باقی ہیں، قابل لحاظ یہ امر ہے کہ مارب صرواح اور قصر بنت الحجر کے ہیکل بیضاوی شکل کے ہیں اور ان کے دروازے اتر دکھن رخ کے ہیں۔

---

[1] عربی زبان میں شمس کا لفظ مؤنث ہے۔ [2] اس عرب مصنف کا حال ارض القرآن جلد ا، صفحہ ۱۲ میں پڑھو۔ [3] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حج کی شکل بگاڑی گئی تھی۔

دیوتاؤں کے آگے قربانیاں اور بخورات چڑھائے جاتے تھے، قربان گاہ کا نام مذبح اور قربانی کا نام ذبح مشترک سامی لفظ ہیں، چنانچہ عبری میں بھی ہیں[1]، ایک قسم کا مسالہ جو ملک کی پیداوار تھی، ان قربان گاہوں پر ان کے نام لیے جاتے تھے، دیوتاؤں کو تجارت اور زراعت کی آمدنی کا دسواں حصہ نذر کیا جاتا تھا، خواہ وہ چیز دے دی جاتی تھی یا اس قیمت کی چاندی کے ڈلے یا سونے کی مورتیں، یہ آمدنیاں بخوشی تمام ہیکلوں کی تعمیر اور مرمت پر صرف ہوتی تھیں، ہیکل اور شہر کی فصیلیں اکثر ساتھ ہوتیں، طلائی مورتیں منت مانے ہوئے نذرانے ہوتے تھے، اس طریقہ سے کہ میاں بیوی مل کر اپنی چار اولادوں کی سلامتی کے لیے چار طلائی مورتیں چڑھا دیتے تھے، کوئی شخص ذوسما (آسمان کے آقا) کے نام مورتیں بنا کر چڑھاتا تھا کہ وہ خود اور اس کے اونٹ تندرست اور جوڑوں کی بیماریوں سے محفوظ رہیں۔"

ملک عرب کے آثار و کتبات میں جنوبی عرب کے مختلف قبائل کے دیوتاؤں کے حسب ذیل نام ملتے ہیں:

اہل معین، عشتار (زہرہ)، وڈ (محبت) نکروہ (عداوت)، شمس (سورج)

حضرموت، اشتار، سین (چاند) حول (قوت) شمس

اہل قتاب، عشتار (زہرہ)، عم (چاند)، انبای (عطارد)، شمس

سبا، عشتار (زہرہ)، ہوبس (چاند)، المقہ، شمس

مشترک اور عام دیوتا ان میں دو نظر آتے ہیں، عشتار یعنی زہرہ اور شمس سورج، ان کے علاوہ اور جو دیوتاؤں کے نام ہیں وہ درحقیقت مختلف ستاروں سے عبارت ہیں اور ان میں سے اکثر کسی نہ کسی طرح بابلی الاصل ہیں، عشتار وہی ہے جو بابل میں اشتار تھا، شمس بابلی فہرست میں شمس نظر آتا ہے، سین یعنی چاند بابل کا سن ہے، نکروہ (نفرت کا دیوتا اور جس سے مراد زحل یا

---

[1] اس سے یہ نتیجہ نکالنا چاہیے کہ یہ قربانی کی رسم طریقہ ابراہیمی ہے جو اس زمانے میں غیر خدا کے لیے مستعمل ہوگئی۔

معلوم ہوا تو بیٹی سے اپنے بت واپس لینے کے لیے پیچھے کہار لے کر دوڑے (تکوین:۳۵-۲)، حضرت ابراہیم علیہ السلام جب شام گئے ہیں تو یروشلم کا مذہبی کاہن ان کے استقبال کو نکلا ہے، اس کاہن کا نام ابی مالک تھا (تکوین)۔

اس زمانہ کے سامیوں کا یہ اعتقاد تھا کہ تمام دنیا ارواح سے بھری ہوئی ہے، جن میں زیادہ تر ارواح خبیثہ اور کچھ ارواح طیبہ ہیں، ان کے مذہب کا خلاصہ یہ تھا کہ ارواح خبیثہ کو نذر و نیاز، قربانی اور چڑھاوے سے خوش رکھنا اور ارواح طیبہ کی مدح و ثنا گا کر ان کے مقابلہ کے لیے تیار کرنا، ان میں سے ہر روح کا مسکن ایک ستارہ ہے، بابل کے کھنڈروں میں جو تختیاں اور ہیکلوں کے جو کتبات پڑھے گئے ہیں، ان میں بیسیوں معبودوں کے نام ملے ہیں، ذیل میں شہروں کے نام کے ساتھ ان کے کچھ دیوتاؤں کے نام لکھے جاتے ہیں، ان کا ماخذ لیر (Layard) کی کتابیں ہیں[۱]:

شہر کا نام	معبود کا نام	معنی
اریدو	ای (یا ایا)	پانی کا دیوتا
ادر	سِن	چاند
لارسہ	شمش	آفتاب
ادردخ (عراق؟)	آنو	تاریکی اور آسمان کا اور ستاروں کا دیوتا
	اشتار	ستارہ زہرہ (محبت اور حسن کی دیوی)
لاغش	ننگرسو	
نپور	انلیل	زمین کا دیوتا

[۱] اس مصنف کی دو کتابیں ہیں، نینوئی اینڈ اٹس ریمینٹس (نینوئی اور اس کے آثار باقیہ) مطبوعہ ۱۸۴۹ء دوسری ڈسکوریز ان دی ریمینٹس آف نینوئی اینڈ بیبیلو نیا (نینوئی اور بابل کے کھنڈروں کے اکتشافات) مطبوعہ ۱۸۵۳ء۔

شہر کا نام	معبود کا نام	معنی
ایسن	بیلت ایسن	قوت کی دیوی
کشن	زمامہ	
کوتو (کوتی)	زغل (یا نرگال)	ستارہ مریخ (لڑائی اور قہر کا دیوتا)
بابیلو (بابل)	مردوک	ستارہ مشتری (روشنی کا دیوتا)
ہارسپ	بنو	ستارہ عطارد (علم کا دیوتا)
سپور	شمش	آفتاب
اکاد	انیتو	چاند (خوش حالی کا دیوتا)
اکاد	اشتار	زہرہ
اشور	اشور	لڑائی کا دیوتا
نینویٰ	اشتار	ستارہ زہرہ
اربابل (اربل)	اشتار	ستارہ زہرہ (محبت اور حسن کی دیوی)
حران	سن	چاند

مشترک خداؤں میں سے بیل جو دوسری سامی زبانوں میں بعل ہے، اس کے معنی قوت اور تسلط کے ہیں، بعل کے دوسرے معنی قوی سلطان اور مالک کے ہیں، عربی میں اسی سے ''بعل'' کے معنی شوہر کے ہیں، یہ بابل کا حال ہے، مصر میں بھی سامیہ اولیٰ کے زمانہ میں اسی قسم کی ستارہ پرستی جاری تھی، سب سے بڑا دیوتا ''آفتاب'' تھا، جس کو وہ اپنی زبان میں ''رع'' کہتے تھے، ان کے دارالحکومت کا نام مدینۃ الشمس تھا، جس کو مصری ''ان'' کہتے تھے، یہیں آفتاب دیوتا کا مندر تھا، بادشاہ آفتاب دیوتا کا بیٹا سمجھا جاتا تھا، اس لیے اس کا لقب رعمسیس ہوتا تھا، یعنی ''ابن شمس'' یہی سبب ہے کہ سلاطین مصر کو دعوائے خدائی تھا، قوم نوح، عاد، ثمود، قوم لوط، ابراہیم، مدین اور فرعون مصر کی تباہی کا حال بیان کر کے قرآن کہتا ہے:

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ مِنْهَآ قَآئِمٌ وَّحَصِيْدٌ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَمَآ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِيْ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ (ہود ۱۱:۱۰۰-۱۰۱)

یہ ان آبادیوں کے حالات ہیں جو تم سے بیان کرتے ہیں، ان میں کچھ تو اب تک باقی ہیں، کچھ برباد ہوگئے، ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا، اپنے پر آپ انہوں نے ظلم کیا، ان کے دیوتاؤں نے ان کو کچھ فائدہ نہ پہنچایا۔

توراۃ سے ثابت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام مصر تشریف لے گئے تھے[۱] اور اس وقت وہاں قوم عاد کی حکومت تھی[۲]، قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ایک بادشاہ سے مناظرہ کا حال مذکور ہے جو خدائی کا مدعی تھا۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِيْ رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّيَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ قَالَ اَنَا اُحْيٖ وَاُمِيْتُ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِيْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِيْ كَفَرَ (البقرہ ۲:۲۵۸)

تم نے اس کی طرف نہیں دیکھا، جس نے ابراہیم سے اس کے خدا کے بارے میں حجت کی، اس لیے کہ خدا نے اس کو بادشاہی دی تھی، جب ابراہیم نے اس سے کہا کہ میرا خدا وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے، اس نے کہا میں بھی زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں، ابراہیم نے کہا، میرا خدا آفتاب مشرق سے نکالتا ہے، تم مغرب سے نکالو، اس دلیل کو سن کر وہ کافر کچھ جواب نہ دے سکا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اس دلیل میں بادشاہ کی بے چارگی و عاجزی کے ثابت کرنے کے علاوہ آفتاب دیوتا کی بندگی اور غلامی بھی ثابت کی ہے کہ اس کو کوئی اور ادھر سے ادھر چلانے والا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے بھی شاہ مصر نے خدائی کا دعویٰ کیا تھا:

---

۱ تکوین: ۱۳ ۲ ارض القرآن، جلد اول، صفحہ ۱۵۰۔

اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى (النازعات ۷۹:۲۴)	میں تمہارا بڑا دیوتا ہوں۔
لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِىْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ (الشعراء ۲۶:۲۹)	اگر میرے سوا کسی اور کو تم نے خدا بنایا تو تم کو قیدیوں میں کر دوں گا۔
يٰۤاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِىْ (القصص ۲۸:۳۸)	اے درباریو! اپنے سوا تمہارا کوئی اور خدا میں نہیں جانتا۔

گو یہ زمانہ سامیوں کا نہ تھا، مگر معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مذہب جو مصری مذہب تھا، اس وقت بھی باقی تھا، رع یعنی آفتاب کے علاوہ مصر میں اور بہت سے دیوتا اور دیویاں تھیں، ہر شہر کا ایک خاص الگ دیوتا تھا، پھر شہر کے ہر گھر کا اور گھر کے ہر آدمی کا الگ الگ دیوتا تھا، کل ملک میں ۱۹/دیوتا اور ۱۱/دیویاں بڑی تھیں[1]، ان کے نام طوالت کے خوف سے ہم قلم انداز کرتے ہیں۔

امم سامیہ اولیٰ میں ہماری تحقیق کے مطابق تین پیغمبر مبعوث ہوئے، حضرت ابراہیم علیہ السلام ان قبائل سامیہ میں مبعوث ہوئے جو بابل، شام اور مصر میں آباد تھے اور سفر تکوین کی رو سے آپ کی ان تین ملکوں میں آمد و رفت اور سفر و اقامت ثابت ہے حضرت ہود علیہ السلام ان قبائل میں پیدا ہوئے جو جنوبی عرب میں سکونت پذیر تھے اور حضرت صالح علیہ السلام شمالی عرب کے سامیوں کے پیغمبر تھے، الغرض ان دھندھلے بیانات سے کسی قدر یہ روشن ہوتا ہے کہ امم سامیہ اولیٰ یعنی عاد و ثمود وغیرہ کا مذہبی تخیل کیا تھا اور خدا کے یہ تین فرستادہ پیغمبران کو کن باطل پرستیوں سے روکتے تھے۔

اہل معین: جنوبی عرب کی ایک قدیم سامی قوم اہل معین کے حالات پہلی جلد میں گزر چکے ہیں، یہ قوم بھی ستارہ پرست تھی، بابل کے دیوتا یہاں بھی پجتے تھے، ان کے علاوہ کچھ خاص

---

[1] مصر کے قدیم مذاہب کی تفصیل عربی کی مستند کتاب سواء السبیل فی مکان وادی النیل مصنفہ پروفیسر ولسن، جلد ۳، مطبوعہ ۱۸۸۸ء سے ماخوذ ہے۔

مریخ ہے) بابل میں مکروہے، انبائی بابل کا نبو ہے، یعنی ستارہ عطارد (علم اطلاع کا ستارہ[1]) قتاب کی زبان میں عم اور سبا کے محاورہ میں ہوبس چاند کو کہتے ہیں، جس کو حضرموت میں سین اور بابل میں سن کہا جاتا ہے اور ہاؤس بھی کہتے ہیں، المقہ کے لفظی معنی "اس کے لکھے ہوئے نشانات" کے ہیں جن سے مراد "ستارے" ہیں، آفتاب کا نام سبا کے یہاں "ذات نشق" بھی ہے، جس کے معنی "نشق کے ہیکل کی مالکہ" ہیں[2]، آفتاب کو یہ لوگ دیبی سمجھتے تھے، یعنی عورت، اسی لیے عربی میں "شمس" بطور مؤنث کے استعمال ہوتا ہے اور چاند دیوتا یعنی "قمر" عربی میں مذکر ہے۔

الیف ہومل (F. Homul) جو ایک مشہور مستشرق ہے، انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے مضمون "عرب" میں لکھتا ہے:

"ان کے علاوہ ایک بڑی ماتا دیوی تھی، جو چاند دیوتا کی ماں یا جوڑی تھی، خیال کیا جاتا ہے کہ یہ منزل قمری کی مفروضہ شخصی صورت تھی، معین والے اس کو "اشیرات" (اشرا، اشرتو) کہتے تھے اور سبا والوں میں اس کا نام حریخو تھا اور زیادہ اغلبیت کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ اسی کا نام عام طور سے "ایلات" تھا، مثلاً جس کی مخفف شکل "لات" بہت سے عربی ناموں کا جز تھی، ہم مختلف عشتار (زہرہ) دیوتاؤں کے نام بیان کر سکتے ہیں جن کو بعد میں یہ سمجھا گیا ہے کہ یہ زہرہ کے نام بحیثیت صبح اور شام کے تارے کے ہیں، مغربی سبا والوں میں "تغلب" کمان کا ایک خدا تھا، جس کو ذوسماوی (آقائے آسمان) کا لقب بھی حاصل تھا، سبا کے ذوسماوی کا مقابلہ کنعان اور ارم کے "بعل شمائیم" (آسمان کا آقا) سے کرنا چاہیے، اس کے نام پر خاص طور پر اونٹ جس کو عربی میں "ابل" کہتے ہیں، مقدس سمجھے جاتے تھے، اسی وجہ سے مدین میں بلکہ جنوبی عرب میں بھی ہبل یا ہبل وغیرہ ہے۔"

ہومل چاند کو اصل دیوتا مان کر چھوٹے چھوٹے دیوتاؤں کے جو بالمقابل نام ملے

---

[1] "نبا" عربی میں جز کو کہتے ہیں، اسی سے سامی زبانوں میں "نبی" ہے، خبر دینے والا۔ [2] یہ تمام تفصیل انسائیکلوپیڈیا آف اسلام سے ماخوذ ہے، ج ۱، ص ۳۰۹۔

ہیں ان کو چاند کے گھٹنے اور بڑھنے کی دو متضاد شکلوں سے عبارت سمجھتا ہے، گویا وہ توام دیوتا ہیں، مختلف مقامات میں مقامی خصوصیات کی بنا پر کہیں بڑھنے والی اور کہیں گھٹنے والی شکل کی پرستش کی جاتی تھی، از روئے قیاس ان کی مختلف صورتیں قائم کی جاسکتی ہیں، مثلاً:

بڑھنے والے چاند کا نام	گھٹنے والے چاند کا نام	کیفیت
۱- ود (پیار یعنی باپ)	عم (چچا)	
۲- ودّ (محبت کا دیوتا)	نکرہ (نفرت اور برائی)	نکرہ اصل میں زحل یا مریخ کو کہتے ہیں۔
۳- عزیز لات (لات کا دوست)	رضوت لات (لات کا دشمن)	''رضوت لات'' ہیروڈٹس مورخ یونان کے حوالے سے ہے۔
۴- عبری بابل (اونٹ اور بھیڑ بکری) کا گلہ، اس کا مقابلہ عربی ہبل سے کرو۔	عبری قین (پیشہ ور) کا سبا کے دیوتا قینان سے کرو۔	گویا بدوی اور متمدن زندگی کا مقابلہ
۵- دنخ	حرمتو (روکنے اور محروم رکھنے والا)	یہ نام یمن کے قتابیوں کے کتبے میں ہیں۔

میرے خیال میں ان میں سے اکثر قیاسات علمی فرض و وہم سے آگے نہیں بڑھتے، ہومل اس کے بعد ایک اور مسئلہ کی طرف توجہ دلاتا ہے، جو ہمارے اس دعویٰ کی قطعی شہادت ہے کہ یمن اور بابل میں نہایت قدیم زمانہ سے تعلقات تھے جیسا کہ پہلی جلد میں عاد کی حکومت بابل کے ذکر میں دکھایا گیا ہے، ہومل لکھتا ہے:

''ہمارے لیے یہ قابل توجہ ہے کہ تمام مغربی[1] سامی ناموں کا نظام وترکیب جو قریباً دو ہزار برس قبل مسیح کے ہیں اور جو میخی[2] خط کے کتبات میں ہم تک شخصی ناموں کی حیثیت سے پہنچے ہیں وہ پہلی بار جنوبی عرب ہی کے دیوتاؤں کے ناموں کی صحیح ترجمانی سے سمجھ میں آئے ہیں

---

[1] یعنی بابل کے جو سامی ممالک کی جانب مغرب ہے۔ [2] بابل محیط۔

مثلاً وہاں کے شخصی ناموں کا جز ابی (میرا باپ) عمی (میرا چچا) ہوتا ہے، جو بڑھنے اور گھٹنے والے چاند سے عبارت ہے، گویا اس شخص کا جس کا یہ نام ہوتا تھا محافظ دیوتا سمجھا جاتا تھا۔" (ص ۳۸۰)

بنو قحطان کے آخری مقتدر قبائل جن کا زمانہ اسلام سے قریب ہے حمیر اور ہمدان ہیں، ان کے مختلف قبائل میں مؤرخین عرب کی تشریح کے مطابق حسب ذیل بتوں یا دیوتاؤں کی پرستش ہوتی تھی:

حمیر	شمس (آفتاب)
اہل جرش (واقع یمن)	یغوث (فریاد کو پہنچتا ہے۔)
خیوان (قبیلہ ہمدان)	یعوق (دفع کرتا ہے یا روکتا ہے۔)
ذوالکلاع (حمیر)	نسر (گدھ، ایک ستارے کا نام ہے۔)
خولان (یمن کا قبیلہ)	عمیانس یا ام انس (انسان کا چچا[1] یا محافظ[2])
عبدالمدان (یمن کا قبیلہ)	مدان
اہل صنعا (واقع یمن)	کعیت اور اس کی بیوی (یہ دونوں بت صنعا کے کلیسا میں تھے۔)
حضرموت وکندہ	جلسد۔
اہل نجیر (واقع حضرموت)	ذرّیح[3]
اہل نجران	ایک درخت کو پوجتے تھے[4]، اس کو سالانہ تہوار میں کپڑے اور زیور پہناتے تھے۔

---

۱ اوپر بابلی محیط ہومل کی رائے پڑھو، یاقوت نے عمانس لکھا ہے اور ابن ہشام نے عم انس۔ ۲ یہ فہرست سیرت ابن ہشام کی فصل اصنام العرب سے ماخوذ ہے، صحیح بخاری تفسیر سورہ نوح میں اس قسم کی روایت ہے۔

۳ ان پانچ بتوں کا ذکر معجم یاقوت میں ان ناموں کے تحت میں ہے، کعیت کا ذکر "قلیس" میں ہے۔

۴ طبقات الامم، صفحہ ۹۲۲، یورپ، طبقات الامم ابن صاعد اندلسی، صفحہ ۴۳، بیروت، طبری، صفحہ ۶۲۲، یورپ۔

ان دیوتاؤں کے لیے چھوٹے چھوٹے ہیکل یوں تو ہر جگہ ہوں گے لیکن ان میں چند نہایت مشہور اور ممتاز ہیکل تھے، مثلاً غمدان، ریام، ذوالخلصہ، قلیس۔

غمدان صنعا میں ایک مشہور عمارت تھی، شہرستانی کا بیان ہے کہ وہ ستارہ زہرا کا ہیکل تھا، یہ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ عثار کے نام سے یمن میں زہرہ کی پرستش عام طور سے ہوتی تھی، یاقوت نے معجم میں لکھا ہے کہ ''اس عمارت کا بانی الیشرح بن یحصب تھا، اس میں تو برتو سات منزلیں تھیں اور ایک منزل میں ایک شیر کا مجسمہ تھا، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس عمارت کو منہدم کرا دیا۔

غمدان کی سات منزلیں ممکن ہے کہ سات آسمانوں کا تخیل ہو، یا ہفتہ کے سات دن کی مناسبت سے ہوں، شیر کا مجسمہ ہونا تو اس بات کو واضح کرتا ہے کہ شاید اسد کی صورت کواکب سے اس کو تعلق ہو، مارگولیوتھ نے لائف آف محمد میں ایک کتبہ شائع کیا ہے، جس میں کتبہ کے پہلو میں ایک شیر کی شکل ہے۔

ریام کا ہیکل بھی یمن میں واقع تھا، اس سے پہلے مولر کی شہادت گزر چکی ہے کہ ''ریام کے ہیکل میں چاند اور سورج کی مورتیں تھیں'' ہمدانی نے اس کو عرب کی قدیم مذہبی عمارتوں میں شمار کیا ہے اور لکھا ہے کہ قبیلہ ہمدان کی آبادی میں واقع تھا[1]، ابن اسحٰق کا بیان ہے کہ اہل یمن اس ہیکل کی بڑی عزت کرتے تھے، اس پر قربانیاں چڑھاتے تھے، دوسری صدی ہجری تک اس عمارت پر قربانی کے خون کے نشانات موجود تھے[2]، یہ نہیں معلوم کہ یہ کس بت کا مسکن تھا لیکن اکثر ائمہ لغت نے اسے ''رام'' سے مشتق کیا ہے، جس کے معنی ''شفقت اور مہربانی'' کے ہیں، اس لیے یہ ممکن ہے کہ وہ وڈ کا مرادف ہو۔

ذوالخلصہ، یہ ہیکل مکہ سے سات منزل یمن کی جانب واقع تھا، اس کی وقعت اہل عرب میں اتنی تھی کہ اس کو یمن کا کعبہ کہتے تھے، اس میں سپید مرمر کا ایک بت ایستادہ تھا، اس

[1] صفۃ جزیرۃ العرب، صفحہ ۱۲۷ [2] یاقوت لفظ ''ریام''۔

کے سر پر پھول بوٹے کاٹ کر ایک تاج بنا تھا، اس کے گلے میں ہار ڈالے جاتے تھے، شتر مرغ کے انڈے لٹکائے جاتے تھے، چڑھاوے چڑھائے جاتے تھے، دوس، خثعم، بجیلہ اور ازدالسراۃ کے قبائل اس کے پجاری تھے[۱]، فتح مکہ کے بعد سنہ میں حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اس کو جلا کر خاک کر دیا[۲]، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب یہ قبائل مرتد ہوئے تو انہوں نے ذوالخلصہ کو پھر زندہ کرنا چاہا لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت نے اس کو ہمیشہ کے لیے فنا کر دیا[۳]۔

قلیس کلیسا کا معرب ہے، یہ کلیسا اہل حبش نے جو عیسائی تھے، صنعا میں بنوایا تھا، کہتے ہیں اس میں دو بت نصب تھے، جو میاں بیوی کہلاتے تھے، مرد کا نام کعیت تھا، یہ ساٹھ ہاتھ لمبا لکڑی کا ایک بت تھا، دوسری صدی ہجری میں خلیفہ سفاح کے زمانہ میں یہ ہیکل برباد ہوا[۴]۔

ان بت خانوں کی آبادی اور مصارف کے لیے لوگ اپنی پیداوار اور کمائی کا مخصوص حصہ نذر کیا کرتے تھے، ہمارے مفسرین اور ارباب سیر لکھتے ہیں کہ حضرموت والے اس اصول کے بہ شدت پابند تھے[۵]، چنانچہ قرآن مجید کی یہ آیت ان ہی کے متعلق ہے:

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا (الانعام ۶:۱۳۶)	خدا نے جو کھیتی اور جانور پیدا کیے ہیں یہ کافر خدا کا ایک حصہ خدا کے لیے کرتے ہیں اور اپنے خیال کے مطابق کہتے ہیں کہ یہ تو خدا کا ہے اور یہ ہمارے دیوتاؤں کا ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ حضرموت میں یہ رسم بہت قدیم زمانہ سے جاری تھی، پلینی جو ۷۹ء عیسوی میں تھا، بیان کرتا ہے:

"سبا کے ایک حصہ کا نام حضرموت ہے، جس کا خاص شہر سبا تھا ہے، اس شہر میں

---

۱ یاقوت لفظ "خلصہ" ۲ صحیح بخاری، سریہ ذی الخلصہ ۳ طبری ۴ یاقوت لفظ "قلیس"
۵ سیرت اسحٰق، ذکر عرب قبل اسلام۔

ساٹھ ہیکل ہیں، یہاں سے بخورات جمع کر کے ساتھ لائے جاتے ہیں اور اس وقت تک یہ خرید نہیں کیے جاسکتے اور نہ کوئی غیر ملکی ان کو لے جاسکتا ہے جب تک کاہن سباتھا کے دیوتاؤں کے لیے دسواں حصہ نکال نہیں لیتا[1]۔''

یہ جا بجا بیان کیا جاچکا ہے کہ فارس اور روم کی باہمی معرکہ آرائیوں میں عرب ایک متوسط حیثیت رکھتا تھا، شمالی عرب کے سرحدی عرب عیسائیت قبول کر کے رومیوں کے بے حد کام آئے تھے، چنانچہ رومیوں نے خود بھی اور ان کے اشارہ سے عیسائی حبشیوں نے بھی عرب میں تبلیغ مسیحیت کا بیڑا اٹھایا، چنانچہ ان کو نجران میں کام یابی ہوئی، اندرون ملک میں یہود آباد تھے، خدا جانے کیا اسباب پیش آئے کہ یمن کے اکثر قبائل اور سلاطین نے یہودی مذہب اختیار کر لیا، صرف عبد کلال حمیر میں عیسائی بادشاہ تھا، کتبات میں بھی بجائے دیوتاؤں کے ناموں کے ''رحمٰن'' کا نام اب ملتا ہے، جو قبل اسلام عرب یہودیوں اور عیسائیوں کے لیے مخصوص تھا، اہل حبشہ نے جو عیسائی تھے، ۵۲۵ء عیسوی میں یمن فتح کیا اور صنعا میں ایک کلیسا تعمیر کیا جس کو عرب ''قلیس'' کہتے ہیں، تاہم وہاں عیسائیت نے قبولیت عام حاصل نہیں کی، ۵۵۷ء عیسوی میں اہل فارس نے حبشیوں کو یمن سے نکال دیا اور ایک ایرانی حکومت وہاں قائم کر لی، اہل یمن کی مذہبی سطح اس سیاسی جنبش سے بھی متاثر نہ ہوئی اور اب وہ زمانہ آیا جب کہ خورشید اسلام نے یمن میں طلوع کیا[2]۔

بنو ابراہیم یا شمالی عرب: جس طرح جنوبی عرب اور بابل و عراق کے مذہبی خیالات میں اتحاد نظر آتا ہے اسی طرح شمالی عرب (حجاز، مدین، نجد) اور شام و فلسطین میں ایک متحد مذہبی تخیل قائم تھا اور چوں کہ نسلاً بھی ان میں اتحاد تھا، اس لیے مذہبی تخیل کا ان میں اتحاد کچھ عجیب نہیں، سلسلہ ابراہیمی کی عرب میں متعدد شاخیں آباد تھیں، جن کے حالات اسی جلد میں تم اوپر تفصیل کے ساتھ پڑھ آئے ہو، یہ ذہن نشین رہے کہ یہ اس ابراہیم بت شکن کی اولاد تھی جس

---

[1] ارض القرآن، جلد اول، صفحہ ۲۳۴ [2] یہ واقعات بہ تفصیل ارض القرآن جلد اول میں گزر چکے ہیں۔

نے بابل کی ستارہ پرستی کا طلسم توڑ ڈالا تھا اور آخر اس کفرستان سے ہجرت کر کے شام اور عرب کی سرزمین کو اپنے لیے منتخب کیا، ان کی اولاد یہیں پھیلی اور بڑھی اور بڑی بڑی قوم بن گئی، اس بنا پر یہودیوں، عیسائیوں اور مسلمانوں تینوں کے نزدیک یہ مسلم ہونا چاہیے کہ بنو ابراہیم ابتداءً موحد اور اپنے باپ کے دین پر تھے، اسی لیے قرآن مجید نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی زبانی کہا ہے:

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَ اِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ (البقرہ۲:۱۳۳)	کیا تم موجود تھے جب یعقوب کو موت آئی اور جب انہوں نے اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ میرے بعد تم کس کو پوجو گے؟ انہوں نے جواب میں کہا کہ ہم آپ کے آباء و اجداد ابراہیم اور اسماعیل اور اسحٰق کے خدا کو پوجیں گے، ایک خدا کو اور ہم اسی کے فرماں بردار ہوں گے۔

لیکن رفتہ رفتہ یہ اثر کم ہوتا گیا، چنانچہ بنو اسرائیل مصر جا کر اپنا آبائی مذہب بھول گئے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مبعوث ہو کر ان کو پھر ان کا بھولا ہوا خواب یاد دلایا لیکن ان کی مذہبی حالت اس درجہ مسخ ہو گئی تھی کہ بار بار کی تنبیہ پر بھی جب ذرا غفلت پاتے بتوں اور دیوتاؤں کے آگے سر جھکا دیتے، چنانچہ تورات اور نبیم اور تاریخ یہود ان بیانات سے لب ریز ہیں، نسل ابراہیمی کے جو خانوادے عرب سے آکر بسے تھے، ان کا بھی یہی حال ہوا۔

تورات، نبیم اور یہود کی دوسری مقدس کتابوں میں اسرائیل کی گنہ گار اولادوں کی اور ان کی ہمسایہ قوموں[1] کی جس باطل پرستی کا ذکر بار بار آیا ہے، اس سے ان قوموں کے ان مذہبی عقائد اور خیالات کا پتہ چلتا ہے، جو مرور زمانہ سے ان نبی زادوں میں پیدا ہو گئے تھے، تمام مجموعہ تورات کے پڑھنے سے یہ نظر آتا ہے کہ یہ قومیں تمام تر ستارہ پرست تھیں[2]، بڑے

---

[1] تثنیہ:۱۳-۲ [2] تثنیہ:۴-۱۹، ملوک دوم:۲۱-۳، ملوک دوم:۵-۲۳، تاریخ دوم:۳۳-۳۔

بڑے اونچے اونچے ستون[1] یا ہیکل[2] بنائے جاتے تھے یا پہاڑوں[3] پر بت خانے اور مذبح تیار ہوتے تھے اور ان میں قربانیاں جلائی جاتی تھیں[4]، سونے، چاندی[5]، پتھر اور لکڑی[6] کی مورتیں بنا کر ان کو پوجتے تھے، اپنی، بچوں کی اور مویشی کی صحت وسلامتی کی قربانیاں چڑھائی جاتی تھیں[7]، اولاد کو بعل دیوتا کے نام پر ذبح کرتے تھے[8]، مولک ایک دیوتا کا نام تھا، اس پر کھیتی کو اور اولاد کو ذبح کر کے چڑھاتے تھے[9]۔

بتوں پر سونا اور چاندی نذر چڑھائی جاتی تھی[10]، تورات میں جن دیوتاؤں کے نام آئے ہیں ان میں سب سے زیادہ بعل[11] دیوتا کا تذکرہ ہے، جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان سامی قبائل میں اس کو سب سے زیادہ مقبولیت حاصل تھی، اس کے بعد یسروت[12]، مولک[13]، شمس اور قمر اور منازل کواکب[14] کے درجے تھے، آفتاب کے متعلق خیال تھا کہ یہ دیوتا ایک گاڑی پر سوار ہے اور روحانی گھوڑے اس کو شب وروز کھینچتے رہتے ہیں، اس بنا پر آفتاب کے نام سے جو ہیکل بنتا تھا، اس میں گاڑی اور گھوڑے بھی بنا کر کھڑے کیے جاتے تھے[15]، چنانچہ اس قسم کی ایک سنگی مورت بابل میں آج کل کھود کر نکالی گئی ہے، ہیکلوں کی چھتوں پر لوبان سلگائی جاتی تھی تاکہ دیوتاؤں کی رضامندی کی خوشبو تمام آبادی میں پھیل جائے[16]۔

اب ہم سلسلہ ابراہیمی کے ایک خاندان کو جس کا ملک عرب میں آباد ہونا پہلے ثابت ہو چکا ہے، بیان کرتے ہیں۔

---

[1] تاریخ دوم: ۱۴-۳، ۱۴-۲۱، ۲۳-۴، ملوک دوم: ۱۴-۳ [2] یرمیاہ: ۱۹-۵، ۳۲-۳۵ [3] ملوک دوم: ۲۱-۳ [4] بحوالہائے سابق [5] تورات کے محولہ صفحات میں دیکھو۔ [6] تثنیہ: ۲۸-۳۶ [7] خروج: ۲۰-۲۴ [8] تثنیہ: ۱۲-۳۱، ملوک: ۲۱-۳، یرمیاہ: ۱۹-۵ [9] تثنیہ: ۱۲-۲۱، یرمیاہ: ۳۲-۳۵ [10] تثنیہ: ۷-۲۵، قضاۃ: ۹-۴ [11] عدد: ۲۲-۴۱، ۲۵-۲، ملوک دوم: ۲۱-۳، ۲۳-۶، تاریخ دوم: ۲۳-۳، قضاۃ: ۲-۱۳ [12] ملوک دوم: ۲۰-۷، ۲۳-۶ [13] ملوک احبا: ۱۸-۲۱-۱۹-۱ [14] ملوک دوم: ۲۳-۶، تاریخ دوم: ۱۴-۵ [15] ملوک دوم: ۲۳-۱۱ [16] ملوک دوم: ۲۳-۵-۱۸۔

مدین: سلسلہ ابراہیمی میں سب سے پہلے ہم نے مدین کو لیا ہے، قرآن مجید میں اس کے متعلق صرف اسی قدر ہے کہ وہ خدا کو چھوڑ کر اور معبودوں کی پرستش کرتے تھے، حضرت شعیب علیہ السلام ان سے کہتے ہیں:

يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ (العنکبوت ۲۹:۳۶)	میرے بھائیو! خدا کو پوجو۔
يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ (الاعراف ۷:۵۹)	میرے بھائیو! اللہ کو پوجو، اس کے سوا تمہارا اور کوئی معبود نہیں۔
يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ (ہود ۱۱:۵۰)	میرے بھائیو! اللہ کو پوجو، اس کے سوا تمہارا اور کوئی معبود نہیں۔

مدین جواب دیتے ہیں:

قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ (ہود ۱۱:۸۷)	اے شعیب! کیا یہ تمہاری نماز تم کو یہ کہتی ہے کہ ہم اس کو چھوڑ دیں جس کو ہمارے اسلاف پوجتے آئے ہیں۔

تورات بتاتی ہے کہ مدین بعل دیوتا کو پوجتے تھے[1]، اس دیوتا کا ذکر حضرت الیاس علیہ السلام کے تعلق سے قرآن میں بھی آیا ہے:

اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّتَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخَالِقِيْنَ اللّٰهَ رَبَّكُمْ وَرَبَّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ (الصافات ۳۷:۱۲۵-۱۲۶)	کیا بعل کو پکارتے ہو اور اس سے بہتر پیدا کرنے والے کو چھوڑتے ہو اللہ تمہارا اور تمہارے گذشتہ باپ داداؤں کا "رب" ہے۔

ہمارے مفسرین نے عکرمہ، مجاہد اور قتادہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ "بعل" یمن کی زبان میں "آقا" اور "مالک" کو کہتے ہیں اور یہ حضرت الیاس علیہ السلام کی قوم کا بت تھا[2] اور اسی لیے عربی میں شوہر کو بعل کہتے ہیں[3]، ہمارے مفسرین اور اہل لغت کا بیان بالکل

[1] سفر العدد: ۲۲-۴۱ و ۲۵-۳-۵-۱۶۷ [2] طبری و بغوی تفسیر آیت مذکورہ [3] لسان العرب، لفظ بعل۔

صحیح ہے لیکن صرف اس تخصیص سے انکار ہے کہ ''یہ صرف یمن کی زبان کا لفظ ہے'' صحیح یہ ہے کہ یہ لفظ تمام سامی زبانوں میں پایا جاتا ہے، یہ بھی اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ بعل صرف قوم الیاس میں نہیں بلکہ اکثر مشرقی سامی قوموں میں پوجا جاتا تھا، بعلبک ملک شام کا ایک قدیم شہر ہے، جو اسی بعل دیوتا کی طرف منسوب ہے، روایتوں میں ہے کہ یہ دیوتا سونے کا تھا[۱]، چودہ ہاتھ لمبا تھا اور اس کے چار منہ تھے[۲]، تورات میں اس کے تین طریقہ سے نام آئے ہیں ''بعل[۳]''، ''بعل فغور[۴]''، ''بریت[۵]''۔

بعل کے لیے مذبح، قربان گاہ اور ہیکل بنتے تھے[۶]، لوبان اور دیگر بخورات ان میں جلائے جاتے تھے[۷]، اولاد کو اس کی خاطر آگ میں ڈال دیا جاتا تھا اور بہترین قربانی سمجھی جاتی تھی[۸]، بعل کی پوجا کے لیے خاص قسم کے برتن اور ظروف ہوتے تھے[۹]، سامی قوموں میں اور مدین کے ہمسایوں میں بعل کی پوجا کے یہی سب رسوم تھے، غالباً مدین میں بھی یہی جاری ہوں گے۔

مستشرقین یورپ کی تحقیق کے مطابق بعل ستارہ زحل کا نام تھا، جس کی دوسری مانوس عربی شکل ہبل ہے، اس کی مدین میں پرستش ہوتی تھی اور اونٹ (ابل) کی قربانی اس کے لیے سب سے بہتر سمجھی جاتی تھی[۱۰]۔

حضرت شعیب علیہ السلام اس قوم میں مبعوث ہوئے اور ان کی دعوت سے ایک فرقہ نے خدا پرستی اختیار کی، تفصیل مدین میں گزر چکی۔

دوان یا اصحاب الایکہ: ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ دوان یا اصحاب الایکہ مدین ہی کے

۱ لسان العرب، ج ۱۳، ص ۱۲ ۲ معالم التنزیل بغوی تفسیر آیت مذکورہ ۳ بعل کے متعدد حوالے اوپر گزر چکے ہیں۔ ۴ عدد: ۲۵-۲ ۵ قضاۃ: ۸-۳۳، ۹-۴ ۶ یرمیاہ: ۱۹-۵، ملوک دوم: ۳۱-۳ ۷ ملوک دوم: ۲۳-۵ ۸ یرمیاہ: ۱۹-۵ ۹ ملوک دوم: ۲۳-۴ ۱۰ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ج ۱، ص ۳۰۷۹، اور ہسٹری آف دی مورش امپائر ان یورپ، مصنفہ ایس، پی، اسکاٹ حوالہ ڈوزی، دیباچہ۔

ہم قوم اور ہم نسب تھے، قرآن مجید نے بھی ان دونوں کو ایک ہی رشتہ میں منسلک کیا ہے، ان دونوں کے لیے ایک ہی پیغمبر حضرت شعیب علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے، دوسری طرف ان کی ہم وطنی لوط کی آبادی سے تھی (ارض القرآن، جلد دوم، صفحہ ۲۶)، حضرت لوط علیہ السلام کے دو بیٹے مواب اور عمون تھے (تکوین: ۱۹-۳۶)، قرآن مجید اور نیز تورات نے دوان کی مذہبی حالت کی تفصیل نہیں کی ہے، اس لیے ہر شخص یہی قیاس کرے گا کہ ان کے مذہبی عقائد مدین مواب اور عمون سے ملتے جلتے ہوں گے، یہ معلوم ہو چکا ہے کہ مدین بعل کی پرستش کرتے تھے، مواب کا دیوتا کموش تھا[1] عمون مولک کو پوجتے تھے[2]، مولک اور بعل تو قطعاً ایک ہیں، عبری کا مولک عربی کا مالک اور بعل کا ہم معنی ہے، بعل اور مولک دونوں کے لیے رسوم بھی ایک ہی قسم کے تھے، دونوں پر لوگ اپنی اولاد کی قربانی کرتے تھے۔

بنو ادوم یعنی حضرت ایوب علیہ السلام کی امت: عرب کا تیسرا ابراہیمی قبیلہ ادوم ہے، اسی قبیلہ میں حضرت ایوب علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے، قبیلہ ادوم کی مذہبی حالت سے قرآن نے کچھ تعرض نہیں کیا ہے لیکن اس میں کسی پیغمبر کا مبعوث ہونا ہی اس بات کی شہادت ہے کہ کم از کم قبیلہ کے کچھ افراد راہ راست پر نہ تھے، سفر ایوب سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قبیلہ میں سورج اور چاند کی پوجا ہوتی تھی، عبادت کا طریقہ یہ تھا کہ لوگ سورج اور چاند کی طرف دیکھ کر اپنے ہاتھ چوم لیتے تھے[3]، یہ گویا اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ اگر ممکن ہوتا تو وہ خود ان کے بوسہ دیتے۔

بنو اسماعیل: ہمارے ارباب روایت بیان کرتے ہیں کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد ان کی اولاد دین ابراہیمی پر قائم تھی، ان میں رفتہ رفتہ بت پرستی کا شیوع اس طرح ہوا کہ خانہ کعبہ جو پتھروں سے بنا تھا، ان کے نزدیک مقدس تھا، جب وہاں سے کسی اور مقام پر چلنے لگتے

---

[1] عدد: ۲۱-۲۹، قضاۃ: ۱۱-۲۴، ملوک اول: ۱۱-۷ [2] ملوک اول: ۱۱-۷، ملوک دوم: ۲۳-۱۳

[3] سفر ایوب: ۳۱-۲۶-۲۷۔

تو اس کا ایک پتھر متبرکاً اٹھا لیتے، بعد کو خانہ کعبہ کا امتیاز بھی اٹھ گیا، جو پتھر اچھا سا چکنا پڑا مل جاتا اسی کو اٹھا لیتے اور اس کو اپنے گھر کا دیوتا بنا لیتے[1]۔

قدیم تحریری شہادتوں کے سب سے پہلے بابل کے کتبات میں ہم کو ۶۴۵ ق م میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ بنو قیدار اور انباط اشتار یعنی زہرہ کو پوجتے تھے، اشور بنی پال شاہ نینویٰ، شاہان عرب شمالی کی مفتوحی کی داستان میں کہتا ہے:

> ''عادیہ ملکہ عرب، عم العدی شاہ قیدار میں مفتوح ہوئے اور گرفتار کر کے نینویٰ لائے گئے اور ایک دوسرے شہزادہ یوقع بن بیرود (؟) کے بے شمار جنگجو لوگ تباہ و برباد کیے گئے اور ان کے خیمے جلائے گئے اور ایک تیسرا سردار ابی یاتی کو مع اس کے ساتھیوں کے یعنی یوقع بن حزایل ناتان شاہ انباط اور اشتار کے پوجنے والوں کو شکست دی گئی[2]''

ہیروڈوٹس (۴۰۰ ق م) شہادت دیتا ہے کہ عرب دو دیوتاؤں کو پوجتے ہیں، جن کے نام ''الیلات'' اور ''وتل'' ہیں، الیلات تو صاف اللات ہے اور وتل نہیں معلوم کیا شے ہے۔

اصحاب الرس واصحاب الحجر: اسماعیلی قبائل کے بارہ سلسلوں میں صرف تین کی نسبت ہم کو کچھ حالات معلوم ہیں، قیدار (اصحاب الرس) نبایوط (اصحاب الحجر) اور قیدار، اصحاب الرس کی مذہبی حالت کی قرآن نے کوئی تفصیل نہیں کی، صرف مجرم قوموں کی فہرست میں ان کا نام لیا ہے، تاریخ کے دوسرے ذرائع بھی اس ظلمت کدہ کو روشن نہیں کرتے، انباط یعنی اصحاب الحجر کی نسبت قرآن کہتا ہے:

وَلَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ — حجر والوں نے پیغمبروں کو جھٹلایا۔

(الحجر ۱۵:۸۰)

---

[1] سیرت ابن ہشام، ذکر اصنام العرب [2] ہسٹوریئنس ہسٹری آف دی ورلڈ (تاریخ مورخین عالم) ج ۸، ص ۱۰۳، ۱۹۰۷ء عیسوی۔

پہلی صدی عیسوی کے اوائل کا مؤرخ اسٹرابو جو اس قوم کا معاصر تھا، شہادت دیتا ہے کہ:

''مذہباً یہ سبا والوں کے دیوتا آفتاب کی پوجا کرتے ہیں اور اس دیوتا کا ہیکل یا قربان گاہ مکانات کی چھتوں پر بناتے ہیں اور اس پر شراب چڑھاتے ہیں اور اندر ہر روز بخور جلاتے ہیں[1]''

اسٹرابو نے جو طریقہ پرستش بتایا ہے وہ دیگر طریقہ پرستش کے مطابق ہے، جس کی تفصیل تورات کی شہادتوں کے ساتھ ابھی اوپر گزر چکی ہے۔

حجر کے نبطی کتبوں میں جو عموماً قبروں کی لوحیں ہیں، ان کے دیوتاؤں کے نام بھی ملتے ہیں، مثلاً ذوالشریٰ، لات، منوت، ہبل، قیش، عمی، مذ، خریش، ان آخری دو ناموں کے علاوہ بقیہ اور دیوتا زمانہ اسلام تک عرب کے شمالی قبائل میں پوجے جاتے تھے، ذوالشریٰ اوس کا دیوتا تھا، لات ثقیف میں پجتا تھا اور منوت یعنی منات اوس وخزرج کا معبود تھا، قیش جو عربی میں قیس ہے، گو اس نام کے بت کی تصریح ہم کو نہیں ملی لیکن عرب ناموں میں عبدالقیس (قیس کا بندہ یا غلام) اور امراء القیس (قیس کا آدمی) ہم کو ملتا ہے اور چوں کہ عرب اپنے نام دیوتاؤں کی نسبت سے رکھا کرتے تھے، اس لیے یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ عبدالقیس کا قبیلہ جو گو عدنانی لیکن ایک مدت سے بحرین میں آباد تھا، وہ قیس کے پرستاروں میں ہوا، امراء القیس کا نام عرب کے مختلف قبائل میں نظر آتا ہے، حیرہ کے عدنانی النسل سلاطین میں ایک امراء القیس تھا، کندہ کے آخری شہزادہ اور عرب کے نام ور شاعر امراء القیس کا نام کون نہیں جانتا، مصر کے ایک ہمہ دان عیسائی مصنف کا بیان ہے کہ عربوں میں امراء القیس کا نام رومیوں کے مرقس کا معرب[2] ہے لیکن ہم کو نہیں معلوم کہ سامان آرائش وتمدن کے عرب میں ناموں کا بھی قحط تھا، بناتی کتبات میں ان دیوتاؤں کے علاوہ اللہ کا نام بھی بحیثیت ایک معبود کے جز

---

[1] گولڈ مائنس آف مدین، ص ۲۲۸ [2] العرب قبل اسلام جرجی زیدان، ص ۱۶۶۔

کے نظر آتا ہے[1]۔

اصحاب الحجر کے کتبات سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ ان کے ہاں باقاعدہ کاہن ہوتا تھا، جو لوگوں پر مذہبی جرمانہ کر سکتا تھا، قبرستان کا صحن حرم کا حکم رکھتا تھا، دو کتبوں کے ضروری فقروں کا ترجمہ یہ ہے:

''۱- یہ قبرستان کمکم بنت وائلہ بنت حرم اور اس کی لڑکی کلیبہ نے اپنی اور اپنی اولاد کے لیے طبیہ کے مہینہ میں حارث شاہ انباط محبِّ قوم کے نویں سال جلوس میں ذوالشریٰ اور خریش اور لات اور عمند اور قیس اس پر لعنت کریں گے جو اس قبرستان کو بیچے گا یا خریدے گا یا رہن رکھے گا یا اس میں کسی کی لاش نکالے گا یا اس میں کمکم اور اس کی بیٹی اور اس کی اولاد کے علاوہ کوئی اور دفن ہوگا، جو اس وصیت کی مخالفت کرے ذوالشریٰ ہبل اور منوت اس پر پانچ لعنتیں بھیجیں اور کاہن اس پر جرمانہ کرے جس کی مقدار ایک ہزار درہم حارثی ہو، وہب اللات بن عبادہ نے اس کو بتایا۔''

۲- اس مقبرہ کو عائذ بن کہیل نے اپنے اور اپنی اولاد کے لیے بنایا، ذوالشریٰ منوت اور قیس اس پر لعنت کریں جو اس کو فروخت کرے یا خریدے یا رہن رکھے یا دے دے یا کرایہ پر دے یا اس پر کچھ اور نقش کرائے یا مذکورہ بالا اشخاص کے علاوہ یہاں کسی اور کو دفن کرے، مقبرہ اور اس کے چاروں طرف کی زمین انباط کے اصول کے مطابق حرم مقدس ہے[2]۔''

ہومل اسلام کی انسائیکلوپیڈیا میں لکھتا ہے کہ اہل یمن کی طرح انباط میں بھی چاند گھٹنے اور بڑھنے کی حالت میں دو توام دیوتا سمجھا جاتا تھا، اس کے الفاظ یہ ہیں:

''موخر الذکر (انباط) میں بھی ہم چاند کو دو توام دیوتاؤں میں منقسم پاتے ہیں

---

[1] انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجنس اینڈ ایتھکس (اخلاق اور مذاہب کی انسائیکلوپیڈیا) ج ۱ ص ۶۶۴ [2] ان دونوں کتبوں کا عکس میں نے نہیں دیکھا، جرجی زیدان نے Cook کی کتاب Nool Society Inscription Oxford P 903 کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

یعنی ذوالشریٰ (پہاڑ کا دیوتا، شریٰ ادوم کی پہاڑی کا مقام نام تھا) اور اس کا جوڑا خریش (خیریس عبرانی میں آفتاب کو کہتے ہیں) ذوالشریٰ خصوصاً پڑا میں پوجا جاتا تھا، ہبل اور اس کا جوڑا منوت تھا، اس کے بعد ماتا دیبی ایلات (خصوصاً غمی مذدیبی اور ایک دیوتا اعر (عربی میں اغر؟ چمکتی پیشانی والا) یہ اخیر لفظ غالباً ذوالشریٰ کی ایک صفت کے طور پر ہے۔" (لفظ عرب)

اوس وخزرج اوران کے ہم نسب قبائل: ہم نے مدینہ کے قبائل اوس وخزرج کو جن کا اسلام میں نام انصار ہے، ان ہی انباط کی شاخ قرار دیا ہے، اس دعویٰ کا ایک مزید ثبوت یہ بھی ہے کہ ان دونوں کے بتوں اور دیوتاؤں کے نام ایک ہی ہیں یا یہ کہو کہ ایک ہی دیوتاؤں کو دونوں پوجتے تھے، ان میں سے ان کی مخصوص دیبی مناۃ تھی، جس کو انباط منوت کہتے تھے، اس دیبی کی مورت مشلل میں قدید کے پاس ساحل بحر احمر کے قریب نصب تھی، حج میں احرام اتارنے کی رسم اوس وخزرج یہیں ادا کیا کرتے تھے[1]، یاقوت نے معجم میں لکھا ہے کہ "مناۃ ایک پتھر کی چٹان تھی، شاہان غسان اس کے نام سے نذرانے بھیجتے تھے اور ازد کے رؤسا اس کے پجاری تھے اور اس کا اہتمام وانتظام ان ہی کے ہاتھ میں تھا، اس کو قربانیاں دی جاتی تھیں، اوس وخزرج میں امراء القیس (قیس کا آدمی) کا نام متعدد دفعہ ملتا ہے[2]، کیا اس سے یہ استدلال کیا جاسکتا ہے کہ قیس بھی ان کے معبودوں میں داخل تھا؟ عبداللہ اور اوس اللہ بھی ان کی زبان سے سنتے ہیں[3]۔

لوگوں کے گھروں میں دیوتاؤں کی مورتیں رہتی تھیں، مناۃ کی مورت لکڑی کی ترشی ہوئی اتنی بڑی یثرب کے ایک گھر میں تھی کہ چند آدمی مل کر اس کو اٹھاتے تھے (ابن ہشام ذکر بیعت عقبہ)، ایک شخص ان دیوتاؤں کے اہتمام وانتظام پر مقرر رہتا تھا، ظہور اسلام کے وقت جو شخص اس عہدہ پر مامور تھا، اس کا نام عمرو بن قیس تھا[4]۔

---

[1] صحیح بخاری، طواف صفا ومروہ، زرقانی وابن سعد ذکر ہدم مناۃ ابن اسحٰق مقدمہ [2] سیرت ابن ہشام، ذکر بیعت عقبہ [3] ایضاً، ذکر بیعت عقبہ وذکر ہجرت [4] ایضاً، ذکر منافقین مدینہ۔

اوس وخزرج روایات عرب اور دیگر قیاسات عقلی کی بنا پر ازد اور غسان کی شاخ تھے، اس بنا پر مذہبی حیثیت سے بھی ان میں اتحاد پایا جاتا ہے، چنانچہ مناۃ دیگر قبائل ازد اور غسان کا معبود تھا، اس کے علاوہ ان قبائل اور ان کی شاخوں میں اور بھی چند دیوتا تھے:

نام	مقام	پرستار
۱-اقیصر	حدود شام میں	قضاعہ،لخم،جذام،عاملہ،غطفان
۲-عائم		ازدالسراۃ
۳-فلس	جبس	طی
۴-ذوالشریٰ		دوس،ازد
۵-ذوالکفین		دوس
۶-باجر[۱]		ازد
۷-ودّ		کلب بن دبرہ (شاخ قضاعہ)
۸-یغوث		انعم (شاخ طی)

ان قبائل میں ستارہ پرستی تھی، لخم اور جذام ستارہ مشتری کو پوجتے تھے اور طی سہیل کے پرستار تھے[۲]، اس لیے ممکن ہے کہ فلس کا ہیکل سہیل ہی کے نام سے بنایا گیا ہو اور اقیصر مشتری سے عبارت ہو۔

بنوقیدار یعنی عدنانی قبائل: بنوقیدار کے قدیم مذہبی تخیلات کی نسبت مجملاً اشارہ اوپر گزر چکا، اس قدر مسلم ہے کہ ابتداءً یہ اپنے باپ دادا حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے مذہب پر تھے، خانہ کعبہ کا رسم ابراہیمی کے مطابق حج کیا کرتے تھے،

---

[۱] ۱-۲-۴ کے لیے دیکھو معجم البلدان یاقوت زیر لفظ اقیصر، عائم، ذوالشریٰ، ۳ اور ۵ کا حال صحیح بخاری کتاب المغازی اور ابن سعد سریہ فلس وذوالکفین میں پڑھو۔ ۶-قاموس میں یہ لفظ دیکھو، ۷ و ۸ سیرت ابن ہشام، مقدمہ [۲] طبقات الامم ابن صاعد اندلسی، صفحہ ۴۳، بیروت۔

رفتہ رفتہ مسئلہ حج کی غلط فہمی سے ان میں سنگ پرستی کا آغاز ہوا[۱]، صحیح روایات سے ثابت ہے کہ مکہ اور حجاز میں بت پرستی کا بانی ایک شخص عمر بن لحی ہے[۲]، اس کے ملک شام سے تعلقات تھے اور وہیں سے بت لالا کر اس نے خانہ کعبہ اور اطراف مکہ میں پھیلا دیے تھے[۳]، اس روایت کی موجودہ تحقیقات سے بھی تائید ہوتی ہے، ہول اسلام کی انسائیکلوپیڈیا میں لکھتا ہے:

''شمالی مغربی عرب میں مکہ سے پٹرا (رقیم) بلکہ اس سے آگے صحرائے شام (تدمر اور حوران) تک ایک ہی تخیل کسی پرانے اور بعض نئے ناموں کے ساتھ پھیلا تھا۔''

(جلد ۱، صفحہ ۳۸۰)

عدنانی قبائل کا سب سے بڑا بت یا دیوتا ہبل تھا، جو خاص خانہ کعبہ میں نصب تھا، لات کا ہیکل شہر طائف میں تھا، مکہ سے چند میل دور مقام نخلہ عزیٰ نامی ایک دیوی کا مسکن تھا، عدنانی قبائل کے یہ تین سب سے بڑے دیوتا تھے، ان پر چڑھاوے چڑھائے جاتے تھے، قربانیاں ہوتی تھیں، ان کی نذریں مانی جاتی تھیں، لوگ ان کی جاترے کو آتے تھے، ان کے علاوہ مختلف قبائل کے کچھ مقامی دیوتا تھے جن کے نام یہ ہیں:

نام	مقام	پرستار
سواع	دومۃ الجندل	قبیلہ ہذیل
سعد	ساحل جدہ	بنی ملکان بن خزیمہ بن مضر
اساف	مکہ	
نائلہ	مکہ	
رضاء		بنی ربیعہ بن کعب
ذوالکعبات	سنداد (حدود عراق)	قبیلہ ایاد
جبار		ہوازن

۱ اخبار مکہ ازرقی، و سیرت ابن ہشام مقدمہ ۲ صحیح بخاری، ابن ہشام ۳ ابن ہشام۔

نام	مقام	پرستار
مناف		قریش
اوال		بکروتغلب
محرق		بکرو ربیعہ
یالیل	طائف	ثقیف
ذوالخلصہ	بتالہ	خثعم وبجیلہ
سعیر		عنزہ
فراص		سعد العشیرہ

بعض قبائل ستارہ پرست تھے، قیس جو عدنانی قبائل میں بہت بڑا قبیلہ تھا، شعریٰ پوجتا تھا، قبیلہ کنانہ چاند کا پرستار تھا، اسد کا قبیلہ عطارد کی پرستش کرتا تھا، تمیم ستارہ دبران[1] پوجتے تھے، قریش اور ان کے دیگر ہم نسب قبائل جس ہبل کو پوجتے تھے، ہمارے قدیم علمائے لغت تو کچھ نہیں بتاتے مگر حسب تحقیقات موجودہ درحقیقت ستارہ زحل تھا۔

چند اور بتوں کے نام: لغت کی کتابوں میں متعدد ایسے بتوں کے نام ملتے ہیں جن کی نسبت یہ تفصیل نہیں معلوم کہ یہ کس قبیلہ کے معبود تھے اور عرب کے کس بت خانہ میں ان کی پرستش ہوتی تھی، مثلاً کسعہ، جبہہ، جریش، شارق، عوف، بجہ، یہ نام علامہ فیروز آبادی کے قاموس سے التقاط کیے گئے ہیں، عرب میں ایک اور بت تھا جس کو دوار کہتے تھے، عورتیں اور نوجوان لڑکیاں اس کے چاروں طرف طواف کرتی تھیں، چنانچہ امراء القیس کہتا ہے:

فعن لنا سرب کان نعاجہ عذاریٰ دوار فی ملاء مذیل

ہمارے سامنے ہرنوں کا گلہ آیا، جس کی ہرنیاں "دوار" کی ناکتخدا لڑکیاں معلوم ہوتی تھیں جو بڑے بڑے دامن کی چادریں اوڑھے ہوں۔

گذشتہ صفحات میں جن بتوں اور دیوتاؤں کے نام لکھے گئے ہیں گو وہ بہت تفحص

---

[1] ابن صاعد اندلسی، صفحہ ۴۳، بیروت۔

اور تلاش سے جمع کیے گئے ہیں، تاہم ان کی اصلی تعداد کا احاطہ نہیں ہوسکتا، بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ میں داخل ہوئے تو اس وقت خلیل بت شکن کا معبد ۳۶۰ بتوں کا مسکن تھا[1]، یہ خانہ کعبہ کے اندر کے بتوں کی تعداد ہے، اس کے علاوہ ملک کے گوشہ گوشہ میں جو بت بچ رہے تھے ان کی کثرت کا اندازہ اسی سے کیا جاسکتا ہے، قاعدہ کے مطابق خاص بنائے گئے بتوں کے علاوہ عربوں کی جہالت کا یہ عالم تھا کہ راستہ چلتے چلتے جو اچھا سا پتھر بھی ان کو مل جاتا، اس کو دیوتا بنا لیتے، اگر کبھی اس سے اچھا پتھر مل گیا تو پہلے کو چھوڑ کر اس کے آگے سر جھکا دیتے تھے، اگر بدقسمتی سے کوئی پتھر ہاتھ نہ آتا تو مٹی کا گول پنڈا بنا کر بکری کا دودھ اس پر ڈالتے تھے اور پھر وہ دیوتا بن جاتا تھا[2]، عرب میں ایک قبیلہ تھا جس نے آٹے کی مورت بنا کر اس کی پرستش شروع کردی تھی[3]۔

ان پتھر اور مٹی کی مورتوں کے علاوہ بھوت پریت پر بھی ان کا اعتقاد تھا، ان کو خدا سمجھ کر یا خدا کا مقرب سمجھ کر پوجتے تھے[4]، عرب میں ایسے لوگ بھی موجود تھے جو ایک خدائے اعظم کے قائل تھے لیکن اس کے ساتھ وہ جنوں کو اور فرشتوں کو بھی اس لیے پوجتے تھے کہ ان کو وہ خدا کا مقرب اور اپنا سفارشی سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ خدا کی بیٹیاں ہیں۔

خانہ کعبہ میں ۳۶۰ بت تھے، یہ کل پتھر کی مورتیں نہ تھیں کہ اتنی تعداد تو کعبہ کی وسعت میں سما بھی نہیں سکتی تھی، بلکہ ان میں ایک خاصی تعداد رنگیں تصاویر کی تھی، دیواروں پر بزرگوں اور دیوتاؤں کی تصویریں بنی ہوئی تھیں، معلوم ایسا ہوتا ہے کہ چوں کہ کعبہ تمام عرب کا مرکز تھا، اس لیے ہر فرقہ کے معبود اور بزرگان دین کا اس گھر میں مجمع تھا، چنانچہ بتوں کو چھوڑ کر خانہ کعبہ کی دیواروں پر حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام،

---

[1] صحیح بخاری، فتح مکہ [2] صحیح بخاری وفد بنی حنیفہ [3] سیرت ابن ہشام مقدمہ [4] صحیح مسلم، کتاب التفسیر۔

حضرت مسیح علیہ السلام اور حضرت مریم علیہا السلام کی تصویریں تھیں، اس سے کعبہ کے یہودیوں، اسماعیلی عربوں اور عیسائیوں کے لیے بھی مرجع القلوب بننے کا دعویٰ سمجھا جا سکتا ہے، بعض ارباب فکر نے کعبہ کے ۳۶۰ ربتوں کی تشریح یہ کی ہے کہ سال کے ہر دن کے لیے ایک نیا بت تھا، سال کے ۳۶۰ ردنوں کی تقریبی مدت کے لیے ۳۶۰ ربت تھے لیکن ہمارے نزدیک یہ تشریح اس لیے صحیح نہیں کہ تمام اصنام ایک قوم یا قبیلہ کے معبود نہ تھے، بلکہ جدا جدا قوموں اور جدا جدا قبیلوں کے تھے اور وہ ایک کعبہ میں اس لیے جمع کر دیے گئے تھے کہ تمام عرب کی مرجعیت اس کے بغیر قائم نہیں رہ سکتی تھی۔

عرب میں دیگر مذاہب کا وجود: بت پرستی کے علاوہ عرب میں بعض اور مذاہب بھی موجود تھے بلکہ ان میں سے ایسے لوگ بھی تھے جو ملحد اور بے دین تھے، عربوں میں قیامت اور دوبارہ زندگی کے انکار کا خیال عام طور سے پایا جاتا ہے، عام مذاہب میں سے چار مذہبوں کا وجود عرب میں غیر مشکوک طریقہ سے تھا، صابیت، مجوسیت، یہودیت اور عیسائیت، صابیت یعنی ستارہ پرستی زیادہ تر اہل یمن میں نظر آتی ہے اور کسی قدر شمالی عرب میں بھی اس کا سراغ ملتا ہے اور یہ نہایت قدیم زمانہ سے عرب میں موجود معلوم ہوتا ہے، مجوسیت نے عرب پر بہت کم اثر ڈالا تھا، حالاں کہ سیاسی حیثیت سے اخیر زمانہ میں اہل ایران، یمن، عمان اور دیگر ساحلی مقامات پر قابض تھے، کیقباد کے عہد میں امراء القیس کے باپ حجر آکل المرار شاہ کندہ نے مجوسیت اس لیے اختیار کر لی تھی کہ شاہ ایران کا وہ ملک عرب میں نائب بن سکے، اس کے علاوہ اور بھی خال خال مجوسی تھے، قبیلہ تمیم میں زرارہ بن عدس اور اس کا بیٹا حاجب اور اقرع بن حابس اور اسود بھی اس مذہب کے پیرو تھے۔

عیسائیت شام کا شاہی مذہب تھا، اس لیے شمالی عرب کے وہ قبائل جو حدود شام میں جا کر آباد ہو گئے تھے، انہوں نے عیسائی مذہب اختیار کر لیا تھا، چنانچہ لخم، جذام، عاملہ، مذحج، بہرا، سلیح وغیرہ قبائل میں عیسائیت عام تھی، حدود شام کے عرب رؤسا جن کو غسان

کہتے ہیں، عیسائی تھے، حدود شام سے بڑھ کر عیسائیت کی تبلیغ حدود عراق تک پہنچ چکی تھی، تغلب اور تنوخ کے قبیلے جو عراق کی سمت میں پھیلے تھے، عیسائی تھے، حیرہ کے عرب بادشاہوں نے گو مستقل طور سے عیسائیت قبول نہیں کی تاہم اس بنا پر کہ ان کے حرم میں عیسائی عورتیں تھیں، ان میں متعدد بادشاہ عیسائی ہوگئے تھے، حیرہ میں ان ہی عورتوں نے دیر اور کلیسے بنوائے تھے، یہاں راہب لوگ رہتے تھے اور ان کے ذریعہ سے یہاں نوشت و خواند کا کسی قدر رواج تھا، چنانچہ سلاطین حیرہ کے حالات ان ہی دیروں میں مؤرخین اسلام نے قلم بند پائے تھے۔

اندرون عرب میں بھی عیسائیت کے نشانات ملتے ہیں، طے کا قبیلہ جو نجد کے قریب آباد تھا، عیسائی تھا، قبیلہ قریش کے خاندان بنی اسد میں چند آدمی عیسائی ہوگئے تھے جن میں ورقہ بن نوفل کا نام تو احادیث صحاح میں مذکور ہے، عثمان بن حویرث بھی اسی خاندان کے ایک عیسائی تھے، اوس وخزرج میں بھی ایک دو آدمی عیسائی تھے، جنوبی عرب میں نجران ایک مقام ہے، وہاں تمام تر لوگ عیسائی تھے، وہاں کلیسا بھی تھا، جس میں راہب رہا کرتے تھے، خاص یمن کے اندر باوجود اس کے کہ عیسائی حبشیوں نے چالیس پچاس برس حکومت کی، عیسائیت فروغ نہ پاسکی، تمام سلاطین یمن میں عبد کلال نام ایک بادشاہ صرف عیسائی تھا۔

لیکن بجائے اس کے یہودیت نے یہاں بڑا برگ وبار پیدا کیا، حمیر یہودی تھے، کنانہ بنی الحارث بن کعب اور کندہ میں بھی یہودیت تھی، یثرب سے شام تک عرب کے اکثر سبز مقامات یہودیوں کے قبضہ میں تھے، بنو قریظہ، بنو قینقاع، اہل خیبر تمام کے تمام یہودی تھے[1]، یثرب یعنی مدینہ منورہ میں یہودیوں کی آبادی تھی، یہاں ان کا ایک بیت المدارس تھا، جہاں علمائے یہود اپنی مذہبی کتابیں عربی زبان میں ترجمہ کر کے سامعین کو سنایا کرتے تھے[2]،

[1] یہ نام بیانات مذکورہ معارف ابن قتیبہ اور یعقوبی جلد ۱ صفحہ ۲۹۸ سے ماخوذ ہیں۔ [2] صحیح بخاری۔

یثرب میں یہودیوں کے مذہبی تقدس کا اتنا اثر تھا کہ اوس وخزرج کے قبیلوں میں لوگ نذر مانتے تھے کہ بچہ اگر زندہ رہا تو اس کو یہودی بنائیں گے[1]۔

پروفیسر ڈوزی جو عربی کا بہت بڑا عالم جرمنی میں گزرا ہے، اس نے ''مکہ میں بنی اسرائیل'' کے عنوان سے ایک رسالہ لکھا ہے، جس میں یہ ثابت کیا ہے کہ بنی اسرائیل شام سے بھاگ کر حجاز کے شہر میں آ کر آباد ہو گئے تھے اور کعبہ ان ہی کا بنایا ہوا معبد ہے، جس کو انہوں نے ہبعل (بعل) دیوتا کے نام سے جس کو وہ اکثر گمراہی کے زمانہ میں پوجا کرتے تھے، تعمیر کیا تھا، عربوں میں اسی دیوتا کا نام ہبل مشہور تھا اور جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک خانہ کعبہ میں نصب تھا[2]۔

پروفیسر موصوف کے اس نظریہ نے گو جرمنی کے اکثر یہودی علما میں برافروختگی پیدا کر دی لیکن ہم مسلمانوں کا جہاں تک تعلق ہے، اس رائے میں صرف اتنی ترمیم چاہتے ہیں مکہ میں بنی اسرائیل نہیں بلکہ اسرائیل کے عم زاد بھائی بنی اسماعیل آ کر آباد ہوئے تھے، اس گھر کو بنی اسرائیل نے نہیں بلکہ ان کے دادا ابراہیم نے تعمیر کیا تھا، وہ ''ہبل'' کے نام سے نہیں بلکہ ''خدائے عز وجل'' کے نام سے بنایا گیا تھا۔

---

[1] ابوداؤد [2] ڈوزی کی ''تاریخ مسلمانان اسپین'' کا مقدمہ ترجمہ انگریزی۔

قرآن مجید
اور
مذاہب عرب قبل اسلام

گذشتہ صفحات میں عرب کے مذاہب کی جو تفصیل بیان کی گئی ہے، اس سے ظاہر ہوگا کہ اسلام کو آغاز بعثت میں کسی ایک سے نہیں بلکہ سیکڑوں مذاہب اور مختلف الاصول عقائد سے برسرپیکار ہونا پڑا، یہ پڑھ چکے ہو کہ عرب، اختلاف عقائد اور کثرت مذاہب کی بنا پر گویا کائنات مذہبی کا عالم اصغر تھا اور تعجب نہیں کہ قرآن کے نزول کے لیے عرب کی سرزمین کا انتخاب من جملہ اور وجوہ کے اس بنا پر بھی ہو کہ یہاں بحث ومناظرہ کے لیے اس کو ہر قسم کے مخاطب اور ہر مذہب کے وکیل مل جائیں گے۔

ا-مذہب کی ابتدائی تاریخ کا مظہر یعنی ''اعاظم[1] پرستی'' عرب میں موجود تھی، صحیح بخاری میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ ''عرب کے مشہور بت لات، ود، یغوث پہلے زمانہ کے بزرگوں کے نام ہیں، بعد میں اہل عرب ان کی مورتیں بنا کر پوجنے لگے، قرآن مجید ذیل کی آیت پاک میں اسی مذہب کی تردید کرتا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ عِبَادٌ أَمْثَالُكُمْ (الاعراف ۷:۱۹۴)

خدا کے سوا اور جن کو پکارتے ہو وہ تمہاری ہی طرح ''مخلوق'' ہیں۔

---

[1] یعنی ہر اس شے کی پرستش جو انسان کی نظر میں بڑی معلوم ہو۔

اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا (مریم۱۹:۹۳)

آسمانوں اورزمین میں جوبھی ہے،وہ خدا کے سامنے"غلام"بن کرآنے والی ہے۔

قرآن مجید نے جابجا کائنات کی ہستیوں کو خدا کی مخلوق بیان کیا ہے،اس سے مقصود یہی ہے کہ یہ چیزیں لائق پرستش نہیں ہیں،اوپر گزر چکا ہے کہ انسان پہلے گھنے درخت، اونچے پہاڑ،مہیب جانور،روشن چاند اور چمکنے والے سورج اور ستاروں کی پرستش کرتا تھا کیوں کہ یہ چیزیں اس کو بڑی اور اپنی ہستی ان کے آگے حقیر نظر آتی تھی،قرآن نے اس کی تردید کی:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ (الحج۲۲:۱۸)

کیا نہیں دیکھتے کہ آسمان اور زمین میں جو بھی ہے اور چاند، ستارے، پہاڑ، درخت اور جانور سب خدا کے آگے سر جھکاتے ہیں۔

۲-اس کے بعد"قویٰ پرستی" کا درجہ ہے،قرآن مجید نے بیسیوں مقام پر قوائے فطریہ کو خدا کا مخلوق اور اس کے حکم سے انسان کا تابع فرمان بیان کیا ہے،اس کا صریح مطلب یہ ہے کہ جو چیزیں خود انسانوں کے لیے بنائی گئی ہیں،انسان کا ان کو اپنا معبود ٹھہرانا انتہائی حماقت ہے:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ وَالْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ وَ يُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ (الحج۲۲:۶۵)

کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے خشکی میں جو کچھ ہے اور کشتیاں جو تری میں چلتی ہیں ان کو تمہارے تابع فرمان کر دیا ہے،وہی آسمانوں کو روکے ہے کہ زمین پر نہ آپڑیں لیکن اس کے حکم سے۔

وَهُوَ الَّذِيْ سَخَّرَ الْبَحْرَ (النحل۱۶:۱۴)

اور اسی نے سمندر کو مسخر کیا۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِيَ الْفُلْكُ فِيْهِ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ

وہ اللہ جس نے سمندر کو تمہارے تابع کر دیا تا کہ اس میں اس کے حکم سے جہاز چلیں اور خدا

وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ (الجاثیہ۴۵:۱۲-۱۳)

کی روزی ڈھونڈ و اور شکر کرو اور جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے سب کو اپنی طرف سے اس نے تمہارے قابو میں کر دیا ہے۔

هُوَ الَّذِىْ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيْبُ بِهَا مَنْ يَّشَآءُ وَهُمْ يُجَادِلُوْنَ فِى اللّٰهِ وَهُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ (الرعد۱۳:۱۲-۱۳)

وہی ہے جو خوف اور امیدکی حالت میں تم کو بجلی کی چمک دکھاتا ہے اور (پانی سے) بوجھل بادلوں کو ابھارتا ہے اور وہی ہے جس کی حمد و تسبیح بادلوں کی گرج اور فرشتے اس کے خوف سے کرتے ہیں اور وہی بجلیوں کی کڑک بھیجتا ہے اور جس پر چاہتا ہے اس کو گرا دیتا ہے، کیا یہ کافر خدا کی بابت جھگڑا کرتے ہیں حالاں کہ وہ بڑی قوت والا ہے۔

اس کے ہم معنی قرآن مجید میں بہت سی آیتیں ملیں گی۔

۳-تیسرا درجہ ''ستارہ پرستی'' کا ہے، جس میں چاند اور سورج کو اپنی عظمت کے لحاظ سے خاص اہمیت حاصل ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصہ میں ستارہ پرستی کی نہایت روشن دلائل کے ساتھ تردید کی گئی ہے، اس کی مزید تفصیل صابئیت کے ذکر میں آئے گی۔

مخصوص ستاروں کی پرستش کے متعلق اوپر گزر چکا ہے کہ مشہور قبیلہ قیس ستارہ شعریٰ کا پرستار تھا، قرآن نے کہا:

وَاَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى (النجم۵۳:۴۹) اور وہی خدا شعریٰ کا مالک ہے۔

قبیلہ کنانہ چاند کو اور حمیر آفتاب کو پوجتے تھے، قرآن مجید ان کو خطاب کر کے کہتا ہے:

لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ (حم سجدہ۴۱:۳۷) آفتاب و ماہتاب کو سجدہ نہ کرو۔

قوم سبا کے متعلق معلوم ہو چکا ہے کہ وہ آفتاب کو پوجتی تھی، قرآن ایک بے زبان

لیکن گویا پرندہ کی زبانی ان کو الزام دیتا ہے:

یَسۡجُدُوۡنَ لِلشَّمۡسِ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ (النمل ۲۷:۲۴)　　خدا کو چھوڑ کر آفتاب کو سجدہ کرتے ہیں۔

عرب کے مستند مذاہب: قرآن مجید کے نزول کے وقت عرب میں جو مستند مذاہب رائج تھے وہ حسب ذیل تھے، یہودیت، نصرانیت، مجوسیت، صابئیت، حنفیت، حنفیت کے علاوہ اور مذاہب کو متعدد دفعہ قرآن نے یکجا بیان کیا ہے:

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَالَّذِیۡنَ هَادُوۡا وَالنَّصٰرٰی وَالصّٰبِـِٕیۡنَ (البقرہ ۲:۶۲)	جو ایمان لائے ہیں (مسلمان) جو یہودی بنے ہیں اور نصاریٰ اور صابئ۔
اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَالَّذِیۡنَ هَادُوۡا وَالصّٰبِـُٔوۡنَ وَالنَّصٰرٰی (المائدہ ۵:۶۹)	جو ایمان لائے ہیں، جو یہودی بنے ہیں اور صابئ اور نصاریٰ۔
اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَالَّذِیۡنَ هَادُوۡا وَالصّٰبِـِٕیۡنَ وَالنَّصٰرٰی وَالۡمَجُوۡسَ وَالَّذِیۡنَ اَشۡرَكُوۡۤا (الحج ۲۲:۱۷)	جو ایمان لائے ہیں جو یہودی بنے ہیں اور صابئ اور نصاریٰ اور مجوس اور جو مشرک ہیں۔

اب ہم بہ ترتیب ایک ایک مذہب کو لے کر بیان کرتے ہیں۔

یہودیت: یہ تو پہلے بیان ہو چکا ہے کہ یہودیت عرب کے کن قبائل میں تھی، یہاں یہ سوال ہے کہ کیا عرب کے یہودی دوسرے ملکوں کے یہودیوں سے کچھ الگ اعتقاد رکھتے تھے؟ قرآن مجید نے عرب کے یہودیوں کے ذمائم اخلاق کو تو کھول کھول کر بیان کیا ہے لیکن ان کے اعتقاد پر کوئی خاص حملہ نہیں کیا، صرف ایک موقع پر یہ آیت ہے:

وَقَالَتِ الۡيَهُوۡدُ عُزَيۡرُ اۨبۡنُ اللّٰهِ (التوبہ ۹:۳۰)　　یہود نے کہا عزیر علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں۔

عزیر سے مراد عزرا کاہن ہیں، جنہوں نے تورات کو اپنے اعجاز سے دوبارہ زندہ کیا، معترضین اسلام کا بیان ہے کہ یہودیوں میں عزیر کی ابنیت کا کوئی عقیدہ نہیں ہے، اس لیے قرآن کا یہ دعویٰ سراسر خلاف واقع ہے، اس اعتراض کا سرسری جواب تو جیسا بیضاوی

نے لکھا ہے، یہ ہے کہ قرآن نے اپنی یہ آواز مدینہ میں یہودیوں کے مجمع کے اندر بلند کی اور کہیں سے ان کی تکذیب اور خلاف واقعیت کی صدا نہ اٹھی، اس سے یہ معلوم ہوا کہ عرب کے یہودیوں میں اعتقاد تھا، ابن جریر طبری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے کہ مدینہ میں اس اعتقاد کے چند لوگ موجود تھے، ابن حزم نے ملل میں لکھا ہے کہ یہودیوں کا صدوقی فرقہ، جو یمن میں تھا، اسی کا یہ عقیدہ تھا[1]۔

میرے نزدیک اصل یہ ہے کہ یہودیوں میں ابنیت کا تخیل نہایت قدیم ہے، تقدیم کے چھٹے باب میں ہے کہ:

''خدا کے بیٹوں نے دیکھا کہ انسان کی بیٹیاں خوب صورت ہیں۔''

ابن اللہ کے معنی عبرانیوں کے محاورہ میں خدا کے محبوب اور پیارے تھے، اسی لیے مسلمانوں کے مقابلہ میں عرب کے یہودیوں اور عیسائیوں کا دعویٰ تھا:

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ (المائدہ ۵:۱۸)	ہم خدا کے فرزند ہیں اور اس کے چہیتے ہیں۔

ایسی حالت میں یہود عرب اگر عیسائیوں کے مقابلہ میں ان کا غرور توڑنے کے لیے حضرت عزیر علیہ السلام کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مماثل اور ہمسر قرار دیتے ہوں تو کیا عجب ہے، قرآن نے بھی اسی موقع پر یہودیوں کے اس قول کو نقل کیا ہے، چنانچہ پوری آیت یہ ہے:

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ِۨابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ يُضَاهِئُوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ (التوبہ ۹:۳۰)	یہود نے کہا عزیر خدا کا بیٹا ہے اور نصاریٰ نے کہا مسیح خدا کا بیٹا ہے، یہ ان کا صرف زبانی دعویٰ ہے، یہ اگلے کافروں کی بات کی نقل اتارتے ہیں۔

آیات بالا کے اخیر کے مطلب بیان کرنے میں ہمارے مفسر مضطرب البیان ہیں کہ

[1] الملل والنحل، جزاول، صفحہ ۹۹۔

ابنیت کے مسئلہ میں یہ کس اگلی قوم کی نقل اتارتے ہیں، درحقیقت یہ تخیل تمام بت پرست قوموں کی میتھالوجی کا جز رہا ہے، لیکن خصوصیت کے ساتھ عیسائیوں نے جس قوم سے اس عقیدہ کو حاصل کیا وہ اہل مصر ہیں اور یہودی فرقہ نے عیسائیوں کی دیکھا دیکھی یہ کلمہ منہ سے نکالا۔

عیسائیت: عرب میں عیسائیوں کا کون سا فرقہ آباد تھا، خود عرب میں تو عیسائی حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے سے ناپید ہیں، اسی لیے عیسائیوں کا ہر فرقہ مدعی ہے کہ وہ ہمارے ہم مذہب تھے، ابوالفرج ملطی جو چھٹی صدی میں ایک یعقوبی العقیدہ عرب عیسائی مؤرخ تھا، بوثوق تمام کہتا ہے کہ ''عرب تمام تر یعقوبی (جاکوبائیٹ) تھے'' اس کی تاریخ کا عیسائی محشی جو بیروت کا ایک مشہور کیتھولک فاضل ہے، دعویٰ کرتا ہے کہ ''نہیں وہ کیتھولک تھے'' کیوں کہ کیتھولک رومیوں کے ساتھ ان کے تعلقات تھے[1]، ڈریپر کا منشا معلوم ہوتا ہے کہ وہ نسطوری تھے[2]، ہم کو حافظ کا فیصلہ پسند ہے:

بیا کاین داوریہا را به پیش داور اندازیم

خدا کی کتاب یعنی قرآن مجید میں عیسائیوں کے عقیدوں کی چار مقام پر تردید کی گئی ہے:

یٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ لَا تَغۡلُوۡا فِىۡ دِيۡـنِكُمۡ وَلَا تَقُوۡلُوۡا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الۡحَـقَّ‌ؕ اِنَّمَا الۡمَسِيۡحُ عِيۡسَى ابۡنُ مَرۡيَمَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ‌ۚ اَ لۡقٰٓىهَاۤ اِلٰى مَرۡيَمَ وَرُوۡحٌ مِّنۡهُ‌ فَاٰمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ‌ ۚ وَلَا تَقُوۡلُوۡا ثَلٰثَةٌ‌ ؕ اِنۡتَهُوۡا خَيۡرًا لَّـكُمۡ‌ ؕ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰـهٌ وَّاحِدٌ ‌ؕ سُبۡحٰنَهٗۤ اَنۡ يَّكُوۡنَ لَهٗ وَلَدٌ‌ ۘ (النساء ۴:۱۷۱)	اے اہل کتاب! اپنے دین میں حد اعتدال سے آگے نہ بڑھو اور خدا کی نسبت حق بات کے سوا کچھ اور منہ سے نہ نکالو، مریم کے بیٹے عیسیٰ مسیح صرف خدا کے رسول تھے اور اس کا حکم جو مریم تک پہنچا دیا گیا اور اس کی طرف سے ایک (بھیجی ہوئی) روح تھے، پس خدا اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور تین (خدا) نہ کہو، اس سے باز آؤ، یہی تمہارے

[1] تاریخ مختصر الدول ملطی، مطبوعہ بیروت، ص ۱۴۸ [2] معرکہ مذہب وسائنس۔

لیے بہتر ہے، خدا تو ایک ہی خدا ہے اور اس سے پاک ہے کہ اس کے کوئی لڑکا ہو۔

دوسری آیت:

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ (المائدہ ۵:۱۷)

وہ کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ یہی مسیح ابن مریم خدا ہیں۔

تیسری آیت:

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ (المائدہ ۵:۷۳)

وہ کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ خدا تین میں کا تیسرا ہے حالاں کہ ایک خدا کے سوا کوئی اور خدا نہیں۔

چوتھی آیت:

يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (المائدہ ۵:۱۱۶)

اے مریم کے بیٹے عیسیٰ! کیا تم نے لوگوں سے کہا کہ خدا کے سوا مجھ کو اور میری ماں کو بھی دو خدا مانو۔

ہمارے ملک کے عیسائی اعتراض کرتے ہیں کہ قرآن نے عیسائیوں کی طرف مختلف قسم کے عقائد منسوب کیے ہیں جو ہمارے نہیں مثلاً مریم کو خدا سمجھنا اور صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدائے واحد ماننا، ان میں سے کوئی چیز ہمارے اعتقادات میں داخل نہیں لیکن شاید ان بے خبروں کو معلوم نہیں کہ پندرہویں صدی عیسوی کا پیدا شدہ پروٹسٹنٹ فرقہ چھٹی صدی کے عرب میں موجود نہ تھا، عرب، نسطوری، یعقوبی، مارونی اور ملکانی فرقہ کے عیسائی آباد تھے جن کے عقائد یورپ کے نئے فرقوں سے الگ تھے۔

پہلی آیت عیسائیت کے ان تثلیث پرست فرقوں سے متعلق ہے جو باپ، بیٹے اور روح القدس تینوں کی مستقل الوہیت کے قائل ہیں، اس آیت میں ان کے عقیدہ کلمۃ اللہ (ورڈ آف گارڈ ہالوکس) کے صحیح معنی بھی بیان کیے گئے، جس کی صحیح تعبیر میں عیسائی فرقے

باہم ایک دوسرے سے ایک مدت سے معرکۃ الآرا تھے، دوسری آیت جس میں یہ بیان ہے کہ مسیح ہی خدا ہے، یہ یعقوبی فرقہ (جاکوبائیسٹ) کی تردید ہے، اس فرقہ کا عقیدہ یہ ہے کہ مسیح کی ایک ہی ذات خود خدا ہے، اس میں شائبہ انسانیت (ناسوتیت) نہیں، وہ خدا ہی تھا جو مریم کے پیٹ سے پیدا ہوا، تیسری آیت نسطوری (نسٹورین) اور ملکانی (کیتھولک) فرقہ کی تردید میں ہے، جو اس بات کے مدعی ہیں کہ باپ الہ کامل ہے، بیٹا لاہوتی وناسوتی دونوں سے مرکب ہے، روح القدس الوہیت کا تیسرا عنصر (اقنوم) ہے۔

جس آیت میں مریم کی خدائی کا ذکر ہے وہ عیسائیوں کے ان فرقوں کی تردید میں ہے جو اقانیم ثلثہ کے ساتھ مریم کو خدا کی ماں کی حیثیت سے لائق پرستش جانتے تھے، نسطوری فرقہ خاص اسی مسئلہ کے سبب سے رومن کیتھولک سے الگ ہے، کیوں کہ نسطوری مریم کو لائق پرستش نہیں سمجھتا تھا اور اسی لیے اس کو قسطنطنیہ سے جلاوطن ہونا پڑا، مارونی یا مریمی فرقہ یہاں تک بڑھا کہ اس نے باپ، بیٹے اور روح القدس کی جگہ باپ اور بیٹے کی ماں کو مانا[1]، عرب میں عورتوں کا ایک فرقہ تھا جو مریم کو خدا سمجھ کر پوجتا تھا[2]، علامہ ابن حزم نے لکھا ہے کہ ان میں بربرانی فرقہ تھا جو مسیح اور مریم دونوں کو خدا سمجھتا تھا[3]۔

روح القدس کو عیسائیت کے اکثر فرقے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ الوہیت کا تیسرا اقنوم سمجھتے ہیں، مسلمانوں کے اعتقاد کے مطابق روح القدس فرشتے کا نام ہے، اسی لیے قرآن نے کہا:

وَلَا يَـاْمُـرَكُمْ اَنْ تَتَّـخِـذُوا الْـمَـلٰٓئِكَةَ وَالـنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (آل عمران ۳:۸۰)	اور خدا یہ حکم تم کو نہیں دیتا کہ فرشتوں اور پیغمبروں کو خدا بناؤ، کیا اسلام لے آنے کے بعد تم کو کفر کا حکم دے گا۔

---

[1] ڈریپر، معرکہ مذہب وسائنس وقرآن سیل مقدمہ، ص ۲۷ [2] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، طبع ۱۱، لفظ مریم
[3] فصل فی الملل والنحل، ج ۱، ص ۴۸۔

اس تفصیل سے معلوم ہوسکتا ہے کہ ملک عرب میں کن کن فرقوں کے عیسائی آباد تھے، خدا جانے کن اسباب سے عربوں کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے محبت نہ تھی اور اسی لیے وہ اسلام سے بھڑکتے تھے، وہ کہتے تھے کہ عیسائیوں کے خدا کا بیٹا ہمارے دیوتاؤں سے کس بات میں اچھا ہے:

وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا إِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّونَ وَقَالُوٓا ءَأَٰلِهَتُنَا خَيْرٌ أَمْ هُوَ (الزخرف ۴۳: ۵۷-۵۸)

جب ابن مریم کا حال بیان کیا جاتا ہے تو تیری قوم اس سے ہنستی ہے، کہتے ہیں ہمارے دیوتا اچھے ہیں یا وہ۔

اس آیت سے عیسائیوں کے اس دعوے کی بنیاد کھوکھلی ہو جاتی ہے کہ اسلام سے پہلے عرب میں عیسائیت کو بڑا فروغ اور قبول عام حاصل تھا۔

مجوسیت: مجوسیت ایران کا قدیم مذہب ہے، جس کا بانی زرتشت بتایا جاتا ہے، زرتشتی خود اپنے کو مجوس نہیں کہتے، عربی میں مجوس کا لفظ یونانی سے آیا ہے، یونانی ان کو "مجوس" کہتے ہیں، اصل فارسی لفظ مغ ہے، مجوس، یزداں اور اہرمن دو خداؤں کے قائل تھے، ایک فاعل خیر (یزداں) اور دوسرا فاعل شر (اہرمن)، یزداں کو نور اور اہرمن کو ظلمت سے بھی تعبیر کرتے تھے، قرآن نے عرب کے مجوسی اعتقاد کا ابطال بھی ضروری سمجھا، چنانچہ کہتا ہے:

قَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوٓا إِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ إِنَّمَا هُوَ إِلٰهٌ وَّاحِدٌ (النحل ۱۶: ۵۱)

خدا نے فرمایا کہ دو خدا نہ بناؤ، خدا تو ایک ہی ہے۔

میری رائے میں قرآن مجید کی یہ آیتیں:

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (النور ۲۴: ۳۵)

خدا آسمان وزمین کی روشنی ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَ النُّوْرَ (الانعام ۶: ۱)

حمد ہو اس اللہ کی جس نے آسمان وزمین کو پیدا کیا اور تاریکی اور روشنی کو بنایا۔

ان ہی مجوس کے رد میں ہیں، مجوس کا نام ایک دفعہ قرآن میں آیا ہے، سورہ حج میں۔

صابئیت: قرآن مجید میں صابئین کا نام جیسا کہ اوپر کی آیتوں میں گزر چکا ہے، تین دفعہ آیا ہے لیکن نام کے علاوہ کچھ اور حقیقت واضح نہیں کی ہے، اس لیے اس کی تحقیق کہ اس مذہب کے اصول کیا تھے؟ اس کا مولد کہاں تھا؟ اس کا بانی کون تھا؟ کس کے نام سے یہ فرقہ قائم تھا؟ بہت کم کی جاسکی ہے، حالاں کہ دین حنیف جس کی جانشینی کا مذہب اسلام مدعی ہے، اس کی حقیقت کا انکشاف بہت کچھ صابئی مذہب کے فہم وتشریح پر منحصر ہے، مفسرین، شراح حدیث، ارباب لغت اور مؤرخین بھی صابئیت کی تعیین حقیقت میں نہایت مختلف الرائے ہیں، ان مختلف اسباب سے ہم اس داستان کو ذرا پھیلا کر لکھنا چاہتے ہیں۔

مختصر حال: صابئین کا اصل مولد بابل تھا، آغاز باب میں بتایا جاچکا ہے کہ اس ملک میں ستارہ پرستی کا رواج مدت سے تھا، اسی کے ساتھ ان میں ارواح پرستی بھی تھی، ستاروں کے ہیکل ان کے معبد تھے، عربی اور انگریزی دونوں شہادتوں سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ یہ عراق کا نہایت قدیم مذہب تھا، رفتہ رفتہ سیاسی انقلابات کے ساتھ ساتھ ان پر جو مذہب غالب آتا گیا، ان کے کچھ اجزا اس میں شامل ہوتے گئے، ان میں بنی اسرائیل کی یہودیت، ایرانیوں کی مجوسیت، یونانیوں کا فلسفہ، رومیوں کی عیسائیت ہر چیز میں سرایت کر گئی تھی، خدائے واحد پر ان کا اعتقاد تھا لیکن ستاروں کی ارواح کو خدا اور اس کے بندوں کے درمیان واسطہ سمجھتے تھے، تین وقت ستاروں کی پوجا کرتے تھے، صبح کو تا طلوع آفتاب، دوپہر کو عین زوال کے وقت، شام کو آفتاب ڈوبنے تک[1]، ان کا اعتقاد تھا کہ تمام ستاروں کا مرکز قطب شمالی ہے، تمام ستارے آغاز عالم سے ہر وقت اپنی جگہ ہٹتے اور بڑھتے رہتے ہیں لیکن قطب کا تارہ ہمیشہ ایک حال پر اپنی جگہ قائم رہتا ہے، اس لیے وہ قبلہ ہے، اسی طرف منھ کر کے وہ اپنی دعا اور مناجات پڑھا کرتے ہیں، دن میں تین دفعہ ہر نماز کے لیے ان کو غسل کرنا پڑتا ہے۔

---

[1] اسی لیے ان تین اوقات میں اسلام میں نماز ناجائز ہے کہ تشابہ نہ ہو۔

مسلمانوں کے بیانات: اس تفصیل کے بعد اس مذہب کے متعلق مفسرین کے الفاظ سننے چاہئیں، حافظ ابن کثیر نے سورہ بقرہ کی آیت والصابئین کی تفسیر میں تمام اقوال نقل کر دیے ہیں:

مجاہد، عطا، سعید بن جبیر، سفیان ثوری	صابئ یہود و نصاریٰ اور مجوس کے بین میں ایک قوم ہے، جس کا کوئی خاص مذہب نہیں۔
ابوالعالیہ، ربیع بن انس، سدی، جابر بن زید، اسحٰق بن راہویہ	صابئ اہل کتاب کا ایک فرقہ ہے جو زبور پڑھتا ہے۔
حسن بصری	یہ مجوس کے مشابہ ہیں، فرشتوں کو پوجتے ہیں۔
ابوجعفر رازی، قتادہ	صابئ فرشتہ پرست ہیں، زبور پڑھتے ہیں اور قبلہ کی طرف نماز ادا کرتے ہیں۔
ابوالزناد	صابئ ایک قوم ہے جو عراق کے قریب کوثی میں رہتی ہے، تمام پیغمبروں پر ایمان رکھتی ہے، ہر سال تیس روزے رکھتی ہے، پانچ وقت یمن کی طرف منھ کر کے نماز پڑھتی ہے۔
وہب بن منبہ	صابئ وہ مذہب ہے جو خدا کی توحید کا قائل ہو لیکن اس کے پاس کوئی شریعت نہ ہو۔
عبدالرحمٰن بن زید	صابئ موصل میں ایک قوم ہے جو توحید کی قائل ہے لیکن عبادات، کتاب الٰہی اور پیغمبر سے محروم ہے۔
خلیل	صابئ مذہب عیسائیوں سے ملتا جلتا ہے، ان کا قبلہ باد جنوب کے بہنے کا رخ ہے، وہ سمجھتے ہیں کہ ہم حضرت نوح علیہ السلام کی شریعت پر ہیں۔

مجاہد، حسن بصری، ابن ابی نجیح (بروایت قرطبی)	یہ ایک قوم ہے جس کا مذہب یہود اور مجوس سے مرکب ہے۔
بعض علمائے متاخرین	حاصل یہ ہے کہ موحد ہیں لیکن تاثیر کواکب کے قائل ہیں۔
امام رازی	صابئ ستارہ پرست قوم جو ستارہ کو اس اعتقاد سے پوجتی ہے کہ خدا نے اس کو قبلہ بنایا ہے اور تدبیر عالم اس کے سپرد کیا ہے۔
حافظ ابن کثیر	مجاہد اور ان کے پیروؤں اور وہب بن منبہ کا قول درست معلوم ہوتا ہے کہ یہ نہ یہود، نہ عیسائی، نہ مجوس اور نہ مشرکین کے مذہب میں ہیں بلکہ سادہ خلقت پر قائم ہیں، کسی خاص مذہب کے متبع نہیں۔

ابن ندیم نے فہرست کے ایک طویل باب میں صابئین کا ذکر کیا ہے اور ان کے تمام اعمال و عقائد لکھے ہیں کہ یہ اپنے کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پہلے کے پیغمبر حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت شیث علیہ السلام کا پیرو کہتے ہیں، ایک صحیفہ شیث بھی ان کے پاس ہے جس میں اخلاقی باتیں درج ہیں۔

علامہ ابن تیمیہ نے صابئین کی تحقیق پر ''الرد علی المنطقیین'' میں جو کچھ لکھا ہے، وہ محققانہ ہے، ہم اس کا یہاں لفظی ترجمہ کر دیتے ہیں:

''ان صابئین کا خاص مرکز حران تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام یہیں پیدا ہوئے تھے یا عراق سے یہاں آئے تھے، دونوں قول ہیں، یہاں علت اولیٰ اور نفس کلیہ کے ہیکل تھے، نیز زحل، مشتری، شمس، زہرہ، عطارد اور قمر کے ہیکل تھے، عیسائیت سے پہلے ان کا یہی مذہب تھا، عیسائیت کے بعد ان مشرک صابئین کے بقا کے ساتھ ساتھ ان میں عیسائیت پھیلی، یہاں

تک کہ اسلام آیا اور وہاں یہ صابئین اور فلاسفہ حکومت اسلامی میں آخیر وقت تک موجود رہے، ان ہی میں سے وہ صابئین تھے جو بغداد وغیرہ میں طبیب یا منشی تھے، ان میں سے بعض اسلام نہ لائے، چوتھی صدی میں فارابی جب حران گیا تو ان ہی سے فلسفہ سیکھا، اہل دمشق وغیرہ کا مذہب بھی عیسائیت سے پہلے یہی تھا، ان کی نماز کا قبلہ قطب شمالی تھا، اسی لیے دمشق میں بہت سی کہنہ مسجدیں ہیں، جن کا ایک قبلہ قطب شمالی کی طرف بھی ہے[1]، دمشق کی جامع مسجد کے نیچے ایک بہت بڑا معبد ہے جس کا ایک قبلہ قطب شمالی کی طرف ہے، یہ ان ہی لوگوں کا معبد ہے۔''

علامہ موصوف نے اس کے بعد صابئین کی دو قسمیں کی ہیں، ایک موحدین، یہ وہ ہیں جنہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت کی پیروی کی، دوسری جماعت وہ تھی جو مشرک تھی، قرآن شریف نے دو حیثیتوں سے صابئین کا ذکر کیا ہے، ایک میں اول کا ذکر ہے دوسرے میں دوم کا۔

علامہ ابن حزم ظاہری نے ملل میں لکھا ہے کہ صابئیت دنیا کا قدیم ترین مذہب ہے، شہرستانی نے اپنی ملل میں صابئیہ اور حنیفہ کا باہم دو متقابل مذہبوں کی حیثیت سے ذکر کیا ہے اور ان کے اختلافات و مناظرات نہایت تفصیل سے لکھے ہیں، جن کا حاصل یہ ہے کہ صابئین خدا کے قائل ہیں، رسالت کے قطعاً منکر ہیں، خدا اور بندوں کے درمیان یہ ستارے جوذی روح ہیں، متوسط ہیں اور اس لیے ان کے خوش رکھنے کی ضرورت ہے اور اسی بنا پر ان کی پرستش کی جاتی ہے، حنفیہ رسالت کے قائل ہیں اور صاحب رسالت ہی کو خدا اور بندہ کے درمیان واسطہ قرار دیتے ہیں۔

قدیم عیسائی بیان: چھٹی صدی کا ایک عیسائی مورخ اپنی تحقیق کی بنا پر نہایت وثوق کے ساتھ بیان کرتا ہے کہ صابئین کا مذہب قدیم کلدانیوں کا مذہب ہے، قطب شمالی ان کا قبلہ ہے، تین وقت کی نماز یہ پڑھتے ہیں، اول طلوع آفتاب کے آدھ گھنٹہ پہلے سے طلوع آفتاب

---

[1] گویا مسلمان ہونے کے بعد ہی ہیکل مسجد بن گئی۔

تک آٹھ رکعتیں، دوسرے عین زوال آفتاب اور تیسرے عین غروب کے وقت پانچ پانچ رکعتیں، ہر رکعت میں تین سجدے، روزے بہت ہیں، اول تین روزے ایک ساتھ، ۸/ آذر (مارچ) سے، نو روزے ایک دفعہ نو کانون اول (دسمبر) پھر سات آٹھ دن کے روزے آٹھ شباط (فروری) سے، ستاروں کی یہ پرستش کرتے ہیں، قربانیاں کثرت سے کرتے ہیں لیکن کھاتے نہیں بلکہ جلا دیتے ہیں، ان کی باتیں حکما سے مشابہ ہوتی ہیں، توحید کے مسائل ان کے یہاں نہایت مضبوط ہیں، لہسن، لوبیا، کرم کلا اور مسور نہیں کھاتے، ان کا عقیدہ یہ ہے کہ گنہ گار نو ہزار دورہ میں عذاب اٹھا کر آخر رحمت الٰہی کے سایہ میں داخل ہو جائے گا۔

علمائے یورپ کا بیان: اہل یورپ کو اس فرقہ کا حال ابتداءً ایک یورپین سیاح کی زبانی معلوم ہوا جو عراق کی سیاحت کر کے یورپ واپس گیا تھا، عراق میں صابیوں کی اب تک تھوڑی سی آبادی ہے، یہ دیکھ کر کہ یہ حضرت یحییٰ علیہ السلام (جان) کی بڑی عزت کرتے ہیں، اس نے اپنے اہل وطن کو یہ پیغام بشارت سنایا تھا کہ وہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے عیسائیوں کا پتہ لگا کر آیا ہے، اس کے بعد مسلمان مصنفین کی کتابوں میں ان کے حالات یورپ کو ہاتھ آئے، بعد ازیں ایک عیسائی مشنری نے عراق آ کر ان میں کام شروع کیا، ایک دو نے عیسائی مذہب قبول کیا اور اپنے قدیم مذہبی عقائد کا طلسم خود اپنی زبان سے کھولا۔

صابئین اپنے آپ کو ماندیین کہتے ہیں ساحل فرات پر بصرہ اور خوزستان کے پاس ان کی مختصر آبادی ہے، (ماند) کے لفظی معنی ان کی زبان میں (علم) کے ہیں، ان کی بول چال کی زبان فارسی اور عربی ہے لیکن مذہبی زبان ایک قسم کی آرامی ہے، خط قدیم تدمری (پالمائرن) خط کے مشابہ ہے، اسی خط اور زبان میں ایک مذہبی صحیفہ ان کے ہاتھ میں ہے، جس کے بعض حصے قدیم ہیں اور کسی پرانے لٹریچر سے ماخوذ ہیں، ان میں سب سے طویل اور اہم ٹکڑے کا نام سدرب[1] یعنی بڑی کتاب ہے اور اسی کا دوسرا نام ''کنز'' (گنج یا کنز) یعنی

---

[1] سامی زبانوں میں رب کے معنی بڑے کے ہیں۔

خزانہ ہے،اس کے دو چھوٹے بڑے حصے ہیں، بڑے کو ''یامین'' (یمین) داہنا ہاتھ اور چھوٹے کو شمال (شمال) بایاں ہاتھ کہتے ہیں، پہلا حصہ زندگی کے لیے ہے اور دوسرے میں مذہبی عہدہ داروں کی تجہیز و تکفین کی دعائیں ہیں، یامین کا آخری باب کتاب الملوک ہے جس میں ایرانی اور عرب بادشاہوں کے تذکرے ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حصہ ساتویں اور نویں صدی عیسوی (یا پہلی اور تیسری صدی ہجری[1]) کے درمیان کا ہے، رسوم مذہبی کچھ زیادہ پرانے یعنی ساسانیوں کے عہد کے معلوم ہوتے ہیں۔

ان کے عقائد اور اصول مذہب پر ایک مجموعی نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کلدان کے قدیم مذہب ستارہ پرستی، یونان کے فرقہ ناسٹک اور ایران کے مسئلہ نور وظلمت کا ایک مخلوط مجموعہ ہے، تمام اشیا کی اصل ایک تاریک غار ہے، اس کے ساتھ دو چیزیں ہیں جو قوائے ازلیہ ہیں، ایک ایارم زیور رب (فضائے منور اعظم) اور دوسری ماں رب (روح اعظم جلال) جس کو وہ ملک النور بھی کہتے ہیں، ماں رب نے برترین قوائے ازلیہ حی قدیمائی (حیاۃ قدیمہ) یعنی حیاۃ اولیٰ یا علت اولیٰ کو پیدا کیا، اس کے بعد خود پردہ راز میں چھپ گیا، اور صرف نیک صابئیوں کو موت کے بعد نظر آئے گا، اب یہی حیاۃ قدیمہ اولیٰ عملاً اس فرقہ کا خدا ہے، تمام مناجاتوں اور دعاؤں میں اسی کی حمد وثنا ہوتی ہے، ملک النور جاہ وجلال کے ساتھ سمت شمال میں سکونت گزیں ہے، نور اول کے پانچ مظاہر ہیں، نور خاص وبلند، باد نسیم، لطف صوت، قوائے ازلیہ کی آواز اور ان کا حسن خلقت، ان سے مل کر پھر ۳۶۰/روحانی قوتیں (ملائکہ) پیدا ہوئیں، ان میں سے اکثر کی نام بہ نام پوجا ہوتی ہے۔

حیاۃ اولیٰ سے پھر حی تنائی (حیاۃ ثانیہ یا علت ثانیہ) پیدا ہوئی، اس کا دوسرا نام

---

[1] تیسری صدی ہجری کے اواخر میں یعنی خلیفہ معتضد کے زمانہ میں ثابت بن قرہ صابئ نے صابئ مذہب کے فرائض وسنن وتجہیز وتکفین میت وقواعد نجاست وطہارت وحیوانات قربانی واوقات نماز پر ایک کتاب لکھی تھی، ابوالفرج ملطی، صفحہ ۲۶۵، کیا وہ یہی حصہ ہے؟

دیشومن بھی ہے، اس کے بعد اس کا دوسرا مظہر رسول حیاۃ یعنی ماند ہے، جس کی نسبت سے اس فرقہ کا "ماندمین" نام پڑا ہے اور جس کو وہ اپنا نجات دہندہ سمجھتے ہیں، ماند ماں ربا کا فرزند اول فرزند عزیز، رسول برتر اور کلمہ حیاۃ ہے۔

حیاۃ نے اس عالم ظاہری میں اپنے تین مددگار پیدا کیے، ہیبل، شتیل اور آنوس، یہ تینوں محافظ ارواح ہیں، آنوس کا دوسرا نام حی تلتیہائی (حیاۃ ثالثہ) ہے، عتیق یعنی قدیم بھی اس کو کہتے ہیں اور یہ دنیا اور آخرت کے بیچ میں عالم نور کی آخری سرحد پر رہتا ہے، اس دنیا سے اس دنیا میں جو جاتا ہے، یہ اپنی ترازو میں اس کے اعمال پہلے تول لیتا ہے، اس کے نیچے ایک تاریک غار میں میلا پانی تھا، جس میں اس کا عکس پڑا تو ایک صورت پتاہل نام مجسم ہوگئی، یہ پتاہل فرزند حیاۃ ثالثہ اس عالم مادی کا خالق ہے، اسی نے آدم وحوا کو پیدا کیا لیکن یہ کھڑے نہیں ہوسکتے تھے، اس لیے حیاۃ اولیٰ ہیبل شتیل اور آنوس کو بھیجا، انہوں نے ان کے اندر روح پھونکی اور ان کو خدا کے حکم سے تعلیم کیا کہ عالم نور کیا چیز ہے اور یہ کہ ان کا اصلی خالق پتاہل نہیں بلکہ خدائے برتر ہے، پتاہل کے تین اور سلسلہ مخلوقات ہیں، ایک ستارگان سیارہ، دوسرے منازل برج اور تیسرا سلسلہ اب تک غیر معین ہے۔

ستارگان سیارہ یہ ہیں، ایستر (اشتار) یعنی زہرہ، روح قدس بھی اس کا نام ہے، انبار (نبو) یعنی عطارد سن یعنی چاند کیوان یعنی زحل بیل یعنی مشتری نریگل (نرگال) یعنی مریخ ال یا ال[1] آل آفتاب جس کا دوسرا نام قادوش یعنی قدوس ادونائے ہے[2]، یہ تمام ستاروں کی ارواح کا مالک ہے اور اسی لیے اس کی جگہ ان کے وسط میں ہے، آسمان خالص پانی کا ایک سمندر ہے، جس میں یہ ستارے تیر رہے ہیں، شمالی قطب ستارہ ستاروں کا مرکزی آفتاب ہے جس کے اردگرد تمام اجرام سماویہ حرکت کررہے ہیں، وہ تاج زرنگار پہنے عالم

---

[1] ایل سامی زبانوں میں خدا کو کہتے ہیں۔ [2] اس عبری لفظ کے معنی ہمارے خداوند کے ہیں، یہود اصطلاحاً اس کو خدا کے لیے استعمال کرتے ہیں۔

نور کے دروازہ پر بیٹھا ہے، منادیین عبادت کرتے وقت اسی طرف رخ کرتے ہیں، زمانہ کے مختلف اجزا کر کے ہر زمانہ کی حکومت ایک خالص ستارے کے سپرد ہوتی ہے۔

ان کے یہاں روزوں کے دن بھی مقرر ہیں لیکن روزہ کے دن کے معنی صرف آرام کے دن کے ہیں، کیوں کہ فاقہ ان کے یہاں سخت ممنوع ہے[1] حکم ہے کہ ان دونوں میں مردوزن سب سپید کپڑے پہنیں اور تین وقت نہائیں، کسی جانور کو ان دنوں نہ ماریں اور نہ گوشت کھائیں، سہ شنبہ ان کا مقدس دن ہے، مذہبی عقائد کو غیروں سے چھپانا ان کا اولین اصول ہے، سب سے تعجب انگیز بات یہ ہے کہ ان کے مذہبی عقائد بنی اسرائیل کے عقائد اور اصول کے بالکل ضد قائم کیے گئے ہیں، تورات کے تمام بزرگوں کو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لے کر آخر تک سب کو کاذب اور مفتری پیغمبر سمجھتے ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں فرعون کی طرف داری کرتے ہیں، فرعون کو اپنا رہنما اور پیشوا جانتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ خدا کا صحیح مذہب اسی کے زمانہ میں مصر میں قائم تھا، جو مصری فرعون کے ساتھ ڈوبنے سے بچ گئے وہ قطب شمالی کی چھوٹی جنت میں آرام کررہے ہیں اور منادی جب کم ہوجاتے ہیں تو وہ آکر ان کی تعداد بڑھا دیتے ہیں، ابراہیم علیہ السلام جو (حضرت نوح علیہ السلام) کے چھ ہزار برس کے بعد آفتاب کے عہد حکومت میں ہوئے تھے، جھوٹے پیغمبر تھے، اس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی، صرف حضرت یحییٰ بن زکریا علیہ السلام سچے پیغمبر تھے جن کو یہودیوں نے قتل کردیا اور اسی کی پاداش میں وہ زمین میں پراگندہ کردیے گئے اور (حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جائے ولادت) دوزخ کا نام ہے، یہوا جو بنی اسرائیل کے خدا کا نام ہے، وہ یہو شمن کی صورت میں دوسرے درجہ کے خداؤں میں شامل ہے۔ (یہ تمام تفصیل انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، جلد ۱۷، صفحہ ۵۵۵ سے ماخوذ ہیں۔)

---

[1] پارسی مذہب میں بھی منع ہے۔

تبصرہ: ان صفحات کے پڑھ لینے کے بعد یہ بہ آسانی فیصلہ ہوسکتا ہے کہ قدیم مسلمان مصنفین کی تحقیقات اور جدید انکشافات تقریباً ایک ہی تصویر کے دورخ ہیں، خصوصاً قدما میں سے مجاہد، قتادہ حسن بصری اور ابن ندیم کا اور متاخرین میں علامہ ابن تیمیہ کا بیان نہایت محققانہ ہے، معلوم ہوتا ہے کہ صابئین کا اصلی مذہب کلدانی تھا، جس میں بابلی الاسما ستاروں کی پرستش اصل بنیاد ہے، ایران کی ترقی وحکومت کے عہد میں مجوسی مذہب کے مسئلہ نور وظلمت اور استیلائے ارواح نے ان پر سایہ ڈالا، اس کے بعد یونانی فلسفیوں کا دور آیا، انہوں نے ایران کو ہٹا کر اس کی جگہ خود لی، اس وقت ناسٹک فلسفہ نے ان پر اپنا اثر ڈالا، چنانچہ خلق عالم اور نظم کائنات کے اکثر مباحث اسی فلسفہ کے اوراق ہیں، اثبات وانکار کی حیثیت سے اسرائیلی پیغمبروں کے نام یہودیت کے آثار میں خصوصاً حضرت آدم علیہ السلام، حضرت حوا علیہا السلام، حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت شیث علیہ السلام کا ان میں مقبول ہونا دعویٰ کی کافی شہادت ہے اور اسی سبب سے ہمارے مؤرخین نے ان کو حضرت شیث علیہ السلام کی امت بتایا ہے، بپتسمہ، روح القدس اور کلمہ کا ان میں تخیل عیسائی تصور ہے۔

سب سے زیادہ تعجب انگیز اور حیرت زا اس مذہب کا وہ پہلو ہے جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی نسل کے دیگر پیغمبروں کی شدید مخالفت بلکہ عداوت پنہاں ہے، یہ حیرت زائی اور تعجب انگیزی ایک اہم نکتہ کی طرف ہماری رہبری کرتی ہے، یہ معلوم ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مولد بابل کا شہر اُور اور منشا شہر حران ہے، یہ وہ مقامات ہیں جو صابئیت کے مرکز اور درس گاہیں ہیں، اس بنا پر ہمارے مفسرین اور خصوصاً علامہ ابن تیمیہ کا یہ دعویٰ قابل قبول ہونا چاہیے کہ یہی وہ بدبخت قوم ہے جس میں خلیل بت شکن نے ظہور پایا تھا اور ان کے بتوں اور مورتوں کو توڑ کر ستارہ پرستی سے روکا تھا لیکن شومی قسمت نے ان کی دعوت قبول کرنے کے بجائے ان کا دشمن بنا دیا اور وہی دشمنی اور عداوت کا خمیر اب تک اس فرقہ کا عنصر بطور وراثت موجود ہے اور خدا جانے کتنے قدیم زمانہ سے اس نے عقیدہ کی صورت اختیار کرلی

ہے، غالباً یہی سبب ہے کہ نسل ابراہیم کی ایک بڑی شاخ (عرب) میں صابی کا لفظ مرتد، بے دین اور بد مذہب کے معنی میں مستعمل ہے، چنانچہ آغاز اسلام میں کفار کی طرف سے مسلمانوں کو یہی خطاب ملا تھا[1]، اس موقع پر پہنچ کر قرآن مجید کی اس آیت کی تفسیر عملاً ہماری آنکھوں کے سامنے نمایاں ہو جاتی ہے۔

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ (الممتحنہ ۶۰:۴)	ابراہیم اور اس کے ساتھیوں میں تمہارے لیے بہترین نمونہ اقتدا ہے جب انہوں نے اپنی قوم (بابل) سے کہا، ہم تم سے اور جن کو خدا کے علاوہ تم پوجتے ہو، ان سے الگ ہیں، ہم تمہارے منکر ہیں اور ہمارے تمہارے درمیان ہمیشہ کے لیے عداوت اور دشمنی پیدا ہو گئی، یہاں تک کہ تم ایک خدا پر ایمان لاؤ۔

لغوی تشریح: لفظ صابئ کی لغوی تشریح بھی کسی قدر تفصیل طلب ہے، کہتے ہیں کہ صبا عبری لفظ صبع کا آرمی تلفظ ہے، صبع عربی لفظ صبغ کے ہم معنی ہے جس سے عربی میں دوسرا لفظ اصطباغ بنا ہے، اس کے اصلی معنی نہانے اور دھونے کے ہیں اور اصطلاحاً بپتسمہ کے معنی میں بولا جاتا ہے، چوں کہ یہ فرقہ مذہباً دن میں کئی دفعہ غسل کرتا ہے اس لیے ان کا آرامی نام صابئ پڑا اور اسی سے عربی میں آیا لیکن ہمارے سامنے ایک اور لغوی تشریح اس سے زیادہ سہل اور بامعنی موجود ہے، اصل یہ ہے کہ سامی زبانوں میں صبا کا لفظ ستاروں کے مفہوم میں عام طور سے مستعمل ہے، عبرانی میں اس کے معنی جماعت ستارگان کے ہیں[2]، عربی میں صبا کے معنی ستارے کے طلوع ہونے اور نکلنے کے ہیں[3]، چنانچہ قاضی بیضاوی نے صابئ کا اشتقاق اسی لفظ سے کیا ہے۔

---

[1] صحیح بخاری باب غزوۃ العسیرۃ، باب اسلام ثمامہ وغیرہ [2] سیل کا ترجمہ قرآن کا مقدمہ وچیمبرس ٹوئنٹیتھ سنچری ڈکشنری، لفظ سپنس [3] لسان العرب، لفظ صبا۔

تنبیہ اہم: منادیین کے لیے صابئین کا لفظ سب سے پہلے ان کے دشمنوں نے استعمال کیا لیکن آپ تعجب سے سنیں گے کہ خلافت عباسیہ نے جب ان کے وطن عراق میں اپنا سیاسی مرکز قائم کیا تو انہوں نے نہایت فخر کے ساتھ خلیفہ مامون کے عہد میں اس لقب[1] کو اختیار کیا اور چوں کہ یہ یونانی زبان اور فلسفہ سے واقف تھے، اس لیے خلافت کے علمی صیغوں میں انہوں نے بڑے بڑے درجے حاصل کیے اور بعد کو ان میں عربی زبان کے اچھے اچھے ادیب بھی پیدا ہوئے اور اس کوشش میں کہ وہ حقیقت میں اہل کتاب ہیں، انہوں نے اپنے مذہب کی ایسی تجدید واصلاح کی کہ وہ اپنے کو اسلام کے قریب تر ثابت کر سکے، یہی سبب ہے کہ بعض علمائے اسلام نے ان کے عقائد وطرزِ عبادات کو اسلام سے قریب تر بیان کیا اور اس سے عیسائیوں کو یہ دھوکا ہوا کہ وہ سمجھے کہ اسلام کے بعض رسوم وعبادات ان ہی صابئین سے ماخوذ ہیں[2]، حالاں کہ یہ قطعاً غلط ہے اور خوشی کی بات ہے کہ اب ان حملہ آوروں کو بھی اپنے راستہ کی غلطی معلوم ہو رہی ہے[3]۔

مذہب صابئ اور قرآن مجید: قرآن مجید میں صابئ مذہب کا نام بقرہ، مائدہ اور حج تین سورتوں میں آیا ہے، اس کے علاوہ ان کے مذہب کا کوئی اور ذکر مذکور نہیں، چوں کہ ہم کو یہ معلوم ہو چکا ہے کہ ان کا اصل ابتدائی مذہب بعد کی آمیزشوں سے پہلے خدا کے اقرار کے ساتھ ساتھ ستاروں، روحوں اور ان کے مجسموں کی پرستش ہے تو بہ آسانی یہ تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ ان عقائد کی تردید وابطال میں قرآن مجید نے جو کچھ کہا ہے اس کا اصلی تخاطب ان ہی سے ہے۔

قرآن بتاتا ہے کہ صابئ قوم کی ہدایت واصلاح کے لیے سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام مامور ہوئے، تورات میں تصریح ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عراق کے شہر اور حران[4] سے تعلق تھا اور ان کا خاندان غیر خداؤں کو سجدہ کرتا تھا[5]، قرآن مجید حضرت

---

[1] مفاتیح العلوم خوارزمی طبع یورپ، صفحہ ۳۶ و کتاب الفہرست ابن ندیم [2] سورس آف القرآن سرولیم میور [3] انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، لفظ ''صابئین'' دی لٹریری ہسٹری آف پرشیا مصنفہ براؤن، ج ا، ص ۳۸۴

[4] تکوین [5] یوشع: ۲۴-۲۔

ابراہیم علیہ السلام کی زبانی ان ہی صابئی مجسمہ پرستوں کو خطاب کر کے کہتا ہے:

اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً (الانعام۶:۷۴)	کیا بتوں کو خدا ٹھہراتے ہو۔
مَاهٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَاعٰكِفُوْنَ (الانبیاء۲۱:۵۲)	یہ کیا مورتیں ہیں جن کو تم گھیرے رہتے ہو۔
اَتَعْبُدُوْنَ مَاتَنْحِتُوْنَ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ (الصافات۳۷:۹۵-۹۶)	جن کو تم اپنے ہاتھوں سے گڑھتے ہو ان ہی کو پوجتے ہو حالاں کہ تم کو اور تم جو بناتے ہو سب کو خدا نے پیدا کیا ہے۔
اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا وَّتَخْلُقُوْنَ اِفْكًا (العنکبوت۲۹:۱۷)	خدا کو چھوڑ کر بتوں کو پوجتے ہو جھوٹ گھڑ کر۔
يٰٓاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا (مریم۱۹:۴۴)	میرے باپ! شیطان کو نہ پوج، وہ خدا کا نافرمان ہے۔

ستارہ پرستی کی تردید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مکالمہ سب سے روشن دلیل ہے:

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًاقَالَ هٰذَا رَبِّيْ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَارَبِّيْ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ	جب اس پر رات نے پردہ ڈالا، ستارہ کو دیکھا، بولا یہ میرا خدا ہے، جب وہ چھپ گیا تو اس نے کہا، میں چھپ جانے والے کو پیار نہیں کرتا، جب چاند کو دیکھا کہا یہ میرا خدا ہے، جب وہ بھی ڈوب گیا بولا اگر میرا پروردگار ہدایت نہ کرتا تو میں گمراہوں میں ہوتا، جب آفتاب پر نظر پڑی بول اٹھا، یہی میرا پروردگار ہے، یہ سب سے بڑا ہے، جب وہ بھی ڈوب گیا کہا اے بھائیو! میں اس سے

وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (الانعام ۶: ۷۶-۸۰) برأت کرتا ہوں جس کو تم خدا کا شریک کہتے ہو میں اپنا منہ اس کی طرف کرتا ہوں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، میں مشرکوں میں سے نہیں۔

آیت کے آخری ٹکڑے سے ثابت ہوتا ہے کہ صابئ خدا کے منکر نہیں تھے بلکہ خدائی میں اوروں کو بھی شریک ٹھہراتے تھے، بابلی مذہب کی تفصیل کرتے وقت ہم نے بتایا ہے کہ یہ آیت:

فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُوْمِ (الصافات ۳۷: ۸۸) ایک نظر بھر کر ستاروں کو دیکھا۔

بھی اسی ستارہ پرستی کی طرف اشارہ ہے۔

عدنانی عربوں کی مذہبی حالت جہاں بیان ہوئی ہے بتایا گیا ہے کہ نزول قرآن کے وقت کس قبیلہ میں کون ستارہ پوجا جاتا تھا، عربوں نے دنیا کے تمام طبعی کاروبار کو ان ہی ستاروں کے طلوع و غروب کی طرف منسوب کر رکھا تھا[1]، ان کا خیال تھا کہ منازل قمر کے ۲۸ ستاروں میں سے ایک جب غروب ہوتا ہے تو دوسرا اس کے مقابل طلوع ہوتا ہے، وہ جب تک ڈوب نہ جائے اس کا عمل قائم رہتا ہے[2]، اس کو اپنی اصطلاح میں نوء (نکھتر) کہتے تھے، انواء اسی کی جمع ہے، صحیح بخاری میں ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''ارشاد الٰہی ہے کہ جو شخص یہ کہتا ہے کہ فلاں نوء کے سبب سے ہم پر پانی برسائے گئے وہ میرا منکر ہے اور ستارہ پر اس کا ایمان[3] ہے'' صحیح مسلم کی روایت ہے کہ یہ آیت اسی عقیدہ کی تردید میں ہے:

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ (الواقعہ ۵۶: ۷۵) ستاروں کے جائے غروب کی قسم۔

محقق مفسروں نے لکھا ہے کہ ان چیزوں کی خدا نے جو قسم کھائی ہے اس سے مراد

---

[1] کتاب الازمنہ والامکنہ امام مرزوقی، طبع حیدرآباد، جلد اول، صفحہ ۱۷۸ [2] فتح الباری، جلد اول، صفحہ ۲۳۴ بحوالہ کتاب الانوار ابن قتیبہ [3] صحیح بخاری، صلوٰۃ الاستسقاء۔

یہ ہے کہ وہ اس کی ہستی، قدرت اور کمال صنعت اور اپنی محکومی، بندگی اور غلامی کی خود گواہ اور شاہد ہیں، اس بنا پر ذیل کی آیت پاک سے اسی ستارہ پرستی کے بطلان کی طرف اشارہ سمجھئے:

وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا (الشمس ۹۱:۱-۲)	قسم ہے آفتاب اور اس کے دن چڑھنے کی اور چاند کی جب اس کے پیچھے چلے۔
وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ وَمَآ اَدْرٰكَ مَا الطَّارِقُ النَّجْمُ الثَّاقِبُ (الطارق ۸۶:۱-۳)	قسم ہے آسمان کی اور رات کے مہمان کی اور رات کا مہمان کیا ہے، چمکنے والا ستارہ۔

اہل تفسیر کہتے ہیں کہ چمکنے والے ستارہ سے مراد زحل ہے۔

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى (النجم ۵۳:۱)	قسم ہے اس ستارے کی جب وہ گرے۔

النجم عرب میں خاص ثریا کو کہتے ہیں، اس کے گرنے سے مراد افق رویت کے نیچے چلا جانا ہے اور یہ اہل عرب کے نزدیک آغاز موسم کی علامت ہے:

وَالْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ (الانشقاق ۸۴:۱۸)	قسم ہے چاند کی جب وہ کامل ہو جائے۔
فَلَآ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ (التکویر ۸۱:۱۵-۱۶)	قسم ہے ہٹنے والے، چلنے والے اور چھپنے والے ستاروں کی۔

اکثر ارباب تفسیر متفق ہیں کہ اس سے مراد سبع سیارہ ہیں۔

عام ستارہ پرستوں اور صابیوں میں فرق یہ ہے کہ وہ ان ستاروں کو درحقیقت خدا سمجھتے ہیں اور صابئ خدا کے اقرار کے ساتھ ان ستاروں کو خدا کا مظہر سمجھ کر ان کی عبادت و تعظیم کرتے ہیں، اسی لیے قرآن نے صابیوں پر خدا کے اقرار کے ساتھ ستارہ پرستی کا الزام قائم کیا ہے:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ (الحج ۲۲:۱۸)	کیا نہیں دیکھتے کہ "خدا" ہی کو سجدہ کرتا ہے آسمان اور زمین میں جو بھی ہے اور سورج اور چاند اور کل ستارے۔

وَمِنْ اٰيٰتِهِ الَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ (حٰم سجدہ ۴۱:۳۷)	رات، دن، سورج اور چاند سب خدا کی نشانیوں میں سے ہیں، سورج اور چاند کو سجدہ نہ کرو، اس خدا کو کرو جس نے ان کو پیدا کیا، اگر تم درحقیقت خدا ہی کو پوجتے ہو۔
وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَّجْرِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّاَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ (لقمان ۳۱:۲۹-۳۰)	اور چاند اور سورج کو اس نے مسخر کیا، ہر ایک اپنی مقررہ حد تک چل رہا ہے اور خدا تمہارے کاموں سے باخبر ہے، یہ اس لیے کہ ''حق'' وہی ہے اور اس کے سوا جس کو پکارتے ہو وہ باطل ہے، تم چاند اور سورج کو اس لیے پوجتے ہو کہ وہ بلند اور بڑے ہیں حالاں کہ واقعہ یہ ہے کہ وہی اللہ بلند اور بڑا ہے۔

بلندی اور بڑائی کے علاوہ سورج اور چاند کی عظمت کی تیسری دلیل ''روشنی'' ہے، اس لیے سورہ یونس میں فرمایا ہے:

هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا (یونس ۱۰:۵)	اسی نے آفتاب کو روشن اور چاند کو منور کیا۔

سورہ نوح میں ارشاد ہوا:

وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا (نوح ۷۱:۱۶)	اس نے آفتاب کو (خانہ کائنات کا) چراغ بنایا۔

آفتاب و ماہتاب کے مسخر الٰہی ہونے کی آیتیں قرآن میں بکثرت ہیں، سورہ رعد، ملائکہ، زمر، عنکبوت اور ابراہیم میں بالخصوص ہیں، اس بار بار کی تکرار سے ظاہر ہوتا ہے کہ آفتاب و ماہتاب پرستی کا رواج عرب میں کسی قدر زیادہ تھا، صابئین میں ارواح و ملائکہ پرستی کا رواج تھا، اسی لیے قرآن نے کہا:

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ يَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اَهٰٓؤُلَآءِ اِيَّاكُمْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ (سبا ۳۴: ۴۰-۴۱)

جس دن ان کو قبروں سے اکٹھا کرے گا پھر فرشتوں سے کہے گا کہ کیا تم ہی کو یہ پوجتے تھے، کہیں گے تو شرکت سے پاک اور ہمارا آقا ہے، بلکہ یہ جنوں کو پوجتے تھے اور اکثر لوگ ان ہی پر ایمان رکھتے تھے۔

اس مطلب کی بعض اور آیتیں شرک کے بیان میں آئیں گی۔

حنفیت: صابئیت کے انکشاف حقیقت کے بعد حنفیت یا ملت حنیف کے معنی بالکل روشن ہو جاتے ہیں، ہمارے مفسرین کو اس باب میں اس لیے تزلزل رائے ہے کہ لفظ ''حنیف'' کی لغوی تحقیق میں انہوں نے قرآن مجید سے اعانت نہیں لی، ''حنیف'' حنف سے مشتق ہے، حنف کے معنی ہٹنے اور ٹیڑھے ہونے کے ہیں، حالاں کہ یہ مذہب حق ہے، اس کے معنی سیدھے ہونے کے ہونے چاہئیں، یورپین مصنف ہم کو بتاتے ہیں کہ سریانی میں اس کے معنی کافر کے اور عبرانی میں منافق کے ہیں[1] اور طعنہ دیتے ہیں کہ مقدس پیروان محمد نے اس کی لفظی تحقیق کی پرواہ نہیں کی[2] اور مشورہ دیتے ہیں کہ قبیلہ بنوحنیفہ کے جھوٹے پیغمبر مسلیمہ کے نام کو اس لفظ کا ماخذ بنائیں، یعنی یہ کہ مسلیمہ سے ''مسلم'' اور حنیفہ سے ''حنیف'' کا لفظ لیا گیا ہے[3]، یورپ کا مشرقی تبحر کا ظرف بایں ہمہ ادعائے وسعت بہرحال تنگ ہے، اس لیے اس کی ہم کو شکایت نہیں کہ مایۂ ناز فرنگ نہ صرف آغاز اسلام کی تاریخ سے ناآشنا بلکہ آئین زبان عرب سے بھی آگاہ نہیں[4]، دنیا میں کس نے اپنا امتیازی لقب دشمن کے نام و خاندان پر رکھا ہے؟ اصل یہ ہے کہ نری عربی دانی اور بات ہے اور اسلامی واقفیت اور چیز ہے:

---

[1] لائف آف محمدؐ، مارگولیوتھ، صفحہ ۱۱۶ [2] بحوالہ سابق [3] حنیف کا لقب اسلام سے پہلے عرب میں موجود تھا، مسلیمہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخیر عمر میں دعویٰ نبوت کیا تھا۔ [4] کسی عربی قاعدہ کے مطابق بنوحنیفہ سے حنیف اور مسلیمہ سے مسلم مشتق نہیں ہوسکتا۔

عشق بازان دیگراند وعشق سازان دیگراند آنچہ در فرہاد می بینیم در پرویز نیست

اہل عرب کے نزدیک حنیف حضرت ابراہیم علیہ السلام کا لقب تھا، اس لیے ان کے مذہب کا نام ملت حنیف انہوں نے رکھا تھا، عرب کے بعض نیک دل لوگ جو عرب کے تمام موجودہ مذاہب بت پرستی، یہودیت اور عیسائیت کے مفاسد سے گھبرا کر تلاش مذہب میں نکلتے تھے وہ آخر اسی آستانہ دین حنیف پر آکر تسلی اور اطمینان پاتے تھے۔

لغوی تحقیق: حنیف حنف سے مشتق ہے، عربی میں اس کے معنی مڑنے اور جھکنے کے ہیں اس لیے حنیف وہ شخص ہے جو ایک طرف سے جھک کر اور مڑ کر دوسری طرف جائے، یہ لفظ اچھے اور برے دونوں معنی میں مستعمل ہوسکتا ہے[1]، اگر یہ فرض کیا جائے کہ اس نے اچھی بات کو چھوڑ کر بری بات اختیار کی ہے تو حنیف کے وہ معنی ہوسکتے ہیں جس میں عبرانی و سریانی میں وہ مستعمل ہے، یعنی کافر ومنافق اور اگر یہ سمجھا جائے کہ برے کام کو ترک کر کے اس نے کوئی اچھا کام پسند کیا ہے تو اس کا وہ مفہوم ہوگا جس میں اہل عرب اس کو بولتے ہیں، یعنی دین دار اور خدا پرست، اس بنا پر اس لفظ کے اچھے یا برے مفہوم کی تعیین موقع استعمال اور حرف صلہ سے ہوگی، اصل میں اس کا ابتدائی استعمال للّٰہ یا للدین کی تخصیص کے ساتھ ہوتا تھا، یعنی الحنیف للّٰہ خدا کی طرف جھکنے والا، الحنیف للدین سچے مذہب کی طرف جھکنے والا، کثرت استعمال اور زبان زدگی عام سے اس قید کی ضرورت نہ رہی اور مطلق حنیف (جھکنے والا) کے معنی بھی حنیف للّٰہ (خدا کی طرف جھکنے والا) یا حنیف للدین (سچے مذہب کی طرف جھکنے والا) ہی سمجھے جانے لگے، چنانچہ قرآن مجید میں اس لفظ کا دونوں طرح استعمال ہوا ہے، سورہ حج میں ہے حنفاء للّٰہ (خدا کی طرف مڑنے والے بن کر) لیکن سورہ بینہ میں بغیر صلہ کے آیا ہے مخلصین له الدین حنفاء (اپنے اعتقاد کو خدا کے لیے خالص کر کے مڑنے والے بن کر) یہاں حنفا کے معنی حنفاء للّٰہ سمجھنے چاہئیں۔

---

[1] لسان العرب۔

ہر زبان میں کثرت سے اس قسم کی مثالیں ملیں گی، بلکہ اصطلاحات عموماً اسی طرح بنتی ہیں، مثال کے لیے حنیف کے ہم معنی لفظ ''مسلم'' کو لیجیے، مسلم کے اصل معنی سونپنے والے ہیں، کوئی شخص اپنے دوست کو کسی دشمن کے حوالہ کردے تو عربی میں اس کو مسلم کہیں گے اور یہ مذموم معنی ہوں گے، اس کا ابتدائی استعمال مسلم للّٰہ اپنے کو خدا کے ہاتھ میں سونپ دینے والا تھا، جیسا کہ قرآن مجید کی اس آیت میں ہے:

بَلٰی مَنۡ اَسۡلَمَ وَجۡهَهٗ لِلّٰهِ (البقرہ۲:۱۱۲) ہاں جس نے اپنے کو خدا کے سپرد کیا۔

لیکن کثرت استعمال سے صرف مسلم رہ گیا اور معنی وہی مسلم للہ کے سمجھے جانے لگے اور اب کسی کو خطور بھی نہیں ہوتا کہ اس کا کوئی بڑا مفہوم بھی ہے۔

اصل یہ ہے کہ جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بعثت صابئ قوم کے اندر ہوئی تھی، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دلائل اور عمل دونوں طریقوں سے ان کے مذہب کی تردید کی، باطل پرستیوں سے سخت تنفر ظاہر کیا اور خدائے برحق پر ایمان لائے، اسی بنا پر انہوں نے خود یا بعد کو ان کے پیرووں نے اپنا لقب ''حنیف'' اختیار کیا، یعنی ستارہ پرستی وغیرہ سے مڑ کر خدا پرستی کی طرف آنے والا، اس قول کی صحت قرآن مجید کے موقع استعمال سے ثابت ہوتی ہے، ستارہ پرستی کی تردید میں ایک ایک ستارہ کو لے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اس کی ربوبیت سے انکار کرنا جہاں قرآن میں مذکور ہے، اس کے آخر میں ہے:

قَالَ يٰقَوۡمِ اِنِّىۡ بَرِىۡٓءٌ مِّمَّا تُشۡرِكُوۡنَ اِنِّىۡ وَجَّهۡتُ وَجۡهِىَ لِلَّذِىۡ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ حَنِيۡفًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ (الانعام۶:۷۸-۷۹)

(بالآخر) ابراہیم علیہ السلام نے کہا! لوگو میں ان سے بیزاری ظاہر کرتا ہوں جن کو تم خدا کا شریک ٹھہراتے ہو، میں اپنا منھ ان کی طرف سے پھیر کر اس ذات پاک کی طرف جھکتا ہوں جس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا، حنیف بن کر اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ اعلان گویا دین ابراہیمی کی تاریخ کا پہلا واقعہ ہے، اس اعلان کی یہ عبارت کہ "میں ہر طرف سے منہ پھیر کر خالق ارض وسما کی طرف منہ کرتا ہوں اور اس کے بعد یہ کہنا کہ حنیف بن کر، اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ انی وجهت وجهی للذی فطر السموٰات والارض اور حنیفا کے ایک ہی معنی ہیں، یعنی کہ جو ستارہ وغیرہ باطل پرستیوں سے ہٹ کر اللہ تعالیٰ کی طرف رخ کرے، قرآن مجید کی دو آیتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ حنیف کے معنی اول یہی ہیں:

وَاَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا (یونس۱۰:۱۰۵)	سچے مذہب کی طرف اپنا منہ کرو (باطل پرستیوں سے) منہ موڑ کر۔
فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا (الروم۳۰:۳۰)	پھیر اپنا منہ سچے مذہب کی طرف، سیدھا کرو (باطل پرستوں سے) منہ موڑ کر، خدا کی یہ بنائی ہوئی فطرت ہے جس پر ان لوگوں کو پیدا کیا۔

بعد کو بڑھتے بڑھتے اس لفظ کے معنی زاہد و عابد و دین دار کے ہو گئے۔

جاہلی شاعر جران العود کا شعر ہے:

وا درکن اعجازاً من اللیل بعد ما	اقام الصلوٰة العابد المتحنف
سواریوں نے رات کے آخری حصہ کو پالیا	جب کہ عابد دین دار اپنی نماز ادا کر چکا

جاہلیت کا مشہور شاعر ابوذ ویب ہذلی کہتا ہے:

اقامت بہ لمبقام الحنیف	شهری جمادیٰ و شهری صفر

اس نے وہاں قیام کیا جس طرح دین دار (حنیف) جمادی کے دو مہینے اور صفر کے دو مہینے قیام کرتا ہے۔

یہ دونوں شعر لسان العرب میں ہیں۔

یہاں پہنچ کر ہم کو ایک دقیق نکتہ کی طرف توجہ دلانا ہے، معلوم ہو چکا ہے کہ "صابی" کے معنی عبری میں پاک اور طاہر کے ہیں لیکن عربی میں کافر کو کہتے ہیں، حنیف کا حال اس کے

بالکل ضد ہے، عبرانی و آرامی میں کافر و منافق کے ہم معنی اور عربی میں دین دار و موحد کے مرادف ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ دونوں لفظ مقابل کے فرقوں کے نام ہیں اور ان کے اچھے اور برے مفہوم صرف مذہبی اتحاد مخالفت پر مبنی ہیں، یہی سبب ہے کہ مسلمان خود اپنے کو حنفا کہتے تھے لیکن کفار ان کو تعصب سے صباۃ (صابی کی جمع) کا لقب دیتے تھے۔

قرآن مجید کی آیتوں پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حنیف کا مقابل مشرک ہے، اسی بنا پر قرآن مجید میں جہاں جہاں حنیف کا لفظ آیا ہے، اس کے ساتھ ساتھ شرک کی نفی بھی کی گئی ہے:

حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (الانعام ۶:۷۹)	موحد بن کر اور میں مشرکوں میں نہیں۔
حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ (الحج ۲۲:۳۱)	خدا کے موحد بن کر نہ مشرک۔
وَاَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (یونس ۱۰:۱۰۵)	اپنا منھ سچے مذہب کی طرف کر موحد بن کر اور مشرکین میں سے نہ بنو۔
بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (البقرہ ۲:۱۳۵)	بلکہ ابراہیم موحد کا مذہب، وہ مشرکوں میں سے نہ تھا۔
فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (آل عمران ۳:۹۵)	ابراہیم موحد کے مذہب کی پیروی کرو، وہ مشرکوں میں سے نہ تھا۔
وَلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (آل عمران ۳:۶۷)	بلکہ ابراہیم موحد مسلم تھا اور مشرکوں میں سے نہ تھا۔
دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (الانعام ۶:۱۶۱)	پکا مذہب ابراہیم موحد کا اور وہ مشرکوں میں نہ تھا۔
اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (النحل ۱۶:۱۲۰)	ابراہیم پیشوا تھا، متواضع اور خدا کا موحد اور مشرکوں میں سے نہ تھا۔

اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (النحل ۱۶:۱۲۳)

ابراہیم موحد کے مذہب کی پیروی کر اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھا۔

ان آیتوں سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مذہب دراصل حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تھا اوران ہی کی یادگار کے طور پر ان کی نیک دل اولاد میں اس کا کسی قدر حصہ باقی رہ گیا، یہود اور نصاریٰ مسلمانوں کو کہتے تھے، مذہب حق تو یہودیت یا عیسائیت ہے، یہ تیسرا کون سا مذہب ہے؟ قرآن نے جواب دیا کہ یہ دونوں تو بعد کی شاخیں ہیں، اصل مذہب وہ ہے جس کی دعوت ''قوموں کے باپ'' ابراہیم علیہ السلام نے دنیا کو دی[1]:

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (البقرہ ۲:۱۳۵)

انہوں نے کہا کہ یہودی یا عیسائی ہو جاؤ تو راہ راست پاؤ، کہو کہ نہیں بلکہ ابراہیم موحد کا مذہب اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھا۔

فرماتا ہے:

اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْنَصٰرٰى قُلْ ءَ اَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ (البقرہ ۲:۱۴۰)

تم کہتے ہو کہ ابراہیم اور اسماعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور اولاد یعقوب یہودی یا عیسائی تھے، کہو کہ تم زیادہ جانتے ہو یا خدا اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو خدا سے اپنی شہادت چھپاتا ہو۔

یعنی ظاہر ہے کہ یہودیت اور عیسائیت ان پیغمبروں سے بہت بعد کی چیزیں ہیں، اس لیے اسلام اس اصلی اور سچے مذہب کا داعی ہے جو ان پچھلی آمیزشوں سے پاک ہے:

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهِيْمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ (البقرہ ۲:۱۳۰)

بیوقوف کے سوا اور کون مذہب ابراہیم سے پھرے گا۔

---

[1] توراۃ میں ہے کہ ابراہیم کے لفظی معنی قوموں کے باپ کے ہیں۔

کیوں کہ:

مَاكَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَانَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا وَمَاكَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (آل عمران ۳:۶۷)

ابراہیم نہ یہودی تھا نہ عیسائی، بلکہ موحد مسلم تھا اور مشرکوں میں سے نہ تھا۔

اور اے اسماعیلی عربو! یہی:

مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ (الحج ۲۲:۷۸)

مذہب تمہارے باپ ابراہیم کا ہے۔

باپ کی یہ وراثت بیٹوں میں موجود تھی، اس مذہب کے قبول کی رسمی علامتوں میں سے سب سے بڑی علامت ختنہ ہے، جو اولادِ ابراہیمؑ کے ساتھ مخصوص ہے، عربوں میں یہ رسم ہمیشہ سے موجود تھی، عبادت کی چیزوں میں بیت الوہیم یعنی بیت اللہ کا طواف، دین ابراہیمی کی سب سے پرانی یادگار ہے، عرب نے اپنے باپ کی اس یادگار کو بھی ہمیشہ باقی رکھا، باقی توحید وغیرہ کے اصلی عقائد وہ اکثر سینوں سے مٹ کر محو ہو گئے تھے، اسی بنا پر عرب میں حنیف کے معنی صرف یہ رہ گئے تھے کہ ''جو مختون ہو اور جس نے حج کیا ہو[1]''۔

اسلام سے کچھ پہلے جب یہودی اور عیسائی مذہب عربوں میں فروغ پانے کے لیے ہر طرح سے کوشاں تھے، پرانے مذہب کو جس کا صرف ڈھانچہ رہ گیا تھا، بعض نیک دل اور نکتہ فہم عربوں نے نئے سرے سے زندہ کرنا چاہا لیکن اس کی صورت اس قدر مسخ ہو گئی تھی کہ خود صناعِ عالم کی کارفرمائی کے بغیر انسانی مسیحائی اس کو حیاتِ ثانی نہیں بخش سکتی تھی۔

آغازِ اسلام میں جن چند نیک لوگوں کے نام حنفا کے لقب سے لیے جاتے ہیں، وہ خود اپنے مذہب سے آگاہ نہ تھے اور حق کے متلاشی تھے، قس بن ساعدہ، ورقہ بن نوفل، عثمان ابن حویرث، امیہ بن صلت، زید بن عمرو بن نفیل، قیس بن نشبہ، عبداللہ بن جحش وغیرہ بت پرستی سے بیزار ہو کر حق کی راہ ڈھونڈتے ڈھونڈتے یا عیسائی ہو گئے (مثلاً قس اور ورقہ) یا اصل

---

[1] لسان العرب لفظ ''حنیف''۔

حنیفی مذہب کی تلاش میں سر ٹکرا کر مر گئے (مثلاً زید اور امیہ) اور یا اسلام کی روشنی جب چمکی تو حق کو دیکھا اور دین حنیف کا سراغ پایا اور قبول کیا (مثلاً عثمان اور عبداللہ بن جحش اور قیس بن نشبہ وغیرہ)۔

زمانہ جاہلیت میں ایسے متعدد شعرا گزرے ہیں جن کے کلام میں حق کی باتیں الفاظ کی تاریکی میں ستاروں کی طرح چمکتی ہیں، مثلاً لبید (قبل اسلام) زہیر، امیہ بن صلت، علاف بن شہاب التمیمی، قس بن ساعدہ الایادی وغیرہ شعرا کے کلام میں توحید، حشر ونشر اور محاسن اخلاق کی تعلیم ملتی ہے، آج کل کے بعض عرب عیسائی مصنفوں نے اس قسم کے عرب شاعروں کو عیسائی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے لیکن افسوس ہے کہ انہوں نے اپنی کوشش کی بنیاد ریت پر قائم کی اور ایک دلیل بھی وہ دعویٰ کی استواری میں پیش نہ کر سکے، میرے خیال میں یہ شعرا حنفی العقائد تھے، چنانچہ ان میں سے بعض کے کلام میں اس کی تصریح بھی ملتی ہے۔

لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ بعد کو بعض سادہ لوح مسلمانوں یا شریر لوگوں نے بہت سے جھوٹے شعر بنا بنا کر ان لوگوں کی طرف منسوب کر دیے ہیں، قرآن کی آیتیں لے کر ان کو موزوں کر کے ان کے نام سے شعر کہہ دیے ہیں، آج کل کے عربی داں عیسائی ان اشعار کو بڑی چالاکی سے اس ثبوت میں پیش کرتے ہیں کہ دیکھو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے شعرائے جاہلیت کے کلام کو الٹ پلٹ کر قرآن بنا دیا ہے، ان اشعار میں صحیح اور غلط اور سچے اور جھوٹے کی تمیز صرف عربی کی زبان کے باریک بیں اور نکتہ شناس ادیب ہی کر سکتے ہیں، جو جاہلین اور مولدین کے کلام کو بہ یک نظر دیکھ کر سمجھ لیتے ہیں کہ ان میں موتی اور پوت کون ہے؟

شرک: عرب کا سب سے وسیع الاثر مذہب شرک تھا، شرک کے یہ معنی ہیں کہ ایک خدا کو مان کر اس کی اعانت وامداد کے لیے اس کے اعوان وانصار کا یقین رکھا جائے۔

عرب میں زیادہ تر اسی عقیدے کے لوگ تھے، وہ گو ہر قسم کے دیوتاؤں اور دیبیوں کے قائل تھے، بتوں کو سجدہ کرتے تھے، جنات اور فرشتوں کو نذر چڑھاتے تھے، تاہم

ایک قوت اعظم کے وجود سے وہ بے خبر نہ تھے، ان صد ہا معبودوں کے جھرمٹ میں ان کو وہ جلوہ اقدس بھی نظر آتا تھا، جس کو وہ اللہ کہتے تھے، آسمان وزمین کی پیدائش اور اس کارخانہ فطرت کے اور بڑے بڑے کام اسی کے دست قدرت کا نتیجہ سمجھتے تھے، یہی سبب ہے کہ شعرائے جاہلیت کے کلام میں زیادہ تر اللہ ہی کا نام آتا ہے اور اسی کی طرف تمام افعال کی نسبت ہوتی ہے، گو اس کے ساتھ بتوں اور دیوتاؤں کے نام بھی جا بجا ان کے اشعار میں ملتے ہیں لیکن ان بتوں اور دیوتاؤں اور فرشتوں کو اللہ کے عزیز واقارب یا اس کی بارگاہ کے مقرب درباری جانتے تھے اور ان کی عبادت اور پرستش اس لیے کرتے تھے تا کہ وہ خوش ہو کر اللہ تعالیٰ کو ہم سے راضی رکھیں، قرآن مجید نے متعدد موقعوں پر کفار عرب کو ٹوکا ہے کہ جب اصلی قوت اللہ کے ہاتھ میں ہے تو اوروں کو کیوں پوجتے ہو؟ اور جب تم یہ مانتے ہو کہ آسمان، زمین، چاند، ستارے سب اسی کے بنائے ہیں تو ان کو خدا کیوں کہتے ہو؟

قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِالْحَقِّ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۢ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ سُبْحٰنَ اللّٰهِ	اگر تم کو علم ہے تو بتاؤ تو زمین اور زمین میں جو کچھ ہے یہ سب کس کا ہے؟ وہ کہیں گے خدا کا، کہو کہ پھر تم کیوں نہیں سمجھتے، ان سے پوچھو کہ سات آسمانوں کا اور عظیم الشان عرش کا مالک کون ہے؟ یہی کہیں گے کہ سب اللہ کا ہے، کہو کہ پھر اس سے ڈرتے نہیں، اگر جانتے ہو تو بتاؤ کہ وہ کون ہے جس کے ہاتھ میں ہر شے کی حکومت ہے اور وہ جس کو چاہتا ہے پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلہ میں کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا، جواب دیں گے یہ قدرت تو اللہ کی ہے، ان سے کہو کہ پھر تم کیوں بے عقل ہو گئے ہو، حق یہ ہے کہ سچی بات ہم نے ان کو پہنچادی اور وہ جھوٹے ہیں،

عَمَّا یَصِفُوۡنَ (المؤمنون۲۳:۸۴-۹۱)

نہ تو خدا نے کسی کو بیٹا بنایا اور نہ اس کے ساتھ کوئی اور خدا ہے، ورنہ ہر خدا اپنی مخلوقات کو الگ لے جاتا اور ایک دوسرے پر غالب آجاتا، یہ مشرکین جو باتیں بیان کرتے ہیں، خدا ان سے پاک ہے۔

ان آیات میں مشرکین کے عقائد کا بہ تفصیل ذکر ہے، ولدیت کی اس میں جو تردید ہے وہ عیسائیوں سے متعلق نہیں بلکہ مشرکین کے متعلق ہے، وہ فرشتوں کو خدا کے فرزند سمجھتے تھے، دوسری آیتوں میں اس کی توضیح آئے گی، آیات ماسبق کے ہم معنی یہ آیتیں بھی ہیں:

قُلۡ مَنۡ یَّرۡزُقُکُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ اَمَّنۡ یَّمۡلِکُ السَّمۡعَ وَالۡاَبۡصَارَ وَمَنۡ یُّخۡرِجُ الۡحَیَّ مِنَ الۡمَیِّتِ وَیُخۡرِجُ الۡمَیِّتَ مِنَ الۡحَیِّ وَمَنۡ یُّدَبِّرُ الۡاَمۡرَ فَسَیَقُوۡلُوۡنَ اللّٰہُ فَقُلۡ اَفَلَا تَتَّقُوۡنَ (یونس۱۰:۳۱)

پوچھو تم کو آسمان اور زمین سے کون رزق دیتا ہے، کون تمہارے حاسۂ سمع اور حاسۂ بصارت پر قدرت رکھتا ہے، کون ذی حیات چیز سے مردہ (جامد) شے اور مردہ (جامد شے) سے ذی حیات چیز پیدا کرتا ہے اور کون دنیا کا انتظام چلاتا ہے، جواب دیں گے اللہ، کہو کہ پھر اس سے ڈرتے نہیں؟

مشرکین کو اس بات سے چڑھ تھی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تنہا اللہ کا نام کیوں لیتے ہیں، اس کے ساتھ دیوتاؤں کو کیوں شریک نہیں کرتے:

وَاِذَا ذَکَرۡتَ رَبَّکَ فِی الۡقُرۡاٰنِ وَحۡدَہٗ وَلَّوۡا عَلٰۤی اَدۡبَارِہِمۡ نُفُوۡرًا (بنی اسرائیل۱۷:۴۶)

جب تو اپنے پروردگار کا نام تنہا قرآن میں لیتا ہے تو وہ پیٹھ پھیر کر بھاگتے ہیں۔

وَاِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَحۡدَہُ اشۡمَاَزَّتۡ قُلُوۡبُ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَۃِ وَاِذَا ذُکِرَ الَّذِیۡنَ مِنۡ دُوۡنِہٖۤ اِذَا ہُمۡ یَسۡتَبۡشِرُوۡنَ (الزمر۳۹:۴۵)

جب تنہا خدا کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل جن کو آخرت کا یقین نہیں کڑھنے لگتے ہیں اور جب ان کے سوا اوروں کا نام لیا جاتا ہے تو وہ خوش ہو جاتے ہیں۔

إِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ وَإِنْ يُشْرَكْ بِهٖ تُؤْمِنُوا (المومن ۴۰:۱۲)

جب تنہا خدا کا نام پکارا جاتا ہے تو تم انکار کر بیٹھتے ہو اور اگر اس کا کسی کو شریک کیا جائے تو مانتے ہو۔

سورہ نمل میں نہایت بلیغانہ انداز میں قرآن نے خدا کی مختلف قدرتوں اور صفتوں کو گنایا ہے اور ہر فقرے کے بعد پوچھا ہے إِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور خدا بھی ہے؟ ان آیتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ خدائے برحق کے قائل تھے، اب ذیل کی آیتوں سے ثابت ہوگا کہ وہ دیگر معبودوں کا کیا رتبہ سمجھتے تھے، ان کو کس نظر سے پوجتے تھے:

وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ (یونس ۱۰:۱۸)

خدا کے سوا وہ اس کو پوجتے ہیں جو نہ ان کو نقصان پہنچاتا ہے نہ فائدہ اور کہتے ہیں کہ یہ ہمارے معبود اللہ کے یہاں ہمارے سفارشی ہیں۔

سورۂ زمر میں ہے:

وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهٖ أَوْلِيَاءَ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى (الزمر ۳۹:۳)

اور جن لوگوں نے خدا کے سوا اوروں کو مددگار بنایا اور جو کہتے ہیں کہ ہم تو ان کو اس لیے پوجتے ہیں کہ وہ خدا سے ہم کو قریب کر دیں۔

فرشتوں کے متعلق ان کا اعتقاد یہ تھا کہ یہ اللہ کی بیٹیاں ہیں اور اسی لیے ان کو عورت فرض کرتے تھے، قرآن نے کہا:

أَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْأُنْثٰى تِلْكَ إِذًا قِسْمَةٌ ضِيزٰى إِنْ هِيَ إِلَّا أَسْمَاءٌ سَمَّيْتُمُوهَا أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ (النجم ۵۳:۲۱-۲۳)

کیا تمہارے بیٹا ہو اور اللہ کے بیٹی ہو، یہ تو نامنصفانہ تقسیم[1] ہے، یہ فقط چند نام ہیں جن کو تم نے اور تمہارے باپ داداؤں نے رکھ لیا اور خدا نے ان کی کوئی دلیل نہیں اتاری۔

---

[1] اہل عرب لڑکی سے ناراض ہوتے تھے اور نہیں چاہتے تھے کہ گھر میں لڑکی پیدا ہو، گویا لڑکی کو برا سمجھتے تھے اور لڑکے کو پسند کرتے تھے لیکن خدا کے بارے میں ان کا اعتقاد الٹا تھا، یہ اس کی تردید ہے۔

پھر آگے چل کر خدا فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ لَیُسَمُّوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ تَسْمِیَةَ الْاُنْثٰی (النجم۵۳:۲۷)

جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ فرشتوں کا نام عورت کا رکھتے ہیں۔

سورۂ طور میں ہے:

اَمْ لَهُ الْبَنٰتُ وَلَكُمُ الْبَنُوْنَ (الطور۵۲:۳۹)

کیا اس کے لڑکیاں ہوں اور تمہارے لڑکے ہوں۔

سورۂ انبیا کی آیت:

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ (الانبیاء۲۱:۲۶)

یہ مشرک کہتے ہیں کہ خدا نے لڑکا بنایا ہے نہیں بلکہ وہ معزز بندے ہیں۔(یعنی فرشتے)

مشرکین بھوت پریت اور جنات کے بھی قائل تھے، ان کو خدا یا خدا کے ہم پایہ سمجھتے تھے، ان کی دہائی مانگتے تھے اور ان کے غضب سے ڈرتے تھے:

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِیْنَ وَبَنٰتٍۭ بِغَیْرِ عِلْمٍ (الانعام۶:۱۰۰)

اور جہالت سے جنوں کو خدا کا شریک بنایا حالاں کہ خدا ہی نے ان کو پیدا کیا ہے اور خدا کے لیے بیٹے بیٹیاں جھوٹ گھڑی ہیں۔

صحیح مسلم کی کتاب التفسیر میں ہے کہ ذیل کی آیت ان عربوں کی شان میں نازل ہوئی ہے جو جنات کی پرستش کرتے تھے:

اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ یَبْتَغُوْنَ اِلٰی رَبِّهِمُ الْوَسِیْلَةَ اَیُّهُمْ اَقْرَبُ وَیَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَیَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ (بنی اسرائیل ۱۷:۵۷)

وہ جن کو یہ مشرکین پکارتے ہیں ان میں سے (ان کے خیال میں) جو زیادہ مقرب ہیں، اپنے پروردگار کی طرف قربت کا ذریعہ ڈھونڈتے ہیں اور اس کی رحمت کے امیدوار اور اس کے عذاب سے خوف زدہ ہیں۔

سورۂ جن میں اللہ تعالیٰ نے جنوں کا مقولہ نقل فرمایا ہے:

وَّاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا (الجن۷۲:۶)

اور بات یہ تھی کہ کچھ انسان بعض جنوں کی دہائی مانگا کرتے تھے اور انہوں نے ان جنوں کو اور مغرور بنادیا۔

خدا اور جنات میں رشتہ ناتا کرتے تھے:

وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا (الصافات۳۷:۱۵۸)

خدا اور جنات میں رشتہ قائم کیا ہے۔

مشرکین عرب کو سب سے زیادہ دو باتوں کی تسلیم سے سخت انکار تھا، ایک حشر ونشر کے اعتقاد اور دوسرے رسالت ونبوت کے دعوے سے، چنانچہ رہ رہ کر ان کو تعجب ہوتا تھا کہ ''کیا مر کر بھی کوئی جی سکتا ہے'' اور آدمی ہو کر بھی کوئی خدا کا فرستادہ بن سکتا ہے، قرآن مجید نے متعدد آیتوں میں ان کے تعجب اور اچنبھے پن کو نقل کیا ہے:

مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ اَيَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَّعِظَامًا اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ (المؤمنون۲۳:۳۳-۳۷)

یہ تو تمہاری ہی طرح ایک آدمی ہے، جو تم کھاتے ہو وہ وہ کھاتا ہے، جو تم پیتے ہو وہ وہ پیتا ہے، اگر اپنی ہی طرح کے ایک آدمی کی تم نے پیروی کی تو تم اس وقت گھاٹے میں رہو گے، کیا تم سے یہ شخص کہتا ہے کہ جب تم مر جاؤ گے اور مٹی اور ہڈی ہو جاؤ گے تو پھر (قبروں سے) نکالے جاؤ گے، تم سے جو کہا جاتا ہے وہ ناممکن ہے، یہ تو اسی دنیا کی زندگی ہے، مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہم دوبارہ نہیں اٹھائے جانے والے ہیں۔

اسی سورہ میں آگے بڑھ کر ہے:

قَالُوْٓا ءَ اِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَ اِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا هٰذَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ (المؤمنون ۲۳: ۸۲-۸۳)

وہ کہتے ہیں کہ کیا جب ہم مرجائیں گے اور مٹی اور ہڈی ہو جائیں گے تو پھر اٹھائے جائیں گے، یہ بات تو ہم سے اور ہمارے بزرگوں سے بھی پہلے کہی گئی ہے، یہ صرف اگلوں کی کہانیاں ہیں۔

یہی آیت تھوڑے تغیر کے ساتھ سورۂ صٰفٰت اور سورۂ واقعہ میں ہے، سورۂ مطففین میں ہے:

اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ (المطففین ۸۳: ۴)

کہ ان کو یہ گمان نہیں کہ وہ دوبارہ اٹھائے جائیں گے۔

سورۂ ق میں ہے:

بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَيْءٌ عَجِيْبٌ ءَ اِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ذٰلِكَ رَجْعٌ ۢ بَعِيْدٌ (ق ۵۰: ۲-۳)

بلکہ ان کو تعجب ہے کہ ان ہی میں سے ایک ڈرانے والا بن کر ان کے پاس آیا، کافر کہتے ہیں یہ تو تعجب کی بات ہے، کیا ہم جب مرجائیں گے اور مٹی ہو جائیں گے، یہ واپسی تو مشکل ہے۔

قرآن مجید میں مشرکین کے ان اعتقادات کی تردید وابطال کی اس قدر آیتیں ہیں کہ ان کا استقصا کرنا گویا قرآن کو ایک صفحہ میں جمع کرنا ہے، تاہم ان سیکڑوں آیتوں میں جو اصولی باتیں مذکور ہوئی ہیں وہ یہی ہیں۔

دہریت: قرآن مجید کی ان آیتوں سے:

وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ (الجاثیہ ۴۵: ۲۴)

اور کہتے ہیں کہ نہیں ہے لیکن یہی ہماری دنیا کی زندگی، مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہم کو نہیں مارتا ہے لیکن زمانہ۔

اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ (المومنون ۲۳:۳۷)	یہی ہماری دنیاوی زندگی ہے اور بس مرتے ہیں اور جیتے ہیں (یہی سلسلہ ہے) ہم دوبارہ زندہ کیے جانے والے نہیں۔

بعض صاحبوں نے استدلال کیا ہے کہ عرب کچھ دہریہ بھی تھے۔

بت پرستی: گذشتہ صفحات میں تفصیل گزر چکی ہے کہ عرب میں بت پرستی کا شیوع تھا، مٹی، پتھر اور لکڑی کی مورتیں بنائی جاتی تھیں، ان کی پوجا ہوتی تھی، قرآن میں ان بتوں کے لیے چار الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں، اصنام، اوثان، انصاب، نصب، تماثیل، خاص اہل عرب کے بتوں کے لیے ایک دفعہ صرف دوسرا اور دو دفعہ تیسرا لفظ آیا ہے۔

عرب میں بت مٹی کے بنتے تھے:

اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ يُنْشِرُوْنَ (الانبیاء ۲۱:۲۱)	کیا یہ کافر مٹی سے بنا کر (پتلا) اٹھاتے ہیں، اس کو خدا بناتے ہیں۔

لکڑی وغیرہ اور چیزوں سے بھی یہ بت تیار ہوتے تھے:

وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ (النحل ۱۶:۲۰-۲۱)	خدا کے سوا جن کو یہ پکارتے ہیں وہ تو کچھ نہیں بنا سکتے، البتہ وہ خود بنائے جاتے ہیں، بے جان ہیں ذی روح نہیں۔
اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْـًٔا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ (الحج ۲۲:۷۳)	خدا کے سوا جن کو تم پکارتے ہو وہ تو ایک مکھی پیدا نہیں کر سکتے، اگرچہ اس کام میں سب مل جائیں اور اگر مکھی ان سے کچھ چھین لے تو وہ اس کو پھر چھڑا نہیں سکتے۔
اَيُشْرِكُوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّلَآ	خدا کا شریک اس کو بتاتے ہیں جو کچھ نہیں بنا سکتا ہے اور وہ خود بنائے جاتے ہیں، نہ اپنے

اَنۡفُسَهُمۡ يَنۡصُرُوۡنَ وَاِنۡ تَدۡعُوۡهُمۡ اِلَى الۡهُدٰى لَا يَتَّبِعُوۡكُمۡ سَوَآءٌ عَلَيۡكُمۡ اَدَعَوۡتُمُوۡهُمۡ اَمۡ اَنۡتُمۡ صَامِتُوۡنَ اِنَّ الَّذِيۡنَ تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمۡثَالُكُمۡ فَادۡعُوۡهُمۡ فَلۡيَسۡتَجِيۡبُوۡا لَكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ اَلَهُمۡ اَرۡجُلٌ يَّمۡشُوۡنَ بِهَاۤ اَمۡ لَهُمۡ اَيۡدٍ يَّبۡطِشُوۡنَ بِهَاۤ اَمۡ لَهُمۡ اَعۡيُنٌ يُّبۡصِرُوۡنَ بِهَاۤ اَمۡ لَهُمۡ اٰذَانٌ يَّسۡمَعُوۡنَ بِهَا (الاعراف ۷:۱۹۱-۱۹۵)

پرستاروں کی وہ مدد کر سکتے ہیں اور نہ خود اپنی آپ مدد کر سکتے ہیں، اگر ان کو رہنمائی کی طرف بلاؤ تو وہ تمہاری پیروی نہ کریں، ان کے لیے برابر ہے کہ تم ان کو پکارو یا چپ رہو، خدا کے سوا جن کو تم پکارتے ہو وہ تمہاری ہی طرح بندے ہیں، ان کو پکارو دیکھو وہ جواب تو دیں، اگر تم سچے ہو، کیا ان کے پاؤں ہیں جن سے چل سکیں، ہاتھ ہیں جن سے پکڑ سکیں، آنکھیں ہیں جن سے دیکھ سکیں یا ان کے کان ہیں جن سے سن سکیں۔

اہل عرب اپنے ان ہی گونگے، بہرے، لولے اور لنگڑے خداؤں کو پوجتے تھے، ان کے لیے قربانی کے چڑھاوے چڑھائے جاتے تھے، ان کے آگے فال کے پانسے ڈالتے تھے، قرآن نے ان کو حرام کیا:

وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَاَنۡ تَسۡتَقۡسِمُوۡا بِالۡاَزۡلَامِ (المائدہ ۵:۳)

جو جانور بتوں پر ذبح کیا گیا، حرام ہے اور یہ بھی کہ پانسوں کے ذریعہ سے حصہ بانٹو۔

وَالۡاَنۡصَابُ وَالۡاَزۡلَامُ رِجۡسٌ مِّنۡ عَمَلِ الشَّيۡطٰنِ (المائدہ ۵:۹۰)

یہ بت اور پانسے ناپاک ہیں، شیطان کے کاموں میں سے۔

قرآن میں اصنام کا ذکر: عرب کے جن اصنام کا ذکر اوپر کے صفحات میں کہیں گزرا ہے، ان میں سے چند قرآن مجید میں بھی مذکور ہیں، جن میں سے لات، عزیٰ اور مناۃ کا ذکر سورہ نجم میں آیا ہے:

اَفَرَءَيۡتُمُ اللّٰتَ وَالۡعُزّٰى وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الۡاُخۡرٰى (النجم ۵۳:۱۹-۲۰)

کیا تم نے لات، عزیٰ اور تیسرے بت منات کو دیکھا۔

سورۂ صافات میں بعل کا نام ہے:

اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّتَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخَالِقِيْنَ (الصافات ۳۷:۱۲۵) بعل کو پکارتے ہو اور اس سب سے اچھے پیدا کرنے والے کو چھوڑ دیتے ہو۔

سورۂ نوح میں ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کے نام آئے ہیں:

وَلَاتَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا (نوح ۷۱:۲۳) ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کو مت چھوڑو۔

ان کے پرستار قبائل: لات اور عزیٰ قریش کے دیوتا تھے، قاعدہ تھا کہ سونے سے پہلے قریش ان کا پوجا پاٹ کر لیتے تھے، تب سوتے[1]، قریش ان ہی کی قسم کھایا کرتے تھے[2]، منات کو اوس وخزرج سے خصوصیت تھی، وہ حج میں اسی کا طواف کرتے تھے[3]، حج میں ان تینوں کی جے پکاری جاتی تھی، قریش طواف کے وقت کہتے:

اللات والعزیٰ ومناة الثلاثة الاخریٰ تلك الغرانيق العلیٰ وان شفاعتهن لترجیٰ[4] لات اور عزیٰ اور تیسرے مناۃ بزرگ لوگ ہیں، ان کی سفارش کی امید ہے۔

سورہ نوح کے بتوں کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ عرب کے مختلف قبائل میں ان کی پرستش ہوتی تھی، ود قبیلہ کلب کا بت تھا، سواع کی ہذیل پرستش کرتے تھے، یغوث مراد اور بنی غطیف کے قبیلوں کا دیوتا تھا، یعوق ہمدان میں پجتا تھا، نسر حمیر کے خاندان ذی الکلاع کا معبود تھا[5]، بعل کی پرستش شام میں ہوتی تھی[6]۔

ان ناموں کی لغوی اور معنوی تحقیق: ان الفاظ کی ابتدائی صورتیں اور ان کے اصلی ماخذ اس قدر فراموش ہو گئے ہیں کہ بہ مشکل ان کی حقیقت کی تہہ تک پہنچا جا سکتا ہے، عربی

---

[1] مسند امام حنبل، ج ۴، ص ۲۲۲ [2] صحیح بخاری، تفسیر سورہ نجم [3] ایضاً [4] معجم یاقوت لفظ عزیٰ [5] صحیح بخاری، تفسیر آیت مذکورہ [6] تفسیر بیضاوی تفسیر صافات۔

زبان کے ائمہ لغت نے ان کی لغوی تحقیق ایک حد تک کی ہے اور آج کل کے مستشرقین بھی اس بنا پر اس کی دریافت کے مدعی ہیں کہ انہوں نے عرب اور دیگر اسلامی ممالک کے قدیم کتبات کا ایک ایک حرف پڑھا ہے اور عرب کی معاصر اور ہمسایہ قوموں کی زبان و تاریخ سے بھی واقفیت پیدا کی ہے، ذیل میں قدیم و جدید معلومات کے موازنہ کے ساتھ ایک ایک نام کی تحقیق کی کوشش کی جاتی ہے۔

۱- اللات: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور بعض دیگر راویوں سے مروی ہے کہ لات لت سے مشتق ہے جس کے معنی گھولنے کے ہیں (اردو میں اسی سے لتنا یا لت کرنا بنا ہے)، عرب میں ایک شخص تھا جو زمانہ حج میں ایک چٹان پر بیٹھ کر ستو گھول گھول کر حاجیوں کو پلایا کرتا تھا، اس کے مرنے کے بعد لوگوں نے اسی چٹان کو پوجنا شروع کر دیا اور اس کا نام لات یعنی گھولنے والا[1] رکھا لیکن اس بیان سے علاوہ اس کے کہ یہ ایک غیر معقول توجیہ ہے، یہ لازم آتا ہے کہ لات (بالتخفیف) کے بجائے لاتّ (تشدید کے ساتھ ہو) اور یہ قرأت متواتر کے خلاف ہے، یاقوت نے معجم میں اس کو لیت سے مشتق کیا ہے، جس کے معنی پھیرنے کے ہیں، لات یعنی مصیبتوں کا پھیرنے والا لیکن اس اصول پر اس کو لائت ہونا چاہیے اور ان دونوں نظریوں پر یہ اعتراض لازم آتا ہے کہ اس حالت میں تائے اصلی ہو اور تائے تانیث نہ ہو حالاں کہ یہ مؤنث ہے۔

مستشرقین یورپ نے بہ کمال لیاقت ہم کو یہ بتانا چاہا ہے کہ اللہ اور اللات ایک ہی لفظ کی دو صورتیں ہیں، اللہ مذکر دیوتا کے لیے قریش میں مستعمل ہوتا تھا اور اللات یعنی دیبی اس لفظ اللہ کی قریش نے تانیث بنائی تھی[2]، ان عقل مندوں سے پوچھنا چاہیے کہ اللہ کی تانیث عربی قواعد کے موافق اللات کیوں کر ہو سکتی ہے؟ اس کی تانیث اگر ممکن ہے تو اللٰہۃ

[1] صحیح بخاری تفسیر سورہ نجم مع فتح الباری [2] یہ جارج سیل، مترجم قرآن ولہوسن مترجم واقدی اور مارگولیوتھ مصنف محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تحقیق ہے، دیکھو سیل کا مقدمہ اور مارگولیوتھ، محمد صلی اللہ علیہ وسلم، ص ۱۵۔

چاہیے یا الالہتہ اللہ کی ہائے اصلی کیوں کرتانیث سے ساقط ہوگئی، اگر ہمارا مشورہ مستحق قبول ہوتو اس زمانہ لفظ کی پیدائش کے لیے عربی کی خشک سرزمین کے بجائے ملک شام کا سرسبز علاقہ مناسب ہوگا کیوں کہ عرب کے اکثر دیوتا ملک شام ہی کے باشندے تھے[1]، یہ معلوم ہو چکا ہے کہ ہیروڈوٹس مؤرخ نے مسیح سے چارسو برس پہلے عرب کے ایک دیوتا کا نام الیلات بتایا ہے حالاں کہ اس وقت قریش کا وجود بھی نہ تھا، اس لیے ان کی زبان کا لفظ بھی اس وقت موجود نہیں ہوسکتا۔

قدیم سامی زبانوں میں خدائی کے لیے ال یا ایل کا لفظ عام طور سے موجود تھا، تائے تانیث لگنے سے ایلوت ہوگیا، جس کے معنی دیبی ہوں گے، عربوں نے جب اس لفظ کو اختیار کیا تو اپنا الف لام تعریفی اس پر اضافہ کیا اور پہلے الف کو اپنے قاعدہ کے مطابق جیسا کہ اللہ میں ہوا ہے، گرا کر اللوات بنالیا اوراس سے اللات ہوگیا، کیا اس ''فیلالوجی'' کو ہمارے یورپین محققین پسند کرتے ہیں؟ لات کا نام نبطی کتبات میں ایلات کی صورت میں ملا ہے۔

۲- لفظ اللہ کے متعلق مارگولیوتھ صاحب کی تحقیق ، یہ اصل میں قریش کے خاندانی دیوتا کا نام تھا، اس لیے محمد کی توحید پرستی کے یہ معنی ہیں کہ انہوں نے دوسرے قبائل کے دیوتاؤں کو مٹا کر اپنے خاندانی[2] دیوتا کو منوایا، ''یورپ کے مشرقی تبحر علمی'' کی شرم ناک مثال ہے، سب سے پہلا سوال یہ ہے کہ اس عظیم الشان عربی زبان میں ''حقیقی خدا'' کے مفہوم کے لیے کوئی لفظ موجود نہ تھا، تم کہتے ہو کہ محمد سے پہلے عرب میں موحدین موجود تھے، بہتر ہے لیکن کیا وہ اپنے خدا کے لیے اللہ کے سوا کوئی اور لفظ پیش کرتے تھے؟ موجودہ عیسائی ادبائے عرب کے بیان کے مطابق عرب میں عیسائی شعرا بکثرت پیدا ہوئے ہیں، بات سچ ہے، عرب میں عیسائی شعرا ہوئے ہیں لیکن کیا ان کی زبان سے لفظ اللہ تم نے نہیں سنا؟ قرآن نے اللہ تعالیٰ کی صفات خود مشرکین کے اقرار کے مطابق جو بیان کیے ہیں وہ کیا کسی دیوتا پر

---

[1] ابن ہشام اصنام العرب، بخاری شریف فتح مکہ ومناقب قریش [2] محمد صلی اللہ علیہ وسلم، صفحہ ۱۹۔

صادق آسکتے ہیں؟ سب سے آخر یہ کہ اللہ کی اصل تو الالہ ہے، الہ تو صرف عربی میں نہیں بلکہ تمام سامی زبانوں میں خدا تعالیٰ ہی کے لیے مستعمل ہے، کم از کم الوہ اور الوہیم سے تو ناواقفیت نہ ہوگی، قریش اپنے دیوتاؤں کے مجسمے بنا کر پوجا کرتے تھے، کیا اس سب سے بڑے قریشی دیوتا کا بھی کہیں کوئی مجسمہ تھا؟

۳۔ العزیٰ، اس کے متعلق تو یہ ظاہر ہے کہ یہ (عز) سے مشتق ہے، جس کے معنی غلبہ کے ہیں، عز کا اسم تفضیل مؤنث عزیٰ ہے، یعنی بہت غالب آنے والی دیبی، عجب نہیں کہ یہ قریش اور ان کے ہم نسب قبائل کی لڑائی کی دیبی ہو اور غالباً یہی سبب ہے کہ جنگ احد میں جب مسلمانوں کو شکست ہوئی اور وہ کوہ احد پر چڑھ گئے تو ابوسفیان نے دامن کوہ میں کھڑے ہو کر مسلمانوں کو خطاب کر کے عزیٰ کی جے پکاری تھی کہ لنا العزی ولاعزی لکم ہماری طرف عزیٰ ہے تمہاری کوئی عزیٰ نہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے جواب میں فرمایا اللہ مولانا ولامولیٰ لکم اللہ ہمارا آقا ہے تمہارا کوئی آقا نہیں[1]۔

۴۔ مناۃ، اس لفظ کا اشتقاق چند ماخذوں سے ہوسکتا ہے، سب سے کمزور پہلو یہ ہے کہ وہ منی سے مشتق ہو، جس کے معنی بہانے کے ہیں، اسی سے مکہ کے مقام منیٰ کا نام ماخوذ ہے، یعنی خون بہانے کی جگہ، مناۃ بشاید قربانی کا دیوتا تھا، جس کے نام سے خون بہایا جاتا ہوگا لیکن بجز قیاس کے اس اشتقاق کی صحت کی اور کوئی دلیل نہیں، یاقوت نے اس کے مختلف اشتقاقات بتائے ہیں، ہمارے نزدیک ان میں سب سے صحیح یہ ہے کہ وہ منا سے مشتق ہے، اس کے معنی تقدیر کے ہیں اور اس کے معنی ثانی موت کے ہیں، صاحب لسان العرب نے بتایا ہے کہ اس میں ۃ فقط علامت تانیث کے لیے ہے، گویا "مناۃ" تقدیر اور موت کی دیبی تھی، نبطی کتبات میں یہی منات منوت کی صورت میں ہے، قرآن مجید میں بھی اس کا املا منوۃ ہے۔

---

[1] صحیح بخاری، غزوہ احد۔

۵- ود کے متعلق معلوم ہو چکا ہے کہ یہ ود سے ہے، جس کے معنی محبت کے ہیں اور اس کے مقابل دوسری دیبی نکرہ تھی جس کے ناپسندیدگی اور عداوت کے معنی ہیں، یہ بت بھی کتبات میں مذکور ہے، ایک خیال یہ بھی ہے کہ ود کی اصل اد ہے، بابلی میں آفتاب کو کہتے ہیں۔

۶- سواع، اس لفظ کا مشتق منہ کلام عرب میں نہیں ملتا، ممکن ہے کہ سوع سے مشتق ہو، جس کے معنی زمانہ کے ہیں۔

۷- یعوق، عوق سے (روکنا) مضارع کا صیغہ ہے، اہل یمن میں یہ بت پوجا جاتا تھا، ان کے یہاں صیغہ مضارع کو بطور علم استعمال کرنے کا خاص دستور تھا، چنانچہ یعرب، یشجب، یکرب، یعفر، یھرعش، یوہیمن وغیرہ اصلی نام کے ساتھ صفت کے طور پر مستعمل ہوئے ہیں[1]، یعوق کے معنی روکنا ہے، یعنی مصیبتوں کو روکتا ہے۔

۸- یغوث بھی یعوق کے قاعدہ سے علم ہے، غوث (فریاد کو پہنچنا) اس کا مصدر ہے، یغوث کے معنی فریادرسی کرنا ہے، یغوث دیوتا کا نام کتبہ میں بھی ملتا ہے۔

۹- نسر کے لغوی معنی گدھ کے ہیں، اسی شکل کا ایک مجموعہ کواکب آسمان میں ہے، جس کو نسر کہتے ہیں، نسر دیوتا کی حیثیت سے سامی قوموں میں بہت مدت سے پوجا جاتا تھا، اہل بابل کے دیوتاؤں میں ایک نسروک[2] تھا، اب بابل میں اس دیوتا کا مجسمہ بھی نکلا ہے۔

۱۰- بعل کی نسبت بہ تحقیق گزر چکا ہے کہ یہ دیوتا شام کا معبد تھا، قرآن نے بھی اسی ضمن میں اس کا ذکر کیا ہے، بعل کے لغوی معنی قوت کے ہیں، اسی سے مجازاً آقا کے معنی اور اس کے بعد شوہر کے معنی میں یہ لفظ مستعمل ہوا، چنانچہ دوسرے معنی میں یہ لفظ قرآن میں بکثرت آیا ہے، عرب کا مشہور دیوتا ہبل جو قریش کا خدائے اعظم تھا، اسی بعل کی تحریف ہے، عبرانی میں ھ کلمہ تعریف ہے، بعل کو ہبعل کہتے تھے، عمرو بن لحی شام کے دیوتاؤں کو جب عرب لے کر چلا تو مکہ پہنچتے پہنچتے ہبعل کی صورت ہبل سے بدل گئی۔

---

[1] دیکھو ارض القرآن، جلد اول میں شاہان سبا اور حمیر کے نام [2] میفر۔

ایک غیر مرفوع روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بت گذشتہ بزرگوں کے مجسمے تھے، جن کو اہل عرب نے بعد میں پوجنا شروع کردیا تھا،[1] ممکن ہے کہ ان میں سے بعض ایسے بھی ہوں لیکن زیادہ صحیح خیال یہ ہے کہ اصل میں یہ مختلف ستاروں کی خیالی صورتیں تھیں، نسر کے متعلق تو یہ تحقیق ثابت ہے کہ وہ ایک آسمانی شکل کا نام ہے، اسی پر دوسرے بتوں کو بھی قیاس کرنا چاہیے، بعد میں مرور زمانہ سے ان کی اصلیتیں ذہنوں سے اتر گئیں اور وہ صرف پتھر اور مٹی کا ڈھیر بن کر رہ گئے، چنانچہ لات، عزیٰ اور مناۃ کی یہی صورت تھی۔

نام	صورت
لات	گول سفید پتھر اور اس پر ایک عمارت بنی تھی۔
عزّیٰ	ایک درخت تھا، اس کے نیچے ایک بت تھا، چاروں طرف چہار دیواری تھی۔
مناۃ	پتھر کی ایک چٹان تھی۔

دوسرے بتوں کی مختلف صورتیں تھیں۔

ود دراز قد مرد کی صورت ایک تہمد کمر میں لپیٹے، ایک چادر اوڑھے، گلے میں تلوار حمائل، کمان لٹکی ہوئی، ایک طرف ترکش پڑا ہوا، سامنے نیزہ، اس میں جھنڈا بندھا ہوا، ستارہ جبار کی تقریباً یہی شکل ہے، سواع کی شکل عورت کی تھی، آسمان میں مرۃ سلسلہ ذات الکرسی وغیرہ عورتوں کی شکلیں ہیں، یغوث (فریادرس) کی شکل شیر کی تھی، ستارہ اسد ہوگا ایک فریادرس اور مددگار کی مورت شیر سے بہتر کیا خیال کی جاسکتی ہے، یعوق (مصیبتوں کو روکنے والا) کی صورت گھوڑے کی تھی، ستاروں کی ایک شکل فرس بھی ہے، عربوں کے نزدیک تو فرس حقیقتاً ان کے مصائب کا چارہ گر ہے، نسر ایک پرندہ کی شکل پر تھا، نسر طائر اور واقع ستاروں کی دو مشہور شکلیں ہیں، بابل میں نسروک کی جو سنگی مورت ملی ہے، وہ بالکل گدھ کی شکل ہے۔

ہبل قریش کا معبود اعظم تھا، اس کی انسان کی مورت تھی، عقیق سرخ سے بنایا گیا

[1] صحیح بخاری تفسیر سورہ نجم و سورہ نوح۔

تھا، اس کا داہنا ہاتھ ٹوٹا تھا، قریش کو اسی حالت میں ملا تھا، انہوں نے سونے کا ہاتھ بنوا کر لگایا تھا، یہودیوں کے بعل کی شکل بھی یہی تھی، فرق یہ ہے کہ یہ تمام تر سونے کا تھا، ہبل خاص خانہ کعبہ میں نصب تھا، فال کے پانسے[1] اسی کے آگے ڈالے جاتے تھے۔

اہل عرب دیوتاؤں کے نام زیادہ مؤنث رکھتے تھے، کیوں کہ ان کو مؤنث سمجھتے تھے، مثلاً لات، عزیٰ، مناۃ وغیرہ سب مؤنث ہیں، فرشتوں کو بھی بیٹیاں سمجھتے تھے، غرض خدائی کا کارخانہ زیادہ تر عورتوں ہی کے ہاتھ میں دے رکھا تھا، اسی لیے قرآن مجید نے کہا:

اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اِنٰثًا ۔ خدا کو چھوڑ کر یہ عورتوں (بی بیوں) کو پکارتے ہیں۔ (النساء ۴: ۱۱۷)

عرب کے بت یورپ کے ممالک میں: عجیب بات یہ ہے کہ توحید پرست عرب نے سب سے پہلے یورپ کے ملکوں میں روشنی پھیلائی، اسی طرح عرب کا تاریک زمانہ بھی یورپ کے بت پرستانہ عہد کا معلم ہے، عرب تاجروں کے ذریعہ سے یونان میں اور یونان سے یورپ کے دوسرے ملکوں میں عرب کے دیوتا سیاحت کرتے پھرتے تھے اور ان جاہل ممالک کے باشندے ان کے آگے سجدے میں گرے پڑتے تھے، کہتے ہیں کہ یونان کا دیوتا لیٹو عرب کے لات کی تحریف ہے، اسی طرح ہرمنس حریمان کی اور ڈوسینوس ذوالشریٰ کی مسخ شدہ صورتیں ہیں، یورپ کے بعض اساتذہ مشرقیات نے اس مبحث پر پرزور رسائل لکھے ہیں[2]۔

لفظ رحمٰن: خدا کے لیے رحمٰن کا لفظ اسلام سے پہلے عام طور سے عربوں میں مستعمل نہ تھا، اصل میں عبرانی لفظ ہے اور صرف یہود و نصاریٰ اور بعض دیگر ارباب مذہب اس کو بولتے تھے، چنانچہ یمن کے آخری کتبات[3] میں رحمٰن ہی کا نام ملتا ہے، سدعرم کے عیسائی کتبہ کا آغاز

---

[1] بتوں کی یہ شکلیں فتح الباری تفسیر سورہ نوح میں مذکور ہیں، ود اور ہبل کی تفصیلی شکل یاقوت نے معجم میں بیان کی ہے، بعل کی شکل معالم التنزیل بغوی کے حوالہ سے ہے۔ [2] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ج ۱، ص ۳۸۰ [3] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، مضمون سبا طبع یازدہم۔

بنعمة الرحمن الرحيم سے ہوتا ہے، اسی لیے اسلام نے جب ابتداءً رحمٰن کا نام لیا تو قریش کو اچنبھا ہوا کہ یہ کون نیا نام[1] ہے، صلح حدیبیہ میں جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عہد نامہ کی پیشانی پر بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھا تو قریش نے ماننے سے انکار کیا کہ ہم رحمٰن کو نہیں جانتے[2]۔

قرآن مجید میں قریش کے اس انکار کی تصریح مذکور ہے:

وَاِذَاقِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا (الفرقان ۲۵:۶۰)	جب ان سے کہا جاتا ہے کہ رحمٰن کو سجدہ کرو تو کہتے ہیں کہ رحمٰن کیا ہے، کیا تو جس کو کہے گا اس کو ہم سجدہ کریں گے، اس سے ان کی نفرت میں اور ترقی ہوتی ہے۔
وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ كٰفِرُوْنَ (الانبیا ۲۱:۳۶)	رحمٰن کی یاد سے وہ منکر ہیں۔

قرآن نے ان کو بتایا کہ خدا کے لیے تمام اچھے نام بولے جاسکتے ہیں، اللہ اور رحمٰن ایک ہی ذات کے مختلف نام ہیں:

قُلِ ادْعُوااللّٰهَ اَوِادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَيًّامَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى (بنی اسرائیل:۱۷:۱۱۰)	کہہ دو کہ خدا کہہ کے پکارو یا رحمٰن کہہ کر پکارو، اس کے لیے سب اچھے نام ہیں۔

قرآن کے ہر سورہ کا آغاز بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے ہوتا ہے، ہمارے مفسرین نے رحمٰن اور رحیم دو ہم معنی صفتوں کی یکجائی کی متعدد تاویلیں کی ہیں اور ان دونوں الفاظ کے معنی کے درمیان نہایت نازک اور دقیق فرق نکالے ہیں لیکن ہمارے نزدیک سب کوہ کاوی و موشگافی ہے، قرآن کے استعمال سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے رحمٰن کا استعمال بطور صفت کے نہیں بلکہ بطور علم کے کیا ہے، چنانچہ تمام قرآن میں ۵۳ دفعہ یہ نام خدا کے لیے آیا

---

[1] سیرت ابن ہشام [2] صحیح بخاری۔

ہے، اس بنا پر اس کو صفت قرار دینا صحیح نہیں ہے، سورہ اسرائیل کی اوپر والی آیت سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ رحمٰن خدا کی صفت نہیں بلکہ علم ہے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ عرب میں دو متضاد جماعتیں تھیں، جن میں سے ایک اپنے معبود کو اللہ اور دوسری رحمٰن کہتی تھی، اسلام ان دونوں کو یکجا کرتا ہے کہ تم جس کو اللہ کہتے ہو اور وہ جس کو رحمٰن کہتے ہیں، درحقیقت ایک ہی ذات کی دو تعبیریں ہیں اور یہ باہمی اختلاف محض نزاع لفظی ہے، اس بنا پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے معنی ہمارے نزدیک یہ ہیں "ہم اپنا کام اس خدا کے نام سے شروع کرتے ہیں جس کا دوسرا نام رحمٰن ہے اور جو رحمت والا ہے۔"

بسم اللہ اولاً و آخراً

۲۲ / رمضان المبارک ۱۳۳۶ / ہجری

مطابق ۲ / جولائی ۱۹۱۸ / عیسوی

اس کتاب کے جملہ حقوق نقل و ترجمہ دار المصنفین کے حق میں محفوظ ہیں۔
مہتمم صاحب کی اجازت کے بغیر کوئی اقدام نہ فرمایا جائے۔

قرآن مجید کی تفسیریں

چودہ سو برس میں

(قرآنیات پر خدا بخش سیمینار میں پڑھے گئے مقالات)

مکتبۃ قاسم العلوم